

سلسلہ تصوف نمبر ۱۷۱

اردو ترجمہ کتاب

عقائدِ مجدّدیہ

المسمّٰی بہ

الصّراط السّوی ترجمہ عقائدِ تورپشتی

مُصنفہٗ

جناب علّامہ شہاب الدّین تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ ۶۶۳ھ

مترجمہ مرتّبہ

علامہ زماں فاضلِ دوراں مقبول ایزدِ سبحان مولنا مولوی اختر محمد خاں صاحب رامپوری حنفی قادری نقشبندی مجدّدی خلیفۂ مجاز قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین مقبول الثقلین مولنا مولوی احمد حسین خاں صاحب امروہی حیدرآبادی نقشبندی مجدّدی دام بالفیض الخفی والجلی

مالک اللہ والے کی قومی دکان

ملک چنن الدین خلف الرشید ملک فضل الدین ککے زئی نقشبندی مجددی تاجر کتب منزل نقشبندیہ

کوچہ ککے زیاں، بازار کشمیری لاہور

نے بصرف زر کثیر بامحاورہ اُردو ترجمہ کرا کر نہایت صحت کے ساتھ چھپوائی

Price Rs. 2-10-0

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین و مطالب کتاب الصراط السوی ترجمہ اردو عقائد توربشتی

مترجمہ

جناب مولٰنا مولوی اختر محمد خاں صاحب متوطن برہان پور

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمۃ الکتاب از مترجم	۱	۲۳	محکمہ اولیٰ کا بیان	۱۶
۲	حمد و نعت	۱	۲۴	قدریہ، مرجیہ	۱۷
۳	علم کلام کی تعریف	۳	۲۵	بخاریہ یا بکریہ	۱۷
۴	علم کلام کی تدوین کا سبب	۴	۲۶	فرقہ اہل السنت والجماعت	۱۸
۵	افتراق امت کی حدیث	۵	۲۷	اہل السنت والجماعت کی تقسیم	۱۸
۶	فرقہائے ضالہ سے مراد کون ہیں	۶	۲۸	ارکان اربعہ اہل السنت	۱۹
۷	اختلاف امت کی دلچسپ کہانی	۷	۲۹	معرفت اسلام کا جاننا ضرور ہے	۱۹
۸	سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ	۸	۳۰	رکن اول	۱۹
۹	جھوٹے مدعیان نبوت	۹	۳۱	رکن دوم	۲۰
۱۰	واقعہ ہائلہ شہادت عثمانؓ	۱۰	۳۲	رکن سوم	۲۰
۱۱	امت میں ایک ناگفتنی اختلاف کی ابتدا	۱۱	۳۳	رکن چہارم	۲۱
۱۲	واقعہ جمل	۱۱	۳۴	اشاعرہ اور ماتریدیہ کی حقیقت	۲۲
۱۳	جنگ جمل کی کیفیت	۱۱	۳۵	بارہ مسئلے جن میں ماتریدی اور اشعری کے اختلاف ہے	۲۳
۱۴	جنگ صفین	۱۲			
۱۵	گمراہ فرقوں کی ابتدا	۱۳	۳۶	زمانہ موجودہ کی حالت اور جدید فرقوں کا احداث	۲۴
۱۶	خوارج کی تقسیم	۱۳			
۱۷	معتزلہ کی داستان	۱۳	۳۷	فرقہائے وہابیہ کے بعض عقائد	۲۶
۱۸	فرقہ سبائیہ	۱۴	۳۸	ختم نبوت سے انکار	۲۷
۱۹	فرقہائے روافض	۱۵	۳۹	آنحضرت کے وسعت علم سے انکار	۲۷
۲۰	نجاریہ یا باطنیہ، زیدیہ	۱۵	۴۰	امکان کذب باری تعالیٰ	۲۸
۲۱	امامیہ اور اُس کے فرقے۔	۱۶	۴۱	فرقہ مرزائیہ و فرقہ علیہ	۲۹
۲۲	فرقہائے خوارج	۱۶	۴۲	حبشی مہدی کا فرقہ	۲۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۳	فرقہ جبریہ کے عقائد	۳۰
۴۴	فرقہ نیچریہ کے عقائد و اطوار	۳۱
۴۵	موجودہ تراجم کی حالت	۳۴
۴۶	ترجمہ کتاب ہذا کی حقیقت	۳۵
۴۷	عقائد نورپشتی کہاں سے دستیاب ہوئی	۳۶
۴۸	آغاز ترجمہ کتاب ہذا	۳۹
۴۹	حمد	۳۹
۵۰ و ۵۱	نعت۔ و سبب تصنیف کتاب	۴۰
۵۲	پہلا باب خدا پر ایمان لانے میں اور اس میں دس فصلیں ہیں۔	۴۳
۵۳	پہلی فصل۔ ایمان کے معنے	۴۴
۵۴	دوسری فصل۔ خالق عالم کی شناخت	۴۵
۵۵	عوام کا ایمان۔	〃
۵۶	اصحاب علم کا ایمان۔	〃
۵۷	کاملوں کا ایمان۔	۴۶
۵۸	طریق معرفت خالق عالم۔	۴۷
۵۹	تیسری فصل۔ خالق عالم کے قدیم اور بے ہمتا ہونے کے بیان میں	۵۱
۶۰	چوتھی فصل۔ اثبات صفات باریتعالیٰ	۵۳
۶۱	پانچویں فصل۔ باریتعالیٰ کے اسما و صفات کی معرفت میں	۵۶
۶۲	نقشہ نود و نہ نام باریتعالیٰ	۵۷
۶۳	اللہ کی صفات نہ اُس کی عین ہیں نہ غیر	۷۲
۶۴	صفاتِ الٰہی میں تضاد و مغائرت نہیں	۷۳
۶۵	اسم کو غیر مسمیٰ کہنے والوں کی تغلیط	۷۵
۶۶	چھٹی فصل مراتب صفات اور اقسام مشکلات و متشابہات کا بیان	۷۶
۶۷	چند آیات و احادیث کی تاویلات	۷۹
۶۸	ساتویں فصل۔ کلام خدا مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔	۸۰
۶۹	مبتدعین کی تردید میں ایک مثال۔	۸۲
۷۰	قرآن غیر مخلوق اور کلام خدا ہے	۸۳
۷۱	آٹھویں فصل رویت الٰہی کا بیان	۸۴
۷۲	مرئی کی حقیقت	۸۶
۷۳	رویت الٰہی کے ثبوت میں قرآنی دلیل	۸۷
۷۴	ارنی انظر الیک کی تفسیر	۸۸
۷۵	دنیا میں رویت الٰہی ناممکن ہے	۸۹
۷۶	ابصار و ادراک کے معنے	۸۹
۷۷	کیا معراج کی رات آنحضرتؐ نے خدا کو دیکھا	۹۱
۷۸	اس مسئلہ میں مسلمانوں کا غلو ٹھیک نہیں	۹۲
۷۹	نویں فصل۔ قضا و قدر پر ایمان لانے اور ارادت و مشیت کا بیان	۹۳
۸۰	خیر و شر خدا کی تقدیر سے ہے۔	۹۳
۸۱	ایک لطیف اشارہ	۹۴
۸۲	قرآنی دلیلیں	۹۵
۸۳ و ۸۴	قدریہ کا خلاف اور جبریہ کا مذہب	۹۷
۸۵	قدریہ کی نسبت مجوس کے ساتھ	۹۸
۸۶	قدریہ کے ایک شبہ کا جواب	۱۰۰
۸۷	قضا کے معنے	۱۰۱
۸۸	قدریہ کے ایک اور شبہ کی تردید	۱۰۲
۸۹	قدریہ کیوں غلطی میں ہیں	۱۰۳
۹۰	قضا و قدر کے باب میں ایک حدیث	۱۰۴
۹۱	دسویں فصل۔ کلمہ شہادت کی شرح اور تنزیہ فی التوحید کا بیان	۱۰۵
۹۲	کلمہ توحید کی وجہ تسمیہ	۱۰۶
۹۳	پانچ قسم کا شرک	۱۰۷
۹۴	ایمانیات کی تفصیل	۱۰۸
۹۵	دوسرا باب فرشتوں۔ کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لانے اور موت کے بعد احوال آخرت کی تفصیل کا بیان	۱۱۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹۶	پہلی فصل لفظ نبوت کے معنی اور اس کے اثبات میں اور رسالت و نبوت میں فرق کا بیان۔	۱۱۰
۹۷	لفظ نبوت کی تحقیق۔	۱۱۰
۹۸	عبادت کیوں فرض ہے۔	۱۱۱
۹۹	بعثت انبیا کی ضرورت۔	۱۱۲
۱۰۰	اثبات نبوت	۱۱۳
۱۰۱	سحر و معجزہ کی تحقیق	۱۱۴
۱۰۲	ایک اعتراض کا جواب	۱۱۴
۱۰۳	دجال کے کذب دعویٰ کی دلیل	۱۱۵
۱۰۴	دعوت الی الحق میں انبیا کا اتفاق	۱۱۶
۱۰۵	دوسری فصل۔ پیغمبروں پر ایمان لانے اور ان کے ضروری خصائص و مراتب کے بیان میں	۱۱۶
۱۰۶	انبیا پر ایمان لانے کا طریقہ	۱۱۶
۱۰۷	انبیا میں دو خصوصیتیں	۱۱۷
۱۰۸	ایک اعتراض کا جواب	۱۱۸
۱۰۹	باب تائید انبیا	۱۱۸
۱۱۰	انبیا سے کبھی نافرمانی نہیں ہوتی	۱۱۹
۱۱۱	انبیا سے صدور ذلت	۱۲۰
۱۱۲	عصمت انبیا کا ذکر	۱۲۰
۱۱۳	حضرت آدمؑ کی ذلت	۱۲۱
۱۱۴	حضرت ابراہیمؑ کی ذلت	۱۲۲
۱۱۵	حضرت یوسفؑ کی ذلت	۱۲۳
۱۱۶	حضرت یوسفؑ کے قصہ کی تکذیب	۱۲۴
۱۱۷	لولا ان رای برہان ربہ کی بحث	۱۲۶
۱۱۸	برادران یوسف کی نبوت کسی نص صریح سے ثابت نہیں۔	۱۲۶
۱۱۹	حضرت داؤد کی ذلت	۱۲۷
۱۲۰	تسع وتسعون نعجة کی بحث	۱۲۸
۱۲۱	زن اوریا اور داؤد کا واقعہ جھوٹا ہے	۱۲۸
۱۲۲	زن اوریا کا سچا واقعہ	۱۲۹
۱۲۳	نکاح حضرت زینبؓ	۱۳۰
۱۲۴	وجہ نکاح حضرت زینبؓ	۱۳۱
۱۲۵	آنحضرت کا زینبؓ سے نکاح حسب فرمان الٰہی تھا۔	۱۳۲
۱۲۶	منافقین کی زبان درازی	۱۳۴
۱۲۷	اس باب میں علما متاخرین کی غلطی	۱۳۴
۱۲۸	آنحضرت کی نزاہت نظر پر ایک سچی نقل	۱۳۵
۱۲۹	تلک الغرانیق العلا کا قصہ	۱۳۷
۱۳۰	یہ قصہ اس طرح جھوٹا ہے۔	۱۳۸
۱۳۱	القاء شیطانی کی بحث	۱۳۹
۱۳۲	تیسری فصل خاتم الانبیا اور آپ کے معجزات کے بیان میں	۱۴۰
۱۳۳	معجزات کا بیان	۱۴۲
۱۳۴	قرآن سب سے بڑا معجزہ ہے۔	۱۴۳
۱۳۵	وجوہ اعجاز	۱۴۵
۱۳۶	اعجاز قرآن کی پہلی وجہ	۱۴۵
۱۳۷	دوسری وجہ	۱۴۵
۱۳۸	قرآنی معجزہ کا مقابلہ عیسیٰ کے معجزات سے	۱۴۶
۱۳۹	قرآن میں دعوت و حجت دونوں ہیں	۱۴۷
۱۴۰	آپ کے حالات خود معجزہ ہیں	۱۴۸
۱۴۱	چوتھی فصل آنحضرت کے ایمان لانے اور بعض امور کی شناخت	۱۵۰
۱۴۲	آنحضرت قوم جن کی طرف بھی مبعوث تھے	۱۵۱
۱۴۳	انا سمعنا کتابا انزل من بعد کی تفسیر	۱۵۲
۱۴۴	آنحضرت کی رسالت عام تھی	۱۵۳
۱۴۵	آنحضرت کا خاتم الانبیا ہونا۔	۱۵۴
۱۴۶	ختم نبوت کے دلائل	۱۵۵
۱۴۷	آنحضرت اپنی قوم کے دین پر نہ تھے	۱۵۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴۸	ایک شیعہ اعتراض کی تردید	۱۶۰
۱۴۹	آنحضرت ﷺ افضل ترین انبیا ہیں	۱۶۱
۱۵۰	ان دلائل کا تتمہ	۱۶۲
۱۵۱	تفاضل بین الانبیاء	۱۶۳
۱۵۲	لاتخیرونی علی ابراہیم کے معنے	۱۶۴
۱۵۳	اول من یکتسی کے معنے۔	۱۶۵
۱۵۴	یونس ابن متی والی حدیث کے معنے	۱۶۶
۱۵۵	آنحضرت نے کبھی حق کو نہیں چھپایا۔	۱۶۷
۱۵۶	تمام انبیا آپ کی منزلت کے حاجتمند ہیں	۱۶۸
۱۵۷	پانچویں فصل۔ فرشتوں پر ایمان لانے کا بیان۔	۱۶۹
۱۵۸	جنات کے دو گروہ	۱۶۹
۱۵۹	فرشتوں پر ایمان لانا	۱۷۰
۱۶۰	وجود ملائکہ سے انکار کرنا بے دینی ہے	۱۷۲
۱۶۱	اقسام فرشتگان	۱۷۳
۱۶۲	چھٹی فصل کتب آسمانی پر ایمان لانے کے بیان میں	۱۷۴
۱۶۳	قرآن پر ایمان لانے کا طریق	۱۷۵
۱۶۴	بحث ناسخ و منسوخ۔	۱۷۶
۱۶۵	موجودہ توریت و انجیل قابل اعتبار نہیں	۱۷۸
۱۶۶	ایک اعتراض کا جواب	۱۷۹
۱۶۷	ساتویں فصل یوم آخرت پر ایمان لانے میں	۱۸۰
۱۶۸	یوم آخرت سے مراد کیا ہے	۱۸۱
۱۶۹	یوم آخر کی تفسیر۔	۱۸۲
۱۷۰	ساعت کا استعمال دو معنوں میں	۱۸۳
۱۷۱	آٹھویں فصل۔ موت کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لانے میں	۱۸۳
۱۷۲	دلائل بعثت بعد الموت	۱۸۴
۱۷۳	پہلی حجت	۱۸۵
۱۷۴	دوسری حجت	۱۸۵
۱۷۵	منکرین بعثت کا خیال	۱۸۷
۱۷۶	اہل اسلام کی ایک جماعت جو منکرین بعثت کی جانب میل رکھتی ہے	۱۸۸
۱۷۷	انسان اسی کالبد میں اٹھایا جائیگا	۱۹۰
۱۷۸	نویں فصل آخرت کے احوال میں	۱۹۱
۱۷۹	الا من شاء اللہ سے مراد کون ہے	۱۹۱
۱۸۰	سوال منکر نکیر۔	۱۹۴
۱۸۱	دونوں نفخوں کی درمیانی مدت میں کیا ہوگا۔	۱۹۵
۱۸۲	ساہرہ کی تفسیر	۱۹۶
۱۸۳	انقلاب جبال کی ترتیب	۱۹۷
۱۸۴	شفاعت خاتم النبیین	۱۹۸
۱۸۵	نامہ اعمال پڑھنے کے بعد محاسبہ ہوگا	۱۹۹
۱۸۶	محاسبہ کے معنے و تفصیل	۲۰۰
۱۸۷	جنت اور دوزخ میں بعض مومنین اور بعض کفار کا بے حساب داخل ہوگا	۲۰۱
۱۸۸	وزن اعمال کا بیان	۲۰۲
۱۸۹	وزن اعمال کس طرح ہوگا۔	۲۰۴
۱۹۰	صراط کا بیان	۲۰۶
۱۹۱	صراط کے متعلق لطیف بیان۔	۲۰۸
۱۹۲	جنت و دوزخ کی تعریف۔	۲۰۹
۱۹۳	دسویں فصل۔ قیامت کی شرطوں کے بیان میں۔	۲۱۰
۱۹۴	قیامت کی علامتیں بہت ہیں	۲۱۱
۱۹۵	ظہور مہدی علیہ السلام	۲۱۲
۱۹۶	لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم کے معنے	۲۱۲
۱۹۷	اس باب میں اخبار منقولہ کا درجہ	۲۱۳
۱۹۸	مہدی کے باب میں شیعہ کا خیال	۲۱۴
۱۹۹	قیامت کی دس بڑی علامتیں	۲۱۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰۰	دجال کا بیان	۲۱۶
۲۰۱	دجال کے متعلق احادیث اور اُن کا مرتبہ	۲۱۸
۲۰۲	دجال کی صفت میں ایک اشکال	۲۱۹
۲۰۳	ایک اور اشکال	۲۲۰
۲۰۴	حضرت عیسٰے کا نزول	۲۲۲
۲۰۵	خروج یاجوج و ماجوج	۲۲۵
۲۰۶	طاعون کی حقیقت۔	۲۲۵
۲۰۷	مغرب سے طلوعِ آفتاب	۲۲۵
۲۰۸	اُس وقت کا ایمان لانا مفید نہ ہوگا	۲۲۷
۲۰۹	ایمان یاس مقبول نہیں۔	۲۲۹
۲۱۰	دابۃ الارض کا نکلنا	۲۳۰
۲۱۱	دخان کا ظاہر ہونا۔	۲۳۰
۲۱۲	آگ نکلنا	۲۳۱
۲۱۳	احادیث خروج نار میں ایک اشکال	۲۳۱
۲۱۴	تیسرا باب۔ اعتقادی مسائل بموجب کتاب و سنت و اجماع اُمت	۲۳۴
۲۱۵	پہلی فصل وجوب امامت کا بیان	۲۳۴
۲۱۶	وجوب امامت کی بڑی دلیل اجماع صحابہ ہے	۲۳۷
۲۱۷	دوسری فصل امامت کے شرائط	۲۳۸
۲۱۸	کتنے لوگوں کے اتفاق سے امامت قائم ہوسکتی ہے۔	۲۳۸
۲۱۹	امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں	۲۳۹
۲۲۰	اختلاف مابین علی و ابن عباس رضؓ	۲۴۰
۲۲۱	شیعوں کے قول کا فساد و بطلان	۲۴۳
۲۲۲	فرقہ باطنیہ	۲۴۳
۲۲۳	تیسری فصل اس بیان میں کہ بعد آنحضرت ؐ کے ابوبکرؓ خلیفہ برحق تھے	۲۴۴
۲۲۴	منکر امامت ابوبکر کے پیچھے نماز درست نہیں	۲۴۶
۲۲۵	مطاعن اہل تشیع اور اُن کے جواب	۲۴۶
۲۲۶	حضرت ابوعبیدہ کی فدائیت	۲۴۸
۲۲۷	اہل تشیع کا اعتراض اور اس کا جواب	۲۵۱
۲۲۸	موجبات تفضل ابوبکرؓ	۲۵۲
۲۲۹	اہل تشیع کا قول کہ علیؓ ابو بکر کی بیعت سے کارہ تھے اور اُس کا جواب	۲۵۶
۲۳۰	وہ احادیث جن سے شیعہ حضرت علی کی خلافت بافصل ثابت کرتے ہیں	۲۵۸
۲۳۱	حدیث غدیر خم کے معنے	۲۵۹
۲۳۲	چوتھی فصل مراتب صحابہ اور ان کی توقیر کے بیان میں	۲۶۴
۲۳۳	ایک عجیب نزاع شیخین کی فضیلت میں	۲۶۵
۲۳۴	بعد شیخین کے ختنین کا مرتبہ ہے	۲۶۶
۲۳۵	استحقاق خلافت عثمان	۲۶۷
۲۳۶	عشرہ مبشرہ	۲۶۸
۲۳۷	علی العموم تمام صحابہ کی تعظیم کرنی چاہئیے	۲۶۹
۲۳۸	علی کی محبت کا نشان درست	۲۷۰
۲۳۹	مخالفین علی پر طعن درست نہیں	۲۷۱
۲۴۰	باغی بغی کے سبب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔	۲۷۲
۲۴۱	حضرت فاطمہؓ خدیجہؓ عائشہؓ کی فضیلت	۲۷۴
۲۴۲	پانچویں فصل فرقہائے اسلام کے اور اس بیان میں کہ بندہ گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ اور اس بدعت کے بیان میں جو کفر ہے۔	۲۷۵
۲۴۳	فرقہ خوارج	۲۷۶
۲۴۴	صاحب کبیرہ کافر نہیں ہوتا	۲۷۷
۲۴۵	تکفیر کے اسباب و دواعی	۲۷۷
۲۴۶	نصریہ اور کیسانیہ	۲۷۹
۲۴۷	فرقہ نظامیہ	۲۷۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۴۸	کلمہ فی النار کی توضیح	۲۸۰
۲۴۹	فرقہائے زالہ مخلد فی النار ہیں	۲۸۱
۲۵۰	چھٹی فصل گناہگاران امت کا بیان	۲۸۲
۲۵۱	صاحب کبیرہ کی تکفیر مذہب خوارج کا ہے	۲۸۲
۲۵۲	صاحب کبیرہ کے اعمال حبط نہیں ہوتے	۲۸۴
۲۵۳	مرتد کے باب میں علما کا اختلاف	۲۸۵
۲۵۴	ساتویں فصل چند بدعتیوں کے بیان میں معہ اُن کے جواب کے۔	۲۸۷
۲۵۵	اللہ پر کچھ واجب نہیں	۲۸۷
۲۵۶	مسئلہ تحسین و تقبیح	۲۸۹
۲۵۷	سوال منکر و نکیر	۲۹۰
۲۵۸	جنت اور دوزخ دونوں موجود اور مخلوق ہیں	۲۹۰
۲۵۹	مسئلہ شفاعت	۲۹۲
۲۶۰	مسئلہ اثباتِ کرامت	۲۹۳
۲۶۱	معدوم شے نہیں ہے	۲۹۶
۲۶۲	آٹھویں فصل جواز اور اثبات نسخ آیات میں اور بعض مسائل روافض کی تردید	۲۹۸
۲۶۳	جواز نسخ کی دلیل	۲۹۸
۲۶۴	بدا کی حقیقت	۲۹۹
۲۶۵	روافض کا قول کہ پیغامبر مشرک سے پیدا نہیں ہوتا	۳۰۰
۲۶۶	شیعہ کے قول کا ایک اور طرح سے ابطال	۳۰۱
۲۶۷	کیا والدین آنحضرت صلعم کی وفات کفر پر ہوئی۔	۳۰۲
۲۶۸	ابوطالب کا کفر	۳۰۴
۲۶۹	متعہ کی تردید	۳۰۵
۲۷۰	تقیہ کی تردید	۳۰۶
۲۷۱	تقیہ کے باب میں ایک اعتراض کی تردید	۳۰۸
۲۷۲	نویں فصل رُوح کا بیان	۳۱۰
۲۷۳	روح حادث ہے	۳۱۰
۲۷۴	مطلق رُوح کا لفظ فرمایا	۳۱۱
۲۷۵	روح کے حدوث پر شرعی دلائل	۳۱۲
۲۷۶	رُوح کے متعلق بعض متکلمین کی باتیں	۳۱۴
۲۷۷	اقوال بزرگان دین کی تاویل	۳۱۵
۲۷۸	حقیقت رُوح	۳۱۶
۲۷۹	رُوح کے ادراکات بعد از مرگ قائم رہتے ہیں	۳۱۷
۲۸۰	فنا کا حکم جاری ہے	۳۱۷
۲۸۱	تناسخ کی بحث	۳۱۸
۲۸۲	اہل تناسخ کی تردید	۳۱۹
۲۸۳	دسویں فصل - چند ایسے مسائل کے بیان میں - جن میں باہم اہل حق کو اختلاف ہے	۳۲۱
۲۸۴	پہلا مسئلہ ایمان سے کیا مراد ہے	۳۲۱
۲۸۵	اعمال جزوِ ایمان ہیں یا نہیں	۳۲۲
۲۸۶	مخالفین کے ایرادات کی جانچ	۳۲۳
۲۸۷	مصنف کا اعتقاد	۳۲۳
۲۸۸	جمع و تطبیق	۳۲۴
۲۸۹	دوسرا مسئلہ ایمان کے کم وزیادہ ہونے کی بحث میں	۳۲۵
۲۹۰	تیسرا مسئلہ استثناء	۳۲۶
۲۹۱	چوتھا مسئلہ فرشتے افضل ہیں یا بنی آدم۔	۳۲۸
۲۹۲	منکرین فضیلت بنی آدم کے دلائل اور اُس کی تردید	۳۲۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۹۳	موجبات تفضل نبی آدم	۳۳۲
۲۹۴	شیخین کی فضیلت	۳۳۳
۲۹۵	غیر محتاط واعظین	۳۳۴
۲۹۶	پانچواں مسئلہ حکم اطفال مشرکین	۳۳۵
۲۹۷	چھٹا مسئلہ تکلیف مالایطاق کے بیان میں	۳۳۸
۲۹۸	خاتمہ کتاب	۳۳۹
۲۹۹	مناجات از مترجم	۳۴۲
۳۰۰	تکملہ کتاب عقائد تورپشتی از مترجم۔	۳۴۳
۳۰۱	دیباچہ	۳۴۳
۳۰۲	تمہید مطالب وتحصیل مآرب فائدہ (۱)	۳۴۴
۳۰۳	فائدہ (۲) ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں	۳۴۸
۳۰۴	فائدہ (۳) خالق عالم کی شناخت	۳۵۰
۳۰۵	مصنوعات میں فکر کرنے کی فضیلت	۳۵۱
۳۰۶	فکر کرنے کی ترکیب	۳۵۲
۳۰۷	دلائل النفس	۳۵۳
۳۰۸	انسانی ہستی کی ابتدا	۳۵۵
۳۰۹	روح اور مادہ کی قدامت کا ابطال	۳۵۵
۳۱۰	بعث بعد الموت	۳۵۶
۳۱۱	روح کی حقیقت سے لوگ آگاہ نہیں۔	۳۵۹
۳۱۲	دلائل النفس میں ایک دلکش نظم	۳۶۰
۳۱۳	فائدہ (۴) قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ مخلوق نہیں ہے۔	۳۶۳
۳۱۴	قرآن کا معجز ہونا۔	۳۶۵
۳۱۵	وجوہ اعجاز قرآن۔	۳۶۷
۳۱۶	فائدہ (۵) نبوت کی حقیقت اور	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	اس کے ثبوت میں۔	۳۷۰
۳۱۷	نبی اور رسول کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق	۳۷۱
۳۱۸	نبوت وہبی فضیلت ہے۔	۳۷۲
۳۱۹	وجوب بعثت کی بحث۔	۳۷۳
۳۲۰	نبی اور غیر نبی میں تمیز کا طریقہ۔	۳۷۴
۳۲۱	فائدہ (۶) معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں	۳۸۱
۳۲۲	فائدہ (۷) مزامیر ومعازف کی بحث میں۔	۳۸۹
۳۲۳	مسئلہ سماع	۳۹۰
۳۲۴	غنا لہو الحدیث ہے۔	۳۹۱
۳۲۵	گانا بجانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے	۳۹۳
۳۲۶	سماع کی حقیقت	۳۹۷
۳۲۷	مروجہ سماع حرام مطلق ہے	۴۰۰
۳۲۸	صوفیوں کا طریقہ مذمومہ	۴۰۰
۳۲۹	مرزائی اعتقادات کی تردید	۴۰۲
۳۳۰	لامہدی الا عیسی ابن مریم کے معنے	۴۰۴
۳۳۱	اماکم منکم کی توضیح	۴۰۵
۳۳۲	حضرت عیسیٰ کا آسمان سے نازل ہونا اور مرزائی عقیدہ کی تردید	۴۰۶
۳۳۳	توفی کے معنے	۴۱۶
۳۳۴	امامت کی بحث	۴۱۸
۳۳۵	نصب امام سے غرض	۴۲۱
۳۳۶	کیا امام کا قریشی ہونا ضرور ہے	۴۲۲
۳۳۷	خلافت راشدہ کی مدت	۴۲۴
۳۳۸	اہل سنت کا مسلک بارہ اماموں کے باب میں۔	۴۲۴
۳۳۹	ایک زمانہ میں دو خلیفوں کا ہونا	۴۲۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۴۰	تسبیوں کے اماموں کے نام	۴۲۵
۳۴۱	اولیاء اللہ کی کرامت کے بیان میں	۴۲۶
۳۴۲	تین مردانِ خدا کی دلچسپ حکایت	۴۲۷
۳۴۳	شریح راہب کی حکایت	۴۲۹
۳۴۴	کرامت کی پہلی قسم	۴۲۹
۳۴۵	واقعات صحابہ سے اثبات کرامت	۴۳۰
۳۴۶	دوسری قسم	۴۳۰
۳۴۷	تیسری قسم	۴۳۱
۳۴۸	چوتھی و پانچویں قسم	۴۳۱
۳۴۹	حضرت عمر رضؓ کی کرامت	۴۳۲
۳۵۰	حضرت خالد رضؓ کی کرامت	۴۳۳
۳۵۱	معجزہ۔ سحر اور کرامت میں فرق	۴۳۴
۳۵۲	سحر و معجزہ کی حکیمانہ بحث	۴۳۵
۳۵۳	ایک اور طریقہ سے سحر و معجزہ میں فرق	۴۳۸
۳۵۴	عورتوں سے متعہ کرنے کی حرمت	۴۳۹
۳۵۵	تقیہ کی بحث	۴۴۳
۳۵۶	نہج البلاغۃ سے تقیہ کی تردید	۴۴۳
۳۵۷	تقیہ کے متعلق ایک لطیفہ	۴۴۵
۳۵۸	ایمان کی حقیقت اور اُس کے اقسام	۴۴۷
۳۵۹	ایمان کے وجودات ثلثہ۔ وجود عینی	۴۴۷
۳۶۰	نورِ ایمان سے حقائق اشیا پر آگاہی	۴۴۸
۳۶۱	وجود ذہنی اور اس کے مراتب	۴۴۹
۳۶۲	وجود لفظی۔	۴۴۹
۳۶۳	ایمان میں زیادت و نقصان	۴۵۰
۳۶۴	ایمان کے اقسام متعددہ	۴۵۰
۳۶۵	ایمان بالغیب	۴۵۱
۳۶۶	ایمان بالغیب کی فضیلت پر ایک واقعہ صحیحہ	۴۵۱
۳۶۷	آنحضرت ﷺ کا ایک معجزہ	۴۵۲
۳۶۸	ایمان یاس مقبول نہیں	۴۵۴
۳۶۹	ایمان فرعون غیر مقبول ہے	۴۵۵
۳۷۰	اُن مسائل کے بیان میں جن سے فرقہ اہل السنت والجماعت کی فرقہائے باطلہ سے تمیز ہوتی ہے۔	۴۵۷
۳۷۱	فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے	۴۵۷
۳۷۲	متقی کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت	۴۵۸
۳۷۳	کن لوگوں کی اقتدا جائز ہے۔	۴۵۸
۳۷۴	امام میں دس صفتوں کا ہونا ضرور ہے۔	۴۵۹
۳۷۵	صحابہ کرام کی فضیلت	۴۵۹
۳۷۶	تمام صحابہ رضؓ عدول ہیں	۴۶۰
۳۷۷	یزید اور اہل قبلہ پر لعنت کی تحقیق	۴۶۲
۳۷۸	عشرہ مبشرہ	۴۶۳
۳۷۹	موزوں پر مسح کرنا	۴۶۳
۳۸۰	ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچتا	۴۶۴
۳۸۱	خدا کے اوامر و نواہی بندہ عاقل بالغ پر سے کبھی ساقط نہیں ہوتے	۴۶۵
۳۸۲	کلمات کفر	۴۶۵
۳۸۳	ایک دعا جو ہر قسم کے کفر سے پاک کرتی ہے۔	۴۶۷
۳۸۴	عدم تکفیر اہل قبلہ کے معنے۔	۴۶۸
۳۸۵	کاہن کو سچا جاننا کفر ہے۔	۴۶۸
۳۸۶	مردہ کو ثواب پہنچتا ہے۔	۴۶۹

تمام شد

صحت نامہ

ترجمہ تحفات عقائد توربشتی معہ مقدمہ وتکملہ وحواشی مفید

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
خدایا تیرے	خدایا ہم تیرے	۱	۴	عفاء	عفا	۱۹	۶
تفرقت	متفرق	۱	۱۴	حو	جو	۲۰	۵
میں کسی کی	کسی کو شک نہیں	۳	۹ و ۱۰	صورت	صوت	//	//
	کیونکہ			وارکان	والارکان	۲۲	۵
جانب سے	انسان اس کے			الاصول	لاصول	//	۶
	سبب خدا کی جانب سے	۶	//	من اعتقاد	من اعتقد	//	//
لیطوقما	لیطفئوا	۳	۲۵	ماتریدی	ماتریدی کے	//	۱۲
واستفرق	ستفترق	۵	۱۰	یاست	باب	//	۲۲
دیدنات	دیانات	//	۲۰	صرف	حرف	۲۳	۱۱
ند حال سے	دو حال سے خالی			ہوتی ہیں	ہوتی ہے۔	//	۱۸
ایک	نہیں ایک یہ کہ	۶	۱۰	اور اس کی	اس کی	//	//
الائمۃ	الائمتہ	۸	۸	عادم	وعدم	۲۴	۱۷
صفحہ	صفحہ ۱۸/۴	//	۱۳	شرح	شرع	۲۵	۳
دون	دونوں	۱۲	۱	الیہ	علیہ	۲۷	۴
اسی	ان	۱۴	۲۰	ان محمد	ان محمداً	//	۲۱
سائبہ	سبائیہ	۱۴	۲۰	بمسم	بمسلم	//	۲۲
غلاط	غلاۃ	۱۵	۳	من الفرورت	من الفردیات	//	۲۲
ازانعہ	ازارقہ	۱۶	۱۴	عالم	دو عالم	۲۸	۶
گروہ	سرگروہ	//	۱۵	شرکت	شرک	//	۸
مباہ	مباح	۱۷	۵	کی پاتی	کیا جاتا	//	//

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
عالم	دو عالم	٢٨	٩	اُن میں	اُنہیں	٤٥	١٢
صفحہ ٢٧	صفحہ ٢٠٢	٢٩	٢	٢٢٦	صفحہ ٣٥٠	٤٦	سطر آخر
فرقے	فرستے	٣٠	٤	کے	کا	٤٧	١٢
مرزائی	مرزائے	″	١٦	ان کو	اس کو	″	١٤
جزوی	جزئی	٣١	١٨	مایا	مایہ	٤٩	١١
ہونا اُن کا	ہونا اُن کا نصب العین			″	″	″	″
نصب العین	ایک سطر میں چاہیے	″	″	پرتی	پڑتی	″	١٥
صفحہ	صفحہ ٥٥٢	٣٣	٥	ظہور	ظُہُور	″	١٧
لا تمسلک	من تمسلک	″	٩	قطع	قِطعَ	″	٢٠
کچھ	کیا کچھ	″	٢٠	ایاحت	اباحتُ	٥٠	٦
افسانہ	افشاء	٣٣	٢٢	تدبیرو	تدبیر اُس کی	٥١	١
کے ایسے	کے تراجم ایسے	٣٤	١٦	رکھتی ہو	رکھتی	٥٢	١٦
کتے	کے	″	١٥	مانا پہلے	پہلے	٥٣	١
اَلمُعتَمِدُ	اَلمُعتَمَدُ	٣٥	١٢	نہیں	ہیں	٥٦	٤
فِی المُعتَقِدُ	فِی المُعتَقَدُ	″	١٣	سکتا	کرسکتا	″	٥
بیس	بیش	٣٦	٨	عزت	عزیز	٦١	٦
دوامی	دائمی	″	١٠	دلیل	ذلیل	″	٧
لاتق	لائق	″	١٨	شہاد	شہادت	٦٥	١٨
فاصل	فاضل	″	″	سی	کسی	٦٦	١٥
مل سکتا	مل سکتا ہے	٣٧	١٤	بندہ کرے	بندہ گناہ کرے	٦٨	١٢
نَحمَدُکَ	نَحمَدُکَ	٣٩	١	سماتِ وحدوث	سماتِ حدوث	٧٥	٣
یادہ	یاد میں	٤٠	٦	پتہ تھا	پتہ نہ تھا	٧٣	١٣
سی کریم	نبی کریم	٤١	٤	خدا	خلاف	٧٧	١٨
کی	اسی	٤٤	١	کرلی	کرنی	″	٢١
زناہ	زندہ	″	٢	احصار	احصا	٧٨	″
صفحہ ٢٢٣	صفحہ ٣٤٣	″	سطر آخر	تادیبلہ	تادِیبکہٗ	٧٩	١٤

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
مانہایتہ	مالہ نہایۃ لہ	۸۱	۲۰	چیزوں کی	چیزوں کو	۱۰۸	۵
ابطال کے	ابطال کیلئے	۸۲	۱۵	اثامت	اثبات	″	۲
یئمعُ	یتمعُ	۸۳	۲	چلوں	چگلوں	″	۲۵
کرے	کریں	۸۶	۱۲	وہ نبی ہے	نبی وہ ہے	۱۱۱	۵
ناظرۃ	ناضرۃ	۸۶	۲۰	عقل پر	عقل میں	″	۲۲
اعترا	اعتبار	″	۲۲	صفحہ	صفحہ ۳۷۰	″	۲۵
ہیں	ہو	۹۳	۹	تکملہ ص	تکملہ ص ۳۷۰	۱۱۳	″
شریک	شریک ہونے	۹۴	۷	اخیا	احیا	۱۱۴	۲۳
مناسبت	مناسبت	۹۸	۲۳	متروود	مردود	۱۱۶	۱۰
خبر	خیر	۹۹	۳	اگر نبی	اگر غیر نبی	۱۱۸	۱۹
وہ کہ	وہ یہ کہ	″	۲۵	الہام املک	الہام ملک	″	۲۱
کو	کی	۱۰۰	۷	ذلت	زلت	۱۱۹	۱۶
سب	سب کچھ	۱۰۳	۸	یہ نقس	بہ نقس	″	۲۰
بابیں	بانیں	۱۰۴	۱۳	ذلت	زلت	۱۲۱	۹
اہل	اجل	″	۱۴	ذلت	″	″	۱۰
ھولاءِ	وھولاءِ	″	″	ماخود	ماخوذ	۱۲۲	۱۲
شعبۃ	شعبتہ	۱۰۵	۶	ذلت	زلت	″	۱۴و۲۱
ھذا	خدا	″	۱۸	ذلت	زلت	۱۲۳	۱۵
وامتازالیوم	وامتازو الیوم	″	۱۹	تو یہ بھی	تو بھی	″	۲۱
ایہا	ایہا	″	″	لا تَمْہَلْ قہم	لا تُمْہِلْ قہم	۱۲۴	۱۲
شلم	شکم	″	۲۰	اقدم	اقدام	۱۲۵	۷
طلاق	اطلاق	۱۰۶	۲۳	لتہمُ	لتہمَّ	″	۱۸
کہ کی	کہ شرک کی	۱۰۷	۱۵	مبیعہ	مدینۃ	″	۱۹
تعلطل	تعطیل	″	۶	العافیہ	العافیۃُ	۱۲۷	۱۲
فی البدیہہ	فی التدبیر	″	۲۱	ذلت	زلت	″	۱۶
شبہ و نظر	شبہ و تنظیر	۱۰۸	۳	اکنی	اخنی		۲۴

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
الفلنیہا	اَکْفِلْنِیْہَا	۱۲۸	۱	بیں	نہیں	۱۵۵	۱۳
مصیّب	مُصیب	؍؍	۵	اِنّہٗ	اِلّا اَنّہٗ	؍؍	۲۴
لوگوں سے	لوگوں کے	۱۳۲	۵	میرا قائم	میرا حکم قائم	۱۵۶	۱۹و۲۰
زید کی	زید کے	؍؍	۶	صغیر	صغیرہ	۱۵۷	۲۴
تنا سا	شناسا	۱۳۵	۱	ذلت	زلت	۱۵۸	۱و۳
پڑھ گئی	پڑ گئی	؍؍	۴	ڈال	ڈال لو	؍؍	۱۵
ابی سرج	ابی سرح	؍؍	۱۳	نہ پڑی	پڑی	؍؍	۱۷
رضائی	رضاعی	؍؍	۵	مخالفت	مخالف	۱۵۹	۲۵
الحلاح	الحاح	؍؍	۱۸	دَجَدْتَہٗ	وَجَدْتُہٗ	۱۶۱	۸
تلک فرانیق	تِلْکَ الْقَرَانِیْق	۱۳۷	۵	دنوں	دونوں	؍؍	۱۳
پڑرہے	پڑھ رہے	؍؍	۷	پیمبر	پیغمبر	۱۶۱	۲۲
خرج	ماخرج	۱۳۹	۷	وَمِنْ دُوْنِہٖ	وَمَنْ دُوْنَہٗ	۱۶۲	۱
کوئی نہیں	کوئی نبی نہیں	؍؍	۱۷	نفضیل	تفضیل	؍؍	۱۹
تویلات	تسویلات	؍؍	۲۱	نھی	نہی	۱۶۳	۱۳
دونوں ہاتھ	دونوں ہاتھ کے	۱۴۳	۲	اَنْ تفضّلونی	اَنْ تُفَضِّلُوْنِی	؍؍	۱۹
خدا	کنگن خدا			رسالت	رسالت کا	۱۶۶	۷
سہنام	سہیزم	؍؍	؍؍	تفضیل	تفصیل	۱۶۷	۱۶
دلولوا الدھر	دیولون الدبر	؍؍	؍؍	قیام	مقام	۱۶۸	۱
اَخلِی	اِخلِی	۱۴۶	۳	جادہ	جاہ	؍؍	۵
مصداق	مصدق	؍؍	۱۵	ادحی	اُوحِیَ	؍؍	۱۳
ہوتے ہیں	ہوتے تھے	۱۴۷	۱۴	اللہ تعالےٰ	اللہ تعالیٰ نے	؍؍	۱۶
اسلم	احم	۱۴۹	۱۶	تحقیق	محققین	۱۶۹	۱۵
کے معنی	کے یہ معنی	۱۵۰	۱۱	مختلف	متفق	؍؍	۱۸
یہ	یہ	۱۵۱	۱۴	غرض مسئلہ	غرض اس مسئلہ	؍؍	۲۱
یہ حقیقت	یہ حقیقت	؍؍	۱۹	اجمعین	اجمعون	۱۷۰	۵
صف	صنف	۱۵۳	۳	اُسے	اُنہیں	۱۷۳	۲

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
نصحت	نصیحت	۱۷۴	۹
منزلہ ہیں جنی میں	منزلہ برحق ہیں	۱۷۵	۱
فی الدلالۃ	فی الضلالۃ	۱۷۹	۱۴
پس	بس	۱۸۰	۵
میرے	مرے	"	۱۳
اور ایام	اور اُس کے ایام	۱۸۱	۶
کردے	کردے گا	۱۸۳	۱۳
ابتدائی	ابتداء	۱۸۵	۱۵
جب امر	جب یہ امر	"	۱۷
وغیر مخلقۃ مخلقۃ	مخلقۃ وغیر مخلقۃ	۱۸۶	۱۰
لتبتغوا	لِتبلغوا	"	۱۲
علیہما	علیہا	"	۱۴
عریز	عزیز	۱۸۷	۹
اَنِّیٰ	اَنّیٰ	۱۸۷	۱۲
ظاہر ہے	ظاہر ہیں	"	۱۸
قائل	قائل ہیں	"	۲۴
بحث	بعث	۱۸۹	۲
میں	میں ہے	۱۹۴	۷
ثمرمَرَّ	ثُمَّ مَرَّ	۱۹۷	۱۴
مصائب باعث	مصائب کا کیا باعث۔	۱۹۹	۱
اُن میں	نہیں	۲۰۱	۸
مسئلوں	مسئولوں	۲۰۱	۲۳
گردانی	گرانی	۲۰۲	۱۵
دہی	رہی	۲۰۴	۲۵

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
طالع	طالع	۲۰۵	۲
بعد	بعید	۲۰۶	۲۲
اِنَّ مِنکُم	وَاِنَّ مِنکُم	۲۰۷	۵ و ۶
پس	بعض	۲۰۸	۱۸
تکملہ ص	تکملہ ص ۳۸۸	۲۱۱	سطر آخر
بیان	بیان میں	"	"
حاشیہ ( )	حاشیہ ۴۱۰	۲۱۲	۹
تکملہ ص	تکملہ ص ۴۱۰	"	آخر
خوارق وعادات	خوارق عادات	۲۱۴	۱۰
اہل تشنیع	اہل تشیع	"	۱۹
النفافات	التفات	۲۱۵	۳
خرفات	خرافات	"	۴
خوارق وعادات	خوارق عادات	"	۱۵
تناقص	تناقض	۲۱۹	۱۷
مرتب	مرتبہ	۲۲۱	۱۸
علیہ	وعلیہ	۲۲۲	۱۴
عریز	عزیز	۲۲۳	۸
مستحص	مستحض	۲۲۵	۱۱
معبود	معہود	۲۲۶	۷
واکلون	وَاَھْوَنْ	"	۲۴
شاعت	ساعت	۲۲۷	۲
کو	کا	۲۲۹	۲۵
کو	کے لئے	۲۳۰	۹
نناقص	تناقض	۲۳۱	۸
تصبع	تصبح	۲۳۳	۱۳
اصحبوا	اصبحوا	"	"

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
خروج	فروج	۲۳۵	۵	مشارقت	مشارکت	۲۶۵	۵
نسب	نصب	//	۱۰	راجح	راجع	۲۶۸	۱۶
متعبد	متعدد	//	۱۳	تاکہ یہ حضرت	کہ یہ حضرت	۲۶۹	۴
منسوبہ	منصوب	//	۱۴	دُور کار	دُور از کار	//	۱۱
اقدام	واقدام	//	۱۶	عرضاً	غَرَضاً	//	۲۲
کے	ہے کہ	۲۳۶	۲۵	ان	اِنَّ	//	۲۳
امیرمنکم	ومنکم امیر	۲۳۷	۱	انفقہم	انفقہ	//	۲۴
تکملہ صہ	تکملہ صہ ۴۱۸	۲۳۶	۱۸	ذلات	زلات	۲۷۰	۱۷
بجالے کہ	بجالے کہ	۲۳۸	۱۰	کہ میں طلحہ	کہ طلحہ	۲۷۱	۱۵
بجوبی	بخوبی	۲۴۰	۲۰	من غلٍّ علیٰ	من غلٍّ اِخوَاناً علیٰ	//	۱۷
استعیاب	استیعاب	۲۴۲	۴	لے	کے	۲۷۲	۲
ہوتا	نہ ہوتا	//	۶	کیا	کہا	//	۵
اصلہ	اصلح	۲۴۳	۹	اُن کے	اور اُن کے	۲۷۳	۱۵
ہلال	حلال	//	۲۱	زبان	زنان	۲۷۴	۱۲
تغضل	تفضیل	۲۴۷	۱۹	سعین	سبعین	۲۷۵	۸
شاہد	مشاہد	۲۴۸	۱۶	فرقہ	مقدمہ	۲۷۶	۲۲
علمی	عملی	۲۵۰	۲	بات	بات پر	۲۷۷	۱۱
امانت	امامت	۲۵۱	۱۱	نصریہ	نصیریہ	۲۷۹	۱۰
احصار	احصاء	۲۵۴	۱	غلاط	غلاۃ	//	۱۳
طیّب	طبیب	۲۵۷	۲۴	سعی وبلیغ	سعی بلیغ	۲۸۰	۱۶
شخص کی	شخص پر	۲۶۰	۴	یہ نہیں	یہ ہیں	//	۱۹
مولاہ	موالات	//	۱۱	کہ کلہم	کلہم	//	۲۰
اس کے	اس سے کہ	۲۶۲	۱۲	مستجابتہ	مستجابۃٌ	۲۸۳	۱۹
کہ لوگوں نے	کہ ان لوگوں نے	//	۲۲	دعوۃ	دعوتہٗ	//	//
چاہتے	چاہتے ہیں	//	۲۵	واحبات	وانی اختبات	//	//
اور کرنا	اور تکبر کرنا	۲۶۴	سطر آخر	تناقص	تناقض	۲۸۴	۴

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
بِنَفسَینِ نَفسُ	بِنَفسَینِ نَفسَ	۲۹۱	۱۷	اُن میں سے	اُن سے	۳۰۷	۱
نَفسُ	نَفسَ	"	۱۸	اصراط	اصرار	۳۱۰	۱۱
جائز ہے	جائز ہیں	۲۹۲	۶	اُن کا	اُس کا	۳۱۱	۵
دیکھو صـ ۲	دیکھو صـ ۴۴۶	۲۹۳	آخر	ادحینا	ادحینا الیک	"	۹
حصرمی	حضرمی	۲۹۵	۱۰	جلبلیوں	حلولیوں	۳۱۳	۱۸
تکملہ صـ	تکملہ صـ ۴۳۳	"	آخر	معرفت ہوتی	معرفت حاصل ہوتی	"	۲۴
الحصرمی	الحضرمی	۲۹۷	۸	کو غلبہ	کو جو غلبہ	۳۱۴	۱۲
احصار	احصاء	"	۱۶	احتمال یہ لکھا	احتمال نہ لکھا ہو	"	۱۴
بعد	بعض	"	"	یسمع	یسمع بہ	"	۲۰
شَیئًا	شَیئًا مَذکُورًا	۲۹۷	۱۱	درجلۃ الذی	ودجلۃ التی	"	۲۱
صحبت	صحت	۳۰۰	۳	نقص	نقض	۳۱۵	۱۶
مشرک سے	مشرک کا	"	۲۳	اس حال	اس حال پہ	"	۱۸
پیغامبر کا۔	پیغامبر سے			حقیقت کا	حقیقت روح کا	۳۱۶	۶
بے سامان سے	بے سامان کے	۳۰۱	۵	کالبوں	قالبوں	۳۱۸	۱۲
دوسرے	دوسرے پر	۳۰۲	۸	استدلات	استدلالات	۳۱۹	۱
اُس نے	جس نے	"	۱۴	بحث	بعث	"	۹
بلکہ دوسرے	بلکہ وہ دوسرے	"	۲۱	اللہ ایک	اللہ نے ایک	"	۲۳
مراد تقا سے	مراد بقایا سے	۳۰۳	۴	وہ انسانہ	وہ اُس	"	۲۴
وہ لوگ ہیں نصاریٰ سے	وہ نصاری ہیں	"	"	تکملہ صـ	تکملہ صـ ۴۴۷	۳۲۱	آخر
لفی	لفی ضلٰلٍ مبین	"	۹	ولو یومن	د یومن	۳۲۲	۵
تَبشِرہٗ	فَبَشِّرہٗ	"	۱۶	دوسری دلیل	اُن کی پہلی دلیل	"	۱۳
وایلی	وایکی	"	۲۱	نماز کو	نماز کو اور دیں زکوٰۃ کو۔	"	۱۷
تغوص	تفویض	۳۰۵	۱۰	طرف سے	طرف ہے	۳۲۳	۲۲
تکملہ صـ	تکملہ صـ ۴۳۹	"	آخر	مالایمان	مالایمان	۳۲۴	۹
دیکھو صـ	دیکھو صـ ۴۳۹	۳۰۶	آخر	معمدانی	مصدق	"	۱۳

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
تفریح	تعزیق	۳۲۵	۲	الخاموں	الماموں	۳۴۴	۳
محمول	مجبول	″	۸	امر شدہ	امر طے شدہ	۳۴۵	۵
تصدیق اقرار	تصدیق و اقرار	″	۲۵	صفحہ ۲۸	صفحہ ۴۴	۳۴۸	۳
بعض میں	بعض میں کم	۳۲۶	۵	صفر	صفحہ ۴۶	۳۵۰	۱۸
اصلوب	اصوب	″	۷	انسان	انسانی پیدائش	۳۵۶	۹
استنثا	استثنا نہ کرے	″	۱۱	اوج	زوج	″	۱۹
داخل کرتا	داخل کرنا	″	۱۸	انّ	ولقد	۳۵۷	۱۸
وسلم کے	وسلم کی	۳۲۷	۳	جعلناہ	جعلناہ نطفۃ	″	۷
خاتمہ ایمان	خاتمہ کفر	″	۲۴	والعلقۃ فخلقنا المضغۃ	فخلقنا العلقۃ مضغۃ	″	۱۹
افضل ہیں	افضل ہیں ملائکہ بنی آدم سے	۳۲۹	۱				
افضل ہیں	افضل ہیں ملائکہ سے	″	۹		فخلقنا المضغۃ عظاما		۹
مصیّب	مصیب	۳۳۱	۵	فکسونا	فکسونا العظام	″	۲۰
قوتیں بھی دی گئیں۔	قوتیں نہیں دی گئیں	″	۲۰	ہڈیاں	ہڈیوں	۳۵۸	۱۷
اور اُس	اُس	″	۲۵	ریش وحش دعوٰی	ریش وحش و دعوای	۳۵۹	۳
تدریح	تدریج	۳۳۲	۱۱	تب	تبب	۳۶۱	۲۱
اصطفیلت	اصطفیات	۳۳۳	۵	کاعم	کام	۳۶۲	۱۹
۱۹ اجل	۱۹ جعل	″	۲۰	جوہو	ہوجو	″	۲۲
قبول کرے	قبول کریں	۳۳۵	۳	ص ۲۳	ص ۳۳	۳۶۳	۲
اُس سے بے مزاج	اُس سے مزاج	″	۴	ملا علی قاری اس	ملا علی قاری کہتے ہیں اس	۳۶۴	۵
مبتلا	مبتلا ہوئے	۳۳۸	۲۳				
اور	تو	۳۴۰	۹	موضوع	موضوع ہے	″	۲
اُن کے	جن کے	″	۲۰	ہر نفس پہ حکم	ہر نفس پہ موت کا حکم	۳۶۵	۳
اصد	اندوہ	۳۴۱	۱۶				

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
شاعِرَ	شاعِرٍ	۳۶۶	۱	رسول اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ	۴۰۴	۱
لبیه	لبید	″	۲	صفحہ	صفحہ ۲۱۳	۴۱۰	۱۷
سهرهما	شعرهما	″	۳	بل	میں	۴۱۲	۳
عرب	حرب	۳۶۷	۱۲	فہم میں	فہمیں	۴۱۵	۱۷
قُرَّةَ	قُرَّةٍ	۳۶۸	۱۸	زمانہ میں	زمانہ	″	۲۲
صفحہ ۴۸	صفحہ ۱۱۱	۳۷۰	۷	صفحہ	صفحہ ۲۳۴	۴۱۸	۱۹
از کسے امت	از کسے است	۳۷۱	۵	اتامۃ الذینَ	اقامۃ الذین	۴۱۹	۱۷
متغائر	تغائر	″	۱۷	حوزۃ الحللہ	حوزۃ الملۃ	″	″
اور وہ	وہ	۳۷۲	۱۶	والمتلعیسفۃ	والمتلصیحۃُ	۴۲۲	۱
مجیوبی	مجیولی	″	۲۱	متوارع	متورع	″	۱۴
یَعَثَ اللّٰہُ	اَبْعَثَ اللّٰہُ	۳۷۴	۸	لا تشنعس	لا تشتغل	۴۳۳	۲
مرخرفات	مزخرفات	″	۱۲	باپ یہ حکم	باپ کا یہ حکم	۴۳۵	۴
قید لگائیں	قید نہ لگائیں	″	۲۲	عورتوں کے	عورتوں سے	۴۴۲	۱۵
آیہ	آیۃ	۳۷۵	۶	بات	باب	۴۴۳	۱۴
منطق	منطبع	″	۱۲	رخی	رضی	۴۴۴	۴
کرتے ہیں	کریں	۳۷۶	۴	فرقہ اسمٰعیل	فرقہ اسماعیلی	۴۴۵	۲۴
الغَنَبُ مِنَ الخنیر	اَلْغُیَیْبُ لَا تَکثرت من الخنیر	″	۱۵	کردیتا ہے	کردیتا	۴۴۹	۱۷
محض	بعض	″	۱۶	تو اُن کو تو	اُن کو تو	۴۵۲	۹
یا	لا	۳۷۸	۲۳	بھی	ہی	″	″
بین القرآن	بین الاقران	۳۷۹	۲۵	حجاح	حجاج	۴۶۲	۳
جسد	جسد کا	۳۸۲	۱۸	متسیر	مستبشر	″	۱۸
صفحہ	صفحہ ۲۱۱	۳۸۹	۱۱	سفر میں	سفر او حضر میں	۴۶۳	۲۰
صفحہ	صفحہ ۲۹	۴۰۲	۲	کرامہ	کرامیہ	۴۶۴	۲۰
اُنہیں	اُن میں	۴۰۳	۱۳	بنی کو	نبی کے	″	۲۲

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
عبدہ	عبدگ	۴۶۵	۱	کسی ایسی چیز	کسی چیز	۴۶۷	۱۱
مول ہیں	محمول ہیں	″	۱۴	کافرنہ چاہئے	کافرکہنا نہ		۲
محمول پر	محمول بر	″	۱۸		چاہیئے	۴۶۸	و ۳
لواذر	نوادر	۴۶۶	۷				

نوٹ

واضح ہو کہ یہ موٹی موٹی غلطیوں کی صحت ہے۔ ورنہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو بعض غلطیاں اور بھی نکلیں گی۔ افسوس کہ مصحح کی غفلت یا کاتب کی سستی سے ایسا ہوا۔ قارئین سے استدعا ہے کہ کتاب کو بغور ملاحظہ فرما کر اصلاح اغلاط میں کوشش کریں۔ ہم بھی طبع ثانی میں اس کا پورا اہتمام کرینگے؛ انشاء اللہ تعالےٰ؛

ضمیمہ مفیدہ

الصّراط السّوی ترجمہ اردو عقاید تورپشتی

از مترجم عفی عنہ

رسالۂ المعتمد فی المعتقد جس کا ہم نے اُردو ترجمہ کیا ہے۔ اُن کتبِ عقاید میں سے ہے۔ جو آج تک مدار علیہ علماء احناف رہیں۔ علمِ کلام کی کتابوں میں اکثر وہی مسائل ہوتے ہیں۔ جو ذات وصفات باری تعالیٰ اور رسالت ونبوّت نیز معاملات آخرت سے متعلق ہیں۔ ان کتابوں میں زیادہ تر آیات واحادیث اور اقوال ودلائل معتمدہ اصحابِ ظواہر سے استناد کیا جاتا ہے۔ اور حقیقت میں انہیں مسائل وعقائد کا دست بُرد اور دجل وفریب اغیار سے محفوظ رکھنا مدِنظر ہوتا ہے۔ عقائد اہل السنت والجماعت ان عقیدوں کا نام ہے۔ جو ائمہ اربعہ اور اُن کے تابعین کے معمول ومامول رہے ہیں۔ پس انہیں عقیدوں کی تصویب اور ان کے مخالفین کے معتقدات کی تردید غایت مامول ہوتی ہے اسی لحاظ سے فرقہ ہائے ضالہ کا تذکرہ اُن کے عقائد پر تبصرہ اور بقدرِ ضرورت اُن کا بطلان بدلائلِ واضحہ لازمی ضروری ہوتا ہے ؛

چنانچہ عقائد تورپشتی میں ان تمام امورات کا بقدرِ مناسب وقت عمدہ طریقہ پر بیان آگیا ہے۔ اور جدید ضرورتوں کے لحاظ سے ضروری باتوں کو ہم نے اس کتاب کے مقدمہ وتکملہ میں اس وسعت کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ کہ ایک سچا متلاشی حق انہیں دیکھ کر اطمینانِ کلی حاصل کرسکتا ہے۔ اور اُن کے دیکھنے اور سمجھنے کے بعد ہرگز کسی کے دامِ فریب میں نہیں آسکتا۔ والتوفیق

مِنَ اللّٰہِ تعالیٰ ؛

مقدمہ و تکملہ میں ہم نے عقائد کے متعلق بہت سی ضرورتوں کو رفع کر دیا۔ اور تمام فرقہ ہائے ضالہ کا حال لکھ دیا تھا۔ مگر دو فرقوں (باطنیہ اور صوفیہ ملاحدہ) کے حالات سے ہم نے دانستہ اغماض کیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان ہر دو فرقوں میں سے پہلے فرقہ کے حالات تو اس درجہ پردہ خفا میں ہیں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اُن کے عقائد کی کتابیں اب تک غیروں کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔ اور تقیہ کا اُن میں اس درجہ غلو ہے کہ غیر کے سامنے اپنے مذہب کے کسی امام کا نام لینا بھی گناہ اور خلافِ تقیہ یقین کرتے ہیں۔ جب یہ حال ہے تو آپ جانتے ہیں۔ اس فرقہ کے عقائد و حالات کی تفتیش و جستجو میں کیا کچھ محنت اُٹھانی نہ پڑتی ہوگی۔ رہا دوسرا فرقہ یعنی صوفیہ ملاحدہ کا فرقہ تو گو ہندوستان میں ان ملحدین کی کچھ کمی نہیں۔ اور ہر شہر و قصبہ بلکہ دیہات تک میں ان بے دین صوفیوں کی ڈلیاں پڑی پھرتی ہیں۔ اور گمراہی خلق اللہ کا باعث ہوتی ہیں۔ تاہم چونکہ یہ بحث موضوع کتاب سے دُور جا پڑتی ہے۔ اس لئے ان سے تعرض کرنا غیر موزوں سا سمجھا گیا ؛

اب جب کہ یہ کتاب چھپنے کے لئے بھیجی جانے لگی۔ اور حضرت مرشدی و مخدومی مولائی و ملجائی قبلہ مولانا خواجہ اَحْمَدْ حُسَیْن خاں صاحب قادری نقشبندی مجددی۔ لازال شموس افاضاتہ طالعۃ فی النصف النہار نے تبرکاً و تیمناً اس کتاب کے بعض مضامین ملاحظہ فرماتے۔ اور فہرست مضامین پر بسیط و عمیق نظر ڈالی تو حضرت موصوف نے باصرار فرمایا کہ ان ہر دو فرقوں کے حالاتِ مختصرہ ضرور اس کتاب میں ہونے چاہئیں۔ لہٰذا بمصداق الامر فوق الادب میں نے ان ہر دو فرقہ ہائے مذکورہ بالا میں سے صوفیہ ملاحدہ کے عقاید واہیہ اور اعمال ردیہ تو ایک علیحدہ رسالہ نادان صوفی نام میں لکھ کر انجمن اشاعت اسلام برہان پور کی طرف سے شائع کر دئے۔ جو بے حد دلچسپ ثابت ہوئے۔ اور باطنیہ فرقہ کے جزئی حالات ضمیمہ کے عنوان سے یہاں بڑھا دئے۔ اُمید ہے کہ ناظرین ان حالات کے پڑھنے سے نہایت محظوظ ہوں گے۔ کیونکہ اُن کے لئے یہ مضمون بالکل اچھوتا اور

اور نیا مضمون ہوگا۔ جس کا زیادہ تر حصہ اب تک اہلِ قلم کی جولانگاہ سے بچا ہوا ہے ؎

فرقہ باطنیہ

حضرت مصنّف علام نے اپنی کتاب عقائد نورشپتی میں فرقہ باطنیہ کا صرف مختصر تذکرہ کر دیا ہے (اور اسی طرح دُوسرے مصنفین نے) اور اس کی تفصیلات سے تعرض نہیں کیا۔ مگر اس زمانہ میں کہ تعلیم یافتہ اصحاب ہر بات کی تلاش و تفتیش اور تحقیق و تفصیل کے خواہاں ہیں ظلم ہوگا اگر ہم بھی اس فرقہ کے بقدرِ ضرورت تعارف سے برادرانِ اسلام کو نابلد رکھیں۔ لہٰذا اس سلسلہ میں ہم نے ذیل کا بیان ہدیۂ ناظرین کرنا مناسب جانا ہے۔

واضح ہو کہ فرقہ باطنیہ جیسا کہ اُس کے نام سے شبہ ہوتا ہے کوئی ایک فرقہ نہیں ہے بلکہ اس کی بہت سی شاخیں ہیں۔ مثلاً قرامطہ، جارودیہ، حباحیہ، طاہریہ وغیرہ وغیرہ جو اس ایک فرقہ سے نکل کر مختلف ناموں یا اپنے بانیوں کے اسامی سے موسوم ہو گئے ہیں۔ اور باہم اس قدر مختلف العقائد ہیں کہ ایک فرقہ دُوسرے فرقہ کی تکفیر کرنے سے بھی نہیں جھجکتا۔ لیکن چونکہ ہمارے اس ملک ہندوستان میں ان مذکورہ فرقوں کے متبعین برائے نام بھی نظر نہیں آتے بلکہ کتابوں میں کہیں کہیں ضمناً اُن کا تذکرہ آجاتا ہے۔ اس لئے ہم اُن کو چھوڑ کر فرقہ باطنیہ کی باقی دو شاخوں نزاریہ اور مستعلویہ کا بیان کرتے ہیں۔ کہ اضلاعِ بمبئی و ممالکِ دکن آدمالوہ وغیرہ میں ان فرقوں کے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ عام طور پر ان دونوں فرقوں کا پیشہ تجارت ہے اور اس فن میں دُوسرے ہم پیشہ اقوام سے ممتاز ہیں۔ یہ دونوں فرقے مصر کے خلفائے بنو فاطمہ میں سے خلیفہ المستنصر باللہ تک متحد الخیال اور متفق العقائد رہے پھر ان میں از رُوی عقائد امامت باہم اختلاف ہوگیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک روز خلیفہ مذکور دربارِ عام میں تختِ خلافت پر متمکن تھے۔ اور ان کا بڑا بیٹا نزار باللہ پس پشت کھڑا ہوا اُن پر کسی چیز سے ہوا کر رہا تھا۔ درباریوں میں سے کسی مقتدر ندیم نے سوال کیا۔ کہ آپ کے بعد کون امام خلیفہ ہوگا۔ خلیفہ مذکور نے اُس کے جواب میں اپنے پس پشت اشارہ کیا۔ چونکہ پس پشت نزار کھڑا تھا۔ بعض لوگوں نے اس اشارہ کو اس کے حق میں نص امامت و خلافت سے منصوص تعبیر کیا۔ اور بعض متامل و متردد رہے ان کا خیال یہ ہوا کہ خلیفہ مذکور کا پشت کی جانب اشارہ اس امر پر دال ہے۔

کہ امام منصوص ابھی صلب پدر میں تھے۔ چنانچہ جب مستعلی باللہ خلیفہ کے صلبی فرزند متولد ہوئے۔ تو ان کا قیاس صحیح نکلا۔ اور انہوں نے مستعلی باللہ ہی کو امام مانا۔ اب ان دونوں بھائیوں میں نص کی بابت آپس میں ایک خون ریز جنگ ہوئی بالآخر مستعلوی نزاریوں پر غالب آگئے۔ اور اس طرح دو فرقے ہو گئے۔ نزاریہ کے ماننے والے نزاریہ کہلائے اور مستعلی کے ماننے والے مستعلویہ۔ پھر ان میں مرورِ ایام سے عقائد میں بھی بعد المشرقین ہو گیا۔ ایسا کہ گویا ایک کو دوسرے سے تعلق ہی نہیں تھا۔

نزاری نزار باللہ کو امام مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت تک انکی نسل سے امام ہوتے رہیں گے۔ ہز ہائینس آغا خاں فرقہ نزاریہ کے موجودہ امام ہیں۔ ان کے ماننے والے خوجہ کہلاتے ہیں۔ لاکھوں ہندو مسلمان اس فرقہ کے ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں موجود ہیں۔ اب سے چند سال پہلے ان کے ہندو مریدوں کے ہندوانی نام ہوتے تھے۔ اب ان کے حکم سے ان سب کے نام مسلمانی رکھ دئے گئے یہ لوگ خود کو اسماعیلی بھی کہتے ہیں۔ اور یہ نسبت حضرت اسمٰعیل ابن جعفر صادق کی طرف ہے۔ اس فرقہ کی تنظیم بڑی زبردست ہے۔ آغا خاں موصوف سے ان کو گہرا اعتقاد ہے۔ وہ انہیں امام معصوم مانتے ہیں۔ ہز ہائینس موصوف اپنا نسب حضرت علی ابن ابیطالب سے ملاتے ہیں۔ یہ لوگ بھی اپنے عقائد کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور سنا جاتا ہے کہ اس فرقہ کے لوگ امام معصوم کے موجود ہوتے کسی شرعی عبادت کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے۔ اضلاع گجرات و دکن کے بعض شیعہ و امامیہ اور اہل تسنن بھی ہندوؤں کو اپنا مرید کرتے ہیں۔ ایسے مرید خود کو دھرمی کہتے ہیں۔ ان کے نام ولباس وطعام اور طرزِ معاشرت بالکل ہندوانہ طریق پر ہے۔ لیکن ان کے بعض روشن خیال اصحاب در پردہ نماز روزہ بھی کرتے ہیں۔ اہلِ اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ایسی پیری مریدی خواہ ہز ہائینس کی جانب سے ہو یا باقی شیعہ وسنیوں کی طرف سے آخرت میں تو کیا دنیا میں بھی مسلمانوں کو کوئی فائدہ رساں نہیں۔ پس اس میں سخت اصلاح کی ضرورت ہے۔ ورنہ پیر و مرید دونوں کے لئے باعث خذلان دنیا و آخرت ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ عَنْ ذَالِکَ۔

مستعلوی فرقہ کے لوگ بھی ڈھائی لاکھ سے کچھ زیادہ ہندوستان وغیرہ میں

پائے جاتے ہیں۔ اُن کا طرزِ معاشرت آغاخانیوں اور دُوسرے مسلمانوں سے بالکل جدا ہے۔
یہ اپنی قوم کے سوا دُوسری قوم میں بیاہ شادی نہیں کرتے۔ مسلمانوں سے ایک یا دو روز
قبل روزہ ماہِ رمضان میں رکھتے اور اسی طرح عید مناتے ہیں۔ بلکہ ان کا ہر ایک مہینہ
اِسی طرح شروع اور ختم ہوتا ہے۔ ناواقف لوگ ان کو اماوسی کہتے ہیں۔ کیونکہ اکثر
اماوس کے دُوسرے دن سے مہینہ شروع ہوتا اور اماوس پر ختم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت
میں ایسا نہیں ہے اُن کے ہاں حضرت امام جعفر صادق رض سے ایک حدیث مروی ہے۔
جس کے رُو سے انہوں نے مہینوں کے دنوں کی گنتی ٹھرالی ہے۔ بعض مہینے اُنتیس
دن کے ہوتے ہیں۔ اور بعض تیس دن کے۔ چنانچہ رمضان کا مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے
اماوس سے ان کے مہینوں کو کوئی تعلق نہیں ۞

یہ لوگ حضرت علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ عنہ کو وصی مانتے ہیں اور وصایت
کا درجہ امامت سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ اس لئے بخلاف شیعہ امامیہ اماموں کی تعداد
حضرت امام حسن ابن علی ابن ابطالب رضی اللہ عنہما سے شروع کرتے ہیں۔ اور اکیسویں امام
یعنی طیب مستور تک ختم کرتے ہیں۔ شیعہ امامیہ کے نزدیک بارہ امام ہیں جن کی نسبت
سے وہ اثنا عشری کہلاتے ہیں۔ اور اُن کے ہاں اکیس امام۔ وہ اکیسویں امام کو
مستور کہتے ہیں۔ اور امامیہ بارھویں امام یعنی حضرت مہدی کو مستور کہتے ہیں۔ پھر
مستعلویہ یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ اُن کے اکیسویں امام اب تک زندہ ہیں۔ بلکہ وہ
کہتے ہیں کہ طیب مستور کی ذریت سے ہر زمانہ میں امام ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ سب
کے سب مستور رہیں گے۔ پھر آخر زمانہ میں اُن کی ذریت سے مولانا قائم القیامہ
ظاہر ہوں گے۔ جن کی نسبت ان کا اعتقاد ہے کہ وُہ صاحب نبوت و رسالت
اور صاحب وصایت و امامت ہوں گے۔ لیکن جب اُن سے سوال کیا جاتا ہے
کہ قائم القیامہ نبی و رسُول کیسے ہوں گے۔ حالانکہ آپ کے اعتقاد کے بموجب
بھی نبوت و رسالت حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے
تو اس کا کچھ جواب نہیں دیتے۔ اور صرف یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ کہ ہمارا
اعتقاد یہی ہے ہمیں ان کی نسبت اِس سے زیادہ کچھ نہیں بتایا گیا ہے ۞

مستعلوی فرقہ کی بھی بہت شاخیں ہوگئی ہیں۔ جن میں زیادہ تر مشہور
تین ہیں۔ جعفری۔ سلیمانی۔ داؤدی۔ یہ سب مل کر بوہرہ کہلاتے ہیں۔ لیکن
ان میں جعفری بوہرے شیعہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ پکے سُنّی ہیں۔ یہ بھی دُوسرے

بوہروں کی طرح تجارت پیشہ ہیں۔ اُن کی زیادہ تعداد احمد آباد اور راندھیر میں ہے۔ یہ فرقہ بڑا دیندار اور پابندِ شریعتِ اسلامیہ ہے۔ اس فرقہ کے اکثر لوگ بڑے فیاض اور نیک دل ہوتے ہیں۔ ان کی مسجدیں نہایت عالیشان اور آراستہ و پیراستہ ہیں۔ بخصوص راندھیر کی مسجد اپنا جواب نہیں رکھتی۔ حضرت اُستاذی مولانا ظہور حسین صاحب رام پوری مدظلہٗ ایک عرصہ تک راندھیر کے مدرسہ میں مدرس رہ چکے ہیں ؛

اس فرقہ کے سُنی ہونے کی وجہ خاص بوہروں کی زبانی یہ بیان کی جاتی ہے کہ فرقہ مستعلویہ کے ایک ملّا محمد جعفر نامی بغرض تحصیلِ علم یمن بھیجے گئے۔ حتی کہ اُنہوں نے یمن میں رہ کر علم میں نہایت کمال حاصل کیا۔ اس کے بعد ہندوستان کے داعی نے جن کی اجازت سے صاحب موصوف یمن گئے تھے ان کو واپس آنے کے لئے لکھا۔ چنانچہ صاحب موصوف واپس آئے۔ اور داعی وقت سے ملاقی ہوئے۔ اثنائے مکالمت میں داعی نے دریافت کیا۔ کہ کیا اثناء راہ میں تم نے کسی جگہ نماز کی امامت کی تھی۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ راستہ میں جتنے بلاد و قریات میں میرا قیام ہوا۔ مَیں نے وہاں امامت کی۔ داعی نے ازراہِ حسد یا ستمگاری ان کو کہا کہ تم نے جتنی نمازیں ہماری رضا بغیر پڑھائی ہیں۔ وہ سب فاسد ہیں۔ جاؤ اور یمن تک جہاں جہاں نماز پڑھائی ہے وہاں کے لوگوں کو نماز کے اعادہ کا کہو۔ اور خود اپنی تمام نمازوں کا بھی اعادہ کرو۔ ملّا جعفر صاحب نے جواب دیا کہ شریعتِ اسلامیہ میں تو کسی ایسی نماز کے اعادہ کا حکم نہیں ہے۔ اور نہ امامت نماز کے لئے رضا (اجازت) کی شرط ہے۔ یہ بات سُن کر داعی صاحب غیض و غضب میں آگئے۔ اور ملّا صاحب موصوف کو مجلس سے نکال دیا۔ ملّا صاحب موصوف کو داعی کی یہ حرکت نہایت ناپسند ہوئی۔ اور ان پر مذہب باطنیہ کی خرابی آشکارا ہوگئی۔ بس اتنی بات پر وُہ خود بھی سنی المذہب ہوگئے۔ اور اپنی زبردست تقریر و تبلیغ سے قریبًا بارہ لاکھ باطنی بوہروں کو سنی المذہب کر لیا۔ چنانچہ یہ بوہرے جعفری مشہور ہوئے۔ اور اُن کا مذہب سنّی ہو گیا۔ چنانچہ اب تک یہ سب سنّی اور دین کے نہایت پابند ہیں ؛

سلیمانی بوہرے اُن کے داعی سلیمان نامی کی جانب منسوب۔ اُن کا

مرکزِ دعوت فی الحال حیدرآباد دکن میں ہے۔ اکبر علی حیدری الملقب بہ نواب حیدر نواز جنگ اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس فرقہ کے لوگ کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ ان کی وضع قطع اور طرزِ ماند و بود داؤدی بوہروں کی طرح ہے۔ اور امامت و عقائد میں بھی کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ صرف دعوت میں اختلاف ہے کہ داؤدی بوہرے داؤد ابن قطب شاہ کو داعی مانتے ہیں۔ اور سلیمانی بوہرے سلیمان کو ؛

داؤدی بوہروں کی معقول تعداد ہے۔ ان میں بہ نسبت دوسری شاخوں کے ظاہر شریعت کی پابندی بھی ہے۔ ان کا مرکز دعوت سُورت ہے مگر آج کل اس کے داعی بمبئی میں زیادہ رہتے ہیں۔ یہ بڑے خوش اخلاق اور فیاض و باذل ہیں۔ ہر قوم کے لوگ ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مذہب کو اور اپنے مذہب کی کتابوں کو نہایت اہتمام سے اغیار سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ مذہبی معاملہ میں لڑائی جھگڑا اور بحث و مباحثہ نہیں کرتے۔ نہایت امن پسند قوم ہے۔ مگر بعض کم علم ملانوں میں مذہبی تعصّب حد سے زیادہ ہے۔ کچھ عرصہ سے داؤدی بوہروں میں بھی باہم اختلاف ہو گیا ہے۔ بوہروں کی ایک معقول تعداد موجودہ ملا صاحب کو داعی مطلق نہیں کہتی۔ ان کا قول ہے کہ دعوت کا سلسلہ ملا بدر الدین پر ختم ہو گیا۔ یعنی انہوں نے اپنے انتقال کے وقت کسی کی دعوت پر کسی قسم نص نہیں کیا۔ ان کے بعد ملا نجم الدین جو داعی ہوئے۔ وہ حقیقت میں داعی منصوص نہیں تھے۔ بلکہ قوم کے سردار یا منتظم داعی کی حیثیت سے قوم کے مذہبی معاملات کی قیادت کرتے تھے۔ اور پھر اُن کے بعد کے تین داعی اور موجودہ ملا طاہر سیف الدین صاحب تک جتنے داعی ہوئے۔ وہ بھی سردار کی حیثیت سے سیّدنا پکارے جانے لگے۔ لیکن موجودہ ملا صاحب کے باقی متبعین جن کی تعداد اُن سے بہت زیادہ ہے وہ کہتے ہیں کہ موجودہ ملا صاحب داعی مطلق ہیں۔ اور کتابوں کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ دعوت کا سلسلہ قیامت تک کبھی منقطع ہونے والا نہیں۔ اُن کے نزدیک یہ ۵۱ ویں داعی مطلق ہیں۔ ان داعی صاحب کی طرف سے تمام قریات و امصار میں عاملین مقرر ہیں۔ جو نیابتاً ملا صاحب موصوف کی طرف

سے احکام شرعیہ جاری کرتے۔ زکوٰۃ وصول فرماتے۔ اور عبادات و معاملات میں اہل قریہ کی رہبری کرتے ہیں۔ اس قوم کا نظام قابل تعریف ہے۔ جس کا اعتراف رسالوں۔ اخباروں۔ تقریروں۔ تحریروں اور جلسوں وغیرہ میں ہماری قوم کے بڑے بڑے علماء مثلاً مولانا حبیب الرحمٰن صاحب شروانی صدر الصدور امور مذہبی (سورت کی ایجوکیشنل کانفرنس میں) کر چکے ہیں۔

دعوتِ باطنیہ کی تاسیس ایک جماعت سے متعلق ہے۔ جن کا پیش رو امام جعفر الصادق کا ایک اہوازی غلام میمون ابن دیصان تھا۔ جو قداح کے لقب سے مشہور ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس دعوت کے پھیلانے میں سب سے زیادہ عبداللہ ابن میمون قداح نے حصہ لیا۔ جس نے خود کو اسماعیل کی نسل سے منسوب کیا۔ اور اپنی جماعت لے کر قیرواں پر حملہ کر دیا۔ پھر مصر میں داخل ہوا۔ اور وہاں شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی۔ تمام خلفاء بنو فاطمہ کے زمانہ میں یہی شہر فرقہ باطنیہ کا مرکز دعوت رہا۔ اور وہ اپنے عقائد کی تبلیغ یہیں سے اطراف ممالک میں کرتے رہے۔ یہ شہر ۳۶۳ھ میں تعمیر ہوا ہے۔

علامہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق میں لکھا ہے۔ کہ فرقہ باطنیہ اسلامی فرقوں سے خارج ہے۔ پھر اُن کے عقاید بیان کر کے اپنے اس قول کی توثیق کی ہے۔ ممکن ہے کہ فرقہ باطنیہ کی بعض شاخوں مثلاً صباحیہ وغیرہ کے عقائد ایسے ہی ہوں۔ لیکن جن دو فرقوں کا حال اوپر لکھا ہے۔ ان کے ظاہر افعال و اعمال تو ایسے نہیں معلوم ہوتے کہ اُنہیں فرقہ ہائے خارج از اسلام محسوب کیا جائے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

ذیل میں ہم فرقہ باطنیہ کے آئمہ کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔ جس سے قارئین کرام کو بصیرت حاصل ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ فرقہ باطنیہ کہاں سے فرقہ امامیہ سے جُدا ہوا۔ اور یہ کہ نزار کہاں سے الگ ہوئے۔

۱ مولانا علی ابن ابی طالب امام و خلیفہ اول بہ اعتقاد شیعہ و امامیہ۔ و وصی محض بہ اعتقاد فرقہ باطنیہ۔

۲ مولانا الحسن ابن علیؑ امام اول فرقہ باطنیہ و امام دوم فرقہ شیعہ

امامیہ، (۳) مولانا الحسین ابن علی۔ (۴) مولانا زین العابدین ابن الحسینؓ۔ (۵) مولانا باقر ابن زین العابدینؓ۔ (۶) مولانا جعفر الصادق ابن الباقر (۷) حضرت موسیٰ کاظم ابن جعفر صادق۔ (۸) حضرت علی رضا ابن موسیٰ کاظم (۹) حضرت علی نقی ابن علی رضا رضؓ (۱۰) حضرت علی تقی ابن علی نقیؓ۔ (۱۱) حضرت حسن عسکری (۱۲) حضرت مہدی المنتظر ؛

مذکورہ بالا بارہ اسلامی شیعیان امامیہ کے بارہ امام ہیں لیکن فرقہ باطنیہ کے لوگ ان میں سے پچھلے چھ اماموں کو نہیں مانتے۔ بلکہ وہ امام جعفر صادق کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادہ حضرت اسماعیل کو امام مانتے ہیں۔ ان کا سلسلہ اس طرح ہے :۔

(۶) حضرت اسماعیل ابن جعفر صادق (۷) محمد ابن اسماعیل (۸) عبد اللہ ابن محمد۔ (۹) احمد ابن عبد اللہ۔ (۱۰) حسین ابن احمد (۱۱) عبد اللہ امام مہدی (۱۲) محمد ان القاسم (۱۳) اسماعیل منصور (۱۴) المعد ن المغر (۱۵) نزار العزیز (۱۶) الحسین الحاکم (۱۷) علی الطاہر (۱۸) المعد ن المستنصر (۱۹) احمد المستعلی۔ (۲۰) المنصور (۲۱) الطیب مستور۔ (۲۲) قائم القیامۃ ؛

یہ مستعلوی فرقہ کے ۲۱ امام ہیں۔ قائم القیامہ کو صرف امام نہیں مانتے بلکہ اُنہیں صاحب النبوت والرسالت والوصایت بھی کہتے ہیں۔ نزاری فرقہ خلیفہ المستنصر تک ان کے ساتھ چلتا ہے۔ اس کے بعد وہ نزار پسر المستنصر کو امام مانتا ہے ؛

کتاب ہذا کے متعلق حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی رائے

از مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی دفتر اول صفحہ ۲۱

ارباب تکلیف پر پہلے نہایت ضروری ہے کہ علمائے اہل سنت والجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی راؤں کے موافق اپنے عقائد کو درست کریں۔ کیونکہ عاقبت کی نجات انہی بزرگوں کی بے خطا راؤں کی تابعداری پر موقوف ہے۔ اور فرقہ ناجیہ بھی یہی لوگ اور اُن کے تابعدار ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں۔ جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُن کے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے طریق پر ہیں۔ اور ان علوم سے جو کتاب و سنت سے حاصل ہوئے ہیں۔ وہی معتبر ہیں۔ جو ان بزرگوں نے کتاب و سنت سے اخذ کئے ہیں اور سمجھے ہیں۔ کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ بھی اپنے فاسد عقائد کو اپنے خیالِ فاسد میں کتاب و سنت ہی سے اخذ کرتا ہے۔ پس ان کے مفہومہ معانی میں سے ہر معنی پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔ اور ان عقائد حقہ کی درستی کے لئے امام اجل تور بشتی کا رسالہ بہت مناسب اور آسان فہم ہے۔ اپنی مجلس شریف میں اس کا ذکر کرتے رہا کریں۔ لیکن رسالہ مذکورہ چونکہ استدلال پر مشتمل ہے۔ اور اس میں طول و بسط بہت ہے۔ اس لئے کوئی ایسا رسالہ جو صرف مسائل ہی کو شامل ہو۔ بہتر اور مناسب ہے۔ اسی اثنا میں فقیر کے دل میں خیال گذرا کہ اس بارہ میں ایک ایسا رسالہ لکھے۔ جو اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ہو۔ اگر ہو سکا تو جلد ہی لکھ کر خدمت میں بھیجا جائے گا۔

(مکتوب ۱۹۳ مکتوبات شریف)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمۃ الکتاب

الٰہی ہم تیری حمد کرتے ہیں۔ اور تیری نعمتہائے بے منتہا کے شکر میں شب و روز تر زباں رہتے ہیں۔ کہ تو نے محض اپنے کرم عمیم اور لطف جسیم سے ہمیں خلق فرما کر اپنی اطاعت و عبادت پر مامور فرمایا۔ جیسا کہ تیرا منطوق واجب الوثوق وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ اس کا شاہد ہے۔ خدایا تیرے احسان بے نہایت اور جود بے قیاس کے منت شناس اور سپاس گذار ہیں۔ کہ تو نے ہمیں ایمان و اسلام کی توفیق عطا فرما کر کفر و شرک کی آلودگیوں سے دور رکھا۔ تو نے اپنے حبیب محبوب اور رسول مقبول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ دین پاک اور اسوۂ حسنہ ہم کو مرحمت فرمایا۔ جو افراط یہود اور تفریط نصاریٰ سے مبرا اور صراط مستقیم اعتدال کا رہنما ہے۔ اس میں نہ دین موسوی کی طرح ربع مال کی زکوٰۃ اور قتل نفس توبہ کا کفارہ مقرر ہے۔ اور نہ اس کو آئین ملت عیسوی کی طرح تحلیل شرب خمر اور اکل لحم خنزیر سے سروکار ہے۔ بلکہ اس افراط و تفریط سے پاک اور ہر ایک نقص و خطا سے بے باک ہے۔ الٰہ العالمین ہم تیرے ان انعامات بے پایاں اور الطاف نمایاں کی حمد سرائی کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ تو نے فرقہ ہائے ضالہ مذکور فی الحدیث سید المرسلین تفترق امتی علی ثلاثۃ وسبعین الخ سے ہمیں مامون و محفوظ رکھ کر سواد اعظم اہل سنت والجماعت میں پیدا اور اسی پر قائم رکھا۔ اس فرقہ حقہ منجیہ میں نہ تو جبریہ کی طرح یہ امر مسلم ہے کہ بندہ مثل جماد بے قدرت و اختیار ہے۔ اسمیں خالق و

کسب کی کچھ بھی صلاحیت نہیں۔ اور نہ وہ قدریہ کی مانند اس بات کا معتقد ہے کہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے۔ بلکہ اس کا اعتقاد ہے کہ بندہ میں کسب کی قدرت ہے۔ اور خالق افعال خدائے عزوجل ہے۔ وہ مثل خوارج کے نہ تو جناب سیدنا علیؓ اور صحابۂ رسولؐ سے عداوت اور تبرا کرتا ہے۔ اور نہ مانند روافض کے صحابۂ رسول اللہ صلعم پر لعن و طعن کی آوازیں کستا ہے وہ امامت شیخین کا قائل محبت ختنین اور مسح علی الخفین کا معتقد ہے۔ اور اُس کی زبان سب و شتم اصحاب رسولؐ سے سوائے خیر کے مکفوف ہے وہ خدا کے لئے تشبیہ و تعطیل و تجسیم کا قائل نہیں۔ اور نہ فلاسفہ کا سفہ کی طرح عقل جزوی پر مصر اور مستند ہے۔ پروردگارا ہم تیری اس بے بہا نعمت کا کیونکر شکر ادا کریں کہ تو نے رحمت عالم اکرم بنی آدم حضرت محمد رسول اللہ کو ہمارا ہادی و مولی و آقا بنایا۔ اور ان کی شان الامین کہیں تو خطاب بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ الرَّحِيْمُ فرمایا اور کہیں وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ سے اُن کی قدر و منزلت کو آدم و ما دون آدم سے بڑھایا فَصَلَوٰةُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بعد کہتا ہے بندہ گنہگار بے بضاعت سراپا نادانی و جہالت راجی رحمۃ رب الصمد اختر محمد الحنفی قادری نقشبندی مجددی رامپوری متوطن برہان پور ابن علامہ زمان فاضل دوران رحلۃ العلم و العلماء قدوۃ الصفیاء مولوی فیض محمد خاں علیہ و علی آبائہ رحمۃ اللہ المنان کہ جب میں تحریر و تسوید ترجمہ کتاب مستطاب مقبول ہر شیخ و شاب المعتمد فی المعتقد المشہور بعقائد نور بشتی مصنفہ حضرت شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بفضل خدا بطفیل روح پاک سید الانبیاء علیہ و علی آلہ التحیۃ والثناء سے فارغ ہوا تو خاطر فاتر میں گذرا کہ جس طرح تبصرۃ الناظرین آخر کتاب میں ایک تکملہ مفیدہ لگا دیا ہے۔ اسی طرح بغرض تعمیم فائدہ اول کتاب میں ایک مختصر دیباچہ مقدمۃ الکتاب بھی بڑھا دوں تاکہ ترجمہ دیکھنے والوں کو حصول مطلب میں دقت نہ ہو اور کتاب موصوف طالبان حق کے لئے ہر طرح موجب برکت ہو۔ لہٰذا اس غرض صحیحہ کو پیش نظر رکھ کر اس مقدمہ کو اس فن شریف (علم کلام) کی کتب معتبرہ سے اخذ کر کے بعنوان لطیف معرض تحریر میں لایا۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ

الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ٭

جاننا چاہیئے کہ علم کلام وہ علم ہے جس میں ذات وصفات باری تعالے اور اعتقادات اسلامیہ کے متعلق بحث ہوتی ہے۔ اسی کو علم عقائد بھی کہتے ہیں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ النعمان ابن الثابت الکوفی التابعی رحمۃ اللہ علیہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس فن کی تدوین و ترتیب کی جانب توجہ مبذول فرمائی۔ وہ اس صنف خاص میں مثل اور فنون و علوم سنتی کے اپنے تمام معاصرین سے سبقت لے گئے۔ اس فن کی مدح و ذم میں علمائے سلف سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ جن کو ملا علی القاری الہروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح فقہ الاکبر میں نہایت خوبی سے مستنبط کیا ہے خلاصہ ان سب اقوال کا یہ ہے کہ ابحاث کلامیہ میں اگر اصول دین سے تجاوز اور اس میں محض عقل جزئی کی متابعت ہو تو علم کلام کے مذموم ہونے میں کسی کی جانب سے خاص اور الکلام فی کذا و کذا کی طرف مائل رہتا ہے۔ اور اگر مسائل کلامیہ و اعتقادیہ کی بحث میں کتاب سنت و اجماع امت کے دلائل و استنباطات سے کام لیا جائے۔ اور اقوال معقولہ فلاسفہ و حکماء سے قطع نظر کی جائے تو حقیقت یہ ہے کہ علم کلام نہایت مفید اور مفیض علم ہے۔ کیونکہ معرفت ان اعتقادیات کی جو اس علم میں بیان ہوتے ہیں۔ ہر ایک انسان مکلف پر واجبات شرعی سے ہے اور یہی ایک واحد ذریعہ ادیان و ملل باطلہ کی تردید دین حق کی تائید اور فرقہائے ضالہ کی فریب دہی اور دھوکہ بازی سے مصئون و مامون رہنے کا ہے۔ پس نظر بہ ہر دو مقاصد مذکورہ علمائے کرام نے اس علم میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ اور خدا کا شکر ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت کے لیئے موجب حصول سعادت دارین ہوئیں۔ اگر علمائے اعلام اس کی تدوین کی جانب توجہ تام نہ فرماتے۔ تو اندیشہ تھا کہ قصر اہل سنت کی بنا بہت جلد متزلزل ہو جاتی۔ اس لیئے کہ بعد خیر القرون کے بے شمار عقائد باطلہ اور فرقہائے مختلفہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور ان کی خاص غرض یہ تھی کہ فرقہ ناجیہ ملت حقہ نقیہ اہل السنت کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں اور اس طرح اسلام کے عالیشان محل کو بیخ و بنیاد سے اکھیڑ ڈالیں۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ

اَلْمُشْرِکُوْنَ نا چاہتے ہیں کہ خدا کے عالمتاب اور لازوال نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ اور اللہ تعالیٰ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کا۔ اگرچہ شرک کرنیوالے بُرا سمجھیں ۞

علم کلام کی تدوین کا سبب

اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ علم کلام کی تدوین کا سبب فتنہ ہائے زمانہ کا خروج اور ظاہر ہونا ہے ورنہ متکلمین اسلامیہ کو کیا ضرورت تھی کہ مسائل کلامیہ کو موجودہ صورت میں کتابوں میں مرتب مدون کرتے چنانچہ صحابہ کرام کے زمان مسعود میں کلام و بحث کا مطلق وجود نہ تھا۔ اور اس کا یہی سبب تھا کہ مشکوٰۃ نبوت سے فیض اٹھانے والے موجود تھے۔ ہر شخص اپنے شکوک و شبہات کو کسی صحابی سے پوچھ کر رفع دفع کر لیتا۔ اور تحقیق حق کے بعد اس کی پوری تسکین ہو جاتی ایک اور بات یہ تھی کہ اس زمانہ میں کثرت سے باہم اس درجہ کی مخالفت بھی نہ تھی۔ جس سے ایک دوسرے کی تضلیل و تکفیر لازم آتی۔ اور اگر احیانًا کسی سے خلاف دیکھا بھی جاتا تو فورًا اس کو تعزیر و تادیب کر دیجاتی۔ یا دراس کے سوا دوسرے ضروری بواعث ایسے تھے جس سے ان بزرگوں کو نہ تو اس علم کے جمع کرنے کی ضرورت ہوئی اور نہ مجاہدات ظاہری و باطنی سے انہیں اتنی مہلت ملی کہ وہ اس طرف عنان توجہ منعطف فرماتے۔ اگرچہ انہیں معلوم تھا کہ حسب فرمان نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عنقریب اُمّت مرحومہ تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔ اُن میں ایک ہی فرقہ ناجیہ ہوگا۔ باقی سب ناری۔ کیونکہ نقیضین متقابلین میں حق ہمیشہ ایک ہی میں دائر ہوتا ہے۔ لیکن انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرقہ ناجیہ کی علامت بیان فرما دی ہے کہ وہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رستہ پر چلنے والے اور امور دینیہ میں انہیں کی پیروی کرنے والے ہونگے۔ لہٰذا ان کو اس جانب سے قبل وقوع دفعۃً اور سنوح سانحہ کے کچھ اندیشہ و تردد نہ تھا۔ اب جب کہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حدیث کے موافق ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ اور جامعہ اسلام فرقہ فرقہ ہونے لگا۔ تو علما کو ضرورت پڑی کہ اہل سنت کے عقائد حقہ کو کتابی صورت میں جمع کر دیا جائے۔ اور عقائد باطلہ سے تعرض نہ کیا جاوے۔ پھر اس کے بعد

آنے والے علما کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اُن کے باطل خیالات اور مجنونانہ مزخرفات کی ساتھ کے ساتھ تردید بھی کر دیجائے اور جس پیمانہ سے اُنھوں نے ناپا ہے۔ اُس پیمانہ سے انہیں بھی ناپ کر دیا جائے ؎

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

افتراق اُمت کی حدیث

افتراق اُمت کی حدیث مختلف طریقوں پر مروی ہے۔ مگر مطلب سب کا ایک ہے۔ عَنْ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ مَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ عَلٰى اِثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَاسْتَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثَةٍ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنِ الْمِلَّةِ الْوَاحِدَةُ الَّتِيْ تَتَنَقَّلَبُ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ (رواہ فی الفرق بین الفرق) حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا قریب ہی میری امت پر وہ واقعہ آنیوالا ہے۔ جو بنی اسرائیل پر گذرا۔ بنی اسرائیل کے بہتر فرقے ہوئے۔ اور میری اُمت کے تہتر فرقے ہونے والے ہیں۔ وہ سب دوزخی ہیں۔ مگر ایک فرقہ۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسا فرقہ ہے۔ جو دوزخ میں نہیں جائیگا۔ آپنے فرمایا۔ وہ جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔

بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ یہود کے اکہتر فرقے ہوئے اور نصاریٰ کے بہتر اور میری امت کے تہتر فرقے ہونگے۔

بعض علما کہتے ہیں کہ اہل ادیان چار فرقے ہیں۔ مجوس۔ یہود۔ نصاریٰ اور اہل اسلام پس مجوس کے ستر۔ یہود کے اکہتر اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے اور اہل اسلام کے تہتر فرقے ہونے والے ہیں۔ ان میں سب غیر ناجی ہونے والے ہیں اور فرقہ ناجیہ صرف ایک ہی ہے یعنی جماعت صرف رسول خدا اور صحابہ کرام کے قدم بقدم چلنے والی ہے۔

نیز خلف سے رشید بن سے مروی ہے کہ انھوں نے افتراق امت کا ذکر کیا کہ

فرقہ ضالہ سے مراد کون لوگ ہیں۔

وہ فرقہ فرقہ ہو جائے گی۔ اور پھر کہا کہ اُن میں فرقہ ناجیہ ایک ہی ہوگا۔ اور رسُول خدا سے مروی ہے کہ آپ نے قدریہ کی مذمت کی اور فرمایا کہ وہ اس امت کے مجوس ہیں اور نیز آپ سے فرقہ مرجیہ کی مذمت مروی ہے اور نیز مروی ہے کہ آپ نے مارقین یعنی خوارج کی مذمت فرمائی۔ اور نیز احادیث کثیرہ سے روافض کی مذمت ثابت ہے دیکھو صواعق محرقہ تو ان تمام مرویات سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث مذکورہ میں فرقہائے مذمومہ ناریہ سے مراد فقہائے کرام رضی اللہ عنہم کے فرقے نہیں ہیں کیونکہ ان کا اختلاف باہمی صرف فروعی مسائل تک محدود ہے اور اصول دین میں وہ سب کے سب متفق ہیں۔ اس لیئے کہ حلال و حرام وغیرہ فروعی مسائل کی بابت جو مسلمانوں کو ایک دوسرے سے اختلاف ہے۔ وہ دو حال سے ایک یہ کہ علما کا ایک گروہ کہتا ہے کہ فروع فقہ میں تمام مجتہدین مصیّب ہیں۔ اور سب کی رائے راجع بصواب ہے۔ دوسرے یہ کہ جماعت علما کی فرقہائے فقہا میں صرف ایک ہی فرقہ کو مصیّب کہتی ہے۔ باقی کو مخطی لیکن اس خطا کے سبب اُن کی تضلیل نہیں کرتی۔ تو معلوم ہوا کہ مراد فرقہائے مذمومہ فی الحدیث سے اہل ہوا و ضلالت کے فرقے ہیں جنہوں نے فرقہ ناجیہ کی ابواب عدل و توحید یا وعد و وعید یا قدر و استطاعت یا تقدیر خیر و شر یا باب ہدایت و ضلالت یا باب ارادت و مشیت یا باب رویت و ادراک یا باب صفات و اسمائے الٰہی یا باب تعدیل و تجویز یا ابواب نبوّت و شروط یا باب خلافت و امامت یا حشر و نشر وغیرہ میں جس پر اہل السنت و الجماعت کا اجماع ہے۔ مخالفت کی اور اس کے مقابل اپنی بدعتوں اور اہوا کو لوگوں میں پھیلایا۔ ان مخالفین فرقوں کی بڑی قسمیں یہ ہیں قدریہ۔ خوارج۔ روافض۔ نجاریہ۔ کرامیہ۔ مرجئہ۔ جہمیہ۔ مجسمہ اور مشبہہ وغیرہ پھر ان میں سے ہر ایک فرقہ کی شاخیں پھیلیں۔ جو سب مل کر بہتّر ہوتی ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ تمام فرقے اور اُن کے بعد جتنے آخر وقت تک حادث ہونگے۔ فرقہائے باطلہ میں داخل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ابواب مذکورہ میں اِن فرقوں کا اختلاف فروعی اختلاف نہیں ہے بلکہ یہ اختلاف اصول دین کا اختلاف ہے ٭

فروعی اختلاف تو ابتدائے اسلام سے ہوتا آیا ہے۔ اور وہ امت کے لئے رحمت ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔ اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ اختلاف

اختلافات اُمت کی دلچسپ کہانی

اُمت کی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ حیات تک تمام مسلمان ایک ہی طریقہ کے پابند اور منہاج واحد کے پیرو تھے۔ آنحضرت کا انتقال فرمانا تھا کہ اختلاف شروع ہوا۔ پہلے آپ کی وفات کے معاملہ میں دو گروہ ہوگئے ایک بسبب محبت اور وفور محبوبیت اور جلالت قدر اور تقرب حق کے جو آپ کو حاصل تھا۔ آپ کی عدم ممات کا قائل ہوگیا۔ اور کہا کہ آنحضرت مرے نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مثل عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے آسمان پر اٹھانا چاہا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو جب خبر پہنچی تو آنحضرتؐ کے سرہانے آئے۔ اور چہرۂ انور سے چادر اٹھا کر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ یعنی بے شک اے نبیؐ تم وفات پانے والے ہو۔ اور بیشک وہ سب وفات پانے والے ہیں۔ اس آیت کے سننے سے لوگوں کے ہوش بجا ہوئے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَاِنَّهُ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ (رواہ البخاری) جو شخص محمدؐ کی عبادت کرتا تھا۔ تو محمدؐ تو مرگئے۔ اور جو محمدؐ کے پروردگار کی عبادت کرتا تھا۔ تو بے شک وہ زندہ ہے کبھی نہیں مریگا۔

غرض یہ اختلاف رفع دفع ہوا اور ابوبکرؓ کی بات سب کے دل پر ایسی موثر ثابت ہوئی کہ قائلین اپنے خیال سے تائب ہوگئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن کرنے کے باب میں اختلاف ہوا۔ بعض کہتے تھے کہ آپ کو مکہ میں دفن کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہی آپ کا مولد اور مبعث اور قبلہ اور موضع نسل ہے اور وہیں آپکے دادا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر ہے۔ اور اہل مدینہ چاہتے تھے کہ آپ مدینہ میں دفن کئے جائیں کہ یہ آپ کا دار ہجرت اور دار انصار ہے۔ بعض کہتے تھے کہ آنحضرتؐ کو بیت المقدس میں دفن کرنا اچھا ہے۔ کیونکہ وہاں آپکے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰت اللہ علیہ کی قبر ہے۔ یہ اختلاف یونہی بڑھتا جاتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ حدیث پڑھی اَلْاَنْبِيَاءُ يُدْفَنُوْنَ حَيْثُ يُقْبَضُوْنَ (رواہ فی المشکوٰۃ) یعنی انبیا اُسی جگہ دفن کئے جاتے ہیں۔ جہاں اُن کی روح قبض ہوتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث پر عمل کیا گیا۔ اور آنحضرتؐ کو مدینہ میں

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں دفن کیا گیا کہ یہیں آپ نے وفات پائی تھی ؁

اس کے بعد امارت کے متعلق اختلاف ہوا۔ انصار کہتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ ہم میں سے ہونا چاہیئے۔ اور وہ مسلمانوں کی بیعت کے لیئے سعد بن عبادہ خزرجی کو تجویز کرتے تھے۔ اور قریش کہتے تھے کہ امامت کا مستحق قریش کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ انصار یہ بھی کہتے تھے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو۔ اور ایک قریش میں سے۔ اس وقت بھی حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہؐ سے ایک ایسی حدیث روایت کی جس کو آپ کے سوا چند جلیل القدر اصحاب نے بھی آنحضرتؐ سے سنا تھا۔ اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ (رواہ البخاری) یعنی امامت قریش سے ہوگی۔ سب نے اس حدیث پر سرِ تسلیم خم کیا۔ اور بعد امعان نظر و بحث و مباحثہ حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کرلی۔ لیکن یہ اختلاف ابھی تک باقی ہے کہ امامت غیر قریش میں کیونکر ناجائز ہے۔ اور قریش ہی میں محصور کیوں رہے۔ چنانچہ ضرار اور خوارج غیر قریش میں بھی امامت کو جائز کہتے تھے۔ حدیث مذکورہ کے باب میں تفصیلی بحث کے لئے دیکھو صفحہ ۳۱۲ عقائد تورپشتی بعد ازاں زمین فدک اور توریث ترکہ انبیا کے باب میں اختلاف ہوا جبکہ ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ سے یہ حدیث سنائی۔ اَلْاَنْبِيَاءُ لَا يُوَرِّثُوْنَ (رواہ الترمذی) انبیاء اپنے ترکات کا وارث نہیں رکھتے۔ ان کا ترکہ عام مسلمانوں کے لیئے صدقہ ہے۔ پھر زکوٰۃ نہ دینے والوں کے متعلق اختلاف

لے حبیب السیر میں ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کی خبر سن کر جب سقیفہ بنی ساعدہ میں امر خلافت کے باب میں گفتگو کرنے کے لیئے مہاجرین و انصار جمع ہوئے۔ تو ان دونوں گروہ سے ہر شخص اپنے مفاخر اور مناقب بیان کرنے لگا جب یہ خبر صحابہ عظام کو پہنچی تو حضرت ابوبکر و عمر اور ابوعبیدہ ابن الجراح رضوان اللہ تعالیٰ علیہم چند دوسرے صحابیوں کے ساتھ دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ انصار خلافت کے لیئے سعد ابن عبادہ کو کوشش کرتے ہیں اور مہاجرین کسی طرح راضی نہیں ہوتے ناچار ہوکر انصار کہتے ہیں کہ اچھا ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔ اتنے میں عین وقت پر فاروق اعظمؓ نے مجمع کو مخاطب کرکے کہا۔ اے گروہ انصار تم نے سید الابرار سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ بشر ابن سعد انصاریؓ نے جواب دیا خدا کی قسم میں نے یہ حدیث آنحضرتؐ سے سنی ہے حضرت ابوبکرؓ نے اس کی حق گوئی کی مدح کی اور بعد جزئی رد و کد کے پہلے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر ابوعبیدہ نے اس کے بعد تمام حاضرین نے بعض مورخین کہتے ہیں کہ پہلے بشر ابن سعد انصاری نے بیعت کی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حباد بن بشیر نے پہلے بیعت کی غرض پہلے روز تو یہ ہوا اور دوسرے روز عام بیعت واقع ہوئی ۱۲

سقیفہ بنی ساعدہ کا واقعہ

ہوُا کہ اُن سے قتال کرنا چاہیئے یا نہیں۔ چنانچہ اُن سے جدال و قتال کرنے کے وجوب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر اتفاق ہوُا۔ اُس کے بعد صحابہ کرامؓ طلیحہ[1] کے قتال میں مشغول ہو گئے۔ یہ ایک شخص تھا جو اسلام میں داخل ہو کر پھر مرتد ہو گیا۔ اور نبوّت کا دعویٰ کر رکھا۔ جب مسلمان اس کے قتل و ہلاک کے درپے ہوئے۔ تو وہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ اور مدت تک یونہی آوارہ پھرتا رہا۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں پھر مدینہ میں آ کر مشرف باسلام ہوُا۔ اور شیر دل سعد ابن وقاص کے ساتھ حرب قادسیہ میں بعد ازاں حرب نہاوند میں شریک رہا۔ اور نہاوند کی لڑائی ہی میں شہید ہوُا۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم ؛

پھر مسلمان مسلیمۃ الکذاب[2] کے قتال میں مشغول ہوئے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اہل اسلام کو اس پر پُورا غالب کیا۔ اس طرح سجاح عورت پر جس نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا اور نیز اسود ابن کعب عنسی مدعی نبوّت پر خدا نے اہل اسلام کو فتح کاملہ عطا فرمائی۔ اس کے بعد مسلمان بالاتفاق تمام مرتدوں کے قتل و ہلاک پر جھک پڑے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ تمام مرتد طعمہ تیغ بے دریغ لشکر اسلام کے ہوئے۔ اس سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے غیر مسلم اقوام سے بڑی بڑی لڑائیاں کیں۔ اور رُدم۔ شام اور

---

[1] طلیحہ اسدی اور مسلیمۃ الیمامی اور سجاح بنت حارث تغلبی اور اسود عنسی یمنی ان چاروں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تھا پہلے تینوں شخصوں کی بابت یہ تحقیق ہے کہ ان کا دعویٰ نبوت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ظاہر ہوا۔ مگر اسود کی نسبت مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک شخص ملقب بہ ذوالحمار تھا یمن سے حدود یمن میں نبوت کا دعویٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آخر ایام حیات میں کیا۔ اور آپ ہی کے سامنے فیروز نامی ایک مسلمان کے ہاتھ سے ہلاک ہوُا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اُس کی ہلاکت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔ طلیحہ اسدی نے پہلے تو مسلمانوں سے مقابلہ کیا۔ پھر جب ہزیمت ہونے لگی تو طرف شام کو بھاگ گیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایمان لا کر حرب نہاوند میں فائز بدرجہ شہادت ہوُا ؛

[2] مسلیمۃ الکذاب وحشی قاتل سید الشہدا حضرت امیر حمزہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور سجاح عورت وہ اپنے چار سو سپاہی لے کر موصل کی طرف بھاگ گئی۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت تک زندہ رہ کر مشرف باسلام ہوئی ۔ ۱۲ منہ ؛

عجم وغیرہ ممالک عظیمہ کو فتح کیا۔ اس وقت تک مسلمان کلمہ واحدہ پر جمع تھے۔ اور اُن میں اصول دین کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ یہ جزئی اختلاف جو اوپر بیان ہوا اور اس کے سوا جو فروع فقہ کے متعلق اختلاف رہا۔ یہ سب احقاق حق کی غرض سے تھا۔ اس میں کسی قسم کا شائبہ نفس اور ریا کا نہ تھا۔ اور نہ مخالفت اس غرض سے تھی کہ اُس سے دوسرے کی تفضیل یا تفسیق مقصود ہو حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت اور نیز حضرت عثمانؓ کے خلافت کے پہلے چھ سال تک یہی حال رہا۔ اس[1] کے بعد ایک ناگفتنی اختلاف مسلمانوں میں واقع ہوا وہ یہ کہ بعض جزئی اختلاف رائے کی وجہ سے ظالموں نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالا۔ اُن کے شہید ہونے کے دوسرے روز حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کرسی خلافت پر متمکن ہوئے۔ لیکن چونکہ یہ خلافت استخلاف اور انتخاب

[1] کتب تاریخ میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ایام میں اپنے قرابت داروں کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے تھے۔ اور انعامات بھی اُن پر زیادہ کیا کرتے۔ اس سے بعض صحابی منع بھی کیا کرتے۔ تو آپ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اکثر صحابہ رضؓ کو آپ کا یہ سلوک بُرا معلوم ہوتا۔ اسی حالت میں آپ نے عبداللہ ابن ابی سرح کو مصر کا خلیفہ کر دیا۔ باوجودیکہ اُس نے مصریوں پر بہت کچھ ظلم کیا۔ اور صحابہ رضؓ نے منع بھی کیا۔ کہ اس کو معزول کر دیا جائے۔ مگر آپؓ نے نہ مانا۔ آخر جب جناب علی کرم اللہ وجہہ نے اس کے عزل کی بابت بہت کچھ اصرار کیا۔ تو آپؓ نے حسب صوابدید صحابہؓ محمد ابن ابی بکرؓ کو مصر کی گورنری کا فرمان دے کر مصریوں کے ہمراہ روانہ کیا۔ لیکن مروان نے جس کو حضرت عثمان رضی اللہ کے مزاج میں بڑا دخل تھا۔ یہ چال چلی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک فرمان عبداللہ مذکور کے نام لکھا کہ تم اپنے عہدہ پر قائم رہنا۔ اور محمد ابن ابی بکر اور ان کے ہمراہیوں کو محبوس اور قتل کر دینا۔ یہ فرمان مہر خلافت سے مزین عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام کے ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے اونٹ پر سوار کر کے بھیجا گیا۔ جس کو محمد ابن ابی بکر کے لشکریوں نے رستہ میں پکڑ لیا۔ پھر تو لوگوں کو آپؓ کی طرف سے بڑی بدگمانی ہوئی۔ اور بڑی جمعیت کے ساتھ مدینہ منورہ میں آ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اور باوجود سخت روک تھام کے مکان میں گھس کر محمد ابن ابی بکر کے دو ہمراہیوں نے آپؓ کو شہید کر ڈالا ؛ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ؛

آپؓ کی شہادت کا واقعہ بڑا افسوسناک ثابت ہوا۔ آپؓ ۳۵ھ ہجری میں ذوالحجہ کی ۱۸ تاریخ شہید کئے گئے۔ شنبہ کی شب کو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

اور فتوری کے ذریعے عمل میں نہیں آئی۔ اور چونکہ فتنہ عثمانؓ کے باب میں اہل اسلام کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ اس لئے آپ کی خلافت میں عجیب و غریب واقعات پیش آئے۔ پہلی بات یہ سامنے لائی گئی کہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لیا جائے۔ اور جب قصاص سے اغماض کیا گیا۔ تو اہل اسلام کا ایک بڑا گروہ علیؓ کا مخالف ہو گیا۔ اور علیؓ اور اصحاب جمل کی شان میں اپنی رائے سے مختلف چہ میگوئیاں کرتا رہا۔ بعض نے اس جنگ میں علیؓ اور اُن کے اعوان انصار کو مصیب اور ان کے مخالفین کو مخطی سمجھا۔ اور بعض نے عائشہؓ اور اُس کے ہمراہیوں کو حق پر جانا۔ لیکن اہل اسلام میں ابھی ایک ایسا گروہ عدالت پژوہ بھی موجود تھا۔ جو اس جنگ کو اجتہادی جنگ کہتا۔ اور فریقین کی غلطی کو اجتہادی غلطی سے تعبیر کرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ اس قسم کی لڑائیوں سے دین اسلام کو کوئی تعلق نہیں۔ ایسی لڑائیاں ہمیشہ متمدن اقوام میں ہوا کرتی ہیں۔ اور اُس کے نتائج بجائے مضر ہونے کے بصیر النظر اور عاقبت بین اصحاب کے حق میں مفید ہی ثابت ہوا کرتے ہیں۔ یہ وہ فرقہ تھا جو ہمیشہ افراط و تفریط اور بلا وجہ وجیہہ مسلمانوں کی تضلیل و تفسیق سے مجتنب رہتا تھا۔ اب بھی یہ فرقہ ناجیہ اسی حالت و شان اور وقار و تمکین کے ساتھ اپنی اسی رائے پر قائم و ثابت ہے۔ اور گذشتہ واقعات صحابہ کو اجتہادی خطا سے تعبیر کرتا۔ اور افراط و تفریط سے بچا ہوا صراط مستقیم پر چلتا ہے۔ اسی فرقہ کا نام فرقہ ناجیہ اہل السنت والجماعت ہے۔

واقعہ جمل[۲] کو کچھ بہت دن نہیں گذرے تھے کہ شیرازہ اسلام کے انتشار

[۱] تمدن اسلام میں ایسا ہی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت پر پہلے ہی سے اجماع قائم ہو چکا تھا یعنی اہل شوریٰ نے بالاتفاق حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد خلافت کو صرف عثمانؓ و علیؓ دونوں شخصوں میں دائر کر دیا تھا۔ اب حضرت عثمانؓ کی خلافت کے بعد صرف حضرت علیؓ کے حق میں خلافت باقی رہی چنانچہ اسی جمہور اُمت نے آپکی خلافت کو تسلیم کیا لیکن شام عراق اور مصر کے قبیلوں نے اُن کی خلافت پر بیعت نہیں کی ۱۲۔ منہ

[۲] عربی میں جمل کہتے ہیں اونٹ کو اور چونکہ اس لڑائی میں ام المومنین حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار تھیں اس مناسبت سے اس لڑائی کو حرب جمل کہتے ہیں۔ یہ لڑائی بصرے میں ہوئی تھی۔ وجہ اُس کی یہ تھی کہ طلحہ و زبیر اور اکثر شام و مصر کے لوگ چاہتے تھے کہ عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے۔ اور حضرت علیؓ یہ کہکر ٹال دیتے تھے کہ تمام شورش کے فرو ہو جانے پر قصاص کی جانب توجہ کرنا زیادہ مناسب ہے گا۔ بس اتنی بات پر لوگوں نے وہ حاشیے چڑھائے (بقیہ صفحہ ۱۲)

اُمت میں باہمی اختلاف کیونکر ہوا

واقعہ جمل

جنگ جمل کی حقیقت

کے لیے معاویہؓ و علیؓ کی لڑائی یعنی جنگ صفینؓ پیش آئی۔ ان میں دونوں طرف سے ہزاروں صحابیوں کا قتل و خون ہوا۔ کاش یہ سر فروش مسلمان مخالفین اسلام کے مقابلہ میں لائے جاتے کہ اپنی جبلی دلاوری اور فطری جنگ جوئی سے تمام دنیا کے کفار و مشرکین کو آستانہ اسلام پر جھکا دیتے۔ افسوس اتنے مسلمانوں کا خون فریقین کی ذاتی اغراض کے کام میں لایا گیا۔ یہ وہی جنگ ہے، جس میں جناب علیؓ کی طرف سے موسیٰ اشعری اور امیر معاویہ کی جانب سے عمرو ابن العاص حکم مقرر کیے گئے۔ اور یہی لڑائی ہے۔ جس میں عمرو ابن العاص کی جودت طبع نے قرآن شریف کو نیزوں پر چڑھا کر پہلے تو علیؓ کے طرفداروں کو صلح پر آمادہ کرایا۔ اور پھر موسیٰ اشعری جیسے بزرگ کو اپنے موافق کر لیا۔ اور فیصلہ معاویہ کے حق میں دے دیا۔ اس حکمین کے باب میں مسلمانوں کا باہم ایسا اختلاف عظیم ہوا۔ جو ابھی تک باقی ہے۔ اور خوارج کی جماعت اُسی وقت سے علیؓ کے ساتھ سے علیحدہ ہو کر خارجی کہلائی۔ اور اسی وقت ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی۔ جو علیؓ و معاویہ دونوں سے الگ ہو کر طرفین کے امیروں اور شرکاء جنگ کو بُرا کہنے لگی (بعض کہتے ہیں کہ علیؓ کا مخالف فرقہ ناصبی کہلاتا ہے اور علیؓ و معاویہؓ دونوں کا مخالف فرقہ خارجی) فرقہ اہل سنت یہاں بھی اپنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) کہ آپس میں بدمزگی پیدا ہو گئی۔ طلحہ و زبیر اور اُن کے ہمراہی کئے پہنچے حضرت عائشہؓ یہاں پہلے ہی تشریف فرما تھیں۔ ان کو لے کر بصرے پہنچ گئے۔ حضرت علیؓ بھی اُدھر سے بصرے کو روانہ ہوئے اور وہاں دونوں لشکروں کی بے قصد لڑائی ٹھن گئی۔ دونوں طرف سے ہزاروں قتل و شہید ہوئے۔ یہ لڑائی ۱۵ جمادی الآخر ۳۶ ہجری کو واقع ہوئی۔ اس لڑائی میں طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھیوں کی تعداد تیس ہزار اور علیؓ کے ہمراہیوں کی تعداد بیس ہزار تھی ۱۲۔

ا؎ صفین ایک مقام ہے جہاں یہ لڑائی ذوالحجہ ۳۶ھ سے شروع ہو کر آغاز محرم ۳۷ھ تک جاری رہی۔ حضرت معاویہ کے لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار اور حضرت علیؓ کے لشکر کی تعداد ستر ہزار بتائی جاتی ہے۔ محرم کا تمام مہینہ ملتوی۔ ۵ کر پھر صفر میں یہ لڑائی شروع ہوئی۔ غرض کل ایک سو بیس دن تک جاری رہی۔ اس جنگ میں معاویہ کی فوج بُزدل ہو چکی تھی کہ اتنے میں عمرو ابن العاص نے یہ تدبیر سوچی کہ قرآنوں کو نیزوں پر چڑھا کر یہ اشارہ کیا کہ کلام اللہ کے ذریعہ ہم فیصلہ کرنے کو موجود ہیں۔ حضرت علیؓ نے سمجھایا بھی کہ یہ دشمن کا فریب ہے۔ اور میدان ہمارے ہاتھ میں آ چکا ہے۔ مگر لشکریوں نے نہیں مانا۔ آخر کار معاویہ کے مقابلہ میں عمرو ابن العاص کی حکمت سے حضرت علی کو بُری طرح ندامت اٹھانی پڑی۔ بعض لوگ علیؓ کے اور بعض علیؓ و معاویہؓ اور طرفین کے مخالف ہو گئے ۱۲۔ منہ

عادت مستمرہ وسنت نبویہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کام میں لایا۔ اور اس جنگ کو بھی معاویہ کی غلطی کے اعتراف کے ساتھ ان کی خطائے اجتہادی پر محمول کیا۔ اور ڈنکے کی چوٹ سے کہہ دیا ؎

حق در آنجا بدستِ حیدرؓ بود
جنگ با او خطائے منکر بود

مگر انہیں لڑائیوں کو فرقہ ہائے ضالہ کے پیدا ہونے کی بنا سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ اسی وقت سے اسلام کے مختلف فرقے مختلف ناموں سے موسوم ہونے لگے۔ علیؓ کے طرفداروں نے اپنا نام شیعیانِ علی رکھ لیا۔ اور اُن کے مخالفین خوارج کہلائے۔

ابتدا دو فرقوں کا

پھر متاخرین صحابہؓ کے وقت میں قدریہ پیدا ہوئے۔ جو قدر و استطاعت میں خلاف کرنے لگے۔ اور یہ خلاف معبد جہنی اور غیلان دمشقی اور جعد ابن درہم سے ظاہر ہوا۔ متاخرین صحابہؓ نے اُن سے اپنی بریت ظاہر کی۔ چنانچہ عبداللہ ابن عمرؓ اور جابر ابن عبداللہ اور ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ اور انس ابن مالکؓ اور عبداللہ ابن ابی اوفی اور عقبہ ابن عامر جہنی ان بزرگ صحابیوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے قدریہ سے تبرا کیا۔ اور جنہوں نے اپنے خلاف کو وصیت کر دی کہ قدریہ پر سلام نہ کریں اُن کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں۔ اور اُن کے مریض کی عیادت کو نہ جائیں۔

خوارج کی تقسیم

خوارج کا فرقہ بڑھتے بڑھتے بیس فرقوں میں بٹ گیا۔ ایک فرقہ دوسرے کی تکفیر کرنے لگا۔ پھر حسن بصریؒ کے زمانہ میں قدر کے باب میں واصل ابن عطا کا خلاف ہوا۔ حسن بصریؒ نے اسے اپنی مجلس سے نکال دیا۔ اور کہہ دیا اِعْتَزَلَ عَنَّا وہ ہم سے الگ ہو گیا۔ پس فرقہ معتزلہ کہلایا۔ اس کا قول ہے کہ فاسق گناہ گار نہ مومن ہے اور نہ کافر۔ بلکہ ان دونوں منزلتوں کے درمیان ایک تیسری منزلت رکھتا ہے۔

معتزلہ کی ابتدا

معتزلہ کا قصہ بڑا دلکش ہے۔ جو مُلا سعد الدینؒ نے شرح عقائد میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ معتزلہ فرقہ پہلا فرقہ ہے۔ جس نے ظاہر سنت اور جماعت صحابہؓ کے خلاف باب عقائد میں قواعد ایجاد کیئے اس واسطے کہ واصل ابن عطا جو معتزلہ کا رئیس ہے۔ اس اقرار کے سبب کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن ہے اور نہ کافر۔ بلکہ اس کی منزلت کفر و ایمان کے درمیان ہے۔ مجلس حسن بصریؒ سے علیحدہ

کر دیا گیا۔ اور اسی اعتزال کے سبب اس فرقہ کا نام معتزلہ ہو گیا۔ مگر وہ خود کو اصحاب العدل والتوحید کہتے ہیں۔ کیونکہ مطیع کو ثواب دینا اور عاصی کو عذاب دینا وہ لوگ خدا پر واجب تجویز کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے صفات قدیمہ کی نفی جائز رکھتے ہیں۔ اس فرقہ نے علم کلام میں بڑا توغل کیا۔ اور فلاسفہ کے دلائل کا سہارا پکڑ کر انہوں نے مذہبی احکام کو تزلزل دے دیا۔ اسی طرح معتزلہ کا مذہب لوگوں میں خوب شائع ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک روز شیخ ابو الحسن اشعری رحمہ نے اپنے استاد ابی علی الجبائی معتزلی سے سوال کیا کہ آپ اُن تین کی بابت کیا کہتے ہیں جن میں سے ایک مطیع مرا۔ دوسرا عاصی اور تیسرا صغیر۔ جواب دیا۔ پہلا جنت میں ثواب پائے گا۔ دوسرا دوزخ میں عذاب اٹھائیگا۔ اور تیسرے کو نہ ثواب ملیگا۔ اور نہ عذاب۔ اشعریؒ نے کہا۔ اگر صغیر خدا سے کہے۔ الٰہی تو نے مجھے چھوٹی عمر میں کیوں اُٹھا لیا۔ اور مجھے باقی کیوں نہ رکھا۔ کہ میں بڑا ہو کر تیری اطاعت کرتا۔ اور جنت میں داخل ہوتا۔ تو خدا کیا جواب دیگا۔ جبائی نے کہا خدا فرمائیگا۔ تیرے حق میں یہی بہتر تھا کہ صغر سنی میں مر جاوے۔ کیونکہ اگر تو بڑا ہوتا تو مجھے معلوم تھا کہ تو گناہ کرتا۔ اور دوزخ میں داخل ہوتا۔ اشعری رحمہ نے کہا۔ اگر دوسرا یعنی عاصی خدا سے کہے۔ الٰہی تو نے مجھے چھوٹی عمر میں کیوں نہیں اُٹھا لیا کہ میں گناہ نہ کرتا۔ اور آج دوزخ میں داخل نہ ہوتا۔ تو کیا جواب دیگا۔ جبائی اس سوال سے حیران ہو گیا۔ اور اشعری نے اُس کا مذہب چھوڑ دیا۔ پھر حسن اشعری رح اور اُس کے تابعین معتزلہ کی تردید کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور سنت و جماعت کے عقائد کو پُر زور دلائل سے ثابت کرنے لگے۔ اس مناسبت سے ان کا نام اہل السنت و الجماعت ہوا۔

فرقہ ہائے روافض میں سے صرف سابئہ ایک ایسا فرقہ ہے جس نے جناب علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اپنی بدعت واہیہ کو ظاہر کیا۔ اور علی رضہ کے سامنے کہہ دیا کہ "اے علیؓ تم ہی آلہ یعنی معبود ہو" جناب علی رضہ نے اس زندیق فرقہ کے اکثر لوگوں کو جو ہاتھ لگے۔ جلا دیا۔ اور ابن سبا ساباط المدائن کی طرف بھاگ گیا۔ اور وہاں جا کر اعتقاد الوہیت علی رضہ کی اشاعت کی۔ یہ

فرقہ بسبب اس کے کہ وہ علیؓ کی الوہیت کا قائل ہے۔ فرقہ اُمّتِ اسلام سے خارج ہے۔ پھر علیؓ کے زمانہ کے بعد روافض کے چار فرقے ہو گئے۔ زیدیہ۔ امامیہ کیسانیہ اور غلاط۔ پھر اِن میں سے بھی ہر ایک فرقہ کے چند فرقے ہو گئے۔ جو سب کے سب باہم ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔ ان میں غلاۃ کے تمام فرقے اسلام سے خارج ہیں۔ رہے زیدیہ و امامیہ تو ان میں معدودے چند فرقے فرقہائے امت میں داخل ہیں۔ باقی خارج از اسلام ✣

نجاریہ فرقہ کے لوگ نواحی رے میں پھیل گئے۔ پھر فرقہ بکریہ کا خلاف ظاہر ہوا۔ اخت عبدالواحد بن زیاد کی جانب سے۔ پھر ضرار ابن عمروؓ کی طرف سے فرقہ ضراریہ کی ابتدا ہوئی۔ اور جہم ابن صفوان کی طرف سے جہمیہ کا خلاف حادث ہوا۔ اور جہم بکر و ضرار سب کا ظہور زمانہ واصل بن عطا میں واقع ہوا اور باطنیہ کی دعوت خلیفہ مامون الرشید کے وقت سے ظاہر ہوئی۔ اور یہ ظہور دعوت حمران و قرمط اور عبداللہ بن میمون القداح کی جانب سے واقع میں آیا ✣

فرقہ باطنیہ[1] فرقہائے اسلام سے نہیں ہے۔ بلکہ مجوس کے فرقوں سے ہے چنانچہ اُن کے عقائد فاسدہ سے ظاہر ہے۔ پھر محمد بن طاہر ابن عبداللہ ابن طاہر کے زمانہ میں فرقہ کرامیہ مجسمہ کا خلاف ظاہر ہوا ✣

فرقہ زیدیہ کے تین فرقے ہوئے۔ جارودیہ۔ سلیمانیہ۔ ابتریہ۔ یہ تینوں فرقے زید ابن علیؓ ابن حسینؓ ابن علیؓ ابی طالب کی امامت کے قائل ہیں۔ اِن فرقوں کا حدوث ہشام ابن عبدالمطلب کے زمانہ میں ہوا۔ کیسانیہ کے کئی فرقے ہیں۔ جو دو فرقے اعتقاد میں محدود ہیں۔ ایک وہ کہ محمد ابن الحنفیہ کو حی لایموت خیال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہی مہدی منتظر ہیں۔ آخر زمانہ میں عود کریں گے۔ دوسرے

---

[1] یہ قول علامہ عبدالقاہر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لیکن حقیقت میں بعض باطنیہ فرقوں کا عمل ایسا ہے کہ وہ فرقہائے اسلامیہ میں شمار نہیں کئے جا سکتے۔ نہ کہ تمام باطنیہ فرقے۔ چنانچہ ہم نے اس کی تشریح ضمیمہ میں کر دی ہے۔ جو حسب الارشاد حضرت مرشدی مربائی حضرت قبلہ مولانا خواجہ احمد حسین خاں صاحب نقشبندی مجددی امروہی اخیر کتاب میں لگا دیا گیا ہے ۱۲ ✣

یہ کہ اُن کی امامت کے قائل ہیں۔ اور اُن کی موت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان کی موت کے بعد امامت کا غیر میں منتقل ہونا تجویز کرتے ہیں ∴

امامیہ اور اس کے فرقے

امامیہ کے پندرہ فرقے ہیں۔ محمدیہ۔ باقریہ۔ ناؤسیہ۔ شمیطیہ۔ عماریہ۔ اسماعیلیہ۔ موسویہ۔ قطعیہ۔ اثنا عشریہ۔ ہشامیہ۔ جو ہشام ابن الحکم کے تابعین یا ہشام ابن سالم جوالیقی کے تابعین سے ہے۔ یونسیہ یونس قمی کے تابعین سے۔ شیطانیہ شیطان[1] الطاق کے اتباع سے۔ اور کاملیہ ابی کامل کے اتباع سے۔ اور یہ پچھلا فرقہ علی رضؓ اور تمام صحابہ رضؓ کے باب میں سب سے زیادہ فحش اور سخت باتیں کرتا ہے پس یہ سب مل کر روافض کے بیس[2] فرقے ہوئے۔ تین زیدیہ کے اور دو کیسانیہ اور پندرہ امامیہ کے۔ رہے غلاۃ جو آئمہ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اور محرمات شرعی کو مباح جانتے ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے کو اسلام سے منسوب کرتے ہیں۔ جیسے بیانیہ، خطابیہ، منصوریہ، حلولیہ، مغیریہ، جناحیہ۔ اور مثل ان کے جو اعتقاد و اقرار میں اُن کے ہم نوا ہیں ∴

فرقِ خوارج

خوارج اپنے کثرت اختلاف کی وجہ سے بیس فرقوں میں بٹ گئے۔ اُن کے نام یہ ہیں۔ محکمہ[2] اولیٰ۔ ازارقعہ۔ نجدات۔ صفریہ۔ عجاردہ۔ پھر اجاردہ کے

---

[1] ایک فرقہ شیطانیہ کا گروہ ہے۔ جامع مسجد کوفہ کے طاق میں رہا کرتا تھا۔ اُس کے پیرو اس کو مومن الطاق کہتے تھے۔ اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا نام شیطان الطاق رکھا ہے ۱۲ منہ

محکمہ اولیٰ کا بیان

[2] محکمہ اولیٰ فرقہ کے لوگ وہ لوگ ہیں۔ جو جمل و صفین کے موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرفدار تھے۔ ان کے علٰحدہ ہونے اور خروج کا سبب یہ ہے کہ جب حضرت علی رضؓ نے اپنی جانب سے ابو موسےٰ اشعری کو حاکم مقرر کیا تو خوارج نے کہا کہ ایسا کرنے سے حضرت علی رضؓ نے اپنی گردن سے خلافت کا طوق نکال دیا۔ بلکہ انہوں نے خود اپنے کو حلقہ اسلام سے خارج کر دیا۔ کیونکہ حکم مقرر کرنا ان کے واسطے ہرگز درست نہ تھا۔ قرآن میں اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ تو حضرت علی رضؓ نے قرآن کے خلاف کیا غرض ایسی بے بنیاد باتیں بنا کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اور ایک بڑا لشکر مقام حروراہ میں فراہم کر لیا۔ ناچار حضرت علی رضؓ نے ان کا قلع و قمع ضروری جانا۔ اور نہروان میں ۳۸ھ کو ایک سخت جنگ واقع ہوئی۔ جس میں خوارج کو ہزیمت ہوئی۔ پھر اسی طرح ان کا گروہ بڑھتا گیا۔ اور ان میں بھی باہم اختلاف اور ایک دوسرے کی تکفیر ہونے لگی۔ حتیٰ کہ یہ اختلاف بڑھتے بڑھتے بیس فرقوں میں بٹ گیا۔ ہمارے ہندوستان میں یہ لوگ قریباً معدوم ہیں۔ مگر مسقط و عمان وغیرہ نا لک عراق و عرب میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ۱۲ منہ

بھی بہت سے فرقے ہیں۔ جیسے خازمیہ۔ شعیبیہ۔ معلولیہ۔ مجہولیہ۔ حارثیہ۔ یزیدیہ یہ پچھلا فرقہ اسلامی فرقوں سے خارج ہے۔ کیونکہ یہ اس امر کا قائل ہے کہ شریعت آخر زمانہ میں منسوخ ہو جائیگی۔ اور اُس کا ناسخ ایک نبی ہوگا جو عجم سے مبعوث ہوگا۔ اسی طرح فرقہ اجاردہ میں سے میمونیہ فرقہ اسلام سے خارج ہے۔ اس لئے کہ وہ مثل مجوس نواسیوں اور پوتیوں کے نکاح کو مباح جانتا ہے ؀

قدریہ جو حق سے اعتزال رکھتے ہیں۔ اُن کی بھی بیس ٹولیاں ہوئیں۔ ہر ایک ٹولی اپنے سوا باقی سب ٹولیوں کو کافر کہتی ہے۔ اُن کے نام یہ ہیں۔ واصلیہ عمریہ۔ ہذیلیہ۔ نظامیہ۔ اسواریہ۔ خمریہ۔ ثمامیہ۔ جاحظیہ۔ حایطیہ۔ حماریہ۔ خیاطیہ سحامیہ۔ موکیسیہ۔ کعبیہ۔ جبائیہ۔ بھشمیہ۔ جو ابو ہاشم ابن الجبائی سے منسوب ہے، وغیرہم۔ ان میں سے دو فرقے اسلام سے خارج ہیں۔ جن کے نام حماریہ و حایطیہ ہیں ؀

مرجئہ کی تین صنف ہیں۔ ایک صنف ایمان اور قدر میں ارجا کا قائل ہے۔ جیسے کہ قدریہ۔ اسی سبب یہ صنف قدریہ میں معدود ہے۔ دوسرا صنف ایمان میں ارجا کا قائل ہے۔ اور اعمال و کسب میں جہم ابن صفوان کے قول کی جانب میل رکھتا ہے۔ تو یہ صنف جہمیہ اور مرجئہ دونوں میں شامل ہے۔ تیسرا صنف مطلق ارجا[1] کا قائل ہے۔ قدر و ایمان کے ساتھ مقید نہیں کرتا۔ اس کے پانچ فرقہ ہیں۔ یونسیہ۔ غسانیہ ثوبانیہ۔ تومنیہ۔ اور مریسیہ ؀

نجاریہ کے فرقے بیس ہیں۔ جو آج تک رے اور اُس کے نواحی میں منتشر ہیں۔ مگر اُن کا مرجع صرف تین فرقوں میں محدود ہے۔ برغونیہ۔ زعفرانیہ اور مستدرکہ ؀

بکریہ اور ضراریہ کے اعتقاد کے اعتبار سے یہ دونوں اصل میں ایک ہی فرقہ ہے۔ اُن کے توابعین بھی زیادہ نہیں۔ اور جہمیہ کا بھی ایک فرقہ ہے۔ اور کرامیہ کے خراسان میں تین فرقے ہیں۔ حقائقیہ۔ طرائقیہ اور اسحاقیہ یہ باہم ایک دوسرے

[1] ارجاء کے معنی تاخیر کے ہیں۔ مرجئہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ فرقہ ایمان میں تاخیر کو روا رکھتا ہے یعنی دنیا میں خود کو مومن کہتا ہے نہ کافر ؀

کی تکفیر نہیں کرتے ۔ تو ہم نے اُن کو اپنے ہی فرقہ میں شمار کیا ہے ؛

یہ سب مل کر بہتّر فرقہ[1] ہوتے ہیں ۔ (قطع نظر اُن کے بے شمار شاخوں کے اور قطع نظر اس سے کہ آخر زمانہ تک کتنے اور فرقہ پیدا ہونگے) تہتّرواں[2] فرقہ اہلسنّت والجماعت کا ہے ۔ اور اگرچہ اُس کے دو فرقہ ہیں ۔ فریق الرائے اور فریق الحدیث لیکن وُہ اصُول دین میں اتّفاق رکھتے ۔ اور لہوالحدیث کو نہیں خریدتے ہیں ۔ چنانچہ امام الاستاذ ابو منصور عبدالقاہر بغدادی الفرق بین الفرق میں فرماتے ہیں ۔ وَفقہاء ھذین الفریقین وقراءھم ومحدثوھم ومتکلموا اھل الحدیث منھم کلھم متفقون علٰی مقالۃ واحدۃ ۔ یعنی اور اُن دونوں محترم فرقوں کے فقہا قراء اور محدث اور متکلمین اہل حدیث سب کے سب حسب ذیل اصُول دین میں ایک ہی مقالہ پر متفق ہیں ۔ اور وہ اصُولِ دین یہ ہیں ۔ توحید و صفات صانع اور اُس کا عدل و حکمت و اسما وصفاتِ الٰہی اور ابواب نبوّت و امامت اور احکام عقبیٰ اور تمام اصُول دین کے اُن کا اختلاف فروع احکامیہ میں سے صرف حلال و حرام میں ہے ۔ اور وہ بھی ایسا نہیں کہ اُس سے کسی کی تضلیل و تفسیق لازم آتی ہو ۔ اور یہی فرقہ ناجیہ مذکور فی الحدیث ہے ۔ اور یہ سب توحید صانع عالم کے اقرار پر اور اُس کی ذات وصفات کے قدیم و ازلی ہونے پر اور جواز رویت الٰہی پر بدوں تشبیہ و تعطیل کے مجتمع ہیں ۔ اور کتبِ الٰہی اور اُس کے رسُولوں اور شریعت اسلامیہ کے ہمیشہ قائم و باقی رہنے کا اقرار کرتے ہیں ۔ اور قرآن کے مباحات کو مباح اور اُس کے محرمات کو حرام سمجھتے ہیں ۔ مع قیود اُن باتوں کے جو سُنّتِ نبوی سے بطریق صحت پہنچی ہیں ۔ اور حشر و نشر اور سوال نکیرین فی القبر اور اقرار و حوض و میزان وغیرہ اُمورِ عقبیٰ پر کامل یقین رکھتے ہیں ۔ پس جو شخص اس قسم کے اقرار پر جس کو ہم نے ذکر کیا ۔ آخر تک قائم رہا ۔ اور اُس میں کسی قسم کی بدعت کو داخل نہ کیا ۔ تو وہ فرقہ

فرقۂ اہل السنت و الجماعت

[1] شرح عقائد میں تمام فرقہ ہائے ضالہ کو مع ان کی شاخوں کے چھ فرقوں میں حصر کیا ہے ۔ جبریہ ، قدریہ روافض ۔ خوارج ۔ معطلہ اور مشبہ ۔ پھر لکھا ہے کہ ان میں سے ہر ایک فرقہ کے بارہ بارہ گروہ ہوئے اس طرح بہتر فرقے ہوگئے ۱۲ ؛

ناجیہ سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اُس کا خاتمہ اس اقرار و تصدیق پر کرے جمہور اُمّت نبوی اس جملہ میں داخل ہے۔ اور اُسی کو سوادِ اعظم کہا گیا ہے۔ اِس میں اصحاب مالک وشافعی وامام ابو حنیفہ اور اوزاعی اور ثوری اور اہل ظاہر سب داخل ہیں۔ ھٰذا مَا اخذناہ من الفرق بین الفرق العربی المطبوعۃ فی المطبع المصریۃ للامام الاستاذ ابو منصور عبد القاھر بغدادی مَعَ الفَوَائِد الزاوائد من المُترجم عفاء اللہ عنہ وعن وَالِدَیْہِ

ارکان اعتقادات اہل السنت

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام اعتقادیات اہل السنّت کو ارکان اربعہ میں تقسیم کرکے پھر ہر رکن کی دس دس قسمیں کی ہیں۔ جو سب مل کر چالیس ہوتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ بعد تحقیق کامل وتدقیق شامل کے یہ امر تصدیق کو پہنچ گیا ہے۔ کہ صرف[1] لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا پڑھنا کچھ حاصل و محصول نہیں رکھتا۔ اُس کے ساتھ تفصیلی اعتقاد بھی رکھنا چاہئے۔ یعنی یہ کہ خالقِ[2] عالم موجود ہے۔ اُس کو بدایت نہیں۔ اور نہایت[3] بھی نہیں۔ وہ جوہر[4] یعنی متحیز در مکان نہیں۔ جسمیت[5] سے پاک ہے۔ یعنی اجزائے لایتجزیٰ اور ہیولیٰ وصورت کی ترکیب اُس پر عاید نہیں ہے۔ وہ عرض[6] نہیں۔ کسی جہت[7] میں محصور نہیں۔ وہ عرش پر ستوی[8] ہے۔ اور استوا کے معنی قہر و استیلا کے ہیں۔ نہ تمکن و استقرار کے وہ مومنین کو دار القرار میں بعیون الابصار دکھائی دے گا۔ وہ اپنی[9] ذات وصفات میں یگانہ و یکتا ہے۔ یہ

رکن اول

صفت اسلام کا علم ضروری ہے

[1] چنانچہ کفایہ شرح ہدایہ صفحہ ۱۱۵ میں الاان یقر بالاسلام وھو یعقل کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اقرار بالاسلام سے مراد صفت اسلام کا اقرار ہے۔ اور صفت اسلام جیسا کہ حدیث جبرئیل میں ہے یہ ہے کہ اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اُس کے رسُولوں پر اور روز آخرت پر اور موت کے بعد اُٹھنے پر ایمان لاوے۔ اور نیکی و بدی کی تقدیر یعنی اندازہ کرنے پر ایمان لاوے۔ (اس حدیث میں یہ تعریف ایمان کی آئی ہے۔ مگر جس حالت میں ایمان و اسلام کے ایک ہی معنی ہوں تو اسلام کی تعریف بھی یہی ہوسکتی ہے) اور یہ بات دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ محض کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے پڑھنے سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ وہ صفت اسلام سے واقف نہ ہوجائے۔ اسی طرح جب کسی شخص نے لونڈی خریدی اور اُس سے اسلام کی صفت دریافت کی تو اگر وہ صفت اسلام سے واقف نہیں ہے۔ تو وہ مومنہ نہیں شمار کی جائے گی۔

پہلے رکن کی دس قسمیں ہوئیں۔ وُہ حیؔ ہے۔ اس طرح کہ اُس کی حیات پر زوال جائز نہیں۔ وُہ ہر شے پر قادر ہے۔ وُہ علیمؔ ہے۔ کوئی شے اُس کے احاطہ علم سے باہر نہیں مرید ہے۔ اُس کے ارادہ سے کوئی چیز کسی طرح تخلّف نہیں رکھتی سمیع و بصیر ہے۔ کہ تمام مسموعات و مُبصرات بے توسّط جارحہ و آلہ کے اُس پر منکشف ہیں متکلّمؔ ہے ایسے کلام کے ساتھ جو حرُوف و صُورت سے مستغنی ہے۔ اُس کا کلام اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ کسی چیز میں خلق کلام کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اُسے کلیم کہتے ہیں۔ جیسا معتزلہ کا گمان ہے۔ اُس کا علم تمام کلّیات و جزئیات کے متعلق قدیم ہے۔ اگرچہ تعلقات جزئیہ بحسب جزئیات حادثہ کے حادث ہوتے ہیں۔ اُس کی تمام صفاتؔ ذاتیہ قدیم ہیں۔ اس کی صفاتؔ اس کی ذات سے قائم ہے۔ پس وہ عالم بہ علم حی بہ حیات اور قادر بہ قدرت ہے۔ یہ دُوسرے رکن کی دس قسمیں ہوئیں ۔

افعالؔ عباد جو مخلوق سے صادر ہوتے ہیں۔ اُن کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے اُسؔ کا تفرد خلق افعال عباد میں بندوں سے صدورِ افعال بر سبیل اکتساب کا مانع نہیں ہے۔ یقینؔ سے جاننا چاہیئے کہ خلق افعال میں بندوں کی شرکت نہیں ہے۔ بلکہ وُہ محض قدرتِ حق سے پیدا ہوتے ہیں۔ خلقؔ عالم حق سُبحانہٗ وتعالےٰ پر واجب نہیں ہے۔ بعثتؔ رسل جائز ہے۔ نہ اُس پر واجب جیسا کہ معتزلہ و حکما کا خیال ہے۔ تکلیفؔ مالایطاق حق سبحانہٗ وتعالےٰ سے جائز ہے۔ اگرچہ واقع نہیں ہُوئی۔ ماتریدیہ اس کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰؔ اگر بے جرم سابق تمام خلائق کو عذاب کرے۔ یا بے عمل متقدم کے دار نعیم میں ثواب عطا فرمائے۔ تو اُس کو زیبا ہے۔ اور وُہ اُس میں کریم و عادل ہے۔ خلاف ماتریدیہ کے۔ وُہ کہتے ہیں کہ مومن کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا اور کافر کا جنّت میں داخل ہونا عقلاً و سمعاً ناجائز ہے۔ اشعری عقلاً جائز کہتے ہیں۔ اگرچہ شرع اُس کے خلاف وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالےٰؔ پر بندوں کی بہبود و صلح واجب نہیں ہے۔ وہ مختار ہے۔ جو کچھ چاہے اپنے بندوں کے حق میں کرے۔ اُس کا فعل حسن ہے۔ اور بعض وہ باتیں جو بندوں کے نزدیک مکروہ ہوتی ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ خدا کے نزدیک بندوں کے

حق میں ہی بہتر ہوں۔ اور بعض چیزیں جو ہمیں پسند اور بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے حق میں ہی ناپسند ہوں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اصلح خدا پر واجب ہے۔ ان کا قول قابل التفات نہیں۔ خدا کی معرفت اور طاعت واجب ہے۔ بہ ایجاب شرع نہ بایجاب عقل اور یہی مذہب ہے ابو منصور ماتریدی کا۔ خدا تعالے نے ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تمام پیغمبروں سے افضل اور خاتم الانبیا فرمایا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے تمام ادیان سابقہ منسوخ ہو گئے۔ اب قیامت تک آپ ہی کا دین رائج رہے گا۔ اور حق اسی دین میں محصور ہے۔ جو شخص اس کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے تو خدا کے یہاں کبھی مقبول نہ ہوگا۔ یہ تیسرے رکن کی دس قسمیں ہوئیں۔

حشر یعنی مرنے کے بعد قبروں سے زندہ ہو کر اُٹھنے کا اعتقاد کرنا چاہیے کہ وہ حق ہے۔ قبر میں منکر نکیر کا سوال کرنا حق ہے قبر کا عذاب کفار اور بعض گناہ گار مومنوں کے لئے حق ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ اس باب میں وارد ہیں۔ میزان حق ہے اور وہ ایک ترازو ہے جس میں مومنوں اور نیز کفار کے نامہائے اعمال وزن کئے جائینگے۔ اور نیز اعمال کا حساب اور کتاب حسنات و سیات کا ہر ایک کے ہاتھ میں دیا جانا حق ہے۔ صراط حق ہے۔ اور وہ ایک پُل ہوگا۔ جس پر تمام بندوں کو گذرنا ضرور ہے۔ مومنین اس پر گذر کر بہشت میں پہنچینگے۔ اور کفار اور بعض عصاۃ مومنین کٹ کر دوزخ میں گریں گے۔ کافر ہمیشہ دوزخ میں رہینگے۔ اور گناہگاران اُمت بہ قدر گناہ اُس میں عذاب پاکر نجات پائیں گے اور پھر ہمیشہ جنت میں رہینگے۔ اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہیے۔ کہ بہشت و دوزخ بالفعل موجود معد ہیں۔ نہ کہ اس کے بعد موجود ہونگے جس طرح معتزلہ گمان کرتے ہیں۔ بہ یقین جاننا چاہیے۔ کہ امام برحق و خلیفہ مطلق بعد محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔ اُن کے بعد حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور اُن کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اُن کے بعد حضرت اسد اللہ

الغالب مطلوب کل طالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ یہ بھی اعتقاد رکھے کہ فضیلت بہ ترتیب امامت ہے۔ نیز اعتقاد رکھے کہ شرط امامت کی بعد اسلام کے بلوغ و ذکورت اور ورع و کفایت بقدر حاجت و نسب قریش ہے۔ و فیہ اختلاف کما سیاتی۔ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ عند الضرورت امامت فاقد الشروط کی صحیح ہے۔ قال الامام الغزالی بعد تحریر الاصول و ارکان و تحقیقھا بالدلائل و البرھان ھذہ الاربعۃ الحاویۃ الاصول الاربعین فھی قواعد العقائد من اعتقادھا کان موافقا لاھل السنۃ و الجماعۃ و مباینا لرھط اھل البدعۃ و الضلالۃ و اللہ ولی الھدایۃ۔ ترجمہ امام غزالیؒ ان اصول و ارکان کے ارقام اور اُن کے دلائل و برہان کی تحقیق کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ چار ارکان ہیں۔ جو چالیس اصول کو حاوی ہیں پس یہ عقائد اسلامیہ ہیں۔ جو شخص ان کا اعتقاد رکھے گا۔ وہ موافق اہل السنت و الجماعت کے اور مخالف گروہ اہل بدعت و ضلالت کے ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت کرنے والا ہے۔

امام الصابونی ہدایہ میں اور علامہ نسفی عمدہ میں لکھتے ہیں کہ جن بارہ مسئلوں میں ما بین شیخ ابو الحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی اختلاف ہے

ـلـه فتح القائد میں ہے کہ مسائل اعتقادیہ میں اہل السنت کے دو گروہ ہیں۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ اشاعرہ منسوب بہ ابو الحسن اشعری جو چار واسطہ سے فرزند ابو موسیٰ اشعری صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور ماتریدیہ جو اعتقاد میں پیروی ابو منصور ماتریدی کی کرتے ہیں۔ جو تین واسطہ سے شاگرد امام محمد ابن حسن شیبانیؒ کے ہیں۔ جو مصاحب خاص حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تھے۔ چونکہ ان ہر دو بزرگوں نے مسائل اعتقادیہ میں بڑی تحقیق و تدقیق کی ہے۔ اس واسطے مذہب اہل السنت و الجماعت انہی میں محصور ہو گیا ہے۔ اور محدثین جو زمانہ مجتہدین تک حدیث پر عامل تھے۔ بلاشبہ اس بات میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ حدیث مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِی ان پر بطور اولیٰ صادق ہے۔ اور بعد ظہور ابو الحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی کے اصحاب آئمہ ثلثہ نے اپنا نام اشعریہ قرار دیا۔ اور اصحاب ابو حنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہم اپنے کو ماتریدیہ کہنے لگے۔ اور حقیقت میں دونوں گروہ کا مسلک وہی ہے۔ جو صحابہؓ تابعین اور مجتہدین سے ثابت و مقرر ہے۔ صرف بارہ مسئلوں میں ان کے درمیان خلاف ہے۔ چنانچہ بیان ہوا۔

اشاعرہ اور ماتریدیہ کی حقیقت

وہ مسئلے یہ ہیں۔ اول یہ کہ ماتریدیہ تکوین کو خدا تعالیٰ کی صفت ازلی کہتے ہیں۔ جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور اشعری کہتے ہیں کہ تکوین صفت حادث ہے۔ غیر قائم بذاتہ تعالےٰ اور کہتے ہیں۔ کہ تکوین صفات فعلی سے ہے نہ صفات ذاتی سے اور ان کا قول ہے کہ صفات ذاتی وہ ہیں جو قائم بذات حق ہوں۔ اور صفات فعلی سب کی سب حادث ہیں۔ دوم یہ کہ ماتریدیہ کہتے ہیں۔ کلام اللہ مسموع نہیں ہے۔ جو کچھ مسموع ہوتا ہے۔ وہ کلام اللہ پر دال ہے۔ اشعری کہتے ہیں کہ کلام اللہ مسموع ہے۔ چنانچہ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے بے واسطہ صوت وصرف کے کلامِ الٰہی کو سُنا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ قرأت قاری کے وقت دو چیزیں مسموع ہوتی ہیں۔ صوت قاری وکلام الٰہی۔ قاضی ابوبکرؒ باقلانی فرماتے ہیں کہ کلام اللہ بہ حسبِ عادات جاریہ غیر مسموع ہے۔ لیکن جائز ہے کہ اللہ تعالےٰ جس کو چاہے بے واسطہ صرف وصوت کے اپنا کلام سُنادے۔ سوم یہ کہ ماتریدیہ کہتے ہیں۔ کہ صانع عالم ازل سے موصوف بصفت حکمت ہے۔ مراد حکمت سے خواہ علم ہو۔ خواہ احکام۔ اور اشعریہ کا قول ہے۔ کہ اگر مراد حکمت سے علم ہے۔ تو یہ خدا تعالیٰ کی صفت ازلی قائم بذاتِ حق تعالیٰ ہوگی۔ اور مراد احکام ہو تو یہ صفت حادث ہوگی۔ قبیل تکوین سے۔ کیونکہ صفاتِ فعلی تمامہ حادث ہیں۔ چہارم یہ کہ ماتریدیہ حق تعالیٰ کو مرید (ارادہ کنندہ) جمیع کائنات کہتے ہیں۔ جوہراً وعرضاً طاعۃً ومعصیۃً مگر یہ کہ طاعت اُس کی مشیت اور ارادہ اور قضا اور قدر اور رضا اور محبّت اور اُس کے امر سے واقع ہوتی ہیں۔ اور معصیت اور اُس کی مشیّت اور ارادہ اور اُس کی قضا وقدر کے ساتھ ظہور پکڑتی ہے۔ نہ اُس کی رضا ومحبّت اور اُس کے امر سے۔ اشعری کہتے ہیں کہ خدا کی رضا ومحبّت جمیع کائنات کو شامل ہے۔ چنانچہ اُس کا ارادہ شامل بجمیع کائنات ہے۔ یہ بات شرح عقایٔد ومواقف ومقاصد وغیرہ کتبِ عقائد کے خلاف ہے۔ اور اسباب میں قولِ ماتریدیّہ کا مقبول ہے۔ اور واضح ہو کہ اشعری کا یہ قول صرف امام صابونی ونسفی نے نقل کیا ہے۔ دُوسری کتابوں سے ثابت ہے کہ اس بارہ میں ان ہر دو بزرگ کا کوئی خلاف منقول نہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم ؛

وہ بارہ مسائل جن میں اشعری وماتریدی کا اختلاف ہے

پنجم ماتریدی کہتے ہیں کہ تکلیف مالایطاق عقلاً جائز نہیں۔ ہاں تحمیل مالا یطاق جائز ہے۔ اشعری دونوں کو جائز کہتے ہیں۔ ششم خدا پر ایمان لانا بالاتفاق دونوں کے نزدیک فرض ہے۔ مگر ماتریدی کہتے ہیں کہ عقل ایک ایسا آلہ ہے جس سے اشیا کی برائی اور بھلائی پہچانی جاتی ہے۔ اور اسی سے وجوب ایمان اور شکر منعم معلوم ہوتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حقیقت میں مُعرّف اور مُوجِب ایمان خدا تعالیٰ ہے۔ لیکن بواسطہ عقل جس طرح کہ ایمان کا معرف اور موجب خدا تعالیٰ ہے۔ مگر بواسطہ رسول علیہ السلام اسی واسطے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خلق کے پاس جہل خالق کے باب میں کوئی عذر نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ زمین و آسمان کی خلقت اور عجائبات کو دیکھتا ہے۔ اور اگر خدا رسولوں کو مبعوث بھی نہ کرتا۔ تو عقول کے ذریعہ خدا کی معرفت مخلوق پر واجب ہوتی اشعری کہتے ہیں کہ گو بعض اشیا کی برائی بھلائی عقل کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن کوئی چیز عقل کی وجہ سے واجب اور محترم نہیں ہوتی۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ اشعری کے نزدیک عقل باعث تکلیف نہیں ہے۔ بلکہ سماع اور نقل مدار تکلیف ہے +

ہفتم ماتریدی کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ سعید شقی ہو جائے۔ اور شقی سعید اشعری کہتے ہیں کہ سعادت و شقاوت کا اعتبار عاقبت اور خاتمہ پر ہے۔ موجودہ حالت میں کسی کی شقاوت و سعادت پر قطعی حکم نہیں کر سکتے۔ اس مسئلہ کی بنا ایمان میں دخول استثناء عدم دخولِ استثناء پر ہے۔ یعنی اگر کسی شخص نے ایمان پر جزم کیا اور انا مؤمن حقًّا کہا تو وہ سعید ہے۔ اور اگر اس سے ارتداد واقع ہوا۔ تو شقی ہے۔ اور اشعری چونکہ انا مؤمن انشاء اللہ کے قائل ہیں۔ اس لئے اُن کے نزدیک سعادت اور شقاوت کا خاتمہ پر ہے۔ اسی اصل کو کوئی شخص دل کو سعید نہیں کہہ سکتا۔ اصل یہ ہے کہ اس باب میں ان دونوں میں نزاع لفظی ہے۔ اس واسطے کہ حقًّا اس معنی کی اعتبار سے کہ میں اپنے ایمان میں شک نہیں رکھتا سب کے نزدیک جائز ہے۔ اور انشاء اللہ اس معنی کے لحاظ سے کہ مجھے اپنا خاتمہ کار معلوم نہیں۔ دونوں کے نزدیک مُسلّم۔ ہشتم ماتریدی

کہتے ہیں کہ کفر سے درگذر کرنا عقلاً جائز نہیں۔ اشعری کہتے ہیں۔ عقلاً جائز ہے
نہم ماتریدی کہتے ہیں کہ مومن کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا۔ اور کافروں کا جنت میں داخل
ہونا عقلاً وسمعاً جائز نہیں۔ اشعری کہتے ہیں کہ عقلاً جائز ہے۔ اگرچہ شرع اس کے
خلاف وارد ہے *

دہم بعض ماتریدی کہتے ہیں کہ از روئے مصداق خارجی کے اسم و مسمیٰ واحد
ہے۔ کذا فی شرح المواقف۔ اور بعض اشعری کہتے ہیں۔ اسم مسمیٰ اور تسمیہ کے
غیر ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اسم کی تین قسمیں ہیں۔ بعض عین مسمیٰ ہیں بعض
غیر مسمیٰ۔ اور بعض نہ عین مسمیٰ ہیں نہ غیر مسمیٰ۔ اور اس میں سب کا اتفاق ہے کہ
تسمیہ غیر مسمیٰ ہے۔ وَھِیَ مَا قَامَت بِه المسمّی کذا فی الھدایۃ
الکلام *

یازدہم ماتریدی کہتے ہیں کہ نبوت میں ذکورت شرط ہے۔ عورت رسول
نہیں ہوسکتی۔ اشعری کہتے ہیں کہ نبوت کے لئے مرد ہونا شرط نہیں ہے اور عورت
ہونا رسالت کے منافی نہیں ہے *

دوازدہم ماتریدی کہتے ہیں کہ بندہ کے فعل کو کسب کہتے ہیں نہ خلق
اللہ تعالیٰ کے فعل کو خلق کہتے ہیں نہ کسب اور اسم فعل دونوں کو شامل و حاوی ہے
اور فاعل بھی حقیقتاً دونوں کے لئے بولتے ہیں۔ اشعری کہتے ہیں کہ مراد فعل سے
ایجاد حق ہے۔ لیکن بندہ کے کسب کو مجازاً فعل کہتے ہیں۔ اہل السنت و الجماعت
کے دونوں گروہ ماتریدی و اشاعرہ کے یہ عقائد ہیں۔ جن کو مولانا فتح محمد برہان
پوری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف کتابوں سے بعبارت فارسی نقل کیا ہے اور جس کا
ترجمہ جزئی حذف و ازدیاد کے بعد ہم نے اس مقدمہ میں لکھ دیا۔ ہر ایک مسلمان
مرد و زن کو لازم ہے کہ ان مختصر عقائد کو حفظ کر لیں۔ تاکہ اُن کے ایمان و اعتقاد
میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اور خدا کی جناب میں بھی اُن کا ایمان لانا مقبول ہو۔
رہی اس پر تفصیلی بحث تو اس کو عقائد تورپشتی کے اس ترجمہ میں دیکھ سکتے ہیں
اور اس طرح ایک سچے اور مقبول مومن کی مانند رہ سکتے ہیں *

زمانہ اپنا رنگ بدلتا جاتا ہے۔ اور دنیوی معاملات میں تغیر کے ساتھ ساتھ

زمانہ موجودہ کی حالت اور جدید فرقوں کی احداث

دینی عقائد و اعتبارات میں بھی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ مگر ایک بات بڑی افسوسناک ہے جس کو ذکر کئے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے یعنی یہ بات تمام علمائے اسلام کے نزدیک مسلم اور مانی ہوئی ہے کہ دنیا علوم و فنون میں جیسی جیسی ترقی کرتی جائے گی۔ ویسے ویسے دین اسلام بھی بڑھتا اور پھیلتا جائے گا۔ اور دنیا میں یہی مذہب ایک ایسا مذہب ہے جو انسانی عقلوں کی ارتقا کے ساتھ خود بھی ترقی کرنے کی صلاحیت اور مادہ رکھتا ہے۔ اس کے اصول و عقائد ہی ایسے ہیں۔ جن کو کوئی بڑے سے بڑا انسان خلاف عقل نہیں کہہ سکتا۔ اب تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ کہ جن نیک طینت اور ذی عقل اصحاب کے سامنے دین اسلام کو پیش کیا گیا۔ انہوں نے فوراً ہی قبول کر لیا۔ اور بطیب خاطر اہل السنت و الجماعت ہو گئے۔ لیکن قرون اخیرہ میں بعض لوگ ایسے بھی حادث ہو گئے۔ جو اسلام کے عقائد حقہ پر محض اپنی محدود اور جزئی عقل کے بل بوتے پر تبصرہ کرنے لگے۔ اس قسم کے لوگ ہمارے اس زمانہ میں خصوص بلاد و امصار ہندوستان میں بکثرت موجود ہیں۔ اور اپنی تعداد میں ترقی کرتے جاتے ہیں خوف ہے کہ اگر ان کے عقائد باطلہ کی تردید کی جانب توجہ نہ کی گئی۔ تو یہ چند ٹولیاں جو اس وقت ناقابل التفات سمجھی جاتی ہیں۔ کہیں خوفناک صورت اختیار نہ کر لیں۔ پس ہم چاہتے ہیں کہ فرقہائے ضالہ کے بیان کے سلسلہ میں اُن کے حالات و عقائد سے بھی برادران اسلام کو واقف کر دیں۔ تاکہ وہ اپنے ایمان و مذہب کو انکی دستبرد سے بچا سکیں۔ اور اُن کے واہی خیالات و اعمال پر غلط انداز نظر بھی نہ ڈالیں۔

فرقہ وہابیہ کے بعض عقائد

فرقہ ہائے محدثہ زمانہ مابعد سے پہلا فرقہ وہابیوں کا ہے۔ جو اپنے کو اہل حدیث کہتا ہے اور مسائل شرعیہ میں آئمہ اربعہ میں سے کسی امام معین کی تقلید نہیں کرتا۔ گمراہ فرقوں میں اس کے محسوب ہونے کے کئی سبب ہیں۔ ایک یہ اس فرقہ کے اکثر لوگ اپنی زبان درازی سے تقلید امام کو شرک اور بے حیائی کہتے ہیں۔ اور مقلدین الدین کو بدعتی وغیرہ بُرے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ تمام کتب اسلامیہ اہل السنت و الجماعت سے ثابت ہے کہ دین حقہ آئمہ اربعہ۔ یعنی امام اعظم امام

ابو حنیفہ رح اور امام شافعی رح اور امام مالک رح اور احمد بن حنبل رح کی تقلید میں منحصر
ہے۔ کیونکہ اُن کے مسائل و استنباطات مدون و مرتب ہیں۔ اور بعد دو سو برس
کے تمام اہل اسلام اس امر پر متفق ہو گئے ہیں کہ مَن لم یبلغ درجۃ
الاجتہاد وجب الیہ التقلید یعنی جو شخص درجہ اجتہاد کو نہ پہنچا۔
اس پر تقلید کسی امام کی مسائل شرعیہ میں واجب ہے۔ یہی سبب تھا کہ بڑے
بڑے علما و فضلائے اسلام نے بجز تقلید کے کوئی چارہ کار نہیں دیکھا۔ جیسے
امام غزالی فخر الدین رازی امام محی الدین ابن عربی وغیرہم اور تمام اولیاء کاملین
مثل غوث اعظم شاہ جیلانی اور ابو الحسن شاذلی و ابو بکر شبلی۔ اور خواجہ معین الدین
حسن سنجری ثم اجمیری اور خواجہ بہاء الدین وغیرہم اور تمام محدثین مثلاً صاحب
مشکوٰۃ و ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ و امام بخاری وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم
رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اب اگر بقول وہابیوں کے تقلید کو شرک سمجھا جاوے تو
یہ اور ان کے سوا تمام بزرگان دین و سلاطین و اولیا و علماء مشرک قرار پاتے
ہیں۔ اعاذنا اللہ من ذالک ۔

دوسرا سبب یہ کہ اس فرقہ کے لوگ کئی طریق سے مرتبہ عالیہ و شان رفیعہ
فخر دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تنقیص کرتے اور
اس میں عیب نکالتے ہیں ۔

پہلا طریق کہتے ہیں کہ سب قسم کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
پر ختم نہیں ہوئی۔ ہاں نبوت تشریعی ختم ہو گئی ہے۔ تو آپ کے بعد نبی کا آنا جائز
ہے لیکن صاحب شرع نبی کا آنا ممکن نہیں۔ ان کا قول ہے کہ خاتم النبیین
میں الف لام استغراقی نہیں۔ بلکہ تعیین کے لئے ہے۔ حالانکہ فتاوی تتمہ
اور الاشباہ والنظائر وغیرہ کتب فقہیہ سے ثابت ہے اذا لم
یعرف ان محمداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات یعنی جو
شخص محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سب سے پچھلا نبی نہ جانے۔ وہ مسلمان نہیں
کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو آخر الانبیاء جاننا ضروریات دین

سے ہے +

دوسرا طریق :- وہابی لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وسعت علم اور اس بات کے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرما کر تمام اگلے پچھلے اسرار وحالات کائنہ و آئیتہ ظاہر فرما دیئے مطلق قائل و معتقد نہیں۔ بلکہ ان میں کا ایک وہبڑا تو یہاں تک یاوہ سرائی کرتا ہے کہ "شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کے وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کی جاتی ہے۔" اس مرید ابلیس کو اتنی بھی تمیز نہیں کہ جب فخر عالم کی وسعت علم کے قائل ہونے سے اُس کے نزدیک شرک ثابت ہوتا ہے۔ تو وہی شرک شیطان کے لیئے وسعت علم ماننے سے بھی ثابت ہوتا ہے +

افسوس وہ جس موہوم شرک سے بچنے کی کوشش کرتا تھا۔ اُس سے بدترین شرک میں خود گر پڑا۔ اللہ تعالےٰ اپنے پیارے حبیب پاک علیہ السلام کے علم و شان میں نقص و عیب نکالنے والوں کو اسی طرح رسوا کرتا ہے۔ خدا تو اپنے محبوب ؐ کی شان میں فرماتا ہے۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ خدا نے اے حبیب ؐ تم کو وہ کچھ بتا دیا جو تم نہیں جانتے تھے۔ اور فرماتا ہے۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی خدا غیب کا جاننے والا ہے اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ اور یہ آنکھوں کا اندھا آنحضرت ؐ سے علم غیب کی نفی کرتا ہے۔ اور اُس کو شیطان و ملک الموت کے حق میں ثابت کرتا ہے +

ان وہابیوں نے صرف رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں عیب و نقص نکالنے پر بس نہیں کیا۔ بلکہ خدا تعالیٰ پر امکان کذب اور اُس سے وقوع کذب کا افترا باندھا۔ چنانچہ اُن کی ایک کتاب میں ہے کہ "خدا تعالےٰ کو جھوٹا جاننے والا فاسق و فاجر تو کجا گمراہ بھی نہیں ہوتا۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک علوا کبیرا +

دوسرا فرقہ مرزائیوں کا ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود اور

مہدی منتظر مانتا ہے۔ اور مرزا کے منکر و مکذب کے پیچھے نماز پڑھنے کو قطعی حرام کہتا ہے۔ ہم اس فرقہ کی پوری تکذیب و تردید کتاب ہذا کے تکملہ صفحہ ۲۷ میں کر چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لینا چاہیئے۔ یہاں صرف حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے لکھنے پر بس کرتے ہیں۔ مَنْ اِدَّعَی الْوَحْیَ اِلَیْہِ اَوِ النُّبُوَّۃَ وَمَا اَشْبَہَ ذَالِکَ فَھُوَ کَافِرٌ یعنی جو شخص اپنی طرف وحی آنے یا اپنے نبی ہونے یا اسی قسم کا اور دعویٰ کرے۔ پس وہ کافر ہے۔ (اس واسطے کہ احادیث و اجماع اُمت سے بتواتر یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم پر ہر قسم کی نبوت ختم ہو گئی۔ اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور چونکہ وحی غیر انبیا پر نہیں آتی۔ پس زید کا یہ دعویٰ کرنا کہ اس طرف وحی آتی ہے غلط ہوا۔ اور وہ اپنے اس دعویٰ کے سبب کافر ہوا) ❊

ہمارے اس زمانہ میں اس قسم کا بیہودہ دعویٰ کرنے والے کا صرف یہی علاج ہے کہ علما اُس کے مکائد کو ظاہر اور اُس کے عقائد کو باطل اور اُس کے مفاسد کو حتی الامکان رد کریں۔ اور عوام مسلمانوں کو لازم ہے کہ اُس کے مغالطات و مغالطات سے دور بھاگیں۔ اور ان بے دینوں کی باتیں سننے سے اپنے کانوں کو بہرہ کریں۔ واللّٰہُ ولی الھدایۃ ❊

کئی سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ ہم نے عربی اخبار البیان لکھنؤ میں پڑھا تھا کہ ایک شخص یحییٰ خاں نامی پورب کا رہنے والا نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور اور اپنے معتقدین کو یہ کلمہ تلقین کرتا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَحْیٰی عَبْدُ اللّٰہِ اس کے بعد سے کسی اخبار میں اس جھوٹے مدعی نبوت اور اُس کے فرقہ مردودہ کی کوئی خبر نہیں ملی۔ بہر نوع ہم نے اس کا نام فرقہ عیسنیہ رکھا ہے۔ مسلمانوں کو اس کے مکائد سے بھی بچنا چاہیئے ❊

ہمارے اس زمانہ میں ایک شخص افریقہ میں ظاہر ہوا ہے۔ اور وہ اپنے کو مہدی آخر الزمان کہتا ہے۔ اخبارات میں اس کا نام حبشی مہدی رکھا گیا ہے کہتے ہیں کہ بڑے بڑے کرشمے اور شعبدے بتلاتا ہے۔ خدا اہل اسلام کو اس کے شر سے محفوظ رکھے جس طرح اس سے قبل کے چند مردود جھوٹے مہدیوں

کے شر و فساد سے اس وقت کے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔

دہلی میں ایک شخص مرزا حیرت نامی جس کو امراؤ مرزا بھی کہتے ہیں اور وہ اخبار کرزن گزٹ کا ایڈیٹر ہے۔ اس بات کا قائل ہوا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام شہید نہیں ہوئے۔ بلکہ قسطنطنیہ جا کر اپنی موت سے فوت ہوئے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اُن کی شہادت کی کوئی معتبر شہادت کسی بھی سُنّی اور شیعہ کی کتاب میں نہیں ملتی۔ امام موصوف کی شہادت کے باب میں جتنی احادیث وارد ہیں۔ وہ ان سب کی تکذیب تضعیف کرتا ہے۔ اور ایک موقوف حدیث جو بخاری شریف میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ثبوت شہادت میں مروی ہے۔ اُس کو قابلِ احتجاج نہیں سمجھتا۔ حالانکہ اُس کا انکار شہادت خلاف اجماعِ اُمت ہے۔ علمائے متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے امام موصوف کی شہادت کا انکار نہیں کیا۔ اور یہ بات بالاتفاق علما ثابت ہے کہ اجماع امت کا منکر کافر ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میرا روئے سخن اہل سنت کی طرف نہیں ہے۔ اور نہ میں اُن سے کوئی بحث کرنا چاہتا ہوں۔ بلکہ صرف شیعوں سے شہادت امام کے متعلق سوال کرتا ہوں کہ وہ جس شہادت کے بھروسے اعمال صالحہ کو چھوڑے بیٹھے ہیں۔ اور جس خون کو اپنا ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ پہلے اُس شہادت کو تو ثابت کریں۔ لہٰذا بعض کا تو یہ خیال ہوا کہ مرزائی مذکور سے سُنّیوں کو کوئی بحث نہ کرنا چاہیئے۔ اور یہ کہکر ٹال دینا چاہیے

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں برآئی
گو مشتِ خاکِ ما ہم برباد رفتہ باشد

لیکن محققین کا قول ہے کہ ہم کسی منکر اور مکذب اجماع کا یہ عذر بارد کبھی نہیں سن سکتے۔ بنا برآں اُن کے خیالات داہیہ کی پوری تردید کرنے لگے۔ گو اُس نے اس تردید کو اپنی ہٹ دھرمی سے نہیں مانا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس کی تردید کی ضرورت ہی کیا تھی۔ علما کیوں اس فضول بحث میں تضیع اوقات کرتے ہیں۔ ایک معمولی یاوہ گو اور کم سواد شخص کی بیہودہ سرائی سے ہمیں کیا۔

نقصان پہنچ سکتا ہے ہمیں ثبوت شہادت کے لئے کسی حدیث کی تلاش تفتیش کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس اجماع سلف خلاف کی دلیل کافی ہے ۔

پس اگر وہ اجماع اُمت کو نہیں مانتا۔ تو اُس پر وہی حکم لگا دینا کافی ہے جو اجماع کے مخالف پر لگایا جا سکتا ہے مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسے زخرفات اور ہر کس و ناکس کے دعاوی باطلہ پر کان نہ دھریں۔ ہم نے اس کے فرقہ کا نام چیزنبہ رکھا ہے۔ اُس نے حلقہ ربانی نام کی ایک مجلس بھی قائم کی ہے جس میں داخل ہونے کے بعد انسان کو ان تمام بدعات کا معتقد ہونا پڑتا ہے جو مرزا کی ایجاد اور خود تراش ہیں ۔

چھٹا فرقہ نیچری لوگوں کا ہے۔ اور اس سے ہماری مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو زمانہ سابق میں دہریہ کہلاتے تھے۔ اور جن کا قول خداوند عالم نے اس طرح نقل کیا ہے۔ مَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ (جاثیہ) ہم کو زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ اور ہم مرنے کے بعد نہیں اٹھائے جائینگے۔ یہ لوگ دہر کو ہی اپنا محی و ممیت اور خالق سمجھتے تھے۔ اور بعض کہتے تھے کہ مادہ و رُوح یہی دو اصل چیزیں ہیں۔ ان کو فنا بھی نہیں۔ یہ دونوں بذات خود قائم اور غیر فانی ہیں۔ انہیں کے انفصال سے جو انہیں کے اختیار سے واقع ہوتا ہے۔ ہر چیز بنتی ہے وغیرہ وغیرہ بلکہ نیچری فرقہ سے یہاں ہماری مراد وہ لوگ ہیں۔ جو علوم جدیدہ کو حاصل کر کے اکثر ضروریات دین کے منکر ہو گئے ہیں۔ اور جو کارخانہ عالم کی ہر ایک چیز کی حقیقت اپنی عقل جزوی کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جو چیز اُن کی عقل کے بل بوتے سے باہر ہے۔ اس کی حقیقت سے فوراً انکار کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن جس چیز کو صرف انہوں نے اپنی عقل و تلاش سے معلوم کر لیا ہے۔ اُس چیز کی وہی حقیقت اُن کے نزدیک مسلّم ہوتی ہے۔ اگرچہ قرآن حدیث اُس کے خلاف شہادت دے۔ چنانچہ اس بنا پر اس فرقہ کے لوگ معجزات انبیاء اور کرامت اولیا حتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آسمانی معراج سے بھی انکار کرتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ

[illegible]

علیہ وآلہ وسلم کو بیداری میں مع جسد و روح کے معراج کی رات آسمان پر نہیں بلایا گیا۔ بلکہ وہ خواب تھا اور بس۔ اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر آتش نمرود کے بے ضرر ثابت ہونے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ضرب عصا سے پہاڑمیں سے بارہ چشموں کے جاری ہونے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ احیاء اموات کے بھی منکر ہیں۔ یہ لوگ قرآن کریم کی تاویل اپنی رائے و عقل سے کرتے ہیں۔ اور وجود سموات اور خرق والتیام اجرام فلکی کے مطلق قائل نہیں علوم جدیدہ نے اُن کی بصیرت پر اس طرح پردہ ڈال دیا ہے کہ خداوند برتر کی قدرت اور انبیاء کی عظمت اُن کی نظر میں بالکل نہیں جچتی۔ وہ انبیا کو حکیم فلاسفر یا مصلح قوم سے زیادہ مرتبہ نہیں دیتے۔ تاجرانہ سود اور بنک کے بیاج کو حلال جانتے ہیں۔ عموماً ڈاڑھیاں منڈاتے مونچھیں بڑھاتے اور یورپ کی تقلید کے دلدادہ ہیں۔ امریکہ کے ایک معمولی حکیم اور سائینس دان کی حکمت اور پیشینگوئی کو وحی منزل من اللہ سمجھتے ہیں۔ تارک الصلوٰۃ ہیں۔ نماز کے وقت ہواخوری کو نکل جاتے ہیں۔ اور کلب و سوسائٹی کی نشست اور آوارہ طبیعت اصحاب سے گپ شپ مارتے رہنے کو نماز پر ترجیح دیتے ہیں۔ بزرگانِ سلف کے طعام و لباس سے نفرت کرتے اور میز و کرسی پر کھانا کھانے اور محرماتِ شرعی کو حلال ٹھیراتے اور جدید فیشن کا لباس پہننے کو اپنا بڑا فخر خیال کرتے ہیں۔ رات دن قومی اصلاح کا دعویٰ کرتے ہیں۔ باوجودیکہ نہ قومی اصلاح کا ان کو درد ہوتا ہے اور نہ قوم کا اصلاح پذیر ہونا۔

اُن کا نصب العین علمائے دین کو بُرا کہنا ہیں۔ اور تقریر و تحریر میں صریحاً واشارتاً اُن کی ہنسی اُڑاتے ہیں۔ رقص و سرود میں بے باک و بے خطر شریک ہوتے ہیں۔ بلکہ یورپین عورتوں کے ساتھ ناچنے کو بڑے فخر و مباحات کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

غرض اپنے نامہائے اعمال کو اپنا سیاہ کرتے ہیں کہ اس میں ارد برابر بھی سفیدی نہیں چھوڑتے ؎

چو پرسش گنہم رفتہ حشر خواہد شد تمسکات گناہان خلق پارہ کنند

ترجمہ۔ جب قیامت کے روز میرے گناہ کے متعلق سوال ہوگا۔ تو تمام مخلوق کے گناہوں کے کاغذ چاک کر دیئے جائیںگے *

یہ فرقے جن کا اوپر مذکور ہوا۔ اور نیز اُن کے سوا جتنے فرقے ہیں ...... فرقہائے ضالہ میں داخل ہیں۔ حدیث میں صرف بہتر فرقوں کا غیر جنتی ہونا وارد ہے لیکن جیسا کہ علامہ توربشتیؒ نے اپنی اس کتاب کے سنجھ پر لکھا ہے مراد اس لفظ سے کثرت ہے نہ حصر یعنی یہ مراد نہیں ہے کہ فرقہائے ضالہ صرف بہتر ہی ہونگے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ میری امت میں کثرت سے فرقہائے ضالہ خروج کرینگے۔ اُن میں سے نجات یافتہ صرف ایک ہی ہوگا۔ جو میری اور میرے صحابہؓ کی سنّت سنیہ پر قائم رہے گا۔ چنانچہ حدیث میں ہے لَا تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ (رواہ البیہقی فی کتاب الزہد) یعنی جو شخص میری امت میں بگاڑ اور فساد واقع ہونے کیوقت میری سنّت پر قائم رہا۔ اس کو سو شہیدوں کا اجر ملے گا *

بعض علمائے کرام نے فرقہائے ضالہ کو صرف بہتّر تک محصور سمجھکر اُن کو جمع کیا ہے۔ اور وہ فرقے جن کی ضلالت کفر تک پہنچ گئی ہے۔ اُن کے نام گنوا کر اُن کو خارج از اسلام فرقوں میں محسوب کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ عبدالقاہر بغدادی نے اپنی کتاب اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْفِرَقِ میں لکھا ہے لیکن بعض علماء نے تمام فرقوں کے اسماء و عقائد نقل کر دیئے ہیں *

چنانچہ کتاب الملل والنحل میں اور مولانا نجم الغنی رامپوسی نے اپنی کتاب مذاہب اسلام میں ایسا ہی کیا ہے۔ اور اسلامی فرقوں کو تین سو سے زائد شمار کیا ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالموں نے فطرتی اور سلیس و صاف اصول مذہب اسلام میں کچھ خرابیاں اور پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ اور حق و ناحق کی تمیز کتنی مشکل ہوگئی ہے *

علمائے کرام کے ہم مشکور ہیں کہ انہوں نے اس فسانہ تفرقہ عظیمہ کے وقت اپنی ہمت کو کتب عقائد کی تدوین کی جانب معطوف فرمایا۔ اور اسی موضوع پر سینکڑوں کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فرقہ

ناجیہ اہل السنت والجماعت کا گمراہوں اور بے دینوں کی دستبرد اور غارتگری سے محفوظ ہوگیا۔ اور جوں جوں زمانہ گذرتا گیا۔ اور جدید فرقہ پیدا ہوتے گئے۔ تو اُن کے بعد کے علما بھی جدید فرقوں کے احداث کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کرتے گئے۔ اور اہل السنت والجماعت کو اُن کے دام فریب میں پھنس جانے سے بچاتے رہے۔ اسی سلسلہ میں حسب ضرورت زمانہ کتب عقائد کے تراجم بھی پہلے عربی سے فارسی میں اور پھر فارسی کی کس مپرسی کی حالت کے وقت اردو میں شائع کرتے رہے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن ایک خرابی جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ اس زمانہ میں ایسی پیدا ہوگئی ہے کہ بعض کتب اہل السنت والجماعت کے ایسے لوگوں نے بھی کر دئیے جن کا اپنا عقیدہ اُس کے خلاف تھا۔ اور وہ فرقہ ہائے ضالہ میں شمار ہونے تھے۔ دو باتوں نے ان کو ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ ایک تو یہ کہ اس ذریعہ عام مسلمانوں سے روپیہ کمایا جائے۔ دوسرے یہ کہ اُن کتابوں میں تراجم و حواشی کے ذریعہ اپنے معتقدات ملا دئیے جائیں چنانچہ ہم نے بہت سی کتابیں دیکھی ہیں۔ جو اصل میں اہل السنت کے عالموں کی تصنیف ہیں۔ مگر بے دین مترجموں نے ترجمہ کر کے ان کو کھینچ تان کر ترجمہ کئے۔ اور اگر ترجمہ میں نہ ہوسکا تو حواشی کے ذریعہ اپنے معتقدات کے موافق کر لیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک کتاب کا دو شخص ترجمہ کرتے ہیں۔ ایک تو حنفی ہے۔ دُوسرا غیر حنفی۔ دونوں ترجموں کو ملا کر دیکھو۔ تو زمین و آسمان کا فرق ہے +

سلف صالحین کی کتب مقدسہ کا اس طریق پر ترجمہ کرنا کہ اُس سے مصنفین کے عقائد پر حرف آئے۔ اور نیز اس ذریعہ اپنے عقائد فاسدہ کی تشہیر کی جاوے حقیقت میں بڑی دیدہ دلیری اور سخت فریب دہی کی بات ہے۔ یہ بلا ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے کہ جو شخص جس کتاب کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے بے دھڑک اپنے معتقدات کے مطابق کر دیتا ہے۔ جس کا ثبوت اصل کتاب کے دیکھنے ہی سے ہوسکتا ہے۔ پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ جب تک مترجموں کے عقائد کی توثیق و تحقیق نہ کر لیں۔ ایسے ترجموں کے لینے

حزب الاحناف لاہور

اور اُس پر عمل کرنے سے سخت احتراز و اجتناب کریں ۔

اسی سلسلہ میں ہم ایک پُرانی معتبر کتاب عقائد کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ جو سات سَو برس ہوئے ۔ علامہ شیخ شہاب الدین تورپشتی رحمۃُ اللہ علیہ نے ایام سلطنت حضرت سُلطان ابوبکر ابن سعد زنگی نوّر اللہُ مرقدھم کے زمان سعادت اقتران میں اسی کے ارالخلافہ شیراز میں رہ کر تصنیف کی تھی ۔ اور خاص اسی رحم دل بادشاہ دادگستر کے نام سے معنون فرمائی تھی ۔ لیکن اس کتاب کی اشاعت سے نہ تو ہماری غرض جلب منفعت ہے ۔ اور نہ اپنے علم و فضل کی شہرت مقصود ۔ اصل یہ ہے کہ برادران اسلام اس کتاب مستطاب کو مطالعہ کرکے اپنے عقائدِ حقہ کو درست رکھیں ۔ اور اس جہل و نادانی اور الحاد و ارتداد کے زمانہ میں سنت سنیہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر قائم و ثابت رہیں ۔

اس کتاب کا نام جیسا کہ دیباچہ میں مذکور ہوا المُعتَمَدُ فِی المُعتَقَدِ ہے ۔ اور عقائد تورپشتی کے نام سے مشہور بین الانام ہے ۔ یہی وہ معتبر تالیف ہے جس کا تذکرہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دھلوی رحمۃُ اللہ علیہ نے اپنی لاجواب کتاب اشعۃ اللمعات کے ہر مقدمہ میں کیا ہے ۔ اور ہر مناسب مقام پر اس معتبر کتاب کے ذریعہ اضافہ و افادہ موزون جانا ہے ۔ علاوہ ان کے اکثر معتبر علماء کرام نے اپنی تصانیف میں اس کے حوالہ جات درج کیئے ہیں ۔ چنانچہ علامہ برھان مسکین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے اکثر اقوال اپنی کتاب عقائد موسوم بہ ارشاد المسلمین میں نقل فرمائے ہیں ۔

افسوس کہ باوجود تحقیق و تلاش کے ہم اس فاضل مصنف کے حالات زندگی اور نیز ان کی دوسری تصنیفات سے واقف نہ ہوسکے یہ کتاب ہمیں برہان پور کے ایک قدیم اور پُرانے کتب[1] خانہ سے حسن

لہ[1] یہ اشارہ ہے عالیجناب خان بہادر قاضی محمد سراج الرحمن صاحب مرحوم (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶)

اتفاق سے قلمی قریباً تین سو سال کی لکھی ہوئی دستیاب ہو گئی ہے ہم نے فرطِ شوق اور بمقتضائے ضعف علمی پہلے تو اول سے آخر تک اس کو مطالعہ کر لیا۔ اور جب دیکھا کہ یہ کتاب خصوصاً اس زمانہ کے مسلمانوں کے واسطے لغایت مفید ہوگی۔ تو ہم نے بلا تحریک و تشویق کسی شخص کے محض اللہ واسطے بڑی محنت سے اس کا ترجمہ کر دیا ؛

ترجمہ کرنے والے اصحاب خوب جانتے ہیں کہ کسی کتاب کے ترجمہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵)

آنریری مجسٹریٹ شہر برہان پور کے بیش بہا اور نایاب کتب خانہ کی طرف ممدوح الصدر فقیر مترجم کے بڑے ہمدرد اور عنایت فرماتے ۔ خدا نے ان کو دنیوی امارت و وجاہت کے ساتھ علوم دینیہ سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ اہل اسلام کی خیرخواہی اور ان کی محبت اُن میں اس درجہ تھی کہ اُن کی ضروریات کو اپنی ذاتی احتیاجات پر ترجیح دیتے تھے ۔ افسوس کہ وہ عین عالم شباب میں جب کہ ان کی عمر ۳۷ سال سے بھی متجاوز نہ ہوئی تھی ۱۳۲۱ھ ہجری میں دو لڑکے ایک لڑکی اور ایک بیوی چھوڑ کر راہی عالم بقا ہوئے ۔ دونوں چھوٹے لڑکے قاضی محمد عنایت الرحمٰن صاحب و قاضی محمد فیض الرحمٰن صاحب اپنی والدہ کی کنار عاطفت میں جوان ہو کر تعلیم دینی و دنیوی سے بہرہ مند ہوئے ۔ لیکن آہ وہ بھی عین جوانی میں جب کہ دو نونہالان چمنِ امید تعلیم ہی پا رہے تھے ۔ ایک سال کے اندر ہی یکے بعد دیگرے وفات پا گئے اور بدنصیب والدہ کے دل پر دوامی مفارقت کا داغ لگا گئے ۔ فیض الرحمٰن جو عمر میں چھوٹے تھے ۔ برہانپور میں بعارضہ ہیضہ مبتلا رہ کر ۱۲ گھنٹے میں دار الخلد کو سدھارے ۔ اور ان کے نو ماہ بعد عنایت الرحمٰن ملیریا کی مہلک بیماری میں مبتلا ہو کر علیگڈھ کالج میں رحلت گزائے عالم جاودانی ہوئے ؛

چونکہ شہر کی قضاۃ کا وارث اولاد ذرینہ سے کوئی نہ تھا۔ اس لئے بالاتفاق معززین عمائدین شہر ان کی صاحبزادی قاضی قرار دی گئیں۔ عہدہ قضاۃ کی تمام ذمہ داریاں صاحبزادی موصوفہ کے لائق و فاضل شوہر جناب قاضی خواجہ حسین الدین صاحب ابن حضرت مولوی خواجہ علیم الدین صاحب وکیل درجہ اوّل اورنگ آباد دکن کے سپرد کی گئیں۔ جو نہایت خوبی کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں۔

یہ کتاب مجھے خواجہ حبیب الدین صاحب ابن خواجہ منیر الدین صاحب قاضی و جاگیردار ملکاپور و پرگنہ قاضی۔ علاقہ برار کے توسط سے دستیاب ہوئی۔ جو خان بہادر صاحب موصوف کی بیوہ کے بھانجے اور میرے شاگرد رشید اور نہایت باخدا اور بڑے لائق و فاضل تعلیم یافتہ نوجوان ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان ہر دو جوان بخت عزیزوں کو گردش زمانہ سے محفوظ رکھے ؛

کرتے ہیں کیا کچھ مشکلات اور دقتیں پیش آتی ہیں۔ لہٰذا ہم بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ہم نے مختلف کتابوں کے مقابلہ و تحقیق سے ان مشکلوں کو حل کر لیا۔ پھر بھی ہم نے جب دیکھا کہ اکثر ضروری مسائل میں مصنف علیہ الرحمۃ نے ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے۔ تو اس کی تشریح و توضیح حواشی کے ذریعہ کر دی۔ اور بعض باتیں جو مصنف کے قلم سے فروگذاشت ہو گئی تھیں۔ یا جو اُن کے زمانہ میں موجود نہیں تھیں۔ ان کو بالتفصیل کتاب کے آخر میں ایک تکملہ کے ذریعہ بیان کر دیا۔ اور بعض ایسی باتیں جن کا جاننا کتاب کے پڑھنے کے پہلے ضروری تھا۔ ان کو مقدمہ میں لکھ دیا۔ اس طرح یہ کتاب خدا کے فضل سے ہر طرح کامل ہو گئی ؛

امید تو ہے کہ اس کے پڑھنے اور یاد کرنے کے بعد اہل اسلام کو پھر کسی کتاب عقائد کے دیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت نہ رہیگی۔ ان کو ہر ایک ضروری مسئلہ جو علم عقائد سے متعلق ہو گا۔ اس کتاب میں کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔ اور علم کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ وہ اس سے زیادہ چاہیں تو مبسوطات و مطولات میں مل سکتا ؛ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا هَدَانَا سَوَاءَ الطَّرِیْقِ وَجَعَلَ لَنَا التَّوْفِیْقَ خَیْرَ رَفِیْقٍ

وَصَلَّى اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصراط السوی

ترجمہ اردو

عقائد توریشتی

حمد

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَحْمَدُكَ حَمْدًا یَلِیْقُ بِکِبْرِیَائِكَ وَنُصَلِّی عَلٰی صَفْوَۃِ اَصْفِیَائِكَ وَخَاتِمِ اَنْبِیَائِكَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

حمد وثنا اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کو زیبا ہے کہ اُس کے سوا کوئی بھی حمد کے لائق نہیں۔ اور بجز اُس کے کوئی بھی ثنا کے قابل نہیں۔ اپنی حمد وثنا اپنے لائق وہی کرسکتا ہے۔ اور اپنا وصف اپنے شایان شان وہی کہہ سکتا ہے عقل کا بڑا وصف یہ ہے کہ وہ ایک حد تک مخلوقات پر اپنا حکم جاری کرے اور اندیشہ کا عمدہ فرض یہ ہے کہ وہ کائنات کی کیفیات میں تحقیقات سے کام لے۔ خدا تعالیٰ کے جلال میں عقل پر سوختہ ہے۔ اور اندیشہ اُس کے سراپردۂ قدس میں دیدہ بردوختہ۔ عقل نے اگر اس کی معرفت کی چاشنی سے کام جان کو شیریں کیا۔ تو یہ اسی کی عنایت ہے۔ اور اگر اندیشہ

اُس کے رازہائے سربستہ تک پہنچا۔ تو اسی کی ہدایت اسی کے لازوال جود داکرام نے دل کو اپنی محبت سے آشنا کیا۔ اسی کے فضل داحسان نے جان ناتوان کو اپنی شناسائی سے بینا فرمایا۔ اس کی یاد راحت روان ہے اور دریافت ملک جاودان اسی کی اطاعت مقصد عابدان ہے۔ اور اسی کی خدمت خوشتر از نعیم دو جہان اس کے ساتھ ایک نفس گذارنا دنیا وما فیہا کی نعمتوں سے بہتر ہے۔ اور اس کی یاد ایک لمحہ بسر ہونا مدت العمر کی کامیابیوں سے خوشتر۔

نعت

صلوٰۃ بابرکات وتحیات ذاکیات بقدر وسعت فہم ادراکات وباندازۂ گنجائش اندیشہ وقیاسات سراپردۂ کبریا سے۔ روان پاک وکالبد زندہ۔ ساکن مدینہ میبر بار حضرت ربوبیت رہنمائے طریق عبودیت۔ امین عالم غیب۔ ترجمان علوم وحی لاریب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وسلم پر ہو کہ ان کی برکت سے جانوں کو بینائی ہے۔ اور اُن کے فیضان سے دلوں کو آشنائی۔ ان کی شریعت سے خدا پرستی کا رستہ ظاہر ہے۔ اور ان کی سنت سے آداب اطاعت دعبودیت باہر۔ آفرین اُن پر اور ان کے اہل دیاروں پر اور رحمتہائے بے منتہا اُن پر اور اُن کے پیروان ملت حنیفہ اور تمام دین داروں پر نازل ہوں۔

سبب تصنیف کتاب

بعد حمد وثنائے خدائے تعالیٰ واحد و ذوالجلال جو بہترین کلمات متکلمین ہے۔ اور بعد صلوٰت وسلام بر روح خاتم نبوت و الرسالت جو اقصی المقاصد شیدایان سید المرسلین ہے۔ اُن حضرات سے جو خدا پرست بینا دل اور روشن روان مبارک نفس ہیں۔ استعانت کی جاتی ہے۔ ایک ایسے

مبارک خیال کے مضامین جو عالم غیب سے اس فقیر کے دل پر مستولی ہوا ہے۔ یعنی جب میں نے بے علم کم سواد اصحاب کو شناخت حق کی تلاش طلب اور برگزیدگان امت کی تقلید و پیروی کی جانب سے (جن کے طریق کو حضرت نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم نے سواد اعظم فرمایا ہے) سست پایا اور دیکھا کہ علما اور خدا شناس بھی اُن کی تادیب و تنبیہ اور ارشاد و نصیحت کی طرف سے، جو حق دینداری اور واجب مسلمانی ہے۔ غافل ہیں اور فتنہ ہائے بے اندازہ نازل ہوا۔ اصحاب شبہات اور داعیان ضلالت سے اٹھ رہے ہیں۔ نظر باین حالات میرے دل میں آیا کہ فارسی زبان میں عقائد کی ایک ایسی کتاب تصنیف کیجیے کہ طالبان حق کی حاجات کو حاوی اور اعتقادیات اہل السنت والجماعت میں گرامی ہو۔ اور مباحث میں خصوصیت سے قانون کتاب وسنت اور اقوال علمائے امت کا جن سے مراد سلف صالح ہیں۔ لحاظ رکھا جائے میں نے حضرت حق تعالیٰ کے حصول علم کا ذریعہ اس سے بہتر نہ جانا۔ کیونکہ اسی میں عالم و اہل عالم کی صلاح مکنون ہے۔ اعتقاد درست کی نسبت دوسرے اُن معاملات کے ساتھ جو بندہ اور خدا کے درمیان ہیں ایسی ہے جیسی رُوح کی نسبت کالبد کے ساتھ ظاہر ہے کہ جسد بے جان کسی کام کا نہیں ہوتا۔ ایسا ہی عمل صالح بدوں اعتقاد درست کے ناکارہ ہے۔ یہ بھی معلوم اہل بصیرت رہے کہ اسلام میں جو فتنہ اٹھا اس کا سبب شومی اعتقاد بد اور شیوع رائے و بدعت ہے ✤

پھر تدبیر اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اس کتاب کو کسی صاحب دولت و مالک سلطنت کے نام سے معنون کیا جائے۔ تاکہ اس کا اثر عوام مسلمانوں کے دلوں میں جو سلاطین کی تصویب خیالات کے خوگر اور حاکم وقت کے ارادت کے متعقد ہیں۔ جاگزین ہو۔ اسی سبب سے اِس کو مقبول جناب باری بقیت ملوک صالح فخر سلاطین اسلام بادشاہ نیاز مند دین پرور رحیم دل درویش نواز یعنی سلطان اتابک ابوبکر سعد بن زنگی کے نام و ذکر سے منسوب کیا اور اُس کی دعائے دولت سے معطر اور اس رابطہ کو اُس کے فرزند

شاہزادہ ابو شجاع سعد کے نام سے کہ دونوں کنف و حمایت خداوندی میں رہیں مستحکم کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی ترتیب میں معظم نظر اسی کی خدمت تھی۔ اگرچہ اس درویش کا وظیفہ خدمت آل شاہ میں مقرر و مستمر ہے تاہم میں نے چاہا کہ اس کی حضور میں ایک ایسا دیرپا اور شائستہ تحفہ پیش کروں جو صفحات روزگار پر باقی رہے۔ اور اس سے وہ اور آئندہ نسلیں منتفع ہوں۔ اگرچہ اُس کے عہد دولت میں مجھ ایسے بہت سے علما تھے۔ لیکن اس اعتبار سے کہ صلاح دین و دولت میں مجھے ایک گونہ امتیاز حاصل تھا۔

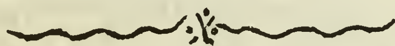
میں نے اس کار خیر میں مسارعت کی یہ جو کچھ ہوا صدق نیت اور وثوق ہمت کی برکت سے نہ بضاعت کی کثرت سے اور میں نے اس تحفہ کا نام المعتمد فی المعتقد رکھا۔ اور اس کی اساس تین بابوں پر قائم کی۔ ہر باب میں دس دس فصلیں ہیں۔

پہلا باب خدائے عزوجل پر ایمان لانے کے بیان میں۔

دوسرا باب فرشتوں کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لانے میں۔

تیسرا باب دوسرے اعتقادی مسائل میں موافق کتاب و سنت اور اجماع امت کے۔

امید ہے کہ اس بادشاہ کی دولت اور میری صدق نیت کی برکت سے یہ کتاب مقرون بہ اجابت ہو۔ اور اس کے ایام دولت میں تمام اہل مملکت اور جملہ فارسی دان ہر شہر و بلاد کے انتفاع حاصل کریں۔ اور اس کی برکات عائد یہ ایام میمون ہوں۔



پہلا باب

خدا پر ایمان لانے میں اور اس میں دس فصلیں ہیں

پہلی فصل

ایمان کے معنی کے بیان میں

لفظ ایمان کے معنے تصدیق کے ہیں۔ اور تصدیق کے معنے یہ ہیں کہ قائل کی بات پر یقین کیا جائے۔ اور اُس کے سخن کو سچا مانا جائے اور لفظ ایمان امن سے ماخوذ ہے۔ جو خوف کی ضد ہے۔ اس کے معنی ہیں امن کرنا یعنی خوف اور مہلکہ سے امن میں رکھنا ٭

تفصیلاً یوں سمجھو کہ جب کہنے والا کسی چیز کی خبر دیتا ہے۔ اور سامع اُس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتا۔ تو لابد متردد ہوتا ہے کہ یہ خبر راست ہے یا دروغ۔ اسی طرح جب کسی کو حکم کیا جاتا ہے کہ یہ کر وہ مت کر اور محکوم یا مامور اس کی حقیقت نہیں جانتا تو اس کو امر و نہی کے حق اور باطل سمجھنے میں تردد ہوتا ہے لیکن جب سامع کا دل قائل کی بات کو حقیقتاً درست مان لیتا اور اس کے حکم پر اعتبار کر لیتا ہے تو اُس کے قول یا حکم کی طرف سے کجی یا بطلان کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں آتا۔ وہ اس کی بات اور اس کے حکم کو سچا ہی سچا یقین کرتا ہے ٭

پس اس یقین و اعتقاد سے وہ اپنے نفس کو اس چیز کے دروغ یا نادرست سمجھنے سے مامون اور بے خوف کر لیتا ہے ٭

کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جب انسان اپنی عقل کے ذریعہ عالم کے خالق اور اس کے زمانہ تو انا قدیم اور لازوال ہونے پر یقین سے آیا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ عالم کا بدوں ایسے خالق کے جو حی قدیم ازلی ابدی وغیرہ ہو قائم رہنا ناممکن ہے ۔

اور نیز جب اس نے اعتقاد کر لیا کہ توحید وغیرہ کے باب میں جو احکام انبیاء علیہم السلام کے توسط سے اس کو پہنچے ہیں۔ وہ درست ہیں۔ اور اس کو اس طرح قبول کر لیا۔ کہ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ تو اس یقین و قبول سے اس نے اپنے نفس کو چند برائیوں سے مامون کیا۔

پھر ایسی دریافت و دانست سے جو کج یا دروغ ہو۔ داعی توحید و حق پر کذب و افترا سے۔ بعد موت کے (بشرطیکہ اسی یقین پر موت ہو) عذاب آخرت سے ۔

پس ان چند توجیہات سے اعتقاد درست کو ایمان کہتے ہیں۔ اگرچہ تصدیق اور اعتقاد صرف دل سے ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اصطلاح شرعی میں ایمان نام ہے۔ دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنے کا دل سے تصدیق اور زبان سے اعتراف کرنے والا مومن ہے۔ مگر ایمان میں اس کی منزلت اس وقت تمام تر ہوگی۔ جب موافق حکم خدا و رسول کے عمل بھی کرے ایمان کی کچھ اوپر[1] ستر شاخیں ہیں۔ ان کی اصل توحید و رسالت کی گواہی دینا ہے۔ اس باب میں وہ باتیں جن کی شناخت و معرفت بندہ کے لئے ضروری ہے۔ علم توحید وغیرہ کے متعلق بیان کی جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے نمبر ۲۲۴ تکملہ کتاب ہذا ۱۲

دوسری فصل

خالق عالم کی شناخت

پہلی بات جس کا جاننا ہر شخص پر واجب ہے وہ خالق عالم کی معرفت ہے کہ واحد و یگانہ ہے۔ اور عالم نام ہے ہر اُس چیز کا جو اللہ تعالےٰ کے سوا ہے۔ اب جاننا چاہئے کہ اکثر عوام مسلمان ہیں۔ جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے۔ اور اسلام پر تربیت پائی۔ اور ابتدا سے اُن کے ماں باپ نے انہیں کلمہ توحید سکھا پڑھا دیا۔ اور اُن کے کان میں پہنچا دیا کہ خدا ایک ہے۔ قدیم ہے۔ وہ کسی چیز کے مشابہ نہیں۔ اُس کے سوا جو کچھ ہے۔ اُسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اُس نے گھر کے لوگوں کو اسی شہادت پر پایا۔ اور نماز پڑھتے۔ روزہ رکھتے۔ زکوٰۃ دیتے اور فریضہ حج ادا کرتے دیکھا۔ اُس کے سامنے بانگ نماز اور قرآن کریم پڑھا جاتا رہا۔ اُس نے اپنے گھر کے لوگوں سے علم حلال و حرام سیکھا۔ اور خود اُن میں بھی اُس کے موافق عمل کرتے پایا۔ اس سبب سے تقلیداً دین حق کی محبت اُس کے دل میں راسخ ہو گئی۔ اور اہل خانہ کی طرح وہ بھی اِن تمام باتوں کا معتقد ہو گیا۔

ایک ایمان ذوی علم اصحاب کا ہے وہ یہ کہ جناب نبی عربی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اخبار نبوت اور اخبار صداقت یعنی آیات و معجزات متواتر زمان بہ زمان اُن تک پہنچے۔ اُن کے دیکھنے سے انہیں آنحضرتؐ کی تصدیق ہو گئی۔ انھوں نے اُن کے اقوال و افعال اور عادات سے جان لیا کہ وہ توحید و طاعات خدائے واحد کی طرف دعوت کرتے ہیں۔ اس محبت سے خدا کی وحدانیت اور ان کی رسالت پر اُن کا اعتقاد جسم گیا۔ اور انھوں نے دلائل نبوت و نبی کے ذریعہ یقین کر لیا کہ خدا کے واحد ہونے

خالق عالم کے قدیم و توانا ہونے میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں ان اصحاب کا ایمان درست مستحکم اور پسندیدہ تر ہے ۔

لیکن اس سے بھی تمام تر و کامل وہ ایمان ہے۔ جو نظر و اندیشہ[1] کے ذریعہ ایسی مستحکم دلیل سے ان پر روشن ہو جائے۔ جس سے اُن کی دین کی بنیاد بنیان مرصوص سے زیادہ پائدار ہو۔ قرآن کریم میں اس باب میں جو کچھ بیان ہوا ہے۔ ہم اُس کے بیان پر اقتصار کرتے ہیں۔ اور یہی کافی ہے۔ علمائے سلف نے بھی جو مقتدایان اہل سنت و الجماعت ہیں۔ قرآن ہی سے استدلال کیا ہے۔ اور یہی مسلمہ اہل سنت ہے۔ جو ان کی پیروی کرے گا مخاطرہ وہلاکہ سے سلامت رہے گا۔ اس لئے کہ ان کی متابعت مبارک ہے اور مخالفت شوم ۔

حق تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ یعنی تمہارا خدا اکیلا خدا ہے۔ کوئی اُس کے سوا معبود نہیں۔ وہ بندوں پر مہربان اور مومنوں پر بہت بخشائش کرنے والا ہے ۔

اور فرمایا إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔ ترجمہ۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کی آمد و رفت میں (یا درازی و کوتاہی میں) اور کشتی کے جاری کرنے میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لئے چلتی ہے۔ اور آسمان سے پانی برسانے میں کہ اُس سے زمین کو بعد اس کی موت کے زندہ کیا۔ اور زمین میں ہر قسم کے حیوانات کو پھیلایا۔ اور ہواؤں کے پھرانے میں (ایک جہت سے دوسری طرف) اور بادل میں جو زمین اور

[1] تفصیل کے لئے دیکھو صفحہ ۲۲۶ تکملہ کتاب ہذا ۔

آسمان کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ البتہ نشانیاں ہیں عقلمند لوگوں کے لیئے۔ یہ تمام باتیں اللہ کے وجود اور اُس کی قدرت اور یگانگت پر براہین قاطعہ ہیں ÷

اس آیت میں اشارہ ہے اس طرف کہ اگر میری قدرت اور یگانگی اور بلا شرکت غیری میری خدائی پر یقین نہیں لاتے ہو تو ان باتوں میں جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ اندیشہ کرو تا کہ معلوم کر لو کہ میری خدائی اور یگانگی میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور حقیقت میں جب اہل بصیرت آسمانوں اور اجرام فلکی پر نظر کرتے ہیں کہ ستاروں میں بعض ثابت ہیں بعض سیار اور بارہ برج ہیں۔ اور سات سیارے کہ ہر ایک ایک فلک معین اور سیر اور وقت معین کا پابند ہے کہ ایک ذرہ اس میں کمی بیشی ممکن نہیں۔ اور جو حد جس کے لیئے مقرر کر دی ہے۔ وہ اُس سے سر مو تجاوز نہیں کر سکتا۔ تو اُس کو صدق دل سے خدائے واحد و یگانہ کے وجود کے اعتراف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب آفتاب و ماہتاب کو دیکھتے ہیں کہ روشنی اور نورو جسامت میں بمقابلہ دوسرے ستاروں کے ان کو امتیاز و خصوصیت ہے۔ پھر آفتاب کی جانب نظر کرتے ہیں کہ وہ جب تک زمین کے اوپر ہے۔ دن ہے اور جب زمین کے نیچے آیا۔ رات ہوئی۔ پھر آفتاب ہی کی سیر سے سال کی فصلوں کو متعلق دیکھتے ہیں کہ ہر فصل کو حیوانات کی معاش کی مصلحت اور بنا پر اس طرح رکھا ہے کہ اُن کے مزاج بیکار نہ ہو جائیں۔ تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام مصنوعات بدوں قدرت و اختیار صانع کے نہیں ہو سکتے۔ اور ممکن نہیں کہ تدبیر عالم ستاروں سے متعلق ہو۔ اُن کی حرکت خود اُن کے اختیار میں نہیں۔ پھر غیر مختار اور محتاج کس طرح دوسرے پر حاکم ہو سکتا ہے۔ (اگر ان کو کچھ اختیار ہے بھی تو خدا تعالیٰ کی قدرت کے ماتحت ہے) ÷

پس اس سے انہیں خدا کے واجب الوجود ہونے پر پورا یقین ہو جاتا ہے۔ اُن کے غیر مستقل اور محتاج بہ صانع عالم ہونے کی ایک بڑی دلیل

ان کی حرکت ہے

یہ ہے کہ جب ہم ستاروں کے حال اور ان کے امارات تسخیر پر نظر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جب اُن کی سیر مستقیم ہو جاتی ہے۔ تو دوسرے کی طرف راجع نہیں ہو سکتے اور اگر راجع ہیں۔ تو ان کا اپنے اختیار سے مستقیم ہونا ممکن نہیں آسمان کو دیکھو کہ وہ ہمیشہ حرکت میں ہے۔ اس کا ساکن ہونا غیر ممکن ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان میں کا ہر ایک محدث مسخر مدبر اور مخلوق ہے۔ بے آفریدگار کے نہیں ہو سکتا۔

آسمان کے نیچے ابر کو دیکھو پانی سے بھرا ہوا ہے۔ ہوائیں اُس کو چلاتی پھراتی ہیں۔ کبھی اُس کو جمع کرتی ہیں۔ کبھی پراگندہ اُس سے جو پانی برستا ہے۔ وہ آدمیوں اور حیوانوں کا مدار حیات ہے۔ اسی سے مردہ زمین زندہ ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جھڑی اور مُوسلا دھار بارش ہوتی ہے۔ کبھی قطرہ قطرہ ٹپکتا ہے۔ کبھی عالمگیر بارش ہوتی ہے۔ اور کسی وقت ایک جگہ برستا ہے۔ دوسری جگہ نام کو بارش نہیں ہوتی ہے۔ ہواؤں کو دیکھتے ہیں تو ان کی حرکت و رفتار کو کبھی تیز اور اضطرابی پاتے ہیں۔ کبھی غایت درجہ سکون اور آہستگی میں۔ کبھی شمال کی طرف چلتی ہے۔ کبھی جنوب کی طرف سے کبھی مشرق سے کبھی مغرب سے یہ چیزیں اُن کے انقلاب و تغیر حالات سے

ل واضح ہو کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے حکمائے یونانیین یا یوں سمجھو کہ نظام بطلیموس کے معتقدات کے مطابق آسمان و زمین اور اجرام فلکی کی کیفیت بیان کی ہے۔ اُن کے نزدیک آسمان ایک مخصوص جسم دار وجود مانا گیا ہے۔ اور اُس کی گردش بھی تسلیم کی گئی ہے۔ وہ زمین کو ساکن اور چپٹی صورت کی مانتے ہیں اور آفتاب کو متحرک۔ اسی طرح دوسرے ثوابت اور سیاروں کے متعلق سمجھنا چاہیئے۔ چونکہ اُس زمانہ میں اور نیز اس وقت بھی بعض علمائے علوم مشرقیہ اسی طرح مانتے آئے ہیں۔ لہٰذا اُن کے روبرو ایسے ہی دلائل پیش کئے گئے۔ اور مباحثہ اور استدلال کا یہی طریقہ پسندیدہ اور مسلم بھی ہے۔ رہا نظام فیثا غورث کے بنا پر خالق عالم کی معرفت کا طریق۔ تو وہ تمام تر موجودہ زمانہ کی تصانیف میں موجود ہے۔ اور ہم نے بھی طریقہ ایک مسلمہ زمانہ حال کے مطابق دوسری جگہ تکملہ میں اس کو بطور شرح ساتھ بیان کر دیا ہے۔ دیکھو صفحہ ـــ تکملہ کتاب ہذا ۱۲ منہ۔

معلوم ہوتا ہے کہ) بذاتہٖ کوئی اختیار نہیں رکھتیں۔ اُن کا دم بدم ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھرنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ تمام مدبرِ صانعِ عالم اور قادرِ حکیم کی تدبیر کے تابع ہیں۔ کہ وہ اپنی حکمت کے مطابق اس میں تصرف کرتا ہے۔

زمین کو دیکھتے ہیں کہ اُس کا کچھ حصہ سخت کچھ نرم بعض کے اجزا متصل ہیں بعض کے منفصل کہیں نشیب ہے۔ کہیں بلندی۔ ایک حصہ قابلِ زراعت ہے تو دوسرا خشک اور شور۔ اُس کے الوان رنگ بھی مختلف ہیں۔ اور اُس کے معادن و نباتات اور ثمرات بھی جُدا جُدا حتیٰ کہ بعض درختوں میں یہ خاصیت ہے کہ اُن کی ایک ہی شاخ پر دو قسم کے مختلف مزہ اور مختلف الوان میوہ جات پائے جاتے ہیں۔ اور عجب یہ کہ ایک چھوٹی سی گھاس کی ڈالی کو اٹھاتے ہیں۔ اور اُس میں مایا درد اور مایا درماں دونوں پاتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کا ایک حصہ غائیت درجہ بار دو سرد اور ایک حصہ نہایت حار دگرم پایا جاتا ہے۔ اور یہ ٹھیک نہیں کہ ان باتوں کو ہوا کی خاصیت کی جانب نسبت کیا جائے۔ کیونکہ ایک ہی درخت پر ایک شاخ ہوتی ہے۔ ایک ہی قسم کی آب و ہوا میں پرورش پائی ہوئی۔ آفتاب کی تپش بھی یکساں اس پر پڑتی ہے۔ مگر ثمر دیکھو تو مختلف رنگ اور مختلف مزہ کا ناچار ماننا پڑیگا۔ کہ اس عجب کے ساتھ کوئی صنعت بدوں قدرت صانع کے جو قادر و حکیم ہے۔ ظہور میں نہیں آسکتی۔

چنانچہ قرآن میں بھی خدا تعالیٰ نے اس بات کو یاد فرمایا ہے وَفِی الْاَرْضِ[1] قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ

---

[1] اور زمین میں پاس پاس کئی (کئی) قطعے ہیں اور انگوروں کے باغ اور کھیتی اور کھجوروں کے درخت (جن میں بعض) دو شاخ ہوتے ہیں۔ اور (بعض) دو شاخ نہیں (ہوتے) ہیں۔ ایک ہی پانی سے سیراب کیئے جاتے ہیں۔ پھر بھی ہم بعض کو بعض پر پھلوں میں برتری دیتے ہیں بے شک ان باتوں میں عقلمند لوگوں کے لیئے (خدا کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ ۱۲

فِی الْاُکُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ط اگر آدمی اپنے ہی نفس میں اندیشہ کرے جس کا علم اس کو بہ نسبت دیگر اشیاء کے زیادہ ہے اور جو بمقابلہ دوسری چیزوں کے اُس سے قریب تر ہے۔ تو وہ ان دلائل سے زیادہ صاف اور روشن تر بہت سی دلیلیں اپنی ذات میں پائیگا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس جانب اشارہ فرمایا ہے۔ وَفِی الْاَرْضِ[له] اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ چنانچہ انسان ابتدائے خلقت میں شکم مادر میں ایک نطفہ تھا۔ پھر نطفہ سے منجمد خون ہوا۔ اُس کے بعد لوتھڑا بنا۔ پھر استخواں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت و پوست چڑھایا گیا۔ اور خدا نے اُس کی صورت و ہیئت کو حکمت کے طریق پر بنایا۔ پھر اُس میں جان ڈالی۔ اتنا ہی معلوم کرنے سے انسان اچھی طرح سمجھ جائے گا۔ کہ نقصان کی حالت سے کمال عقل کی جانب اُس کا انتقال اس کی تدبیر و اختیار سے نہیں تھا۔ اس واسطے کہ جب انسان حال نقص میں حد بلوغ کو پہنچتا ہے۔ تو یہ اختیار نہیں رکھتا کہ موجودہ خلقی نقص کو دور کرسکے۔ جس کی پیدائش میں نقصان ہے۔ اسی نقصان پر رہتا ہے اور جس کی خلقت میں زیادتی ہو۔ وہ اسی زیادتی کی حالت میں آخر عمر تک رہتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ انسان کا ضعف غایت کمال میں ہے۔ اور وہ اپنے اختیار سے اپنی خلقت میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔ اسی کا نام بے اختیاری ہے۔ اُس سے اتنا تو ہو نہیں سکتا کہ اپنی پیری کو جوانی اور موت کو زندگانی سے بدل سکے۔ اگر اُس کے اختیار میں ہوتا تو بڑھاپے اور موت کو کبھی نہیں آنے دیتا۔ کیونکہ یہ چیزیں انسان کو بالطبع ناپسند ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ خدا ہی اس کو جوان کرتا ہے وہی بڑھاپا لاتا وہی مارتا ہے۔ اسی کے اختیار میں بقاء و فنا ہے۔ اسی کا ارادہ و اختیار سب کے ارادات و اختیارات پر غالب ہے۔

[له] اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے (خدا کی وحدانیت کی) نشانیاں ہیں۔ اور (نیز) تمہاری (انسان) ذاتوں میں تو تم دیکھتے کیوں نہیں ۱۲ منہ

ایک اَور بات قابل غور ہے وہ یہ کہ انسان کی طبیعت کی تدبیر بہ اختیار سے نہیں ہے۔ کیونکہ وہ قوت جس سے نطفہ قابل غذا اور تربیت کے ہوتا ہے۔ چار چیزوں سے مرکب ہے۔ جو باہم ضد یکدیگر ہیں۔ حرارت، برودت، رطوبت، یبوست اور یہی طبائع عناصر اربعہ آگ، پانی، خاک اور ہوا میں موجود ہیں۔ اَور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اضداد بغیر کسی جامع قاہر کے جمع ہوسکیں۔ اگر ایسا ہوسکتا۔ تو آگ و پانی کا ایک جگہ اجتماع ممکن ہوتا۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں کہ وہ بے تدبیر کسی مدبر کے مجتمع ہوسکیں ۔

پس ظاہر ہوا کہ وہ اثرات جو طبیعت کی جانب سے بدن اور حیوانات اور دیگر اشیاء میں پائے جاتے ہیں۔ وہ ایک زبردست مدبر صانع قہار کی تدبیر کے ماتحت ہیں ۔

نیز ہم دیکھتے ہیں کہ طبائع کا اثر متفاوت ہے کبھی ایک طبیعت دوسری پر غالب بھی ہو جاتی ہے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ یہ تدبیر ایک بڑے قادر قہار کی ہے۔ عالم کے مخلوق و آفریدہ ہونے اور اس کے بے خالق و آفریدگار نہ ہونے پر یہ دلائل ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ عالم کی طرح خالق و آفریدگار کا مخلوق و حادث ہونا درست نہیں کیونکہ آفریدہ آفریدگار اور مخلوق خالق اور حادث قدیم نہیں سکتا ۔

تیسری فصل ۳

خالق عالم کے قدیم و بے ہمتا ہونیکے بیان میں

جب یہ ثابت ہوگیا کہ عالم مخلوق و حادث ہے۔ اسی سے یہ بھی روشن ہوگیا کہ آفریدگار عالم قدیم مطلق ہے۔ اور قدیم کی دو قسمیں

ہیں۔مقید و مطلق۔ مثلاً جب ہم کہیں کہ بنیاد کعبہ قدیم ہے۔ تو اس کے یہ معنے ہونگے کہ اُس کی بنیاد دوسری مساجد کی نسبت متقدم ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کی بنیاد آفرینش زمین سے بھی پہلے ہے۔ اس کو قدیم مقید کہتے ہیں۔ اور قدیم مطلق وہ ہے جس کے وجود کی ابتدا نہ ہو۔ اس کو اپنی قدامت کے اعتبار سے تمام موجودات پر پیشی اور سبقت حاصل ہو۔ اس لئے آفریدگار عالم کی ابتدا نہیں ہوسکتی۔ اس دلیل سے کہ وہ چیز جس کو آغاز اور ابتدا ہے۔ اوّل وہ عدم تھی۔ اس کو حادث کہتے ہیں اور حادث کے لئے سبب کی ضرورت ہے۔ اور پھر سبب کے لئے بھی ایک دوسرے سبب کا ہونا ضرور ہے۔ اور اُس دوسرے سبب میں بھی یہی علت ہونا ضرور ہے۔ حتی کہ یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائیگا۔ اور یہ محال ہے *

دوسری دلیل یہ کہ جب معلوم ہو گیا کہ عالم آفریدہ ہے اور آفریدگی کے نشانات اس میں ظاہر تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آفریدگار عالم قدیم ہے کیونکہ غیر قدیم شے نقصان سے خالی نہیں۔ اور ہر ایسی چیز جس میں نقصان ہو کمال قدرت کو اسی کی جانب مضاف نہیں کرتے۔ اس لئے کہ اگر وہ اپنی ذات میں کمال قدرت رکھتی ہو تو خود ناقص نہ ہوتی۔ اور آفرینش عالم میں بہت سی ایسی روشن دلیلیں موجود ہیں۔ جن سے آفریدگار عالم کے قادر باکمال ہونے کا پتہ ملتا ہے۔ اور قادر باکمال اُس کو کہتے ہیں۔ جس کی ذات نقصان سے منزہ ہو۔ اور جو قدیم نہیں اس کی ذات نقصان سے بھی منزہ نہیں تو ثابت ہوا کہ آفریدگار عالم قدیم ہے۔ اور نقصان سے منزہ *

یہ بھی یاد رکھو کہ ذاتِ قدیم پر فنا کا عمل جاری نہیں ہوتا۔ کیونکہ فنا اس کو ہوتی ہے۔ جس کا وجود سبب کا محتاج ہو۔ پھر جب وہ سبب اُٹھ جائے تو وہ فانی ہو جائے جب یہ ثابت ہو گیا کہ وجود قدیم سبب کا محتاج نہیں ہوتا۔ اور اُس پر زوال و فنا کا حکم جاری نہیں ہو سکتا۔ تو یہ بھی روشن ہوا کہ وہ قدیم ایک ہے۔ کیونکہ دو قدیم کا ہونا جائز نہیں۔ اس لئے کہ جب

ایک قدیم کو مانا پہلے مانا جائے۔ تو دوسرا قدیم نہیں ہوگا۔ اور دو ذات کا باہم قدیم ہونا بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ سوا ایک ذات کے قدیم مطلق ہو نہیں سکتا۔ ورنہ اس سے ہر ایک میں قدرت کامل ماننا پڑیگی۔ اور یہ محال ہے۔ یا دونوں قدرت کاملہ میں ناقص ہونگے۔ یعنی دونوں میں قدرت کامل نہ ہوگی۔ اور دونوں کا اختیار و تصرف ناتمام ہوگا۔ جو علامت ہے ضعف و عجز کی۔ اور یہ دونوں صفات مخلوق ہیں۔ نہ صفات خالق۔ پس یہ مسئلہ صاف ہوگیا کہ آفریدگار عالم قدیم واحد اور قادر باکمال ہے۔ آفریدگار عالم کے قدیم واحد اور بے شریک ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ نظام عالم اپنے ابتدا سے ایک ہی طریقہ پر چلا آتا ہے۔ اس میں آج تک ہیر پھیر نہیں ہوا۔ نہ اس میں کوئی اختلاف پایا گیا۔ اگر آفریدگار عالم واحد و قدیم کے سوا کچھ تصرف دوسرے کے قبضہ میں بھی ہوتا۔ تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے۔ اور مقررہ ترتیب تدبیر بدل جاتی۔ قرآن شریف میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا

چوتھی فصل

اثبات صفات باری تعالیٰ کے بیان میں

جب ثابت ہوگیا کہ عالم آفریدہ ہے۔ اور اس کا ایک آفریدگار ہے۔ اسی سے یہ بھی سمجھا گیا کہ آفریدگار عالم زندہ ہے۔ دانا توانا اور حکیم ہے۔ اس لئے کہ کسی صنعت کا محکم پسندیدہ اور مضبوط پایا جانا ذات حی سے ہی ہو سکتا ہے۔ پھر صانع کی صنعت اسی صورت میں درست ہوتی ہے کہ وجود صنعت سے پہلے صانع اس کی وضع کا عالم ہو۔ اور اس پر قادر اور نیز حکیم ہو۔ وہ جو کچھ کرے اپنے اختیار و ارادہ سے کرے

اور جب یہ روشن ہو گیا کہ آفریدگار عالم قدیم ہے۔ اسی سے اُس کی صفات کا قدیم ہونا سمجھا گیا۔ اس لئے کہ ذاتِ قدیم کی صفات محدث نہیں ہوتیں اور صفاتِ محدث کو کسی نوع اُس سے مشابہت نہیں۔ کیونکہ صفات محدث کو اُس کی ذات سے متعلق کر دینے سے خود اُس کی صفات کا حدوث لازم آتا ہے۔ تَعَالَی اللّٰہِ عَنْ صِفَاتِ الْحُدُوْثِ ؀

اور حق تعالیٰ حی مطلق ہے۔ اور اُس کی حیات مثل حیات خلق کے نہیں کہ اس کے لئے سبب کی اور نیز ابتداء و انتہا کی ضرورت ہو بلکہ خدا تعالیٰ اوّل بلا ابتدا اور آخر بلا انتہا ہے۔ نیز وہ قادر مطلق ہے کوئی امر اُس پر دشوار نہیں۔ اس کی قدرت پورے کمال پر ہے۔ اسی طرح اس کی دوسری صفات ہیں۔ اثبات صفات میں جو بیان ہوا یہی منکرین صفات پر حجت ہے۔ یہ دو گروہ ہیں۔ ایک فلاسفہ۔ دوسرے معتزلہ۔ پہلا گروہ خدا کی صفات کا قائل نہیں۔ وہ کہتا ہے۔ خدا ایک ہے اور صفات سے تکثر لازم آتا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھے کہ خدا کا بے حیات بے علم بے قدرت و اختیار وغیرہ کے ہونا ممکن نہیں۔ اُن کے دعویٰ سے ہی اُن پر ایک اور حجت بھی ہے وہ یہ کہ فلاسفہ خدا کو صانع اور حکیم کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ؀

اور نیز اس امر کے قائل ہیں کہ اُس سے کوئی چیز ممتنع نہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک صفت دوسری صفت کے غیر ہے۔ پس فلاسفہ کا یہ شبہ محض باطل ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے لئے جس قدرت و کمالات کے وہ قائل ہیں۔ اُنہیں کے ہم بھی معترف ہیں۔ اور جس طرح وہ مذکورہ بالا صفات سے خدا کو موصوف کرتے ہیں۔ اُنہیں صفات کو قائم رکھتے ہوئے ہم بھی خدا تعالیٰ کو دوسری صفات مثل بصیر و سمیع و متکلم وغیرہ سے موصوف کرتے ہیں۔ پھر جس طرح ہماری بیان کردہ صفات سے اُن کے خیال میں تکثر لازم آتا ہے۔ ٹھیک اسی طور پر اُن کے بیان و مشرح صفات سے لازم آتا ہے ؀

معتزلہ خدائے تعالےٰ کی ایک شان بیان کر کے پھر اُس کی نفی کرتے کرتے ہیں۔ اسی طرح دُوسری صفات کی مثلاً وہ خدا کو حی کہتے ہیں۔ پھر اُس سے نفی حیات کرتے ہیں۔ اور مثلاً خدا کو علیم کہتے ہیں۔ پھر اُس سے نفی علم کرتے ہیں۔ اہل السنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ خدا کی بابت کہتے ہیں کہ وہ عالم ہے۔ بہ علم حی ہے۔ بہ حیوۃ قادر ہے بقدرت سمیع ہے بہ سمع۔ بصیر ہے بہ بصر۔ اور متکلم ہے بہ کلام۔ ایسا ہی دُوسری صفات میں اور جو فلاسفہ پر حجت ہے وُہی معتزلہ پر حجت ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی فلاسفہ کے شبہ میں گمراہ ہیں۔ اور یہ بھی قرآن۔ سے خارج باتیں قبول کرتے ہیں۔

نیز ان پر حجت ہیں۔ وہ آیات جن میں خدا تعالیٰ نے صفات اضافی بالخصوص صفات ذاتی کو اپنی جانب اضافت کیا ہے۔ چنانچہ وہ آیات یہ ہیں۔ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ یعنی لوگ اُس کے علم سے کسی شئے کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر وہ جس چیز کا چاہتا ہے احاطہ کرلیتا ہے۔ اُس کا علم آسمانوں اور زمین میں پھیل گیا ہے۔

اسی طرح انزلہ بعلمہ۔ انما انزل بعلم اللہ۔ ذوالقوۃ المتین۔ اولم یروا ان اللہ الذی خلقھم ھُوَ اشد منھم قوۃ۔ وَلِلّٰہِ العزۃ جمیعًا۔ ذوالفضل العظیم ذوالجلالِ وَالاکرام۔ وغیرہ یہ تمام آیات خدا تعالیٰ کی صفات پر دلالت کرتی ہیں۔ جو شخص مسلمان ہے۔ اور آیات قرآنی کا معتقد اُس کے لئے اثبات وصفات میں مذکورہ آیات کافی ہیں۔ واللہ منقذ عَنِ الضلال ۝

پانچویں فصل

باری تعالیٰ کے اسما و صفات کی معرفت میں

خدا تعالیٰ کے اسما ہیں اور صفات۔ اور جس طرح اُس کی ذات قدیم ازلی ابدی ہے۔ اُس کے اسما و صفات بھی ایسے ہی نہیں۔ لہذا کوئی شخص اُس کے کسی نام اور کسی صفت کو اپنی تعریف و الفاظ میں بیان نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ بات محدث کی وسعت سے باہر ہے کہ وہ قدیم کا وصف اپنی جانب سے بیان کر سکے یا اُس کا نام رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات سے موصوف اور اپنے اسما سے موسوم ہے۔ اسے مخلوق کی صفت کرنے اور نام رکھنے کی کوئی پروا نہیں۔ بندوں کا اپنے خالق کی صفت کرنا۔ مثل عالم قادر اور متکلم وغیرہ سے حکایت کرنا ہے۔ ان صفات کی جو اس کی ذات سے قائم ہیں یعنی اُس سے دُور نہیں ہوتیں اور نہ وہ کسی کے نشایاں ہیں۔ صاف لفظوں میں یُوں سمجھو کہ جب ہم خدا کی صفت مثلاً علم کے ساتھ کرتے ہیں تو علم اُس سے الگ نہ ہونا چاہیئے۔ مخلوق علم کے ساتھ اُس کا وصف کرے یا نہیں۔ اور ان کا جواب جو کہتے ہیں کہ اس کی صفت وصف کرنیوالوں کے ساتھ قائم ہے یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اُس کی صفت قدیم ہے۔ محدث ہونا روا نہیں۔ پھر محدث کے ساتھ جو قائم ہوتا ہے۔ تو وہ محدث ہوتا ہے۔ پس تمہارے قول سے صفت کا محدث ہونا لازم آتا ہے۔ اور یہ ممکن نہیں تو ثابت ہوا کہ اُس کی صفت اُسی کے ذات کے ساتھ قائم ہے ؎

ایک بات یہ ہے کہ اہل شرک خدائے عزوجل کو ایسی صفات سے یاد کرتے ہیں کہ جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ پس اگر ہم بقول تمہارے اُس کو واصف کے وصف کرنے سے موصوف سمجھیں۔ تو ان ناسزا صفتوں سے جو مشرکین کرتے ہیں۔ اُس کا موصوف ہونا بجا سمجھا جاوے۔ حالانکہ خدا کی

ذات اِس سے نہایت اعلیٰ وارفع ہے ÷

الغرض جب یہ معلوم ہوگیا کہ خدا تعالیٰ موصوف بصفت خویش اور مسمّٰی بنام خویش ہے نہ موصوف بوصف واصف و موسوم بہ تسمیہ خالق۔ تو اس سے یہ بھی سمجھا گیا کہ اُس کی صفت و اسما کے معلوم کرنے کا طریقہ سوا اُس کی کتاب کے کوئی نہیں ہے۔ اُس نے اپنی اس مقدس کتاب میں اپنی ذات و صفات کے لئے جو اسما و صفات مقرر و مبین کئے ہیں انہیں اسما و صفات سے اس کو یاد کرنا واجب ہے۔ نہ غیر اُس کے سے یا اُن اسما و صفات سے جو حضرت محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی زبانی بطور درست ہم تک پہنچے ہیں۔ اور اس صورت میں عذر اس شخص کا جو اس کو قبول نہ کرے منقطع ہوگیا۔ اس لئے کہ خلق کا اس میں تصرف کرنا غیر مقبول ہے۔

اور کوئی شخص اپنی عقل و دانش کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے ناموں اور صفتوں میں تصرف یا تغییر و تبدل نہیں کر سکتا ÷

نقشہ نوّدونہ نام باری تعالیٰ منقول از اجتہاد مؤلفہ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی

نمبر شمار	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۱	اللّٰہ	خدا معبود	اگرچہ لفظ اللہ میں وصفی معنے موجود ہیں اور اس اعتبار سے اس کو بھی اسمائے صفاتی میں ہونا چاہیئے۔ مگر سب نے اجماع کر کے اس کو اسم ذات قرار دیا ہے ÷
۲	اَلرَّحْمٰنُ	نہایت رحم والا	دونوں مبالغہ کے وزن ہیں۔ مگر رحمٰن ابلغ ہے کیونکہ دنیا اور آخرت دونوں کی رحمت شامل ہے اور صرف خدا کی مقدس ذات کے ساتھ مخصوص ہے ÷
۳	اَلرَّحِیْمُ	بڑا مہربان	

نمبر	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۴	اَلْمَلِکُ	بادشاہ	ملک اخص اور ابلغ ہے۔ مالک سے یعنی دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کو مالک تو کہہ سکتے ہیں۔ مگر ہر مالک کو ملک نہیں کہہ سکتے۔
۵	اَلْقُدُّوْسُ	تمام عیبوں سے پاک	
۶	اَلسَّلَامُ	تمام نقصانات سے محفوظ	یہ اصل میں مصدر ہے۔ بمعنی سلامت مگر یہاں سالم کے معنی میں ہے یعنی وہ جس کی ذات ہر طرح کے عیب اور نقصان سے سالم اور محفوظ ہے۔
۷	اَلْمُؤْمِنُ	اپنے وعدے میں سچا۔ یا اپنے عذاب سے امن دینے والا	لفظ مومن کا اخذ امن و امان یا ایمان ہے۔ اگر امن و امان ہے۔ تو مومن کے معنی ہوئے۔ امن دینے والا۔ یعنی دنیا میں اسباب امن کا مہیا کرنے والا یا عقبیٰ میں نیکو کاروں کو عذاب سے امان میں رکھنے والا اور اگر ماخذ ایمان ہے تو مومن کے معنی ہوئے مصدق یعنی ایمان داروں کے ایمان کو باور کرنے والا۔
۸	اَلْمُهَيْمِنُ	نگہبان یا گواہ	المہیمن کا لفظ وہی المومن ہے۔ المومن باب افعال سے ہے اور المہیمن باب مفاعلہ سے تو المہیمن اصل میں المومن تھا۔ دوسرے ہمزہ بموجب قاعدہ تلقین جاری کر کے اسے ی سے بدل لیا۔ اور پہلے ہمزے کو ی سے معناً المومن المہیمن ایک ہیں۔
۹	اَلْعَزِیْزُ	غالب قوی قاہر	اصل میں عزیز اسے کہتے ہیں جس کی بارگاہ میں بآسانی پہنچنا ممکن نہ ہو۔

نمبر شمار	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۱۰	اَلْجَبَّارُ	زور دباؤ والا	جبّار مبالغ کا صیغہ ہے جبر سے مشتق اور جبر کے اصلی معنی ہیں ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا اور کسی کے حال کی اصلاح کرنا۔ اور کسی کو زور غلبہ سے کسی کام پر آمادہ کرنا۔ پہلی صورت میں یہ اسم جمالی ہوگا اور دوسری صورت میں جلالی ✤
۱۱	اَلْمُتَکَبِّرُ	عظمت و بزرگی والا	تکبّر اور استکبار کہتے ہیں۔ گردن کشی کرنے اور بزرگی ظاہر کرنے کو۔ اور ایک لفظ ہے کبریا جس کے معنی ہیں بزرگی یہاں متکبر سے مراد ہے کمال بزرگی والا ✤
۱۲	اَلْخَالِقُ	ہر چیز کا پیدا کرنیوالا	خالق اور باری اور مصوّر تینوں مترادف المعنی ہیں یعنی تینوں کے معنی ہیں پیدا کرنا۔ اختراع کرنا مگر باعتبار استعمال ہر ایک کے ساتھ ایک خصوصیت جداگانہ ہے مثلاً خالق مستعمل ہوتا ہے کسی چیز کو وجود میں لانے سے پیشتر اُس کے اندازہ کرنے میں اور بَرًا ایجاد کرنے میں اور تصویر صورت بنانے اور ہیئت بخشنے میں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو چیز عدم سے وجود میں آتی ہے وہ محتاج ہوتی ہے اولاً اندازہ کرنے کی ثانیاً پیدا کرنے کی۔ ثالثاً صورت بنانے کی ✤
۱۳	اَلْبَارِئُ	ہر چیز کا موجد	
۱۴	اَلْمُصَوِّرُ	مخلوقات کی طرح طرح کی صورتیں بنانے والا	
۱۵	اَلْغَفَّارُ	بہت بخشنے والا	مبالغہ ہے غافر کا اور ایک ہے غفور یہ بھی مبالغے کا صیغہ ہے لیکن اس میں غفار کی بہ نسبت مبالغہ زیادہ ہے اسی وجہ سے دونوں کو الگ الگ ذکر کیا گیا۔ غفار کیا گیا ہے غفران اور مغفرت سے جس کے معنی ہیں بخشنا۔ مگر کبھی غفر بمعنی ستر بھی آتا ہے اُس وقت

نمبر	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
			اس کے معنی ہونگے گناہوں کا چھپانے والا ؛
۱۶	القهار	زبردست یا غلبہ رکھنے والا	
۱۷	الوهاب	بخشش عطا کرنے والا	وہب اور ہبا کہتے ہیں بخشنے اور عطا کرنے کو موہبت بخشش۔ وہاب مبالغہ ہے یعنی کثیر الهبا دائم العطاء ؛
۱۸	الرزاق	مخلوقات کو روزی پہنچانیوالا	یہ بھی رازق کا مبالغہ ہے۔ یعنی خدا تعالےٰ تمام مخلوق کو مناسب حال اور موافق حکمت رزق پہنچاتا ہے۔ رزق کی دو قسمیں ہیں محضوص اور معقول۔ محضوص ابدان کے لئے اور معقول ارواح کے واسطے ؛
۱۹	الفتاح	مشکلکشا یا بندوں میں حکم کرنیوالا	فتح کے معنی کھولنے اور حکم کرنے کے ہیں یعنی خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحمت کے دروازے کھولتا ہے اور وہ خلائق میں حاکم علی الاطلاق ہے ؛
۲۰	العَلِيمُ	بہت جاننے والا	مبالغہ ہے عالم کا یعنی خدائے تعالیٰ ظاہر و پوشیدہ بلکہ خطرات دل تک جانتا ہے ؛
۲۱	القابض	بندوں کی روزی محدود یعنی تنگی کرنیوالا	قبض و بسط دونوں باہم ضد یکدیگر ہیں۔ قبض کہتے ہیں تنگی و گرفتگی کو۔ اور بسط فراخی و کشائش کو یعنی خدا جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے فراخ کرتا ہے ؛
۲۲	الباسط	بندوں کی روزی فراخ کرنے والا	قبض و بسط کے یہ معنی بھی ہیں کہ سونے میں لوگوں کی روحیں قبض کرتا ہے۔ اور بیداری کے وقت بسط کرتا ہے ؛

نمبر	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
٢٣	اَلْخَافِضُ	نافرمانوں کو پست کرنیوالا	خفض ضد ہے رفع کی۔ کیونکہ خفض کہتے ہیں پست کرنے کو اور رفع بلند کرنے کو خدا کے خافض و رافع ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے فرمانبرداروں کو قرب کی دولت عطا فرما کر انہیں بلند کرتا اور نافرمانوں کو بارگاہ عالی سے دور کر کے پستی میں ڈالتا ہے ٭
٢٤	اَلرَّافِعُ	فرمانبرداروں کو بلند کرنیوالا	
٢٥	اَلْمُعِزُّ	عزت دینے والا	اعزاز کہتے ہیں عزت کرنے کو اور اذلال خوار و ذلیل کرنے کو۔ خدا جس کو چاہتا ہے عزیز کرتا دنیا میں توفیق طاعت دیکر اور عقبیٰ میں علو مرتبت اور نعیم جنت عطا فرما کر اور جسے چاہتا ذلیل کرتا دنیا میں توفیق طاعت سلب کر کے اور آخرت میں اسفل السافلین میں داخل کر کے۔ امام غزالی کا قول ہے کہ ان لفظوں کے معنی یہ ہیں کہ خدا جسے چاہتا ملک دیتا اور جس سے چاہتا چھین لیتا ہے ٭
٢٦	اَلْمُذِلُّ	ذلیل کرنیوالا	
٢٧	اَلسَّمِیْعُ	بہت سننے والا	
٢٨	اَلْبَصِیْرُ	بہت دیکھنے والا	
٢٩	اَلْحَکَمُ	مخلوقات کا حاکم	
٣٠	اَلْعَدْلُ	منصف یعنی فیصلہ میں ظلم نہ کرنیوالا۔	یہ ضد ہے ظلم کی اور کبھی استقامت اور اعتدال کو ایک چیز کو ایک کے برابر کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا جور و ظلم سے منزہ ہے۔ کیونکہ ملک غیر میں تصرف کرنے کو ظلم کہتے ہیں۔ اور عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اُس کی ملک سے خارج ہو ٭

نمبر	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۳۱	اَللَّطِیْفُ	باریک بیں	لطف کہتے ہیں کسی کام میں نرمی کرنے کو یا نکبھی نیکی کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے لطیف کے معنے باریک بین کے ہیں ۔
۳۲	اَلْخَبِیْرُ	آگاہ، دانا، علیم، عارف	مشتق ہے خبر سے اور خبر کے معنے ہیں آگاہی کے خبیر آگاہ اور دانا یعنی ملک و ملکوت میں کوئی چیز متحرک و ساکن نہیں ہوتی ۔ اور زمین و آسمان میں کوئی ذرہ مضطرب و مطمئن نہیں ہوتا ۔ اور کون و مکان میں کوئی سانس نہیں لیتا مگر خدا تعالیٰ شانہٗ اُس سے خبردار ہوتا ہے ۔
۳۳	اَلْحَلِیْمُ	بردبار	حلم اور آہستگی اور بُردباری حلیم اُسے کہتے ہیں ۔ جو مغلوب الغضب ہو اور انتقام لینے میں جلدی نہ کرے بلکہ باوجود اقتدار کے عفو و درگذر سے کام لے ۔ خدا کو حلیم اس لیئے کہتے ہیں کہ وہ گناہگار بندوں کی تادیب تعذیب میں جلدی نہیں کرتا ۔
۳۴	اَلعَظِیْمُ	بزرگ بڑا	عظم و عظمت بزرگ ہونا خواہ سی اعتبار سے بھی ہو ۔
۳۵	اَلْغَفُوْرُ	بہت بخشنے والا	یہ غفار کے معنی میں ہے اور دونوں مبالغے کے صیغے ہیں ۔ مگر غفور میں زیادہ مبالغہ ہے یعنی جو بڑے بڑے گناہ بخشے اور اُس کی بخشش اتم و اکمل ہو ۔ دُوسرے معنی یہ ہیں کہ بندوں کے گناہ اعمالناموں سے محو کر دے ۔ یعنی حساب نہ لے ۔ مواخذہ نہ کرے یا دنیا میں پردہ فاش نہ کرے ۔ کیونکہ غفر کے معنے مٹانے اور چھپانے کے بھی آیا کرتے ہیں ۔

نمبر	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
٣٦	اَلشَّکُوْرُ	بڑا قدر شناس	
٣٧	اَلْعَلِیُّ	نہایت اونچا	مشتق ہے علو سے اور علو کہتے ہیں بلندی کو اور کبھی بلندی پر چڑھنے اور کسی چیز کے اوپر ہونے کو بھی علو کہتے ہیں۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں حسی اور عقلی۔ حسی جیسے ایک جسم کا دوسرے جسم پر ہونا اور عقلی جیسے ایک چیز کا دوسری چیز سے فوق المرتبہ ہونا۔ خدا تعالیٰ چونکہ سب سے اوپر ہے اور مرتبے میں سب سے بالاتر اس لئے اس کو علی کہتے ہیں ؞
٣٨	اَلْکَبِیْرُ	بڑا۔ بزرگ	
٣٩	اَلْحَفِیْظُ	نگہبان	حفظ کہتے ہیں نگاہ رکھنے کو اور خدا تعالیٰ چونکہ تمام مخلوق کو آفت و بلا سے محفوظ رکھتا ہے اس لئے اُسے حفیظ کہتے ہیں ؞
٤٠	اَلْمُقِیْتُ	مخلوق کو قوت یعنے روزی پہنچانے والا	ماخوذ ہے قوت سے اور قوت کہتے ہیں اُس خورش کو جو بدن انسان کے قیام کا باعث ہو۔ اقاتت کے معنی قوت دینا اور کبھی مقیت توانا اور گواہ اور حاضر اور نگاہ رکھنے والے کے معنے میں بھی مستعمل ہوتا ہے ؞
٤١	اَلْحَسِیْبُ	کافی	معنی میں محسب کے اور احساب کہتے ہیں کسی چیز کے کافی ہونے کو بولا کرتے ہیں۔ احسبنی الشیء یعنی مجھے یہ چیز کافی ہوئی۔ اور بعض علما کہتے ہیں کہ معنی میں ہے محاسب کے جیسے جلیس معنی میں مجالس کے اور ندیم منادم کے یعنی خدا تعالیٰ قیامت کے روز ساری مخلوق کا حساب لیگا ؞

نمبر	اسماء عربی	ترجمہ اُردو	کیفیت
۴۲	اَلْجَلِیْلُ	بزرگ و بزرگی	جلال اور جلالت کہتے ہیں بزرگ قدر ہونے اور نیز بزرگی کو پھر اصطلاح قوم میں صفات قہریہ کے ظہور آثار کو جلال کہتے ہیں اور صفات لطیفہ کے ظہور و آثار کو جمال اور یہ بھی آتا ہے کہ فلاں اسماء جلالی ہیں اور فلاں جمالی ؞
۴۳	اَلْکَرِیْمُ	بزرگ	اس کے معنی ہیں بزرگ اور عزیز کہتے ہیں۔ کریم وہ ہے کہ قادر ہو تو معاف کر دے وعدہ کرے تو وفا کرے اور دے تو اُمید سے زیادہ دے اور کوئی اس کی طرف التجا لیجائے تو اسے ضائع نہ ہونے دے۔ کبھی مکرم اور جوّاد کے معنی میں آتا ہے ؞
۴۴	اَلرَّقِیْبُ	نگہبان	رقیب۔ نگہبان اور موکل اور نگران۔ کذا فی الصراح ؞
۴۵	اَلْمُجِیْبُ	دعا قبول کرنیوالا	اجابت کہتے ہیں جواب دینے اور دعا قبول کرنے کو یعنی جو شخص خدا کو بلاتا ہے۔ وہ اسے جواب دیتا اور دعا کو قبول کرتا ہے۔ سوال کو رد نہیں کرتا ؞
۴۶	اَلْوَاسِعُ	وسیع المعلومات یا وسیع الغنا	ماخوذ ہے سعتہ سے اور سعتہ کہتے ہیں فراخی اور فراخ کرنے اور گھیر لینے کو۔ پھر اس کی اضافت کبھی تو علم کی طرف ہوتی ہے اور کہتے ہیں خدا کا علم وسیع و محیط ہے معلومات کو اور کبھی احسان کی طرف بولا کرتے ہیں۔ اس کا احسان وسیع ہے ؞
۴۷	اَلْحَکِیْمُ	حقائق اشیا کا عالم	مشتق ہے حکمت سے اور حکمت عبارت ہے کمال علم اور حسن عمل اور ایقان اور احکام علم و عمل سے بعضے کہتے ہیں حکیم مبالغہ ہے حاکم کا اور حکیم وہ ہے۔ جو حقائق اشیا کا عالم ہو اور صنائع کے دقائق کو خوب جانتا ہو ؞

نمبر	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۴۸	اَلْوَدُوْدُ	نیک بندوں کو دوست رکھنے والا	مبالغہ کا صیغہ ہے۔ وزن پر فعول کے وُدود (بضم داؤ) اور وداد (بکسر داؤ) اور مودت تینوں کے معنی ہیں دوست رکھنے کے۔ یعنی خدا تعالیٰ نیک بندوں کو دوست رکھتا ہے ٭
۴۹	اَلْمَجِیْدُ	بزرگ شریف	ماجد کا مبالغہ ہے اور ماجد مجد سے لیا گیا ہے۔ مجد بزرگی۔ مجید بزرگ کذا فی الصراح۔ بعضی کہتے ہیں مجید وُہ ہے جس کی ذات شریف۔ افعال جمیل عطا جزیل ہو۔ اور جب یہ ہے تو مجید جامع ہے اسم جلیل اور وہاب اور کریم کو ٭
۵۰	اَلْبَاعِثُ	مردوں کو مرے پیچھے اُٹھانیوالا	بعث کہتے ہیں مردوں کو قبروں سے اٹھا کر کھڑا کرنے کو اور کبھی سوتے کو جگانے اور کسی کو کسی کام کے لیے بھیجنے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے ٭
۵۱	اَلشَّهِیْدُ	حاضر	شہود سے مشتق ہے یا شہادت سے اگر شہود سے ہے تو اس کے معنی ہیں حاضر و مطلع کے کیونکہ شہود کے لغوی معنی ہیں حاضر ہونے کے اور شہادت سے ہے۔ تو معنی ہیں گواہی دینے والے کیونکہ شہادت کہتے ہیں گواہی دینے کو خدا کو شہید پہلے معنی پر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ظاہر و باطن اور غیب و شہادت پر مطلع ہے اور دوسرے معنے کو اس لیے کہ قیامت کے روز بندوں کے اعمال و احوال کی گواہی دیگا ٭
۵۲	اَلْحَقُّ	درست	حق کے معنے ہیں ثابت اور ہست کے اس کی ضد ہے باطل بمعنی نیست و ناچیز کبھی صدق اور راستی اور درستی کے معنے میں بھی مستعمل ہوتا رہے ٭

نمبر	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۵۳	الوکیل	کارساز	وکیل وہ ہے جس کو اپنا کام سپرد کریں۔ اور تمام تصرف کی باگ اُس کے ہاتھ میں دیدیں۔ چونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل و مہربانی سے بندوں کے تمام مہتم بالشان کام رزق وغیرہ اپنے ذمے لے لئے ہیں اس لئے اسے وکیل کہتے ہیں ؛
۵۴	اَلْقَوِیُّ	توانا تام القدرت	قوی توانا۔ متین استوار۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ قوت دلالت کرتی ہے قدرت کاملہ بالغہ پر اور متانت شدت قوت پر۔ خدائے تعالیٰ قوی ہے۔ اس لئے کہ قدرت کاملہ بالغہ رکھتا ہے۔ متین ہے اس لئے کہ شدید القوت ہے ؛
۵۵	اَلْمَتِیْنُ	استوار	
۵۶	الولی	محب۔ مددگار	ولی کہتے ہیں محب و ناصر کو اور خدائے تعالیٰ پرہیزگار ایماندار وں کا محب ہے اور انہیں مدد و نصرۃ دیتا ہے۔ ولی متولی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور حق تعالےٰ نیکو کاروں کے امور کا متولی ہے۔ اور قریب کے معنی میں بھی یعنی اس کی رحمت نیکو کاروں کے قریب ہے ؛
۵۷	اَلْحَمِیْدُ	مستحق حمد	سزاوار حمد و ثناء ۔
۵۸	المحصی	ہر چیز کو احاطہ علم میں لانے والا	احصاء شمار کرنا اور بطریق استقصا کسی چیز کو جاننا خدا محصی مطلق ہے کہ اشیاء کے حقائق و دقائق کو جانتا ہے اور ذات عالم کو اس کا علم محیط ہے ؛
۵۹	اَلْمُبْدِئُ	ابتدا پیدا کرنیوالا	المبدئ ماخوذ ہے ابدء سے اور ابداء کہتے ہیں ابتداء کرنے کو اور نیا پیدا کرنے کو۔ المعید لیا گیا ہے اعادت سے جس کے معنی ہیں لوٹانے اور علام کے بعد ایجاد کرنیکے خدا مبدی ہے اس معنی سے کہ وہ پہلے پیدا کرتا ہے اور معید ہے اس طور پر کہ قیامت میں دوبارہ پیدا کرے گا
۶۰	اَلْمُعِیْدُ	دوبارہ پیدا کرنے والا	

نمبر	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۶۱	اَلْمُحْیِیُ	مخلوق کو زندہ رکھنے والا	المحیٔ۔ احیار کا اسم فاعل ہے۔ اور احیا کہتے ہیں جسم میں حیات پیدا کرنے کو اور الممیت لیا گیا ہے اماتتہ سے جس کے معنے ہیں حیات کا دُور کرنا ✣
۶۲	اَلْمُمِیْتُ	مارنے والا	
۶۳	اَلْحَیُّ	زندہ	
۶۴	اَلْقَیُّوْمُ	کارخانہ عالم کا سنبھالنے والا	قائم بذات خود اور زندہ و قائم رکھنے والا اپنے غیر کو یا یوں کہو کہ قیوم مبالغہ ہے قیّم کا۔ اور قیّم کہتے ہیں مصلح امور کو ✣
۶۵	اَلْوَاجِدُ	غنی	مشتق ہے وجود سے اور وجود کہتے ہیں ہستی اور مقصد پر کامیاب ہونے کو یا مشتق ہے جد یا جدت سے جن کے معنے ہیں تونگر ہونے کے ✣
۶۶	اَلْمَاجِدُ	بزرگی والا	معنی میں ہے مجید کے جس طرح عالم معنی میں علیم کے مگر مجید میں مبالغہ اور تاکید ہے۔ یہ لیا گیا مجد سے اور مجد کہتے ہیں بزرگی کو ✣
۶۷	اَلْوَاحِدُ	تنہا۔ یگانہ	وحدت سے لیا گیا ہے جس کے معنے ہیں ایک اور یگانہ ہونا عرف میں واحد کا استعمال دو معنی میں ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ متجزی اور متبعض نہ ہو یعنی اس کے اجزا و حصص نہ ہوں جیسے جوہر فرد دوسرے یہ کہ بے مثل و بے مانند ہو واحد اور احد میں یہی فرق ہے جو ہماری زبان میں اکیلا اور ایک میں ✣
۶۸	اَلصَّمَدُ	بے نیاز	صمد کے اصلی معنی ہیں قصد کے چونکہ آدمی اپنے تمام مطالب میں بارگاہ خداوندی کا قصد کرتے ہیں اس لئے اسے صمد کہتے ہیں۔ غرض صمد مرادف ہے مرجع و مآب کا ✣

نمبر	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
٦٩ ٧٠	اَلْقَادِرُ اَلْمُقْتَدِرُ	قدرت والا صاحب مقدرت	قدر اور قدرت اور اقتدار اور مقتدرت سب کے معنی ہیں توانائی کے تو قادر و مقتدر کے معنی ہوئے صاحب قدرت مگر مقتدر میں زیادہ مبالغہ ہے ؛
٧١ ٧٢	اَلْمُقَدِّمُ اَلْمُؤَخِّرُ	اپنے دوستوں کو بارگاہ عزت کی طرف بڑھانے والا دشمنوں کو اپنے لطف سے پیچھے ہٹانے والا	مقدم دال کے کسرے کے ساتھ تقدیم سے مشتق ہے اور تقدیم کہتے ہیں آگے کرنے کو۔ اس طرح مؤخر خے کے کسرے سے تاخیر سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں پیچھے ہٹانا یعنی خدا تعالیٰ فرمانبرداروں کو راہ قریب میں آگے بڑھاتا۔ اور نافرمانوں کو درگاہِ عزت سے دور کرتا اور پیچھے ہٹاتا ہے یا دنیا کے کاموں میں لو تو حصول مطلب میں تقدیم و تاخیر اللہ کے کرنے سے ہوتی ہے ؛
٧٣ ٧٤	اَلْاَوَّلُ اَلْآخِرُ	سب سے پہلا سب سے پچھلا	اوّل ہے یعنی ازلی ہے کہ اُس کے وجود کی ابتدا اور ہستی کا آغاز نہیں۔ اور آخر ہے یعنی دائمی ابدی ہے کہ اُس کے بقا کے لئے نہایت اور دوام کے لئے انقضا نہیں ؛
٧٥ ٧٦	اَلظَّاهِرُ اَلْبَاطِنُ	آشکارا ہے بلحاظ قدرت پوشیدہ ہے باعتبار ذات	خدا ظاہر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وجود اس کی ہستی اُن آیات و دلائل سے ظاہر ہے۔ جو آسمان و زمین میں ہر صاحب بصیرت کو دکھائی دیتے ہیں۔ اور خدا کے باطن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی کنہ ذات حجاب جلال میں محتجب و پوشیدہ ہے
٧٧	اَلْوَالِیُ	تمام امور کا متولّی	ولایت بکسر واؤ سے مشتق ہے جس کے معنے تصرف کرنے اور قابو پانے کے ہیں۔ اور ایک سے دیگا

نمبر	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۷۷	اَلْوَالِیْ	مصروف نگہبانی	بفتح واؤ جس کے معنی مدد کرنے اور حکمرانی کرنے کے ہیں۔ بعضے کہتے ہیں کہ ولایت بفتح واؤ مصدر ہے۔ اور بکسر واؤ اسم۔ والی وہ ہے جو سب کا مالک اور تمام کاموں کا متولی ہے ٭
۷۸	اَلْمُتَعَالِیْ	مخلوقات کی صفات سے منزہ	تمام حکمرانوں اور فرمانرواؤں سے بلند قدر۔ یا تمام نقائص آفات سے عالیشان ٭
۷۹	اَلْبَرُّ	اپنے لطف سے بندوں کے ساتھ نیکی کرنے والا	برّ بفتح با اسم فاعل بمعنی نیکی کرنے والا ٭
۸۰	اَلتَّوَّابُ	بہت توبہ قبول کرنے والا	تواب مبالغہ ہے تائب کا اور تائب ماخوذ ہے توبہ سے توبہ کے اصلی معنی ہیں رجوع کرنے کے پھر جب اس کی نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے تو گناہ سے رجوع کرنا مراد ہوتا ہے۔ اور خدا کی طرف ہوتی ہے۔ تو رحمت کے ساتھ رجوع کرنا یعنی بندہ کرے تو اپنی عادت کے مطابق پھر مہربانی کرنے لگتا ہے ٭
۸۱	اَلْمُنْتَقِمُ	نافرمانوں سے بدلہ لینے والا	انتقام کہتے ہیں بدلہ لینے کو یعنی خداتعالیٰ کافروں سے اپنی نافرمانی کا بدلہ لینے والا۔ اور اُن کے تمرد و سرکشی کی سزا دینے والا ٭
۸۲	اَلْعَفُوُّ	گناہوں کا مٹانے والا	
۸۳	اَلرَّؤُفُ	بہت شفقت کرنے والا	رأفت کہتے ہیں شدت رحمت کو اور یہ مبالغے کا صیغہ ہے۔ جیسے ضروبٌ اور مشکورٌ ٭

نمبر	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۸۴	مَالِكُ الْمُلْكِ	ملک کا مالک	
۸۵	ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ	بزرگی و عزت بخشنے والا	
۸۶	اَلْمُقْسِطُ	عادل و منصف	اس کا مادہ ہے قسط اور قسوط کہتے ہیں جور و ظلم کو لیکن جب اسے باب افعال میں لے گئے تو معنی ہوئے جور و ظلم کے ازالہ کرنے کے اور ازالہ جور و ظلم کا نام ہے انصاف تو مقسط کے معنی ہوئے منصف و عادل ۔
۸۷	اَلْجَامِعُ	تمام مخلوقات کو جمع کرنیوالا	قیامت میں خدا لوگوں کو جمع کریگا۔ یا دنیا میں بچھڑے ہوؤں کو جمع کرتا ہے ۔
۸۸	اَلْغَنِیُّ	بے پرواہ	غنی مشتق ہے غناء سے اور غنا کہتے ہیں بے نیاز ہونے کو یعنی خدا تعالےٰ سب سے بے نیاز ہے اور مُغنی لیا گیا ہے اغنا سے جس کے معنی ہیں بے نیاز کرنا یعنی وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے بے نیاز کرتا ہے کہ وہ اپنے ہم جنسوں کی طرف حاجت نہیں لیجاتا غنی جو مالدار کے معنی میں مشہور ہے۔ وہ بھی بے نیازی کی ایک شاخ ہے ۔
۸۹	اَلْمُغْنِیُّ	دوسروں کو بے پرواہ کرنیوالا	
۹۰	اَلْمُعْطِیُ	عطا کرنیوالا	معطی دینے والا اور مانع روک رکھنے والا۔ یعنے جسے چاہے اور جو چاہے دیتا اور جسے چاہے اور جو چاہے نہیں دیتا ۔
۹۱	اَلْمَانِعُ	اپنے دوستوں سے تکلیف روکنے والا	

نمبر	اسماء عربی	ترجمہ اردو	کیفیت
۹۲ ۹۳	اَلضَّارُّ اَلنَّافِعُ	ضرر وشر کا خالق نفع وخیر کا پیدا کرنے والا	یعنی خدا خالق خیر و شر اور نفع و ضرر ہے۔ اور درد اور دوا رنج و شفا۔ گرمی و سردی خشکی۔ سب پیدا کی ہوئی اُسی کی ہیں ۔
۹۴	اَلنُّوْرُ	روشن کرنے والا	عرف عام میں نور کہتے ہیں روشنی کو خدا پر نور کا اطلاق اس سے کیا گیا کہ زمین و آسمان میں اسی کا چاندا اور اسی کا ظہور ہے ۔
۹۵	اَلْبَدِیْعُ	موجد	بدیع بے مثل اور بے مانند کبھی معنی میں مبدع یعنی موجد کے آتا ہے۔ جو بے نمونہ دیکھے از خود اختراع کرے تو اس معنی کر بھی خدا بدیع ہے کہ اُس نے جہان بنانے میں کسی کی تقلید نہیں کی ۔
۹۶	اَلْبَاقِیْ	باقی رہنے والا	دائم الوجود۔ جو کبھی فنا نہیں ہوتا ۔
۹۷	اَلْوَارِثُ	فنائے موجودات کے بعد باقی رہنے والا	اس سے مراد ہے فنائے موجودات کے بعد باقی رہنے والا۔ گویا تمام مرنے والوں کی میراث اس کو پہنچتی ہے ۔
۹۸	اَلرَّشِیْدُ	صاحب رشد	رشد ضد ہے غیّ کی اور غیّ کے معنی ہیں گمراہی تو رشید کے معنی ہوئے صاحبِ رشد اور خدا کو رشید اس معنی میں کہا گیا ہے کہ طریق اسلام اس کو پسند ہے اور وُہی صراط مستقیم ہے یا اس اعتبار سے کہ جو صفات کمالیہ خدا میں ہونی چاہئیں وہ اس میں ہیں ۔
۹۹	اَلصَّبُوْرُ	بڑا صبر کرنے والا	اصل میں صبر کے معنی تحمل اور برداشت کرنے کے ہیں۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ بندوں کی گستاخیوں اور نافرمانیوں کی برداشت کرتا اور انتقام ...

... اور مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا۔ اس لئے اس کا نام صبور ٹھہرا ۔

توہمیں اس بات میں قرآن و حدیث سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے۔ اور جن الفاظ میں اُس کے اسماء و صفات مذکور ہیں اُن کے سوا دوسرے الفاظ استعمال نہ کرنا چاہیئے۔ علمائے امت کا اسی پر اتفاق ہے۔ اور جو شخص اس کے خلاف ہے وہ ضال و مضل ہے۔ اور ایسے الفاظ بھی استعمال میں لانا درست نہیں۔ جو معناً خدا تعالیٰ کے اسماء و صفات سے ملتے ہوئے ہیں۔ جیسے معرفت بجائے علم کے اور ایسا ہی عشق بجائے محبت کے اور سخا بجائے جود کے نہ بولنا چاہیئے۔ اس لیئے خدا تعالیٰ کے صفات میں یہ اسماء نہ کتاب الٰہی اور حدیث میں سُنے گئے اور نہ علمائے کرام نے اس پر اجماع کیا۔ پھر اگر کوئی شخص اس امر میں لیری کرے تو اس کا فی زمانہ حال یہ ہو گا کہ وہ بدعتی اور گمراہ کہلائے ۔٠

اللہ تعالیٰ کی صفات نہ اُس کی عین ہیں نہ غیر ۔٠

اہل السنت و الجماعت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ خدا تعالےٰ کی صفات نہ اُس کی عین[1] ہیں اور نہ غیر یعنی نہ وہ ہے اور نہ اس کے سوا اس لئے کہ صفت موصوف نہیں ہوتی۔ اور نہ موصوف صفت ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کی صفت کی پرستش کرتا ہوں تو اس کا یہ قول باطل ہے اسی طرح یہ کہنا کہ میرا معبود حی ہے اور حیات اس کی صفت ہے اور میرا معبود عالم ہے اور علم اس کی صفت ہے۔ اور میرا معبود قادر ہے اور قدرت اس کی صفت اور اگر دعا میں کہے یا حیات یا علم تو یہ تمام صورتیں باطل ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اس کی صفات اُس کی عین نہیں۔ لیکن غیر بھی نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ خدا پر اور اُس کی صفات پر غیریت روا نہیں ہے۔ کیونکہ غیریت کے یہ معنی ہیں کہ ایک کے فنا ہونے کی صورت میں دوسرے کی بقا جائز ہو یا ایک کا عدم دوسرے کے وجود

[1] اللہ تعالیٰ کی تمام صفات و اسما قدیم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء صفات نہ عین ہیں نہ غیر ہیں جس طرح ایک دس سے۔ اگر یہ صفات عین باری تعالیٰ کہی جائیں تو اس سے تعدد لازم آتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ جس کا شریک نہیں۔ اور اگر یہ صفات غیر باری تعالیٰ کہی جائیں۔ تو یہ صفات حادث ہو جائیں گی۔ اور اللہ تعالیٰ محل حوادث قرار پائے گا۔ ۱۲ منہ (حاشیہ جہرانور) ۔٠

کی حالت میں جائز ہو۔ اور یہ بات خدا تعالیٰ پر درست نہیں۔ کیونکہ وہاں صفت
اور موصوف دو جدا جدا چیزیں نہیں ہیں ۔

دوسری بات یہ ہے کہ کوئی صفت خدا تعالیٰ کی صفات سے اس کی
دوسری صفت کے غیر نہیں۔ جیسا بیان ہوا۔ اور نیز دو صفتیں ایک بھی نہیں
اس لئے کہ قدرت مقدور کا تقاضا کرتی ہے۔ نہ معلوم کا۔ اسی طرح علم
معلوم کا تقاضا کرتا ہے۔ نہ مقدور کا۔ پس معلوم ہوا کہ خدا کی کوئی صفت
اس کی کسی دوسری صفت کے غیر بھی نہیں۔ اور عین بھی نہیں۔ اور یہ بھی نہ
کہنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی صفات باہم متغائر یا متماثل یا متجانس یا متضاد
ہیں۔ کیونکہ یہ تو محدثات کی علامت ہے۔ اور خدا تعالیٰ محدث نہیں۔ کہ
احوال محدثات اس پر روا ہو۔ تو احوال محدثات کا اطلاق اس کی ذات
وصفات پر درست نہیں ہے۔ اور یہ بھی یقین رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ
ازل میں خالق اور وہ اس صفت سے موصوف تھا۔ حالانکہ مخلوق موجود نہ
تھی۔ اسی طرح رازق اور ربّ تھا۔ اس وقت بھی جب مرزوق و مربوب کا پتہ
نہ تھا۔ مخلوق کو کسی فعل کے بعد فاعل کہتے ہیں۔ اور جب اس سے کوئی فعل صادر نہیں ہوتا تو قبل
صدور اس کو فاعل نہیں کہتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں۔ اس میں صدور فعل
کی قید نہیں۔ اس کی یہ صفات ازلی ہیں۔ اور اس کی صفات ذات وصفات افعال میں کوئی
فرق نہیں ہے۔ اس نے جس طرح اپنی صفات ذات کی مدح کی ہے۔ اور فرمایا ہے' اَللّٰہُ لَآ
اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اور فرمایا وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ اسی طرح
صفات فعال کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ
الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی اس سے ثابت ہوا کہ وہ اپنی صفات
میں صدور فعل کا محتاج نہیں۔ اگر وہ مخلوق کے پیدا کرنے سے ان صفات
کا مستوجب ہوتا۔ تو محتاج خلق ہوتا۔ اور احتیاج علامت حدوث کی ہے
نہ قدیم کی اور اگر یہ جائز رکھیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے
اس مدح کا مستوجب نہ تھا۔ تو اس سے محض نقص خدا تعالیٰ کا ثابت ہوتا ہے
تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ ۔

صفات الٰہی باہم اتحاد و مغایرت سے پاک ہیں

اور اگر یہ کہا جاوے کہ پہلے خالق نہ تھا۔ پھر خالق ہوا۔ تو یہ امر تبدل صفات پر دال ہے۔ اور نیز صفت میں تغیر و زوال کا موجب۔ حالانکہ یہ بات خدا پر اور اس کی صفات پر روا نہیں۔ خالقیت ہمیشہ اُس کی صفت میں ازل ہے۔ اگرچہ مخلوق نہ تھی اور نہ ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ جب تک پیدا کرنے کی صفت موجود نہ ہوگی۔ تو پیدا کرنا کیونکر ممکن ہوگا۔ یہ تو مخلوقات کی صفت ہے کہ فعل کے پہلے ان کو فاعل نہیں کہتے۔ اس واسطے کہ اُن میں بعد ہم صفت پیدا کی جاتی ہے۔ فعل کے پہلے وہ اس فعل کی قدرت ہی نہیں رکھتے اللہ کی تمام صفات قدیم ہیں۔ اگر خلق نہ بھی ہوتی۔ تو قدرت آفریدن اُس میں ظہور نہ ہوتی پس اس وجہ سے خالق اس کا نام قدیم ہے۔ اور وہ ہمیشہ خالق و توانا ہے۔ خلق ہو یا نہیں ×

اسی طرح خدا تعالیٰ ازل میں روزی دینے گناہوں کے بخشنے وغیرہ پر توانا تھا یعنی ازل میں خالق و رازق و غفور تھا۔ حالانکہ مخلوق و مرزوق و مغفور کا وجود نہ تھا۔ ان کا وجود اس کی صفات کے وجود کے لئے شرط نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات میں ترتیب روا نہیں ہے یعنی یہ کہنا درست نہیں کہ اس کی کوئی صفت کسی دوسری صفت سے سابق ہے۔ کیونکہ یہ صفت خلق کی ہے کہ وہ پہلے زندہ ہوتی ہے۔ پھر عالم۔ اور خدا تعالیٰ تو ہمیشہ حی اور ہمیشہ عالم ہے۔ اور یہی حال اُس کی تمامی صفات کا ہے۔ نہ اس کا علم قدرت سے پہلے تھا۔ اور نہ قدرت قبل علم کے۔

اور اسی طرح خدا کے اسمار کے باب میں معتقد رہنا چاہیئے۔ جس طرح صفات میں بیان ہوا۔ مگر ایک مسئلہ میں علمائے اہل السنت نے اختلاف کیا ہے۔ اور وہ مسئلہ اسم و مسمیٰ کا ہے۔ کہ چند وجہ سے علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ اُس کے نام کی حقیقت ذات ہے۔ یا اُس کے غیر ×

جو لوگ کہتے ہیں کہ اسم غیر مسمیٰ ہے۔ اُن کا قول معتقد نہیں بلکہ ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ جو چیز خدا کے غیر ہے۔ وہ محادث ہے۔ اور محادث سے خدا تعالیٰ کی صفت روا نہیں۔ اس واسطے کہ خدا تعالیٰ محل حوادث

سے منزہ ہے۔ قرن اول میں اس مسئلہ میں سخن کرنا بدعت شمار کیا جاتا ہے۔
وہ کہتے ہیں کہ جب ہم خدا تعالیٰ کے ایسے اسماء و صفات کے معتقد ہیں
جو سمات و حدوث سے مبرا ہیں۔ تو اس باب میں کلام نہ کرنا ہی اولیٰ ہے اور
باحتیاط نزدیک تر ہے۔ اور درحقیقت ان کا مسلک اسلم ہے۔ اور سادہ
دل مسلمانوں کی فہم و ادراک کے موافق ولائق ہم اس کے دو دوسرے وجوہات
اس لئے بیان کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ مسلمانوں میں فاش ہو گیا ہے۔ اگر اس
کو صاف نہ کیا جاوے تو عوام کے شبہ میں گرنے کا خوف ہے ؛

اسم کو مسمیٰ کہنے والوں کی تشفی

قرن اول کے بعد اہل قبلہ کی ایک جماعت کا یہ قول ہوا کہ اسم
نہ عین مسمیٰ ہے۔ اور نہ غیر مسمیٰ۔ جیسا کہ صفت و موصوف میں تقریر کی گئی
اس باب میں ان کی دلیلیں بھی وہ ہی ہیں جو بیان ہوئیں۔ ایک دوسرا
گروہ کہتا ہے کہ حقیقت اسم و مسمیٰ کی ایک ہی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ خدا
تعالیٰ نے فرمایا۔ اِعْبُدُوا اللّٰهَ تو اگر اسم غیر مسمی ہوتا۔ تو اس کا معبود
ہوتا لازم آتا نہ مسمیٰ کا۔ ایک تیسری جماعت کا قول ہے کہ اسمائے ذات
جیسے موجود قدیم میں اسم و مسمیٰ کو ایک ماننا چاہیئے۔ لیکن اسمائے صفات
میں معتقد رہنا چاہیئے کہ نہ وہ مسمیٰ ہیں۔ اور نہ غیر مسمیٰ ہے ؛

الغرض اہل حق کی ان تمام جماعتوں کے پاس دلائل موجود ہیں۔
اختلاف پیدا ہونے کی حالت میں لوگوں کو اپنی فہم مشکل سے ہوتی ہے
کہ وہ تمام اقاویل میں تامل کر کے امر حق کی طرف رجوع کریں۔ اس لئے
ہم ایک صاف بات معتقد اکثر اہل حق کی بیان کرتے ہیں کہ کتاب و سنت
میں جہاں کہیں کسی اسم کا اطلاق خدا تعالیٰ پر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد
مسمیٰ ہے۔ اور جب مراد مسمیٰ ہے۔ تو اسم و مسمیٰ ایک ہوا۔ اس پر بھی
اگر کوئی شخص اس قول کو نہ سمجھے تو طریق مذکور نگاہ رکھے۔ یعنی خدا تعالیٰ
کے تمام اسما و صفات کو قدیم جانے۔ اس صورت میں اسم و مسمیٰ کے مسئلہ کو
نہ جاننا اس کے لئے کوئی نقصان رساں نہ ہو گا۔ انشاء اللہ۔ واللّٰهُ
الھادی اِلٰی سَوَاءِ السَّبِیْلِ ؛

چھٹی فصل

مراتب صفات اور اقسام مشکلات و متشابہات کے بیان میں

خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی صفات کے متعلق قرآن اور حدیث درست میں جو کچھ مبین ہے۔ اُس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اپنی رائے و قیاس سے اس میں کلام کرنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ بات اس سے معظم تر ہے۔ کہ اس میں انسان اپنے اجتہاد سے تصرف کرے یا گمان کو دخل دے۔ یا اُس کو آسان کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ط

پھر اس باب میں دو فریق ہیں۔ ایک فریق نے اسمائے الٰہی کی تحقیق میں جو قرآن و حدیث سے معلوم ہوئے۔ جد و جہد کرکے انہیں ظاہری معنے پر عمل کرنے میں اس قدر مبالغہ کیا کہ تشبیہ و تمثیل کی حد تک پہنچا دیا۔ اور دوسرے فریق نے ظاہری معنی کی نفی کرنے اور اُسے حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرنے میں اتنا غلو کیا کہ تعطیل کی حد تک پہنچا دیا۔ اور خدا کے اسماء و صفات کا منکر ہو گیا۔ اور اُس کے ظاہر کو بدون کسی حجت کے تشبیہ کے ساتھ موسوم کرنے لگا۔ اور باہم دونوں فریق ایک دوسرے کی ضلالت پر آمادہ ہو گئے۔ اس بات میں اہل السنت و الجماعت کا مذہب یہ ہے کہ ہر دو

لہ اے پیغمبر کہہ دو کہ میرے پروردگار نے ظاہری اور باطنی برائیوں کو اور گناہ اور ناحق سرکشی کرنے کو حرام کر دیا ہے۔ اور اس کو بھی کہ تم خدا کے ساتھ اس چیز کو شریک کرو۔ جس کی کوئی دلیل و سند نہیں اور یہ کہ تم خدا پر ایسی باتیں باندھو۔ جو تم جانتے نہیں ۱۲ منہ ٭

طرف سے غماض کر کے راہ اہل سنت کی جو سواد اعظم ہے اقتدا کرے اور خدا تعالیٰ کی صفات جو کچھ قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ اُنہیں تسلیم کرے ✣

اب سمجھنا چاہیئے کہ وہ صفات جن میں تامل ضرور ہے تین قسم کی ہیں۔ اوّل وہ صفات جیسے علم قدرت اور کلام اس بارہ میں مذہب اہل حق کا یہ ہے کہ اُن کے ظاہر معانی پر اعتقاد رکھیں۔ اور کسی طرح کی اس میں تاویل جائز نہیں ✣

دوم وہ قسم کہ ظاہر پر حمل کریں۔ اور وُہی لفظ بولیں جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں۔ اور اُس کے معنوں کو مجاز کی طرف نہ لے جاویں۔ اور جن صفات میں علم قطعی اور یقینی پوشیدہ رہنا۔ یعنی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اپنی رائے و قیاس سے اُس کے کشف حقیقت کی کوشش نہ کریں اُس کے ظاہر کو قبول کرنا اور کیفیت مثلیت کی اُس سے نفی کرنا ضروری جانیں۔ اس قسم میں ید و سمع و وجہ و بصر داخل ہیں۔ پس ان صفات اور ان کی مثل دوسری صفات کی نسبت اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ یہ نہ خوارج ہیں نہ اعضا۔ اور نہ اجزا۔ لیکن یہ خدا تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اُن کی کیفیت نہیں۔ اور کیفیت کا ہونا روا بھی نہیں۔ اور جب اہل حق نے نظر کی۔ تو اس باب میں قول حق یہ پایا کہ ان صفات کو حقیقت اسامی پر حمل نہ کرنا چاہیئے کہ تشبیہ و تمثیل لازم آتی ہے۔ اور نہ مجاز پر عمل کرنا چاہیئے کہ قرآن و حدیث اس کے خلاف حکم کرتے ہیں پس انہوں نے پہچان لیا۔ کہ اہل حق کا طریق ان دونوں طریقوں کے سوا ہے اور یہ وہی طریق ہے۔ جو انہوں نے اختیار کیا ✣

اور وہ باتیں جو اس باب میں تاویل کے خطا ہونے پر دلالت کرتی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ان صفات میں ایسی کوئی صفت نہیں۔ کہ اس کی تاویل سب کو تسلیم ہو۔ پس بوجوہات مختلفہ اس کی تاویل کر سکتے ہیں۔ اور یہ ضرور ہے کہ ان میں ایک ہی وجہ صواب ہو گی۔ باقی خطا اور صفات خدا تعالیٰ میں خطا کرنے والا معذور نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کے

صفات متشابہات کی تاویل طلب نہ کرے عاجز آکر درست نہیں۔

دین میں مخاطر پیدا ہونے کا اندیشہ ہے ؛

ہماری دلیل یہ ہے کہ جو لوگ اس باب میں حسن تاویل کو صواب جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ ید کی تاویل قوت اور قدرت کے ساتھ کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مراد اس سے نعمت ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ اُن کے اس قول کے فساد کا حکم کرتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن شریف میں بید یلہ صیغۂ تثنیہ بھی واقع ہوا ہے۔ یعنی دو ید آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَىَّ تجھے کیا ہو گیا کہ سجدہ نہیں کرتا۔ اس ذات کو جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ؛

دوسری جگہ فرمایا۔ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ بلکہ اُس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ اور خدا کو دو قوت یا دو قدرت کہنا روا نہیں۔ کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ اس آیت لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَىَّ میں آدم علیہ السلام کی اُس خاص فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے۔ جس کے سبب فرشتے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے پر مامور ہوئے۔ اگر اس کے معنی اس طرح کئے جائیں کہ اے شیطان تجھ کو اس شخص کے سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا۔ جس کو میں نے اپنی قوت و قدرت سے پیدا کیا۔ اس معنی کے لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام کو دوسروں پر کوئی فضیلت نہیں۔ خدا نے ابلیس کو بھی۔ بلکہ تمام حیوانات حتیٰ کہ جمادات کو بھی اپنی قوت و قدرت سے پیدا کیا ہے۔ رہا ید کی تاویل نعمت کے ساتھ کرنا تو یہ بھی جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ کہ اُن کا احصار و شمار کیا جائے۔ اور بصیغہ تثنیہ اُس کا احصار ہو گیا۔ دوسری وجہ یہ کہ نعمت مخلوق ہے۔ اور مخلوق کا مخلوق کو پیدا کرنا کس طرح ممکن ہے ؛

احادیث میں بھی اس قسم کے بکثرت الفاظ وارد ہیں۔ اُن کی تاویلات بھی خلاف شرع کرنا درست نہیں ہے۔ اور قرآن و حدیث میں جو خلق کے ساتھ خطاب ہے۔ اس کو ایسے معنی پر عمل کرنا چاہیے۔ جس کو عرب جانتے

اور اپنی زبان میں استعمال کرتے ہیں۔ اور جو تاویل کہ مسلک عرب کے خلاف ہو کلام میں اُس کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور جو تاویل کہ ہمیں ناپسند ہے۔ وہ وہی ہے کہ ہم اس کو قرآن و حدیث کے مطابق مستقیم نہیں پاتے۔ اسی واسطے ہم اس کو رد کرتے ہیں۔ لیکن ان الفاظ کی بابت بھی جو قرآن میں چند معنی کا احتمال رکھتے ہیں۔ اور مفہوم نہیں ہوتا کہ اس سے مراد خداوندی کیا ہے ⁂

ہمارا یہی کہنا ہے کہ اُن کی تاویل کرنا درست نہیں۔ جیسے استوا اور نزول کے الفاظ تو اُن کے ظاہر کو قبول کرنا چاہیئے۔ اور باطن سے کوئی تعرض نہ کرنا چاہیئے۔ اور اُس سے کیفیت و چگونگی کی نفی کرنا چاہیئے کہ یہ باتیں خدا تعالیٰ پر اور اُس کی صفات پر روا نہیں ⁂

اگر ایسا کلام ہو جس میں تاویل کی ضرورت ہے۔ تو اُس میں مطابق شرع شریف کے تاویل کرنا ٹھیک ہے۔ اس لئے کہ ہم تاویل کے منکر نہیں ہیں۔ لیکن ہم ظاہر کو حق کی طرف سے یقین کرتے ہیں۔ اور اپنی جانب سے اُس میں تاویل محمود نہیں سمجھتے۔ اس باب میں ہمارے لئے خدا تعالیٰ کا یہی فرمان ہے وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ اور کوئی نہیں جانتا اُس کی تاویل سوا خدا کے ⁂

تیسری قسم وہ ہے کہ وہ حقیقت میں قسم صفات سے تو نہیں۔ لیکن اُس میں چند ایسے الفاظ کے ذریعہ جو الفاظ صفات سے مشابہت رکھتے ہیں۔ معانی صفات کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور لغت عرب میں اُس کے معنی روشن اور آشکارا ہیں۔ تو اس قسم کی تاویل کرنا درست ہے۔ اگر اُس کے معنی تقاضائے ظاہر پر کریں تو گمراہی ہے۔ چنانچہ اس قسم سے یہ آیات ہیں ⁂

يَاحَسْرَتَا عَلٰى مَا فَرَّطْتُ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ کوئی عالم اُس کی تاویل میں توقف نہیں کریگا۔ دوسرے یہ حدیث حجر الاسود يمين الله فِي الارض اگر اِس کے ظاہر معنے پر حمل کریں تو باطل ہے۔ اور الحاد۔ تیسرے اِنِّيْ لَاَجِدُ نفس الرحمان من قبل اليمن چوتھے من اتانى يمشى اتيته هرولة

ظاہر معنے پر اس کا حمل کرنا تشبیہ ثابت کرتا ہے تو اس کی تاویل کرنا ضرور ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کو منظور ہوا کہ بندوں پر اپنے احسان و کرم کو بیان فرمائے اور وہ بزبانی پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اِس طرح بیان کیا جائے کہ لوگوں کی سمجھ میں جلد آئے۔ تو فرمایا مَنْ آتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً یعنی جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے۔ مَیں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ مطلب و مراد یہ ہے کہ جو شخص ایک حصتہ نیکی کرتا ہے۔ تو مَیں اضاف مضاعف اس کو جزا اعطا فرماتا ہوں ٭

بعض احادیث ایسی بھی ہیں۔ جن کی تاویل نہایت دشوار ہے۔ اگرچہ اُن کی تاویل کرنا ضرور ہے۔ لیکن اس سبب سے کہ اس کی تاویل عقل کی مقدور سے بالاتر ہے۔ تو ایسی احادیث کی بابت ہم کو چاہیئے کہ ان کی تاویل سے ساکت و سامت رہیں اور الفاظ حدیث پر ایمان و اعتقاد رکھیں۔ اور ایسے موقع پر تاویل کو حرام سمجھیں کہ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ قرآن شریف میں وارد ہے۔ یہ ہے مذہب اہل حق کا مراتب صفات و متشابہات میں۔ واللہ الموفق لِلاصابۃ الحق ٭

ساتویں فصل

اِس بیان میں کہ کلامِ خُدا مخلوق ہے یا غیر مخلوق

قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اسماء و صفات کی معرفت کے دو ہی طریق ہیں۔ کتاب و سنّت اور یہ بھی روشن ہو چکا ہے کہ خدا تعالےٰ متکلم بہ کلام ہے۔ تو اس باب میں مذہب اہل سنت و الجماعت کا یہ ہے کہ خدا ہمیشہ متکلم ہے۔ اور کبھی تکلم سے خالی نہ رہا۔ اگر ایک ہی وقت میں ایک ساتھ تمام مخلوق اس کو پکارے تو وہ ایک ہی وقت میں سب کی دعا سُنے۔

اور سب کا جواب دے اور سب کو دیکھے یہ نہیں کہ ایک کی جانب مشغول ہونا اُس کو دوسری جانب سے غافل کرنے۔ کلام اُس کی ذاتی صفات سے ہے اُس لئے کہ اگر کلام اُس سے علیحدہ کریں تو ناگویائی یعنی چُپ رہنا لازم آئے۔ جو ایک قسم کا عیب و نقص ہے۔ حالانکہ صفات کمالیہ سب خدا کے لئے ہیں اور وہ صفات نقص سے منزہ ہے۔

پھر جب یہ معلوم ہو گیا کہ کلام صفت ذاتی ہے۔ تو ثابت ہوا کہ وہ محدث نہ ہوگا۔ اس لئے کہ قدیم کی صفت محدث چیز سے کرنا درست نہیں۔ چنانچہ فصول گذشتہ میں یہ بات بصراحت ذکر ہو گئی ہے۔ بعض اہل بدعت کا یہ قول ہے کہ خدا تعالیٰ اس معنی سے متکلم ہے کہ وہ خالق کلام ہے یا فاعل کلام اور یہ جہل و عناد ہے۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ متکلم وہ ذات ہو جس میں خدا نے کلام کو پیدا کیا ہے۔ نہ خدا تعالیٰ۔ چنانچہ متحرک اُس ذات کو کہتے ہیں۔ جس میں حرکت پیدا کی گئی ہے۔ صفت مخلوق کی اضافت خالق کی طرف کیونکر ٹھیک ہو سکتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے تو تمام اُن کتابوں میں جو انبیاء پر نازل ہوئی ہیں کلام کی نسبت اپنی جانب فرمائی ہے۔ قرآن میں ایک جگہ فرمایا۔ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ یعنی جب ہم کسی چیز کی بابت چاہتے ہیں کہ وہ ہو جائے تو صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا۔ پس وہ ہو جاتی ہے۔ اور جب ہر چیز اُس کے قول سے پیدا ہوتی ہے۔ تو قول بھی اُس کے قول سے وجود میں آتا ہے۔ اس لئے پہلے قول کے پیدا ہونے کے لئے دوسرے قول کی ضرورت ہو گی۔ اور دوسرے کے لئے تیسرے کی اِلیٰ مَا لَا نِهَايَةَ لَهٗ اور یہ ایک امر فاسد ہے۔ (تو اسی سے ثابت ہوا کہ کلام خدا غیر مخلوق ہے) بدعتی اس آیت کی تاویل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اِس سے یہ مراد ہے کہ خدا جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس سے حقیقت قول کُن کی لازم نہیں آتی ہے۔ اُن کی اس تاویل سے نص قرآنی کی مخالفت ہوتی ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ اور یہ کُن کی حقیقت کے منکر ہوتے ہیں۔ یعنی خدا

فرماتا ہے ہو جا۔ پس وہ ہو جاتی ہے۔ فَیَکُوْنُ کا لفظ بتا رہا ہے کہ کُنْ کے پہلے وہ چیز موجود نہ تھی۔ اور اِن بدعتیوں کے عقیدہ کے موافق خدا کا کلام جو موسیٰ نے سُنا اور وہی کلام یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے سُنا۔ اِن دونوں کلاموں میں کوئی فرق و فضیلت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ یہودیوں کا قول ہے کہ حضرت موسےٰ نے بتوسط درخت کے خدا کا کلام سُنا۔ اور یہودیوں نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کے توسط سے خدا کا کلام سُنا۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ کلام خدا سُننے میں قوم یہود کو حضرت موسیٰ پر فضیلت ہے۔ کیونکہ خدا کا کلام ایک اولوالعزم پیغمبر کے توسط سے سننا ضرور اس سے فاضل تر ہے کہ ایک درخت کے توسط سے سُنا جائے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ کلام ہے فرشتہ پر الہام ہو اور فرشتہ انبیا علیہ السلام سے کہے۔ پس جو کچھ فرشتہ الہام کے ذریعہ لیتے ہیں پاتا ہے اسی کو کلام کہنا چاہیئے تو جو معرفت خدا نے اپنے بندوں کے دل میں رکھی ہے۔ وہی کلام خدا ہے۔ اور ان کا قول ہے کہ لوگوں کا کلام اُنہیں کا فعل ہے۔ خدا نے پیدا نہیں کیا ؞

ہم نے اُن کے اقوال فاسدہ کو یہاں تک بیان کر دیا کہ جس سے صاف اُن کے عقائد کی زشتی اور بُرائی ظاہر ہے اور نیز اُس کے ابطال کے خدا تعالیٰ کی کتاب اور جناب نبی کریم علیہ السلام کی احادیث کافی ہیں۔ آیات تو یہ ہیں۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا دوسری جگہ فرمایا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا تیسری جگہ فرمایا وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ چوتھی جگہ فرمایا وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا پانچویں جگہ ارشاد ہوا یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰہِ ان تمام آیات میں خدا تعالیٰ نے قول و کلام کی نسبت اپنی جانب فرمائی۔ جس طرح سخن عرب کا قاعدہ اور رسم ہے۔ یہ ایسا واضح بیان ہے کہ اس کے ظاہر کو ترک کرنا اور حقیقت معنی کو مجاز کی جانب پھرانا ممکن ہی نہیں۔ علاوہ اس کے علما نے ان کی مزخرفات اور بیہودہ تاویلات کے اور بھی شافی اور وافی جواب دیئے ہیں۔ اس مختصر میں اس کے استیعاب کی ضرورت نہیں ؞

جب یہ معلوم ہوگیا کہ خدا تعالیٰ متکلم ہے۔ اور کلام اس کی صفت قدیم ہے۔ تو معلوم رہے کہ قرآن کلامِ خدا ہے۔ اُس نے خود اس کو اپنا کلام کہا۔ اور اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ اور فرمایا۔ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلَامَ اللّٰہِ اور اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ قرآن کلام خدا ہے۔ اور اس پر کہ کلام صفت خدا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اپنی تمام صفات میں قدیم ہے۔ جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والسلام حضرت امام حسن و حسین علیہم السلام کے لیے پڑھا کرتے۔ اُعِیْذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ یعنی میں تم کو خدا تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ میں لے جاتا ہوں تو پھر پیغامبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ مخلوق کو مخلوق کی پناہ میں لے جاویں۔ اور اُس کو کلمات تامہ فرماویں۔ یعنی ایسے کلمات جن میں کوئی نقص نہیں۔ اور آفریدے نقصان نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ کی تفسیر میں قرآن کے غیر مخلوق ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے اور فرمایا مَا مِنْ مَخْلُوْقٍ اِلَّا فِیْہِ عِوَجٌ یعنی کوئی مخلوق کجی سے خالی نہیں۔ پس قرآن غیر مخلوق ہے۔ کیونکہ اُس میں کجی نہیں۔ اور حضرت ابن عباس نے ایک شخص کو کعبہ کے پاس کہتے سُنا یَا رَبَّ الْقُرْاٰنِ فرمایا مَہْ دَاِنَّ کُلَّ مَرْبُوْبٍ مَخْلُوْقٌ یعنی خاموش ہو۔ کیونکہ ہر ایک مربوب مخلوق ہے۔ اور قرآن غیر مخلوق ہے۔ پس اس کو مربوب کہنا درست نہیں۔ اور یہ اس واسطے بیان ہوا کہ عام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قرن اول میں قرآن کے غیر مخلوق ہونے میں کسی کو خلاف نہ تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ اِس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ اور خلاف ہوتا بھی کس طور پر جب اُن کے روبرو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم پڑھتے تھے۔ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَہِیْرًا یعنی کہدو اگر جن و انس اس امر پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل بنا کر لا دیں۔ تو اس کی مثل نہیں

قرآن غیر مخلوق ہے کلام خدا ہے

لا سکتے۔ اگرچہ باہم ایک دوسرے کے معاون ہوں۔ تو اگر قرآن مخلوق ہوتا تو اس کا مثل لانا ممکن ہوتا۔ اور جب مثل نہ لا سکے تو معلوم ہو گیا کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ ایک جگہ خدا نے قرآن شریف کو کلام بشر کہنے والوں کی نکوہش کی ہے۔ اور فرمایا ہے اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ یعنی کافر کہتے ہیں کہ قرآن قول بشر ہے ✣

اصحاب رضی اللہ عنہم کے بعد سلف کا بھی اس کے غیر مخلوق ہونے پر اتفاق رہا اور انہوں نے بالاتفاق کہہ دیا کہ قرآن کلام خدا ہے۔ غیر مخلوق پڑھا گیا۔ ہماری زبانوں پر لکھا ہوا ہمارے مصحفوں میں یاد رکھا گیا۔ ہمارے دلوں میں پڑھا گیا۔ قرآن ہے اور پڑھنا صفت ہے۔ پڑھنے والے کی اسی طرح لکھا ہوا قرآن اور لکھنا صفت ہے لکھنے والے کی۔ اسی طرح یاد رکھا ہوا قرآن ہے۔ اور یاد رکھنا صفت ہے یاد رکھنے والے کی ✣

مذہب سلف اور علمائے خلف کا ان مسائل میں اور اُن کے مذہب و قول سے منحرف ہونا بدعت اور ضلالت ہے۔ وَاللّٰهُ الْعَاصِمُ مِنَ الضَّلَالِ ✣

آٹھویں فصل

رویت الٰہی کے بیان میں

مذہب اہل حق کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رویت بدوں کسی کیفیت کے جائز ہے۔ نفی کیفیت کے باب میں اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ اُس کی ذات و صفات کیفیت سے مبرا ہے۔ رویت کے اعتقاد میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اگر رویت نہ ہوتی۔ تو اہل دل عبادت میں لطف و لذت کس طرح اٹھاتے۔ یا اُس جہان کے وعدوں سے انہیں کیونکر ذوق ہوتا۔ بعض اہل قبلہ سے تعجب ہے

کہ اِس مسئلہ سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ اس باب میں جو صریح نصوص وارد ہیں۔ اُن سے صاف اس کا اثبات ہوتا ہے۔ اور کوئی عدوت انکار کی نہیں نکلتی اُن کا قاعدہ ہے کہ جو چیزیں اُن کو محسوس و مدرک ہوتی ہیں۔ انہیں کو قابل اعتبار اور دیدنی سمجھتے ہیں۔ لیکن جو باتیں اسرار غیب سے ہیں۔ اور جو امور بصر و عقل کے ذریعہ حس و ادراک میں نہیں آسکتے۔ اُن سے صاف انکار کرتے ہیں اگرچہ خدا اور رسول کے پاک اقوال اُن کے ثبوت میں بصراحت موجود ہوں۔ یہ بے دین۔ غیر محسوس و غیر معقول امور پر یقین کرتے ہوئے اس میں لایعنی شبہات واہیہ پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شئے مرئی یعنی دیدنی ایک جسم ذی لون ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کو دیکھنا ممکن نہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے اس دعوے پر کیا دلیل ہے تو کہتے ہیں ہم نے تمام دیدنی اشیاء کو اس صفت پر پایا ہے پس جن چیزوں کو ہم نے دیکھا ہے اور اور اُن کو جس کیفیت و صفت میں پایا ہے اسی کے موافق حکم کرتے ہیں۔ اور جن کو ہم نے دیکھا یا پایا نہیں۔ اُس سے انکار کرتے ہیں۔ متکلمین اس کا یوں جواب دیتے ہیں کہ ہم نے رائی یعنی دیکھنے والوں کو بھی ایک جسم ملون پایا ہے تو چاہیئے کہ اس حکم کے مطابق ہم کہہ دیں کہ خدا تعالیٰ رائی یعنی دیکھنے والا نہیں ہے۔ حالانکہ خدا کے بینا اور رائی ہونے سے کسی مسلمان کو انکار نہیں۔ چنانچہ خود فرماتا ہے۔ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی یعنی کیا ابو جہل لعین کو نہیں معلوم کہ خدا اُس کو دیکھتا ہے اور وہ اُس کے کرتوت سے واقف ہے ✦

جب منکرین سے اس طرح بحث کی جاتی ہے۔ اس وقت ان کو کوئی حجت نہیں رہتی۔ اگر بندہ خدا تعالیٰ کا نگران ہو تو اس سے مقابلہ لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ خدا تعالیٰ بندوں کا ناظر ہے۔ تو اس سے مقابلہ لازم آتا ہے۔ پس اس باب میں جو تمہارا جواب ہے وہی ہمارا ہے۔ تو جس طرح اس کا بے مقابلہ ناظر ہونا روا ہے۔ ٹھیک اُسی طرح اُس کا بے مقابلہ منظور ہونا روا ہے ✦

پھر کہتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کا مرئی ہونا جائز ہو۔ تو چاہیے کہ اس کا ملموس ہونا بھی جائز ہو۔ جواب یہ ہے کہ لمس اور شم اور ذوق حدوث کا اقتضا کرتے ہیں۔ اس کا اطلاق محدث پر ہی ہو سکتا ہے۔ اور رویت حدوث کا اقتضا نہیں کرتی۔ اس لئے کہ خدا نے رویت کے ساتھ اپنا وصف کیا ہے۔ اور فرمایا لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَکُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی (جناب محمدؐ اور حضرت ابو بکرؓ سے خطاب ہے) کہ خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہارے معروضات سنتا اور حالات دیکھتا ہوں اور یہ ایک بیّن فرق ہے رویت کے اور شم ذوق اور لمس کے درمیان۔ پس تمہارا قیاس باطل ہے ✦

اور خدا تعالیٰ کی صفات جو کچھ ہم نے معلوم کی ہیں۔ اور نیز جو چیزیں اُس نے اپنی ذات کی طرف باضافت کی ہیں۔ بندوں کو جائز نہیں کہ تغیر و تبدل کرے۔ ایسا ہی جن صفات کو اپنی ذات کی جانب نسبت نہیں کیا بندوں کو نہیں پہنچتا کہ ان کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کرے۔ اور صفات غیر مضاف الیٰ ذات الباری کی نسبت اپنی طرف کرنا بھی روا نہیں۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ خدا قادر ہے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کی ذات مقدور اس کی ہے۔ اور بندوں کو بھی ایسا کہنا جائز نہیں۔ اور جب ہم کہیں کہ خدا عالم ہے اور اس کی ذات اس کی معلوم ہے تو یہ کہنا بھی جائز ہے کہ خدا تعالیٰ معلوم بندگان ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ خدا رائی ہے۔ اور اُس کی ذات مرئی اُس کی ہے۔ تو یہ کہنا بھی درست ہے کہ اس کی ذات مرئی بندگان ہے ✦

مرئی کی حقیقت

مرئی کی حقیقت یہ ہے کہ جو چیز موجود ہے یا موجود ہو۔ اس کا دیکھنا بے خلاف روا ہے۔ جب کہ خدا رائی میں قوت رویت پیدا کرے۔ اس لئے کہ دیکھنے والا جو کسی چیز کو نہیں دیکھتا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مرئی دیکھنے کے قابل نہیں۔ بلکہ اس کا یہ سبب ہے کہ دیکھنے والے میں وہ قوت نہیں پیدا کی گئی جو دیکھ سکے۔ اگر مانع اور حجاب اٹھ جاوے۔ تو اس کا دیکھنا ممکن ہے۔ کیونکہ اس صفت رویت اس میں موجود ہے ✦

ہم نے اس بحث کو اپنے قاعدے اور سلف کے خلاف طول دے دیا ہے
اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو اس کے مطالعہ سے معلوم ہو جاوے کہ مخالفین
کے شبہات اُن کے دلوں کی طرح تاریک ہیں۔ انہوں نے کتاب و سنت
سے روگردانی کی ہے۔ اور ظلمات شبہات میں ڈانوا ڈول پھرتے ہیں۔
جو شخص ان کی تقلید کرے گا۔ گمراہ ہو جائیگا۔

اس بیان میں ہماری نظر اس جانب تھی کہ کوئی مسلمان ان کی باتوں
پر فریفتہ نہ ہو جائے۔ اور سمجھ لے کہ ان کے تمام شبہات اسی طرح پوچ و
لچر ہیں۔ ورنہ بحمد اللہ ہمیں اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اس باب
میں ہمارا مآل کتاب و سنت ہے۔ نہ معقول و محسوس اور ہمارا خود یہ قول
ہے کہ اگر منکر رویت اسلام سے نہ ہو تو اُس سے توحید و نبوت کے متعلق باتیں
کرنا چاہیئے۔ نہ رویت کے متعلق۔ اور اگر اہل قبلہ سے ہے تو قرآن و حدیث
درست اُس پر کافی حجت ہے۔ جس نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
کو سچا پیغمبر یقین کیا اور جو کچھ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانب سے
اُس کو پہنچا۔ اس پر ایمان لے آیا۔ وہ تمام ایسی باتوں پر ایمان لے آئے گا
جن کی تصدیق قرآن و حدیث درست کے ذریعہ ہو چکی ہے۔ اگر عقل جزئی اس
کی دریافت کیفیت سے عاجز ہو۔ اور جو شخص ایسا نہ ہو۔ اس کا ایمان بالغیب
درست نہیں۔ وہ اپنے ہوائے نفس کا پیرو ہے۔ نہ تابع حضرت محمد مصطفےٰ صلی
اللہ علیہ و آلہ وسلم کا۔

اب ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ وَجُوۡهٌ
یَوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ یعنی آخرت میں بہت سے منہ تازہ
اور اپنے رب کی طرف نگراں ہونگے۔ لغت عرب میں اس آیت کے یہی معنی
ہیں۔ نظر کے معنی اعتبار کے بھی ہوتے ہیں۔ مگر یہاں یہ معنی جائز نہیں کیونکہ
وہ جہاں سرائے اعتبار نہیں ہے۔ نظر کے معنی کبھی بخشائش و مہربانی کے
ہوتے ہیں۔ یہ معنی بھی بندہ سے خدا پر روا نہیں۔ کیونکہ بندہ پر خدا کی بخشائش
مہربانی ہوتی ہے۔ نہ خدا پر بندہ کی۔ ایک معنی نظر کے انتظار کے بھی ہوتے

رویت الٰہی کے ثبوت میں قرآنی دلیل

لیکن جب اُس کے ساتھ اِلیٰ ہے تو انتظار کے معنی ٹھیک نہیں۔ اور یُوں بھی انتظار کے معنے کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ کیونکہ انتظار مقتضی ہے رنج وناخوشی کو اور یہ آیت بر سبیل بشارت نازل ہوئی ہے۔ اور یہاں شادی اعیش اور تازگی کا بیان ہے۔ جو بہشت میں اہل بہشت کو میسّر آئیگی۔ وہ سرائی انتظار نہیں ہے ؛

جب ہر سہ وجوہ مذکورہ سے کوئی وجہ یہاں دُرست نہیں تو ثابت ہُوا کہ یہاں نظر بمعنی رؤیت کے ہے۔ مخالفین جب اِس سے عاجز ہوتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ اِلیٰ کے بعد لفظ ثواب مقدر ہے۔ یعنی اِلیٰ ثواب ربّہا ناظرہ ہے۔ مطلب یہ کہ اہل بہشت خدا کے ثواب کی جانب نگراں ہونگے۔ ان کی یہ تاویل بھی فاسد ہے۔ کیونکہ اگر یہ جائز ہو کہ جس چیز کی اضافت خدا کی جانب ہے۔ اس کی اضافت دوسری جانب درست ہو تو یکبارگی ظاہر قرآن سے اعتبار اٹھ جائے گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ ظاہر نصوص جن کی اضافت خدا کی طرف ہے۔ اُن کی اضافت دوسروں کی جانب کی جاوے ؛

دوسری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ قیامت کے روز کافر اپنے روزی رساں اور پروردۂ خدا سے محجوب ہونگے۔ اس کے معنی اس طرح کرنا درست نہیں کہ وہ خدا کی معرفت سے محجوب ہونگے۔ یعنی اس کو نہ پہچانینگے پس محجوب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ کافر خدا کے دیدار سے محروم رہیں گے۔ جس طرح دنیا میں اس کی معرفت سے محجوب تھے۔ اسی طرح آخرت میں اُس کے لقا سے محجوب رہیں گے ؛

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت موسےٰ صلوٰۃ اللہ علیہ نے خدا سے عرض کیا۔ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ الٰہی مجھ پر جلوہ فرما کہ مَیں تجھ کو دیکھوں۔ اور انبیاء واجب العصمۃ ہَیں۔ اگر اُمت سے احکام عبادت میں خطا واقع ہوتی ہے تو پسند نہیں کرتے۔ پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ معرفت الٰہی میں ان سے خطا سرزد ہو۔ اور جس بات کو وہ اُمت کے لئے ناجائز سمجھیں۔ خود اُس کے مرتکب ہوں۔ اگر یہ بات انبیا پر خطا ہوتی تو موسیٰ علیہ السّلام رویت کی درخواست

ارنی انظر الیک کی تفسیر

کبھی نہ کرتے۔ اور مخالفین جو کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی زبان سے یہ سوال کیا۔ تو یہ محض عناد ہے۔ ظاہر نص اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے درخواست کی۔ پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ اگر بقول تمہارے حضرت موسیٰ علیہ السلام رویت الٰہی کو ناممکن خیال کرتے تو قوم کو اس لائینی سوال سے منع فرماتے اور کہہ دیتے کہ خدا کی رویت ممکن نہیں۔ تم اس قسم کا سوال کرتے ہو۔ کیونکہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے مبعوث کیا تھا کہ وہ لوگوں کو ذات وصفات خدا کا شناسا کر دیں ❊

دنیا میں رویت الٰہی کا ممکن ہے

لیکن خدا تعالیٰ نے جو فرمایا لَنْ تَرَانِیْ کہ اے موسیٰ تم مجھ کو نہ دیکھ سکو گے گو مراد اس کی ظاہر ہے کہ دنیا میں اس کا دیدار محال ہے۔ اس لئے کہ اگر مطلق ہوتا تو موسیٰ سوال نہ کرتے اور موسیٰ علیہ السلام کا اعتقاد کہ رویت الٰہی ممکن ہے۔ باطل ہوتا۔ اور یہ جائز نہیں۔ لیکن وہ آیت جس سے مخالفین تمسک کرتے ہیں اور کہتے ہیں لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ کہ انسانی ابصاریں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ ابصاروں کا ادراک کرتا ہے۔ یہ آیت نفی رویت پر دال ہے ❊

جواب یہ ہے کہ ابصار کے دو معنی لئے جا سکتے ہیں۔ ایک معنی تعقل جیسے اولی الابصار ای لذی العقول تو معنی یہ ہے کہ عقلیں اس کی کنہ ذات وصفات کو نہیں پہونچتیں۔ اور وہ عقلوں کی کنہ کو پہنچتا ہے۔ جو شخص اس آیت کے سیاق وسباق اور سابق ولاحق پر نظر کریگا۔ وہ فوراً سمجھ لیگا کہ اس کے یہی معنی ہیں۔ اور یہی وجہ بہتر ہیں۔ ابصار کے دوسرے معنی دیکھنے کے ہوتے ہیں۔ اور ادراک کے معنی کسی چیز کی غایت پر پہنچنا یا کسی چیز کو پاتا ہے۔ بچہ جب بالغ ہوتا ہے تو کہا کرتے ہیں ادرک الصبی یعنی یہ لڑکا غایت کو دکی کو پہنچ گیا۔ یا اس نے کودکی کی غایت کو پالیا۔ ایسا ہی اس وقت کہتے ہیں جب میوہ یا زراعت پختہ ہو جاتی ہے اور نیز جب کوئی شخص حس یا عقل کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت کو تمام وکمال معلوم کر لیتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس نے فلاں چیز کا ادراک کر لیا۔ اور رویت معنی

ابصار اور ادراک کے معنی

دیکھنے کے ہیں۔ نہ ادراک کے اور ذاتِ خدا اس سے منزّہ ہے کہ اُس کی غایت ہو یا بصارتیں اُس کی حقیقت معلوم کرسکیں ۔

اور اگر ادراک کے معنی رویت کے بھی لئے جائیں تو اس معنی پر حمل کرنا چاہیئے کہ دنیا میں بصارت اس کو نہیں دیکھ سکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آنکھ کو یہ قوت نہیں دی ہے۔ یہ معنی جو ہم نے کئے ہیں اِس سے اس آیت اور وُجُوہٌ یَوْمَئِذٍ الخ والی آیت میں جمع اور مطابقت ہوجاتی ہے۔ اور آیات باہم مخالف نہیں ہوتیں۔ اگر کہا جاوے کہ خود ایسی آیت کی ایسی ہی تاویل کیوں نہیں کرتے تاکہ موافق اُس کے ہوجاوے۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہم بیان کرچکے ہیں وُجُوہٌ یَوْمَئِذٍ والی آیت کی تاویل تمہارے قول کے موافق نہیں ہوسکتی۔ اور جب ایسی دو آیتیں جمع ہوں تو اس کی تاویل ظاہر نص کے مطابق ہی کرنا چاہیئے۔ اگر قرآن میں رویت پر دلالت کرنے والی آیت نہ ہوتی جب بھی لا تدرکہ الابصار کے معنے وہی کرنا درست تھا جو ہم نے بیان کئے۔ اس رویت کے اثبات میں اکثر احادیث وارد ہیں جن کو صحابہ رضوان اللہ علیہم کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے۔ اس باب میں سترہ اصحاب کی روایت سے میں نے احادیث پائی ہیں۔ چنانچہ اُن کے اسامی یہ ہیں۔ صہیب بن سنان۔ حذیفہ بن الیمان۔ عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن عباس۔ ابوموسیٰ الاشعری۔ ابوبرزۃ الاسالمی۔ ابوہریرہ الاوسطی۔ زید بن ثابت الانصاری۔ ابوذر بن العقیلی۔ ابوامامۃ الباہلی۔ انس بن مالک۔ جابر بن عبداللہ انصاری۔ ابوسعید الخدری۔ عدی بن حاتم الطائی جریر بن عبداللہ البجلی۔ عدی ابن الطا۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور قرن اول کا اجماع اس پر منعقد ہوگیا ہے کہ آخرت میں رویت باری تعالیٰ عامۂ مومنین کے لئے جائز ہے۔ اور وجوب قول پر انہیں کے اجماع کو اعتبار ہے۔ پھر جس جگہ کتاب و سنت اور اجماع امت پایا جاوے۔ تو وہاں کسی مسلمان کو شبہ نہیں رہتا ۔

اب دنیا میں رویت باری تعالیٰ کا بیان سنئے کہ علمائے کرام کا اس میں

خلاف نہیں کہ خدا کا دیکھنا دنیا میں نہ ہوگا۔ اس کی موئد حدیث ابو امامتہ الباہلی ہے۔ وہ حدیث دجال میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دجال کہتا ہے میں تمہارا پروردگار ہوں حالانکہ خدا کو کوئی زندگی دنیا میں نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں مرے پیچھے اُس کا دیکھنا ممکن ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں انہ لن یریٰ احد کم ربہ حتیٰ یموت اور معقول ہے۔ یہ مسئلہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے نقل کرتی ہیں اَلْمَوْتُ قَبْلَ لِقَاءَ اللہ یعنی موت دیدار خدا کے قبل واقع ہوتی ہے۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ مسلم نے ان کو اپنے جامع صحیح میں نقل کیا ہے۔

اور اس میں کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے معراج کی رات میں خدا کو دیکھا یا نہیں۔ علماء کا اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں دو مرتبہ دل سے دیکھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر تشدد کرتی ہیں۔ اور فرماتی ہیں کہ جو شخص شب معراج میں حضرت رسول خدا کے باری تعالیٰ کو دیکھنے کا قائل ہے۔ وہ خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔ غرض شب معراج کی رویت کے باب میں کوئی نقل قابل اعتماد ثابت نہیں ہر شخص اپنی فہم اور معلومات کے مطابق کہتا ہے۔ جو کتاب حدیث سے انہوں نے سمجھا ہے۔

مسئلہ معراج کی اختلاف کہ آنحضرت نے خدا کو دیکھا

اثبات رویت کے قائل بھی اس وجہ سے رویت کو ثابت کرتے ہیں کہ وہ ہمارے پیغامبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے لئے خاص ہے۔ اور کہتے ہیں کہ آنحضرت کے سوا دوسرے کا رتبہ نہیں ہے۔ اور آپ نے بھی دیکھا ہے۔ تو دار الفناء میں نہیں دیکھا بلکہ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تھے۔ اور بہشت میں گئے گئے تھے۔ وہاں ان کو دیدار الٰہی ہوا ہے۔ پھر جو لوگ رویت کی نفی کرتے ہیں تو اُن کی غرض اس سے نفی فضیلت آنحضرتؐ نہیں ہے۔ بلکہ اُن کا انکار صرف اس وجہ سے ہے کہ اس باب میں کوئی نقل قابل اعتماد اُن تک نہیں پہنچی۔ اور اس میں بے یقین غیر معتبر بات کہنا درست نہیں سمجھتے۔

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ؀

میرا رجحان خاطر اس مسئلہ میں اثبات کی طرف ہے۔ اس لئے کہ جب دو صحابہؓ سے اثبات و نفی پائی جائے تو نفی پر اثبات مقدم ہوتا ہے۔ ہاں منکر رویت کی تضلیل ہمیں پسند نہیں کہ اس سے صحابی کی تضلیل لازم آتی ہے۔ جو بالکل غیر جائز ہے۔ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔ اگر نفی رویت کا قائل اس وجہ سے انکار کرتا ہے کہ رویت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بھی ممکن نہیں۔ جیسے معتزلہ کا خیال ہے تو ہم اس کو باطل جانتے ہیں ؀

ہم نے اکثر مقامات میں بہت سے مسلمانوں کو اس مسئلہ میں اس قدر غلو کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ منکر رویت کو کافر کہتے ہیں۔ یہ بلائے عظیم ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہؓ نے توقف کیا یہ نادان اس میں بلاف و گزاف سخن کرتے اور بڑ مارتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ منکرین اور مثبتین میں سے کسی پر طعن کرنا درست نہیں۔ کیونکہ دونوں صحابی کی اقتدا کرتے ہیں۔ اس باب میں توقف اولی ہے ہرگز غلو نہ کرنا چاہیئے۔ ہاں یہ اعتقاد رکھنا نزدیک بہ احتیاط ہے کہ آنحضرتؐ کا بہ تخصیص یہ مرتبہ ہوگا۔ غیر رسول کے حق میں کبھی اس کا قائل نہ ہونا چاہیئے۔

ابو امامہ باہلی اور حضرت عائشہ دونوں کی احادیث درست ہیں ؀

ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کو باوجود ان کے ایسے بڑے مرتبہ کے دیدار سے ممانعت ہوئی۔ تو سوا آنحضرتؐ کے دوسرے کے حق میں کب روا ہو سکتا ہے اور ہر زمانہ کے لئے علما کا اجماع ہے کہ جو شخص اپنے یا کسی دوسرے کے لئے یہ دعویٰ کرے کہ وہ دنیا میں اپنی ان آنکھوں سے خدا کو دیکھتا ہے وہ گمراہ اور مبتدع ہے۔ اس قسم کا دعوی کرنا دو حال سے خالی نہیں یا تو شیطان نے اس کی صورت کج اور خیال باطل دکھلایا ہے کہ اس نے حسن الظن اور جہل باصول دین کے سبب اپنے حق میں اس کو قبول کیا ہے۔ اور گمراہ ہو گیا ہے یا وہ جھوٹا کذاب ہے کہ خدا پر افترا باندھتا ہے۔ خاب و خسر۔ عصمنا اللہ من البدع والضلال واللہ الموفق لاتباع الحق ؀

اس مسئلہ میں اکثر مسلمانوں کا غلو ٹھیک نہیں

نویں فصل

قضا و قدر پر ایمان لانے اور ارادہ و مشیت کے بیان میں

اہل حق کا مذہب ہے کہ جو کچھ بندے کرتے اور اُن پر گذرتا ہے۔ خواہ نیک ہو یا بد، سود ہو یا زیان، کفر ہو یا ایمان، طاعت ہو یا عصیان، حرکات ہوں یا سکنات، حتیٰ کہ سانس جو اندر جاتا اور باہر آتا ہے۔ یہ سب خدا کی تدبیر و تقدیر سے ہے۔ اور وہی اُس کا خالق ہے۔ اس کے سوا دوسرا خالق ہونا ممکن نہیں کہ اس صورت میں شرک لازم آتا ہے۔ اور خدا کی ذات اس سے منزّہ ہے کہ اس کی خالقیت میں کوئی اُس کا شریک ہو اور وہ اکیلا کرنے سے عاجز ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْہِمْ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَہَّارُ۔ اس آیت کے قبل خدا تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا ہے کہ مشرکین سے کہدو کہ زمین و آسمانوں کا پیدا کرنے والا کون ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہوتا ہے کہ جو لوگ زمین و آسمان میں بستے ہیں۔ وہ زمین و آسمان کے خالق کیونکر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ زمین و آسمان کا وجود اُن کے وجود سے پہلے تھا۔ زمین و آسمان کی پیدائش اور اُس میں آثار صنع الٰہی اور اُن کے حالات میں اختلافات یہ سب ان کی مخلوقیت کی دلیلیں ہیں پھر ان کا خالق کون ہے قُلِ اللّٰہُ اے رسول کہدو کہ ان کا خالق خدا ہے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ جب زمین و آسمان کا خالق خدائے واحد و قہار ہے۔ تو جو چیزیں ان میں ہیں۔ ان کا خالق بھی بالضرور خدا ہی ہے۔ تم نے اس کے سوا معاون اور خداوند اختیار کئے ہیں۔ جن کو اپنے سود و زیان پر اختیار نہیں۔ اے رسول کہدو کیا نور و ظلمت بینا و نابینا برابر ہوتے ہیں۔ یعنی تم نے اپنے اندھے پن سے راہِ ضلالت اختیار کی ہے

یہ نہیں سمجھتے کہ نور و ظلمت باہم یکساں نہیں ہوتے۔ہم نے اپنے خالق کو پہچان لیا ہے۔اور راہ تاریک کو چھوڑ کر نور یقین کو حاصل کر لیا ہے ٭

اور اس میں دوسرا اشارہ ہے کہ ہماری خود بھی یہ غرض ہے کہ باوجودیکہ تمام چیزیں آفریدہ ہیں۔تاہم وہ یکساں نہیں۔اور اگر کوئی کہے کہ یکساں ہیں تو لوگ اس کو ناداں و بے خرد کہیں گے۔پھر یہ کیونکر جائز رکھتے ہو کہ آفریدہ کو ساتھ آفریدگار کے برابر کرتے ہو یا خدا کے ساتھ کسی کے شریک کا حکم کس طرح کرتے ہو۔اور کہتے ہو کہ آفریدہائے خلق اور آفریدہائے خالق برابر ہیں پس ان پر یہ امر پوشیدہ ہے کہ خدا کے اور خلق کے آفریدہ میں فرق کریں اور اشارہ ہے اس طرف کہ عبادت بہ شرکت اس حالت میں جائز تھی جب آفرینش میں کوئی خدا کا شریک ہوتا۔پس اے محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کہہ دو کہ تمام چیزوں کا خالق خدائے واحد ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں۔اور شرکت سے تعدد لازم آتا ہے۔یعنی کہتے ہیں دو شریک ہیں۔اس وقت معنے وحدانیت کے باطل ہو جاتے ہیں۔پس وہ اپنی یگانگی میں اس صفت ند سے متعالی ہے وَھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ اور وہ قہار ہے تدبیر خلق میں جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔اور جب مخلوقات پر ایسی دشواریاں واقع ہوتی ہیں جس میں وہ عاجز ہو جاتے ہیں۔مثلاً بیماری۔تنگی۔درویشی۔اندوہ اور مرگ وغیرہ تو کسی سے اُن کا دفع کرنا ممکن نہیں۔اور اگر وہ نہ چاہے تو کوئی اُس کی تدبیر و تقدیر کو رفع نہیں کر سکتا۔اس سے بھی ثابت ہوا کہ وہ قہار ہے کہ اس کا قہر سب پر ہے کوئی بھی اس کے قہر کو رفع نہیں کر سکتا۔لیکن جب تمہارا یہ خیال ہو کہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے۔تو اس صورت میں وہ قہار ہو گا نہ مقہور اور وہ خالقیت میں خدا کا شریک سمجھا جائے گا تعالی اللہ عن ذالک اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یعنی خدا کے سوائے کیا کوئی دوسرا بھی خالق ہے اور فرماتا ہے اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔اور اس کی خالقیت سے کوئی خارج نہیں کیونکہ کل شیئ ایسا لفظ ہے جو تمام چیزوں کو شامل ہے

اس کو بعض چیزوں کے لئے خاص نہیں کر سکتے۔ خاص کرنے کے لئے کوئی دلیل ہوتی ہے۔ اور یہاں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ پھر جب سب چیزوں کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے۔ تو سب چیزیں اس کی ارادت کے ماتحت ہوئیں اس لئے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ کسی ایسی چیز کو پیدا کرے جو اس کے ارادہ و اختیار میں نہ ہو کہ یہ ایک قسم کا عجز ہے۔ اور خدا اس سے منزہ ہے۔

قرآنی دلیلیں

اس مسئلہ پر قرآن و حدیث کے اتنے دلائل موجود ہیں۔ جن کا شمار مشکل ہے۔ قرآن شریف کی تو یہ آیت کافی ہے۔ وَمَا تَشَاۤءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَاۤءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی تم کسی چیز کو نہیں چاہتے ہو مگر تمہاری خواہش کے پہلے وہ چیز مشیت ایزدی میں موجود ہوتی ہے۔ اور یہ آیت وَلَوْ شَاۤءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اگر تیرا پروردگار چاہے تو زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آئیں۔ قدریہ[1] اس آیت کی یہ تاویل

[1] قدریہ چونکہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اس آیت کی اس طرح تاویل کی کہ اگر خدا کی مشیت انسان کو ایمان لانے پر مجبور کرے گی۔ تو ایمان اضطراری ہوگا۔ حالانکہ ایسا ایمان لانا مقبول نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ انسان اپنے اختیار سے ایمان لاتا اور اپنے اختیار سے ہی کفر کرتا ہے اُن کی اس تاویل سے انسان کا فاعل باختیار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اہل حق بھی انسان کو فاعل باختیار مانتے ہیں۔ مگر قدریہ کی طرح نہیں۔ کہ انسان کے کفر و ایمان میں مشیت الٰہی کو کوئی دخل ہی نہ ہو۔ بلکہ اہل حق کا مذہب ہے کہ انسان مشیت ایزدی کے ماتحت کسب خیر و شر کرتا ہے۔ وہ اس اعتبار سے کہ اس نے برائی بھلائی کو کسب کیا فاعل باختیار ہے اور اس اعتبار سے کہ انسان سے جو کچھ برائی بھلائی ہوتی ہے۔ وہ مشیت الٰہی کے ماتحت اور اس کے موافق ہوتی ہے انسان مجبور ہے تو گویا وہ ایک طرح سے مختار اور دوسری طرح سے مجبور ہوا اور اسی جبر و اختیار کے درمیان انسان کا ایمان ہے۔ مشیت اور چیز ہے۔ اور مرضی دوسری چیز۔ نیکی و بدی کا ظہور مشیت الٰہی سے متعلق ہے لیکن نیکی سے وہ خوش ہوتا ہے اور یہ فعل اس کی مرضی کے موافق ہے اور بدی سے ناخوش ہوتا ہے لیکن یہ فعل اس کی مشیت سے خارج نہیں کہ اس صورت میں انسان خود ایک علیحدہ ایسی ذات سمجھی جائیگی جو خدا کی حکومت سے کوئی تعلق نہ رکھتی ہو۔ اور یہ ممکن نہیں کہ مخلوق خالق ہو جائے۔ خود اس آیت ولو شاء ربك الخ پر غور کرو۔ دونوں ہی باتیں اس سے متحقق ہوتی ہیں۔ یعنی انسان کا مشیت الٰہی کے ماتحت ہونا جو کلمہ ولو شاء سے مفہوم ہوا۔ اور نیز اس کا خدا کی مشیت کے ماتحت رہ کر اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶)

کرتے ہیں کہ اگر خدا کی مشیت انکو ایمان لانے پر مضطرب کرتی تو اُن کا ایمان اضطراری ہوتا۔ اور یہ تاویل فاسد ہے کیونکہ ایمان اضطراری کو ایمان نہیں کہا جاتا۔ ایمان وہی ہے جو اختیار سے ہو ۔

تیسری یہ آیت وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلُوْا یعنی خدا چاہتا تو قتال نہ کرتے۔ چوتھی یہ آیت وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰىھَا اگر ہم چاہیں تو ہر ایک نفس کو ہدایت کر ڈالیں۔ پانچویں یہ آیت اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ بہ تحقیق تو ہدایت نہیں کر سکتا جس کو دوست رکھتا ہے۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ چھٹی یہ آیت فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ اللہ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اُس کا سینہ اِسلام کے لیئے کھول دیتا ہے ۔

اور یہ آیت وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی اور اگر خدا چاہے تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دے۔ اور یہ آیت وَمَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّضِلٍّ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ اور خدا جس کو ہدایت کرے۔ اس کو کوئی گمراہ نہیں کرتا۔ اور خدا جس کو گمراہ کرے۔ اس کو کوئی ہدایت نہیں کرتا۔ اور یہ آیت وَاِنْ تُصِبْھُمْ حَسَنَۃٌ یَّقُوْلُوْا ھٰذِہٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَۃٌ یَّقُوْلُوْا ھٰذِہٖ مِنْ عِنْدِکَ یعنی اگر ان کو راحت وغنیمت پہنچتی ہے۔ تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے۔ اور اگر ان کو رنج و ہزیمت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں تیری طرف سے ہے۔ قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ اے محمدؐ کہدو سب اللہ کی طرف سے ہے یعنی سب کا خالق وہی ہے۔ اور سب خدا کی تدبیر و تقدیر سے ہے ۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵) فعل کا مختار ہونا جو فعل امن سے سمجھا گیا یعنی اگر مشیئت آلہی ہیں ہوتا۔ تو زمین کے تمام رہنے والے ایمان لے آتے۔ لیکن اس کی مشیت نے ایسا نہ چاہا۔ بلکہ لوگوں کا ایمان لانا ان کے اختیار پر رکھا۔ جو ان کو خدا کی طرف سے حاصل ہے ۱۲ منہ

قدریہ اس کے بعد کی ایک دوسری آیت پیش کرکے کہتے ہیں کہ شر خدا کی تقدیر سے نہیں ہے۔ وہ آیت یہ ہے کہ اے بندہ اگر کوئی خوشی وشادی کی بات تجھے حاصل ہو تو اس کو خدا کی طرف سے جان کر اس کے شکر میں رطب اللسان ہو۔ اور اگر بدی اور رنج کی بات تجھے پہنچے تو اس کو اپنے نفس کی خرابی سے جان یعنی تیرے نفس نے جو گناہ کسب کیا ہے۔ اس کے سبب تو ان مصیبتوں کا مستوجب ہوا ہے۔ اور یہ بات مثل اس آیت کے ہے۔ مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ اس آیت کی تاویل قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ والی آیت سے موافق ہونے کے لئے اس طرح کرنا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رد کیا کہ راحت وغنیمت خدا کی طرف سے اور رنج وہزیمت بھی خدا کی طرف سے ہے نہ رسول کی طرف سے تو معلوم ہوا کہ اس آیت سے وہی مراد ہے۔ جو ہم نے بیان کیا۔ یعنی نیکی کو خدا کی طرف سے اور بدی کو بہ لحاظ بندگی اپنی شامت اعمال کے سبب سمجھتے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے پہلے صحت ایمان کی شرط کو بیان کر دیا یعنی یہ کہ خدا کے سوا کسی کو خالق اور مقدر یقین نہ کرے۔ پھر اس امر کو بیان کیا کہ برائی کو شامت اعمال کے سبب سمجھے کہ یہ بات آداب بندگی سے ہے +

اور یہ جو فرمایا قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اس سے جبریہ کے مذہب کا شبہ نکلتا ہے جن کا اعتقاد ہے کہ بندہ کا کچھ اختیار نہیں۔ خدا جو کچھ کرتا ہے اپنے قہر وجبر سے بندہ کو اس پر مجبور رکھتا ہے۔ اور یہ مذہب باطل ہے۔ دوسری آیت میں جو فرمایا کہ بدی کا پہنچنا تمہاری شامت اعمال سے ہے یہ آداب بندگی سے ہے +

قدریہ کے قول سے تعجب ہے کہ باوجودیکہ نیکی وبدی سب کو انسانی اختیار کے ماتحت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان ہی اپنے افعال نیک وبد کا خالق ہے۔ پھر جو تاویل وہ اس آیت کی کرتے ہیں مَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ اس سے لازم آتا ہے کہ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ

فَمِنَ اللّٰہِ یعنی افعال نیک کا خالق خدا ہو۔ حالانکہ اُن کا یہ عقیدہ نہیں
پس یہی آیت ہماری طرف سے اُن پر حجت ہے۔ علاوہ اس کے قرآن شریف
میں اس کے متعلق اور بھی دلائل ہیں۔ لیکن بخیال اختصار ہم نے اسی پر
اکتفا کیا۔ اسی طرح اس باب میں احادیث بھی بہت ہیں۔ جن کا گننا متعذر
ہے۔ ہم ان میں سے چند حدیثیں نقل کرتے ہیں ؛

حدیث جبرئیل میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ جبرئیلؑ نے جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے سوال کیا ایمان کیا ہے
آپ نے فرمایا کہ خدا پر اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں پر اور
موت کے بعد جی اُٹھنے پر بیقین و اعتقاد لانا اور اس بات پر ایمان لانا کہ
کہ خیر و شر خدا کی تقدیر سے ہے حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ ان تومن با
لقدر خیرہٖ و شرہٖ اور قدر نام ہے ان چیزوں کا کہ قادر سے صادر
ہوں۔ اور مقدر کے معنے اندازہ کیا گیا۔ کہ وہ چیز کیا ہے۔ کس طرح ہے
کب ہو گی اور کہاں ہو گی۔ قدریہ کہتے ہیں کہ قدر تمہارا نام ہے کہ اثبات
قدر کرتے ہو۔ جواب یہ ہے کہ ہم قدر کا اثبات خدا کے حق میں کرتے ہیں۔
اور تم اپنے حق میں کرتے ہو۔ اس سبب ہم نے قدریہ تمہارا نام کیا ہے۔
آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ قدریہ اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر بیمار ہوں تو ان کی
عیادت کو نہ جاؤ۔ اور اگر مر جاویں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔ اور اگر عورت
چاہیں تو ان کے نکاح میں عورت کو نہ دو ؛

قدریوں کی نسبت مجوس کے ساتھ

مجوسیوں کے ساتھ ان کی نسبت اس لئے کی گئی کہ مجوسی دو گروہ ہیں
ایک گروہ کہتا ہے کہ نیکی کا خالق نور ہے۔ اور بدی کا خالق ظلمت
ہے ؛

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نیکی کو یزداں پیدا کرتا ہے۔ اور بدی کو
اہرمن یعنی ابلیس ملعون۔ تو اس مناسبت سے ان کا قول مجوس
کے قول کے موافق ہے کیونکہ یہ بھی مثل مجوس کے افعال بد کا خالق
بندہ کو کہتے ہیں۔ اور جس طرح مجوس خدا کا شریک مانتے ہیں۔ یہ

بھی مانتے ہیں ✦

جناب علی رضی اللہ عنہ نے بھی جناب رسول خدا سے اسی طرح روایت کی ہے کہ قدر خیر و شر خدا کی طرف سے ہے۔ اور ایک شخص نے جناب علیؓ سے دریافت کیا کہ خدا نے معاصی کو چاہا۔ آپ نے فرمایا تو کیا اس پر قہر کے ساتھ غلبہ کیا گیا۔ اس جواب کا اشارہ اس طرف ہے کہ وہ شخص جس کی سلطانی میں ایسی چیز ہو۔ جس کو وہ نہ چاہے۔ تو یہ عجز ہے۔ اور عجز خدا کا محال ہے ✦

اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حدیث دعائے وتر میں جناب رسولؐ خدا سے روایت کرتے ہیں کہ وَقِنا شر ما قضیت اس سے ظاہر ہوا کہ شر کی اضافت قضائے الٰہی کی طرف روا ہے۔ اور اس باب میں بہت حدیثیں ہیں۔ بروایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ و بروایت ام سلمہؓ اور فقہائے صحابہؓ سے بروایت عبداللہ بن مسعود۔ ابی بن کعبؓ وعبداللہ بن عمرؓ وعبداللہ ابن عباسؓ وزید بن ثابتؓ

لہ تعجب ہے کہ قدریہ کبھی تو تمام افعال کا خواہ نیک ہوں یا بد بندہ ہی کو خالق کہتے ہیں۔ اور کبھی نیکی کا خالق خدا کو اور بدی کا خالق بندہ کو کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں دونوں قسم کی آیات آئی ہیں۔ ایک قسم کی وہ آیات جو اوپر مذکور ہوئیں۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت و ضلالت اور نیکی و بدی اور شرک و ایمان اور تمام خیر و شر خدا ہی کی طرف سے ہے۔ دوسری قسم کی وہ آیتیں جن سے آدمی کا با اختیار ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ان تکفروا انتم ومن فی الارض جمیعا فان اللہ لغنی حمید یعنی اگر تم اور زمین کے سب لوگ۔ خدا کی ناشکری کرو تو خدا کو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ کیونکہ وہ بے نیاز اور سزاوار حمد و ثنا ہے۔ اور جیسے ونفس وما سوّٰھا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا۔ اور انسان کی اور اس کی ذات کی قسم جس نے اس کو ایسا درست بنایا۔ پھر اس کی بدکاری و پرہیزگاری دونوں باتیں اس کو سوجھا دیں۔ اور جیسے انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرًا و اما کفورًا بیشک ہم نے انسان کو دین کا رستہ دکھایا۔ پھر ان میں سے یا تو شکر گذار ہو گیا یعنی مسلمان اور یا ناشکر گذار ہوا۔ یعنی کافر ان دونوں قسم کی آیتوں پر غور کرنے سے وہ ان کو باہم ملانے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسان فاعل با اختیار ہے۔ مگر کچھ مجبور بھی ہے۔ وہ انسان اللہ کی مشیئت کے ماتحت ہے۔ وہ ارادہ کا اختیار رکھتا ہے۔ لیکن ارادہ کا نافذ کرنا اس کے بس کی بات نہیں ۱۲ منہ اللھم اغفر لکاتبہ ولاستاذ کاتبہ ولوالدیہ ۱۲ منہ

اور فضلائے صحابہ رضی سے بروایت حذیفہ یمانی و عمران بن حصین و عبادہ بن صامت
اور عدول صحابہ رض سے بروایت جابر بن عبداللہ و ابوہریرہ و انس بن مالک و ابو
سعید خدری و رافع خدیج و حذیفہ اسید و نواس بن سمعان و غیر ایشان رضی اللہ
عنہم جن سے کتب حدیث معمور اور بھری ہوئی ہیں۔ غرضکہ ان مسائل سے جن میں
بدعتی فرقوں نے اہل سنت کی مخالفت کی ہے کسی ایک مسئلہ کی تائید میں
ایسی واضح اور روشن دلائل اس کثرت سے نہیں جس کثرت سے اس مسئلہ
کے متعلق قرآن و حدیث میں دلائل موجود ہیں۔ یہ لوگ بعض دلائل کو تاویل میں
شبہات واہیہ پیدا کرتے ہیں +

قدریہ کے ایک شبہ کا جواب

ان کا ایک شبہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اگر خالق افعال عباد خدا کو مانا
جائے تو کسب باطل ہوا جاتا ہے۔ اور بندہ اپنے فعال میں مضطر سمجھا جائیگا۔ پھر مضطر
سے جو خطا سرزد ہو۔ اس پر عقوبت روا نہیں۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ کسب کو
باطل کرنا جبریہ کا مذہب ہے جو کہتے ہیں کہ طاعت و عصیاں جو کچھ کرتے ہیں۔ اس میں
ہمارا کچھ اختیار نہیں۔ ہم مثل دروازہ کے ہیں کہ اگر بند کر دیا جاوے تو بند
ہو جاتا اور اگر کھول دیا جائے۔ تو کھل جاتا ہے۔ ان کا یہ دعویٰ مایہ جہل و عناد ہے
اللہ تعالےٰ نے دین کے باب میں بندوں کو بعض چیزوں کا حکم فرمایا۔ اور
بعض سے نہی کیا ہے۔ پھر جس کو کوئی اختیار نہیں۔ اس کو بعض کا حکم اور
بعض سے نہی ایک امر لغو ہے۔ اور خدا تعالیٰ لغو سے منزہ ہے۔ اور مابین حرکت
اختیاری اور حرکت اضطراری کے فرق ظاہر ہے۔ وہ شخص جس کو تپ لرزہ ہو یا عث
رعشہ اس کی حرکت اضطراری ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ جو نہیں چاہتا۔ وہ ہوتا ہے۔ اور بے خلاف
آفریدہ خدا ہے۔ پس وہ حرکت اختیاری بھی آفریدہ خدا ہے۔ اس واسطے کہ اضطراری و
اختیاری دونوں ایسی حرکتیں ہیں۔ جن کو خدا نے جسم محدث میں پیدا کیا ہے۔ فرق یہ ہے
کہ حرکت کو پیدا کر کے اسے اختیار دے دیا کہ چاہے کرے۔ چاہے جاری رکھے۔ اور دوسری
حرکت کو پیدا کر کے اسے بے اختیار کر دیا ہے یعنی وہ اگر رکنا چاہے تو رک نہیں سکتی +
قدریہ کہتے ہیں کہ ایسا کہنا درست نہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق
خدا ہے اور کاسب بندہ کیونکہ ایک فعل کی اضافت دو فاعل کی طرف روا نہیں

ہم کہتے ہیں کہ ایک چیز کی اضافت دو فاعل کی طرف دو مختلف معنوں میں روا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کبھی متوفی کی اضافت اپنی جانب کرتا ہے اس لحاظ سے کہ موت و حیات کا خالق وہی ہے۔ اور فرشتوں کی طرف بھی کرتا ہے اس واسطے کہ وہ قابض ارواح خلائق ہیں۔ اور اس لحاظ سے خدا کی جانب اور نیز بندوں کی جانب افعال کے خالق ہونے کی اضافت کرنا درست ہے اسی طرح ہم افعال عباد کی نسبت خالق کی طرف بھی کرتے ہیں۔ اور بندوں کی طرف بھی کہ وہی اس کے کاسب ہیں ✦

اور ہم جو کہتے ہیں کہ ہر چیز اس کی قضا و قدر سے ہے ہمارا یہ قول بروجہ اکراہ و جبار نہیں ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے پیدا کرنے سے پہلے جان لیا تھا کہ وہ کیا کریں گے۔ پس اُس نے اپنے علم کے موافق اُن کے افعال کا حکم کیا۔ پھر جب پیدا ہو گئے تو بندوں کو یہ اختیار نہیں کہ اُس کے علم و حکم کے خلاف کریں ✦

قرآن شریف میں قضا کے تین معنے ہیں۔ اول بمعنے امر چنانچہ وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ یعنی خدا نے امر کیا ہے کہ اُس کے سوا دُوسرے کی پرستش نہ کرو۔ دوم بمعنی خلق چنانچہ وَ قَضٰی مِنْ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ یعنی سات آسمانوں کو دو روز میں پیدا کیا۔ سوم بمعنے آگاہ کرنا۔ اور ڈرانا۔ چنانچہ وَ قَضَیْنَاۤ اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ ط یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو آگاہ کر دیا۔ جو کچھ ان پر عذاب ہو گا۔ اور جو کچھ اُن سے فساد ظاہر ہو گا۔ لہٰذا ان تینوں معنوں کے لحاظ سے طاعت خدا تعالیٰ کی قضا سے ہے۔ طاعت اسی کی آفریدہ ہے۔ اسی کا حکم ہے۔ اور اُسی کا اعلام ہے ✦

اور معاصی میں قضاء خدا تعالیٰ اس کا امر نہیں ہے۔ ہاں عصیاں اُس کی آفریدہ اور اس کی تقدیر و علم سے ہے۔ رضا خدا تعالیٰ کی اُس کے امر سے متعلق ہے۔ اور ارادت اُس کے خلق و پیدائش سے تعلق رکھتی ہے یعنی اس نے جو کچھ فرمایا ہے بہ اس کی رضا سے ہے۔ اور جو کچھ پیدا کیا۔ اور لکھ

قضا کے معنے

دیا کہ ایسا ہوگا۔ یہ اس کی ارادت سے ہے۔ یہی فرق ہے درمیان رضا و ارادت کے۔ پس ہم معاصی کو اس کی ارادت سے کہتے ہیں، نہ اس وجہ سے کہ بندہ پر جبر کرے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ بندہ اُس میں اختیار رکھتا ہے۔ اور افعال کے پیدا کرنے پر اس کو بندہ کے اختیار پر چھوڑ دیتے ہیں اُس کی حکمت ہے، جس کو عقل نہیں دریافت کر سکتی ❊

مشیت کے بھی دو معنی ہیں ایک مشیت محبت جو طاعت و ایمان میں ہوتی ہے۔ دُوسری مشیت غیر محبت جو کفر و عصیاں میں ہوتی ہے ❊

قدریہ کے ایک اور شبہ کی تردید

اور قدریہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو بندوں کے افعال سے آگاہی ہے کہ وہ کیا کرے گا۔ اور وہ جو کچھ کریگا۔ وہ اُس کے ارادہ و مشیت سے ہے تو کسی ایسے کام کی نسبت جس کا کرنا اُس کی مشیت میں ہے۔ نہی فرمانا کیونکر ہو سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس نہی میں خدا کی حکمت ہے۔ اور ایک حجت اُن کے طریق پر یہ ہے کہ سب کے نزدیک ابلیس خدا کی مخلوق ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ تمام برائیوں اور شر کی اصل ابلیس ہے۔ پھر جو شبہ تم کو شر کے پیدا کرنے میں ہے وہی شریر ابلیس کے پیدا کرنے میں ہے۔ اور ہم کہتے ہیں اس بات کو تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ ابلیس کے پیدا کرنے سے پہلے خدا کو علم تھا کہ اس سے کیسے افعال صادر ہونگے۔ پھر جب اس کو پیدا کیا تو خدا قادر تھا اس پر کہ اُس کو نافرمانی سے باز رکھے۔ ہماری طرح تم بھی اس کے قائل ہو۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو ابلیس کے پیدا کرنے سے خرابیاں واقع ہونے اور اُس سے نافرمانی صادر ہونے کا علم تھا۔ تو ابلیس کو کیوں پیدا کیا۔ اور اگر پیدا کیا تو اُس کو نافرمانی کرنے میں آزاد کیوں چھوڑ دیا۔ اس سے صاف روشن ہے کہ شر خدا کی تقدیر سے ہے۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ❊

یہ فرقہ اس سبب سے غلطی میں پڑا ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کام کا قیاس اپنے کاموں پر کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے صفات کی تشبیہ اپنی صفات میں کرتا ہے

تقدیر سے کسی انسان کو خلاصی نہیں

اور گمان کرتا ہے کہ جس بات کی تہ کو اُن کی عقل نہیں پہنچ سکتی۔ وہ مستحیل ہے۔ یہ اس فرقہ کی بہت بڑی غلطی ہے۔ معلوم رہے کہ وحی و تنزیل الٰہی نے جس بات سے خبر دی۔ قرن اول نے اسے بیان کر دیا۔ اور جس بات میں بیان کی حاجت ہوئی۔ اس کو بیان بھی کر دیا۔ پس ہمیں اس کی متابعت لازم ہے۔ اگر اُس میں ایسا سر ہو۔ جس کی دریافت ہماری عقل سے بالاتر ہے۔ تو ہمیں چاہیئے کہ اس راز کو اپنے عجز کے حوالہ کریں۔ یعنی یہ سمجھیں کہ ہماری عقل اس کی دریافت سے عاجز ہے۔ اور جس جگہ شرع نے توقف کیا ہے۔ وہاں توقف کریں کتنے تعجب کی بات ہے کہ ہم سب اپنی عقل سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ اور اتنا نہیں سمجھتے کہ بہت سے ایسے اسرار غیب ہیں۔ جن کی حکمت معلوم کرنے سے ہماری عقل عاجز ہے۔ پھر اس پر یہ اعتقاد رکھیں کہ بندہ ہی اپنے افعال کا خالق ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ صنائع الٰہی جس طریق پر قائم اور موضوع ہیں۔ اگر تمام دنیا ال کر چاہے کہ اس میں کچھ تغیر و تبدال کر سکے۔ تو ممکن نہیں حتٰی کہ حرف میم کو جس کا تلفظ بدون وصل شفتین کے ممکن نہیں۔ اگر چاہیں کہ میم کے تلفظ میں دونوں لب نہ ملائیں۔ اور اُس کا صحیح تلفظ کر سکیں۔ تو محال ہے۔ اور جس طرح میم کے تلفظ حلق سے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر حرف حا کا تلفظ جس کا مخرج حلق ہے۔ لب سے دشوار ہے۔ پھر باوجود اس عجز ظاہر کے اپنے افعال کا خالق اپنے کو تصور کریں۔ نیک مرد وہ ہے جو یقین رکھتا ہے کہ کارخانہ قدرت الٰہی میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں۔ جن کی دریافت میں انسان عاجز ہے۔ پس سمجھ لو کہ فرمودہ خدا و رسول پر ایمان لاتا ہے +

اور مسئلہ قدر و بعث و وزن وغیرہ سب کو حق جانتا ہے۔ اور اُس کی خلاف ورزی کو عین ضلالت سمجھتا ہے ::

ایک دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ خدا کے یہاں پہلے سے لکھا جا چکا ہے۔ یا ہم لوگ بے تقدیر سابق کے از سر نو اس کو کرتے ہیں۔

قضا و قدر میں ایک حدیث

حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں یہ تو سب خدا کے یہاں لکھا جا چکا ہے۔ اور پہلے سے اُس کی تقدیر میں موجود ہے۔ عرض کیا۔ پھر ہم عمل کیوں کریں۔ ارشاد ہوُا۔ کہ اِعْمَلُوْا فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَہٗ یعنی تم عمل کئے جاؤ۔ ہر شخص کے لئے وہ کام آسان کیا گیا ہے۔ جس کے لئے وہ پیدا ہوُا ہے۔ اس سے حضورؐ کا یہ اشارہ تھا کہ تقدیر پر ایمان لاؤ۔ اور جانو کہ یہ حق ربوبیت سے ہے اِس کو ضائع کرنا درست نہیں۔ اور خدا کے احکام کو پُورا کرنا حق عبودیت سے ہے۔ ہر ایک کام کو اپنے محل و موقع پر پورا کرنا چاہیئے۔ اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ ہماری تدبیر میں علم خدا تعالےٰ سابق ہے۔ اس کے خلاف نہ ہوگا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تم عمل سے ہاتھ اٹھا لو۔ اور اپنے کو مکلّف نہ سمجھو۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

لہ عبداللہ ابن مسعود کی حدیث میں ہے کہ خلقت انسانی چالیس روز تک شکم مادر میں نطفہ کی صورت میں رہتی ہے۔ پھر چالیس روز تک علقہ اور پھر چالیس روز تک مضغہ رہتی ہے۔ اس کے بعد ایک فرشتہ چار باتیں لے کر آتا ہے۔ پس لکھتا ہے اس کے رزق کو اور اس کے عمل کو۔ اور اس کی اجل کو اور اُس کے شقی یا سعید ہونے کو۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ ایک شخص اہل جنت کے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اس میں اور جنت میں ایک ذراع فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پس اس وقت کتاب الٰہی اس پر سبقت کرتی ہے اور وہ اہل دوزخ کے سے عمل کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ دوزخ میں جا پڑتا ہے۔ اور ایک شخص اہل دوزخ کے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ذراع کی دُوری رہ جاتی ہے پس تقدیر الٰہی سبقت کرتی ہے اور وہ جنت کے سے عمل کرنے لگتا ہے پس جنت میں داخل ہوتا ہے۔

نیز آپنے فرمایا استقرار نطفہ کے چالیس روز یا پنتالیس روز بعد ایک فرشتہ داخل ہوتا ہے اور کہتا ہے الٰہی یہ شقی ہے یا سعید پھر جیسا حکم ہوتا ہے لکھتا ہے۔ پھر کہتا ہے یا رب مرد ہے یا عورت پھر حکم کے موافق یہ بھی لکھتا ہے۔ پھر اس کے عمل اور اجل کو لکھتا ہے۔ پھر اس تحریر کو لپیٹ دیا جاتا ہے کہ اس میں کوئی زیادتی اور کمی نہیں ہوتی۔ (معالم التنزیل)

لوگوں نے ابراہیم ادہم سے کہا کہ آپ ہمارے پاس کیوں نہیں بیٹھتے کہ ہم آپ سے کچھ ہدایت کی باتیں سُنیں۔ جواب دیا۔ مَیں چار چیزوں میں مشغول ہوں۔ اگر ان سے فراغت ہو تو تمہارے واسطے بیٹھوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ مجھے اس کی فکر ہے۔ جب خدا نے آدم اور اس کی ذریت سے میثاق لیا تھا۔ اور فرمایا تھا۔ ھٰؤُلَاۤءِ فِی الْجَنَّۃِ وَلَا اُبَالِیْ ھٰؤُلَاۤءِ فِی النَّارِ وَلَا اُبَالِیْ تو مجھے معلوم نہیں کہ میں کس فریق میں ہُوں۔ دوسرے میں اس فکر میں ہوں کہ جب ملک الموت میری روح (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۰۵)
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

دسویں فصل

کلمۂ شہادت کی شرح اور تنزیہہ فی التوحید کے بیان میں

جناب نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم فرماتے ہیں کہ ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں۔ اُن میں بلند تر شاخ یہ ہے کہ خدا کے معبود برحق ہونے پر گواہی دی جاوے۔ حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ الایمان بضع وسبعون شعبۃ اعلاھا شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ اس حدیث میں آنحضرت کی نبوّت کی شہادت کا مذکور نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اس کلمہ کے اہل خود جانتے ہیں کہ توحید کی شہادت اُسی وقت درست ہو سکتی ہے کہ اس کے ساتھ نبوت کی شہادت بھی شامل ہو۔

اور دُوسری حدیث میں وان محمداً رسول اللہ بھی وارد ہے جس سے یہ مسئلہ صاف ہوا جاتا ہے۔ پہلی فصل میں بیان ہو چکا ہے کہ جو شخص دل سے توحید و نبوت کا مصدق ہو اور زبان سے اس کا اقرار کرے وہ مومن ہے۔ اور تصدیق و اقرار یہ دو عمل ہیں۔ جو دو جارحہ مختلف یعنی دل و زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر جب دونوں عمل کو ایک ہی دفعہ ادا کرنا چاہیں۔ تو کلمہ شہادت ہی کے ذریعہ ادا ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ شہادت کے معنے ہیں اُس بات کو ظاہر کرنا جس کا علم اس کو حاصل ہو گیا ہے۔ اور گواہی دینا جب ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۴) قبض کرنے کو آئے گا۔ اور عرض کریگا الٰہی اسلام پر قبض کروں یا کفر پر۔ مجھے معلوم نہیں کہ خدا میرے متعلق کیا فرماتا ہے۔ تیسرے خدا کے اس قول کی مجھ کو فکر ہے کہ وامتازوا الیوم ایھا المجرمون۔ تو مجھے معلوم نہیں کہ میں کس فریق میں ہونگا۔ چوتھے خدا بچہ کو شکم مادر میں پیدا کرتا ہے۔ اور اس میں روح ڈالتا ہے۔ اس کا موکل فرشتہ عرض کرتا ہے یارب یہ مولود شقی ہے یا سعید تو مجھے یہ فکر ہے کہ خدا معلوم میں کس فریق میں ہوں ۱۲ (حاشیۂ ظاہر النزیل)

درست ہو سکتا ہے کہ جس چیز کی گواہی دیتا ہے۔ اس کا علم بھی اس کو حاصل ہو تو وہ اس طرح اپنے یقین کا اعتراف کرتا ہے۔ اور صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی واسطے لفظ شہادت کو ایمان کے لئے قائم کیا ہے تاکہ دل کی تصدیق اور زبان کا اعتراف ایک ہی لفظ میں ادا ہو جائے بندہ جب کہتا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کی وحدانیت کا دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنے والا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کو کلمہ شہادت کہتے ہیں ۔

اس کا نام کلمۂ توحید اور کلمۂ اخلاص بھی ہے۔ اس واسطے کہ کفر کی قسمیں بہت ہیں۔ بندہ اس کلمہ کے پڑھنے سے تمام انواع کفر سے پاک ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص اگر کہے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ تو محض ایسا کہنے سے اس کے ایمان کا حکم نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ان لَا خالق اِلَّا اللّٰہ کہنے سے اُسے مومن نہیں کہہ سکتے۔ مگر جب لَا اِلٰه اِلَّا اللّٰه کہے تو اس کو موحد کہیں گے لفظ الٰہ کے معنے معبود کے ہیں۔ اور درحقیقت معبود وہ ہے جو ہست و نیست کرنے والا۔ روزی پہنچانے والا اور پروردگار خداوند خالق ہے اور یہی معنے لفظ اللہ کے ہیں۔ مگر اللہ کا اطلاق غیر حق تعالیٰ پر روا نہیں۔ اور لفظ الٰہ بھی یہ معنے تو رکھتا ہے۔ لیکن مشرکان عرب کا قاعدہ تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودان باطل کے بھی معتقد تھے۔ تو لفظ الٰہ کو معبود باطل پر اطلاق کرتے تھے۔ اور اس کی جمع اٰلِهَة کرتے تھے۔ یہ ان کا زور و دروغ تھا۔ ورنہ حقیقت میں لفظ الٰہ کی نہ جمع ہے۔ اور نہ تثنیہ کیونکہ یہ نام خاص خدائے عز وجل کا ہے۔ اور دلالت کرتا ہے۔ ذات قدیم بے مانند پر کہ وہ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔ جو اسی کو زیبا ہے۔ اور صفات نقص سے اُس کی ذات منزہ ہے۔ پس لفظ الٰہ کا اطلاق کسی ذات پر سوائے ذات الٰہی کے نہیں کر سکتے کہ وہی موصوف بصفات مذکورہ ہے۔ اس کے سوا دوسرا ان صفات کا مستحق نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ نے قرآن مجید

کلمہ توحید کی وجہ تسمیہ

میں بھی اس معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حیث قال تعالیٰ شانہٗ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا۔ کیا خدا تعالیٰ کا کوئی ہم نام جانتے ہو۔ یعنی جب وہ اپنے وجود میں یکتا ہے تو روا ہے کہ اس کے نام کا کوئی مسمیٰ ہو۔ یہ ہے شرح کلمہ شہادت کی +

اب ہم تنزیہ فی التوحید کا بیان کرتے ہیں۔ معلوم رہے کہ کی بہت قسمیں ہیں۔ لیکن تمام اباطیل کا منشا پانچ چیزیں ہیں۔ تعطیل ۔ تشریک۔ تشبیہ۔ تعلیل اور تشریک فی التدبیر ان کی پوری شرح بیان کرنا چنداں ضروری نہیں۔ لہٰذا ہم اشارۃً بیان کئے دیتے ہیں۔ تاکہ توحید خالص ظاہر اور تنزیہ کی حقیقت صاف ہو جائے +

اصل تعطیل یہ ہے کہ اہل الحاد کی ایک خسیس ترین قوم اس بات کی قائل و معتقد ہے کہ عالم کا کوئی صانع نہیں۔ وہ قدیم سے ایسا ہی چلا آتا ہے اور ایسا ہی چلا جائے گا۔ اور محسوسات کے سوا کوئی دوسرا موجود نہیں ہے +

تشبیہ یہ ہے کہ کچھ لوگ خدا تعالیٰ کیلئے ایک شکل مقرر کرتے ہیں اور جوہر و اعراض جو اس کے مخلوق ہیں ان کی نسبت اس کے ساتھ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے شکل و مانند کے قائل ہیں۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک +

تشریک یہ ہے کہ ایک قوم خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسرے صانع کا اثبات کرتی ہے۔ اور دو فاعل کی معتقد ہے۔ ایک فاعل خیر اور دوسرا فاعل شر +

تعلیل یہ ہے کہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ چیزوں کی علت ہے اور اس عالم کا مادہ ہمیشہ سے موجود ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک +

تشریک فی التدبیر یہ ہے کہ ایک قوم اعتقاد رکھتی ہے کہ عالم کی تدبیر فرشتے کرتے ہیں۔ اور یہ قوم فرشتوں کی پرستش کرتی ہے۔ ایک دوسری قوم تدبیر عالم کی اضافت ستاروں کی اور طبائع کی طرف کرتی ہے + یہ پانچوں قسم کے عقائد کفر و الحاد ہیں۔ توحید میں تنزیہ کے یہ معنی ہیں کہ مومن ان تمام اباطیل سے اور نیز ان کی شاخوں سے تبرا و تنفر

کرے۔ اور یقین کرے کہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نفی واثبات ہے لا الٰہ نفی ہے
تمام اُن چیزوں کی جو خدا کے سوا ہیں یعنی کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں
کوئی اس کی مانند ومثل نہیں۔ کوئی اس کے سوا صانع اور مدبّر عالم نہیں۔
کوئی اُس کی شبیہ ونظیر نہیں۔ اور اِلَّا اللّٰہ اثبات ہے۔ خدا تعالیٰ کے لئے
اس کی تمام صفات کمالیہ اور یہ چند چیزوں کی مشتمل ہے۔ اثبات وجود
باری تعالیٰ اثبات وحدانیت اور اس بات کا اثبات کہ وہ اپنی ذات وصفات
میں یکتا ہے۔ اور جواہر واعراض پر جو باتیں روا ہیں وہ اس پر روا نہیں۔ اور اس
بات کا اثبات کہ اس کا وجود قدیم اور تمام موجودات سے پہلے ہے۔ وہ اپنے
وجود میں منفرد ہے۔ قدامت میں کوئی چیز اس کے ساتھ نہیں۔ اور اس بات کا
اثبات کہ تمام چیزوں کا مدبّر وہ منفرد ہی ہے۔ اور لفظ اللہ ان تمام مذکورہ
بالا معنوں کا مقتضی ہے۔ جو شخص کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کو اس وجہ اور اس معنے
کے لحاظ سے پڑھے۔ وہ تمام انواع کفر سے پاک ہو جاوے۔ اور خدا کی
وحدانیت کا اثبات ہو جاوے۔

ایمانیات کی تفصیل

لیکن چاہیے کہ اپنے تمام ایمانیات کی تفصیل میں خلاف نہ کرے۔ ہم
اس کو بھی پانچ قسموں میں بیان کرتے ہیں تاکہ پوری طور پر مفہوم ہو۔ خدا
کے تمام اسماء وصفات میں جن کو ہم بیان کر چکے ہیں کسی قسم کا شک وشبہ
لاوے۔ اور حقیقت معنے سے منحرف ہو کر ان کا حمل مجاز پر نہ کرے کہ یہ
ایک قسم تعطیل کی ہے۔ دوسرے یہ کہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق نہ کہے۔ اور
کفر ومعاصی سے نفی ارادت ومشیت حق کی نہ کرے کہ اس میں ایک طرح کی
تشریک ہے۔

تیسرے خدا کی صفات کو خلق کی صفات پر قیاس نہ کرے۔ اور
افعال حق کا موازنہ اپنے افعال کے ساتھ نہ کرے نہ اس کو کسی چیز کی مثل
کرے۔ اور اُس کا سوال عنہ لم کیف متیٰ این وغیرہ سے نہ کرے۔ یعنی یہ نہ کہے
کہ وہ کس طرح سے کتنا ہے۔ کہاں ہے وغیرہ۔ بلکہ اس کو بے چون وچگون
اور بے چند وچرا جانے۔ چون وچگون اور چند وچرا وغیرہ کا اس کی عالی

بارگاہ میں دخل نہیں۔اس کے خلاف اعتقاد نہ کرے کہ اس سے تشبیہ لازم آتی ہے ؞

چوتھے رُوح کو قدیم نہ کہے۔ اور اس امر میں کہ تمام چیزیں خدا کے سوا محدث ہیں۔ توقف نہ کرے کہ اس میں تعلیل کا شائبہ ہے۔ پانچویں منجموں کے احکام کا معتقد نہ ہو۔ اور قبول نہ کرے۔ اور نظام کائنات کو طبائع اور ستاروں اور فرشتوں پر حمل نہ کرے کہ اس سے تدبیر الٰہی میں تشریک مفہوم ہوتی ہے ؞

انسان جب ان باتوں کو خوب سمجھ کر اُس کے موافق ایمان لائے تو اُس سے حق توحید ادا ہو جائے۔ اس فقیر کو اُمید ہے کہ اگر کوئی شخص صرف اس ایک فصل کو جو شرح کلمہ شہادت میں بیان ہوئی۔ خوب سمجھ لے تو توحید کے متعلق کوئی ضروری بات پوشیدہ نہ رہے۔ اور اُس کے عقیدہ میں کوئی خلل پیدا نہ ہو۔ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ ؞

دوسرا باب

فرشتوں کتابوں اور پیغامبروں پر ایمان لانے کے بیان میں اور موت کے بعد احوال آخرت کی تفصیل میں

اس باب میں ہم نے کتاب و سنت کے موافق تمام بیان کیا ہے پہلے پیغامبروں پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا۔ اس لئے کہ فرشتوں کی معرفت اور کتب الٰہی کی شناخت بدون ان طریق کے ممکن نہیں۔ اور ہم جو اسماء و صفات الٰہی اور شرائع اور معاملات بعثت و نشور اور امور غیبی متعلق بہ آخرت سے واقف ہوئے۔ تو پیغامبروں کے ذریعے سے اسی واسطے اس کو مقدم کیا۔

پہلی فصل

لفظ نبوت کے معنی اور اس کے اثبات میں اور اس بیان میں کہ رسالت و نبوت میں کیا فرق ہے

نبوت اسم ہے مشتق نبا سے جس کے معنے خبر کے ہیں۔ اور یہاں اس سے مراد وہ خاص خبر ہے جو خدا کی طرف سے کوئی برگزیدہ بندہ جس کو خدا نے اس خبر کے لئے خاص کیا ہے۔ ذی عقل مخلوقات کی طرف لائے۔ یہ خبر جو رسول گرامی لاتا ہے۔ دین و دنیا کی صلاح، آخرت کی نجات، امر و نہی، پند و نصیحت، رہنمائی و ہدایت، بشارت و انذار، وعد و وعید وغیرہ کو شامل ہوتی ہے۔

اور نبی گرامی بندوں کو ان تمام باتوں سے واقف کرتا ہے۔ تو نبوت کے معنی اُن چیزوں کے پہچاننے اور اُس سے خبر دینے کے ہیں۔ اور نبی وہ شخص ہے جس کو خدا نے ان چیزوں کی خبر دی ہے[۱]۔

بعض علما کہتے ہیں کہ نبوّت کے معنے ارتفاع اور بلندی کے ہیں۔ تو وہ نبی ہے جس کا مرتبہ و محل دوسروں کی نسبت بلند ہو بہ سبب اُس علم کے جو خدا کی جانب سے اُس کو ملا ہے۔ اور وہ ایسا علم ہے جو کسب سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی یعنی معارف شرائع اور معرفت حقائق سے مطلع کیا۔ مگر اُس کو تبلیغ کا حکم نہ ہوا کہ مخلوق کو خدا کی طرف بلاوے اور اُس کے احکام امر و نہی وغیرہ بندوں کو پہنچاوے بلکہ اس کو نبوت محض اس کو شرف بزرگی بڑھانے کے لئے عطا فرمائی۔ اور اس لئے کہ وہ خود اس پر عمل کرے۔ تو ایسے محترم شخص کو نبی کہتے ہیں نہ رسول۔ اور جس کو خدا تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرما کر اس کو تبلیغ رسالت اور دعوت الی الحق کا بھی حکم فرمایا۔ وہ رسول ہے۔ پس نبی رسول نہیں ہوتا لیکن رسول نبی ہوتا ہے۔ اور اس کو نبی مرسل کہتے ہیں۔ (در منثور میں بروایت ابن منذر و ابن ابی حاتم مجاہد سے اسی طرح آیا ہے)۔

اب جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور اپنے احسانات کا شکر بذریعہ عبادت و طاعت ان پر واجب فرمایا۔ اور لوگ کیفیت ادائے شکر و عبادت پر واقف نہ تھے۔ تو پیغمبروں کے ذریعہ اُس کیفیت پر مطلع فرمایا۔ اور امر و نہی سے ان کو مکلّف کیا۔ اور نیکوئی عاقبت اور وخامت آخرت سے انہیں خبر دی۔ یعنی اگر نبی مرسل کے حکم کے مطابق نیک کام کریں تو ان کے لئے عاقبت میں صواب جزا ہے ورنہ عقاب و سزا اور حکمت بھی اسی کی مقتضی ہے۔ اگرچہ خدا نے انسان کی جبلت عقل پر یہ بات رکھی ہے کہ خدا کو پہچانے۔ اور اس کے انعام کا شکر اپنے پر واجب جانے۔ لیکن اس سبب سے کہ کیفیت ادائے شکر کی بارُوں واقف کئے نبی مرسل

---

[۱] نبوت کی تفصیل بحث کے لئے دیکھو تکملہ صفحہ

کے معلوم نہیں ہو سکتی تھی۔ اور نیز چند باتیں ایسی ہیں کہ اس سے تجاوز کرنے میں کفرانِ نعمت بلکہ کفر منعم لازم آتا تھا۔ اگر شرع منع نہ کرتی تو عقل حد اعتدال سے بڑھ جاتی۔ اور اسما و صفات آفریدگار میں غلطی کرتی۔ اور یہ نہ جانتی کہ اس کی ثنا و صفت کس طرح کرنا چاہیئے (اس واسطے ارسال رسل اور انبیا کی ضرورت ہوئی) *

دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کی عقلیں متفاوت و مختلف ہیں اور اُن کے ادراکات ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ ہم محدثات میں اکثر ایسی چیزیں پاتے ہیں کہ بڑے بڑے عقلا اس کی دریافت میں مختلف الآراء ہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ اور ہر ایک کسی ایک ہی شکر انعام اور عبادت الٰہی کے طریق ادا اور کیفیت طاعت کو عقل پر چھوڑ دینا ٹھیک نہیں تھا پس ضرور ہوا کہ خدا کی طرف سے نبی مرسل مبعوث ہوا۔ اور بندوں کو ایک ہی طریق عبادت اور ایک ہی مرکز پر متفق اور جمع کرے۔ اس لحاظ سے نبی کی بعثت خدا کی حکمت محض ہے۔ اگر انبیا مبعوث نہ ہوتے تو خستلات آرا کے سبب تکلیف بالکل اٹھ جاتی۔ اور نیک بد میں مطلق تمیز و شناخت نہ رہتی۔ حتیٰ کہ کافر کہتا مجھے کفر کی حقیقت معلوم نہیں۔ یعنی اس کو معلوم نہ ہوتا کہ کفر کس کو کہتے ہیں۔ اسی طرح ظالم ظلم کی حقیقت و تعریف سے لاعلمی ظاہر کرتا۔ اور دنیا میں کوئی ایسا زاجر کبھی نہ ہوتا جو مخلوق خدا کو خواہشات نفس سے باز رکھے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ یعنی ہم نے رسول بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بھیجے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیئے اللہ پر کوئی حجت نہ رہے۔ یعنی لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم پر رسول بھیجے نہ تھے۔ ہم عبادت کس طرح کرتے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا یعنی ہم عذاب دینے والے نہیں۔ جب تک رسول نہ بھیجیں اور فرمایا۔ وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا

لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلاً فَنَتَّبِعَ اٰيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى یعنی اگر ہم رسول کے بھیجنے سے پہلے عذاب سے ہلاک کر دیتے۔ تو کہتے اے پروردگار تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا۔ کہ ہم تیری آیات کی متابعت کرتے۔ پہلے اس کے کہ ہم ذلیل و خوار ہوتے۔

اثبات نبوت کے باب میں بیان جزیہ ہے کہ جیسا بیان ہوا۔ ہم کہتے ہیں۔ عقلاً نبی کا ارسال و بعثت جائز ہے۔ اور جب عقلاً جائز ہے تو خدا کے چند ایسے بندے جو صفات صلاح و سداد۔ امانت و دیانت۔ ورع و پارسائی۔ اتمام خلقت و خوبی صورت۔ راستی سخن و بلندی ہمت۔ پاکی عرض و بزرگی نسب۔ کمال عقل و خوبی فصاحت کے ساتھ موصوف تھے۔ مخلوق میں ظاہر ہوئے۔ اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ خدا نے اُنہیں خلعت نبوّت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے۔ پھر اپنے اس دعویٰ پر چند ایسے افعال بھی ظاہر کیئے۔ جو خلاف عادت تھے اور جن کا صدور اُن کے غیر سے ممکن نہ تھا۔ اور اُن افعال کی مثل صادر ہونا حد و قوت بشریت سے خارج مثلاً سرد ہونا آتش کا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر۔ اور سانپ ہونا عصائے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا۔ اور زندہ ہونا مردہ کا دعائے عیسیٰ رُوح اللہ علیہ السلام سے۔ اور باہر آنا پانی کا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی انگلیوں سے پس انہوں نے ان افعال سے ثابت کر دیا کہ ان کی نبوّت حق ہے۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں۔ کیونکہ جو کام اور فعل اُن سے صادر ہوئے۔ دوسرے لوگ اُن کے صدار سے عاجز بلکہ حدّ بشریّت اور امکان مخلوقیّت سے خارج اور بالاتر تھے۔ اور جب خدا نے ایسے افعال کو انبیاء کے لیئے ابداع کیا۔ تو اس سے روشن ہو گیا کہ وہ فرستادگان خدا ہیں۔ اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جو اس پر افترا کرے۔ اور اس کا حال بحیثیت صدق و کذب خلق سے پوشیدہ رہے۔ اس طرح مدد نہیں کرتا کہ اس کے افعال اس کے دعویٰ کے مثبت ہوں۔ اور صدق دعویٰ پر گواہی دیں ✦

اثبات نبوت

ے۱ کی تحقیق اور اس میں تفریق کے لیئے دیکھو تکملہ صفحہ

سحر و معجزہ کی تحقیق

اور اگر کوئی ملحد کہے کہ جادو وسحر کے ذریعہ بھی ایسی چیزیں دکھائی جا سکتی ہیں۔ جواب یہ ہے کہ ساحر کے شعبدہ اور تخیلات معجزہ کی حد تک نہیں پہنچ سکتے۔ چنانچہ ساحران فرعون سے بڑھ کر کوئی ساحر نہ تھا۔ دیکھ لو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ نے ان کے سحر کو تباہ کر دیا۔ ساحروں کے اسلام کا بھی یہی حال تھا کہ وہ سحر سے واقف تھے۔ اور جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہمارے سحر سے بالاتر ہے۔ انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ سحر پر سحر غلبہ کر سکتا ہے۔ لیکن سحر مسحر کو نیست و ناچیز نہیں کرتا تو جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے دکھایا وہ سحر کی حد و احاطہ سے باہر تھا۔ ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے جناب خاتم الانبیا صلوٰۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک کوئی وقت ایسا نہیں پایا کہ کسی ساحر نے دعویٰ نبوت و پیغامبری کیا ہو۔ پھر اگر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد کسی جھوٹے نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو یہ امر موجب اشتباہ نہیں۔ اس لئے کہ خود حضور رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے[1] بعد جھوٹے اور کذاب لوگ نبوت کا دعویٰ کرینگے۔ اُن کی نبوت کا دعویٰ کذب و باطل ہوگا اس لیے کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی معہذا اگر کسی ساحر فسوں ساز نے ابلہ فریبی کی غرض سے دعویٰ نبوت کیا بھی تو اُس کا حال یہ ہوا کہ چند بیوقوف ابتدائے حال میں اس کے دام تزویر میں آئے مگر جب عرصہ قلیل گذرا تو اہل عقل پر فوراً اس کا کذب روشن ہو گیا۔ پھر کیا تھا مجاہدین فی اللہ نے اُس مردود کو پکڑ کر اس کو اور اُس کے اعوان و انصار کو یا تو جلا ڈالا یا قتل کر ڈالا۔ اور بہزار خرابی وخواری واصل بجہنم کیا۔ حتیٰ کہ اُس کا اور اُس کے حمقا کا نام و نشان تک نہ رہا +

ایک اعتراض کا جواب

اگر اعتراض کیا جاوے کہ تم کہتے ہو دجال لعین ایک شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کرے گا۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اماتت و احیا بہ اختیار

[1] جیسے ہمارے اس زمانہ آزادی میں مرزا غلام احمد قادیانی نے جھوٹا دعویٰ نبوت کیا + ۱۲۔ منہ

وقدرت خدائے عزّ وجل ہوگا۔ لیکن دجال اُس کی اضافت اپنی طرف کرے گا اور خدا تعالیٰ کی اُس میں کوئی حکمت ہے کہ وہ ایک جھوٹے مدعی ربوبیت کی زبان پر اس واقعہ کو ظاہر فرمائے گا۔ اور یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ اُس نے دجال کے اس راز کو مخلوق پر ظاہر نہ کیا۔ لیکن اس کا کذب موجب اشتباہ نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کی زبانی مخلوق کو آگاہ کر دیا ہے کہ دجال لعین دعویٰ خدائی میں جھوٹا ہوگا۔ اُس کے فتنہ سے بچتے رہنا وہ دشمن خدا ہے +

اور دجّال کے کذب دعویٰ پر ایک روشن دلیل یہ بھی ہے کہ جب خدا تعالیٰ دجّال کے مقتول کو زندہ کریگا۔ اور دجّال چاہیگا کہ پھر دوبارہ اس کو قتل کرے تو اُس وقت وہ اُس کے قتل پر قادر نہ ہوگا۔ اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ جب دجّال کسی شخص کے قتل پر جس کا اِیقاع خلق سے ممکن ہے قادر نہیں ہے پس زندہ کرنے پر بھی کہ وہ فعل الٰہی ہے۔ بطور اولیٰ قادر نہیں +

دجال کے کذب دعوے کی ایک روشن دلیل

دُوسری بات یہ کہ اُس کا کذب خود اس کی ذات میں موجود ہے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ جسم محدُود ومختصر خدا ہونے کے قابل کبھی نہیں ہوسکتا۔ بڑی صاف وصریح دلیل کذب دعویٰ دجّال کی یہ ہے کہ وہ ایک آنکھ سے اندھا ہوگا۔ جس کو عربی میں اعور کہتے ہیں۔ تو جب خود اُس کی خلقت میں نقص موجود ہے۔ پھر اُس کا دعویٰ خدائی کیوں کر درست ہوسکتا ہے وہ اظہار معجزات کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ خود اُس سے اُس کا نقص اعوری دُور نہ ہوگا۔ جب یہ امر صاف ہوگیا تو معلوم ہوا کہ دعویٰ کے عقب میں اظہارِ معجزہ صدق دعویٰ کی دلیل ہے یعنی معجزہ کا کسی نبی کے ہاتھ سے صادر ہونا اُس کے صدق نبوّت کی دلیل ہے +

اس میں کوئی کلام نہیں کہ عہدِ آدم سے دورِ خاتم الانبیاء تک انبیا ومرسلین سے کثرت سے معجزات ظاہر ہوئے ہیں۔ ہر نبی نے اپنے اپنے زمانہ میں ایسے معجزہ دکھائے۔ جن کا صدُور اُن کے غیر سے محال تھا۔ لوگوں نے اپنے حاسۂ چشم سے انبیاء کو معجزے دکھاتے دیکھا۔ اور برای العین دیکھنے والوں نے

ہر زمانہ میں اُس کو نقل کیا۔ حتیّٰ کہ اُس کا علم بتواتر سُننے والوں میں ظاہر و آشکارا ہوگیا جس میں شک و دروغ کا وہم تک نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کی طرف سے مثلاً اپنے وزیر یا حاکم ہونے کا جھوٹ دعویٰ کرے۔ اور بادشاہ باوجود تواتر علم کے اُس کا کذب خلق پر ظاہر نہ کرے تو وہ بادشاہ یا تو نادان ہوگا یا عاجز اور خدا تعالیٰ اُس سے منزّہ ہے۔ بڑی حجت صدق دعویٰ انبیا کی یہ ہے کہ تمام انبیاء معارف اور اسماء وصفات الٰہی اور کوائن و حوادث عالم اور احوال بعد فنا کے متعلق خبر دیتے ہیں۔ اور خوبی یہ کہ سب انبیاء اس خبار پر متفق و متحد ہیں۔ دعوت الٰہی مثل عبادت و توحید و ترک معاصی میں بھی اور اخبار غیب مثل بعث و نشور و بہشت و دوزخ میں بھی۔ اور ثواب و عقاب اور مقبول اور مردود ہونے میں بھی اُن کے کلام میں باہم رگ سرمُو تفاوت نہیں ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔
وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا
یعنی اگر غیر خدا کے پاس سے ہوتا۔ تو اُس میں اختلاف کثیر پاتے ۔

دعوت الٰہی میں انبیاء کا اتفاق

دُوسری فصل

پیغامبروں پر ایمان لانے اور اُن کے ضروری خصائص و مراتب کے بیان میں

جب معلوم ہوگیا کہ نبوّت حق ہے۔ تو اب جاننا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ نے جس کو چاہا اپنی نبوّت کے لئے خاص کر لیا۔ حصول نبوّت نہ نبی کے اختیار میں تھا نہ متعلق بہ کسب۔ یہ اعتقاد رکھنا کفر ہے کہ نبوّت کسب سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ انبیا پر ایمان و اعتقاد لانا حقیقت میں خدا پر ایمان و اعتقاد لانا ہے۔ خدا پر ایمان لانا بدُوں پیغمبروں پر ایمان لائے مقبول و پذیرا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں

انبیاء پر ایمان لانے کا طریقہ

چند جگہ اِس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خدا پر ایمان لانے اور پیغمبروں پر ایمان لانے میں جُدائی اور تفرقہ ڈالنا کفر ہے۔ یعنی یہ درست نہیں کہ صرف خدا پر ایمان و اعتقاد رکھتے۔ رسُول پر نہیں۔ یا صرف رسُول کی رسالت کا معتقد ہو اور خدا کی توحید پر ایمان نہ لائے۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یعنی تحقیق جو لوگ خدا اور رسُول سے کفر کرتے اور یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ خدا اور رسُول کے درمیان جُدائی پیدا کریں الخ عام پیغمبروں پر اس طرح ایمان لانا چاہئے کہ وہ خدا تعالیٰ کے خاص و برگزیدہ بندے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے دعوت الی الحق پر مامور ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم فرستادگان خدا ہیں۔ اور اپنے صدق دعویٰ پر حجتیں پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے دعویٰ میں راست گو اور سچ مچ فرستادگان خدا تھے انہوں نے کبھی کوئی بات خلاف حق نہیں کہی پس عموم پیغمبروں پر سوائے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس قدر ایمان لانا کافی ہے۔ لیکن حضرت محمدؐ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لانے میں چند دُوسری شرطیں بھی ہیں۔ جن کو ہم نے ایک علیحدہ فصل میں ذکر کیا ہے عام پیغمبروں کی نسبت صرف یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ چند برگزیدہ اشخاص تھے کفایت ہے۔ اُن کے نام و انساب کو یاد رکھنا ضروری نہیں ہے۔ اِس لئے کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے فرمایا ہے۔ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْکَ یعنی ہم نے خلق کی جانب رسُول بھیجے۔ اُن میں بعض کا قصّہ تم پر بیان کر دیا۔ اور بعض رسولوں کا قصّہ بیان نہیں کیا۔ مگر عام انبیا کے متعلق بھی اتنی واقفیت ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو دو چیزوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ ایک تعلیم۔ دُوسری تائید۔ پہلے کے یہ معنے ہیں کہ عام لوگ جو باتیں نہیں جانتے۔ خدا تعالیٰ ان کو وہ باتیں بھی سکھا اور بتا دیتا ہے۔ اور تائید کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اُن کی تائید

انبیا کو دو خصوصیتیں

کرتا ہے۔ دلائل حجتوں اور فرشتوں کے ذریعہ تو باب تعلیم سے نبوت ہے اور باب تائید سے حجت نبوت ✦

باب تعلیم انبیا

باب تعلیم کا حاصل ہونا چند باتوں کو شامل ہے۔ کلام اللہ کا سننا جیسا کہ حضرت موسٰے علیہ السلام نے سُنا۔ یا خدا کی جانب سے الہام ہونا۔ اور الہام کے معنے ہیں کسی چیز کا خدا کی طرف سے اُن کے دل میں پڑنا یا دل اِس کے کہ اُس کے بارہ میں الہام سے پہلے اُن کے پاس کوئی استدلال ہو یا جس کے ذریعہ اُس کا کوئی اثر پایا جاتا ہو۔ لیکن فرشتہ کے توسط سے جو الہام آتا ہے اُس کو وحی کہتے ہیں۔ بعض وقت فرشتہ پیغمبر سے اِس طرح اظہار پیام الٰہی کرتا ہے کہ جیسے آدمی آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ اور بعض وقت فرشتہ اس طرح نبی سے کہہ جاتا ہے کہ کسی کو حتیٰ کہ نبی کے کان کو بھی اُس سے اطلاع نہیں ہوتی۔ یہ الہام صرف دل سے تعلق رکھتا ہے۔ خواب میں جو وحی ہوتی ہے۔ وہ بھی قسم الہام سے ہے۔ یہ یا تو بتوسط فرشتہ ہوتی ہے یا بے توسط فرشتہ ✦

ایک اعتراض کا جواب

اگر کوئی اعتراض کرے کہ فرشتہ علم الٰہی کو غیر انبیا کے دل میں بھی ڈالتا ہے۔ پھر انبیاء اور غیر انبیا میں کیا فرق ہے۔ جواب یہ ہے کہ علم احکام اور علم وقعات حوادث آئندہ جو بعد مرور ایام یا بعد فنائے عالم کون و فساد صورت پذیر ہونگے۔ یہ علم خاص انبیا کے لئے مخصوص ہے اگر نبی ایسی باتیں کرے تو وہ یا تو انبیا کے ذریعہ اُن کو پہنچی ہیں۔ یا انہوں نے انبیا کے کلام سے اِن باتوں کا استفادہ کیا ہے۔ رہا غیر انبیاء پر الہام الملک کا القاء ہونا تو یہ ایک قسم کی بشارت ہے کہ خدا کی طرف سے اُن پر القا ہوئی۔ یا یہ فراست ایمانی ہے۔ جس کے ذریعہ اُنہوں نے اِن باتوں کا ادراک کیا۔ غرض بڑا فرق ان ہر دو الہام میں یہ ہے کہ انبیاء شک اور خطا سے معصوم ہوتے ہیں۔ اُن کا الہام بھی راست و حق ہوتا ہے اور غیر انبیاء

غلطی و خطا سے معصوم نہیں پس اُن کے الہام کے باب میں قطعی طور پر حقیقت کا اعتقاد نہیں کیا جا سکتا *

باب تائید انبیاءؑ

باب تائید بھی دو قسم ہے ایک وہ کہ انبیاء بنفس خود مؤید ہوتے ہیں دوسری قسم وہ کہ اُن کی دعا و برکت سے عالم غیب سے ظہور تائید ہوتی ہے یہ پچھلی قسم حد احصار و شمار سے بالاتر ہے۔ بتواتر و توالی قرناً بعد قرن ہمیشہ اس قسم کی تصدیق ہوتی رہی ہے۔ ہم پہلی قسم کا بیان کرتے ہیں۔ اور یہاں اسی سے ہماری غرض بھی ہے۔ تاکہ انبیاء کی شناخت میں اصل استحکام پیدا ہو *

پہلی بات یہ ہے کہ انبیاء ہمیشہ فرمان الٰہی کی پیروی کرتے ہیں اور اُن کا نفس طاعت الٰہی میں ہمیشہ اُن کا تابع اور مطیع ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ یہ بزرگ حضرات ہمیشہ نافرمانی خدا سے معصوم ہوتے ہیں۔ یعنی قصداً اُن سے کبھی کوئی خطا صادر نہیں ہوتی۔ انبیاء، واجب العصمۃ ہوتے ہیں۔ امر الٰہی کی مخالفت اُن سے روا نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے خلق کو اُن کی پیروی و اطاعت پر مامور کیا ہے۔ اگر اُن سے قصداً اسدور خطا ممکن ہوتی۔ تو خلق کو اُن کی متابعت کا حکم نہ ہوتا۔ اگر اُن سے کوئی ذلت صادر ہوتی ہے۔ تو بطریق سہو و نسیان اس کو عصیان کہنا دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کی صورت عصیاں کی صورت ہے۔ گو یہ سبیل سہو و نسیاں ہو۔ دوسرے ان کے مرتبہ اور حال کی نسبت سے اس کا نام عصیاں رکھا گیا ہے۔ انبیا کے بنفس خود مؤید ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اُن کی عقل کامل اور دوسرے لوگوں کی عقلوں سے ارفع ہوتی ہے۔ اُن کے ادراکات بہ نسبت دوسروں کے تیز اور خطا اور غلطی اور زوال اور انتقال سے محفوظ و مصئون ہوتے ہیں۔ اُن کی رائے بھی دوسروں کی رایوں سے تیز اور قوی ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ علم وحی کو جس طرح

انبیاء سے کبھی نافرمانی نہیں ہوتی

انبیا علیہم السلام فہم کرتے ہیں۔ دوسروں سے ممکن نہیں۔ اُن کا حافظہ بھی سب سے قوی ہوتا ہے۔ اور فصاحت و بلاغت اور تاثیرِ سخن میں بھی انبیاء ابنائے روزگار سے سابق و غالب ہوتے ہیں۔ اُن کی ظاہری اور باطنی قوتیں تمام تر اور قوی تر ہوتی ہیں۔ اُن کا خلق نہایت نیک اور اُن کی صورت بڑی وجیہہ اور اُن کی آواز نہایت خوش اور بغایت مؤثر ہوتی ہے غرض انبیاء جس طرح سیرت و معنی میں سب سے افزوں ہوتے ہیں۔ اُسی طرح صورت و ظاہر میں خوب تر اور پسندیدہ تر ہوتے ہیں ؛

بعض انبیاء فضیلت میں دوسرے انبیاء سے زیادہ ہیں لیکن اُن کی دعوت یکساں اور ایک ہی طرح کی ہے اُس میں فرق نہ کرنا چاہیئے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کے یہی معنی ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ط یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل کا صاحب ہے ؛

عصمت انبیا کا ذکر

ہم چاہتے ہیں کہ اِس فصل میں عصمت انبیا کے بابت جو ذکر آیا ہے۔ اس کو ذرا شرح و بسط کے ساتھ بیان کردیں تاکہ انبیا کی پوری نزاہت اور طہارت کے متعلق اہل اسلام کو کامل یقین ہو جائے۔ اور اُن کی صفت ذات کو سمجھ کر اپنے غیر متعلقہ اعتقادیات سے تائب ہوں اور مہلکہ میں نہ پڑیں کیونکہ اکثر مسلمان اس مسئلہ میں غلطی پر ہیں۔ معتزلہ اور متشیعہ کی ایک جماعت تو عصمت کے مسئلہ میں اس قدر مبالغہ کرتی ہے کہ افراط کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ اور متشبہ اور نقلہ کا ایک گروہ عصمت کے خلاف میں اس درجہ غلو کئے ہوئے ہے کہ تفریط کی حد تک پہنچ گیا ہے دونوں فرقے اپنے اپنے دعوے کی دلیل کتابوں سے لاتے ہیں۔ جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ ایسی دلیلیں ہیں جس سے تمسک بالکل نادرست ہے۔ بلکہ اُن کا

نقل کرنا مسلمان کو روا نہیں۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں انبیاء کی تحقیر منصور ہے۔ عدم عصمت کی صورت میں انبیا کی حقارت تو ظاہر ہے۔ اور عصمت میں مبالغہ کرنے کی حالت میں بھی اُن کی تحقیر عیاں ہے۔ کیونکہ جو بات انبیا کے لئے مخصوص ہے اُس کا غیر انبیاء کے لئے اثبات اُن کے درجہ کو بلندی سے گراتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے انبیا کی تعظیم و تکریم ہم پر فرض کی ہے۔ اور اُنکی عثرات کا ذکر نہ کرنا ہر صورت میں اولیٰ ہے۔ اگرچہ اُس کے ثبوت میں نص صریح پائی جائے۔ تاہم طریق ادب یہ ہے کہ اُس کا ذکر نہ کیا جاوے پھر چہ جائیکہ اُن پر محض دروغ باندھا جاوے۔

آدم علیہ السّلام کی ذلّت

سب سے زیادہ روشن دلیل انبیا کی ذلّت کے ثبوت میں حضرت آدم علیہ السّلام کی ذلت ہے جس کو خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں یاد کیا ہے۔ فَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی یعنی آدم نے تناول شجرہ میں خدا کے حکم کی نافرمانی کی۔ اور وہ بہک گیا۔ خدا تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کی اتنی سی ذلت کو بھی بیان فرما دیا۔ کہ اُنکا حال درمیان عصاۃ کے تھا حالانکہ حضرت آدمؑ کی ذلت کوئی لغزش کا درجہ نہیں رکھتی۔ کیونکہ عصیان وہ ہے جس کا صدور بہ عزم دل ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آدمؑ سے جو نافرمانی ہوئی۔ اُس کا منشا عزم دل نہ تھا۔ بلکہ عہد شکنی تھی۔ وہ بھی اس سبب سے کہ وہ عہد الٰہی کو بھول گئے۔ چنانچہ قرآن میں وارد ہے۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ اور عہد منسی وہ تھا جو اس آیت کے بعد بیان ہوا کہ اے آدمؑ ابلیس تیرا اور تیری زوجہ حوّا کا دشمن ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم دونوں کو جنت سے باہر کرے۔ فَقُلْنَا یٰاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی ابلیس نے آدم کو اور اس کی جورو کو قسم کھا کر فریفتہ کیا اور چونکہ آدم بشریّت کے لحاظ سے خلود جنّت کے خواہاں تھے۔ اس طرح ابلیس کے

دہوکے میں آگئے۔ وہ سمجھے کہ کوئی بندہ اپنے خالق کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا *

آدمؑ کے اس ابتلا میں خدا کی حکمتیں تھیں کہ ہر ایک انسان کو ان پر چلنا مفید ہے۔ چنانچہ دشمن کو پہچاننا اور اُس کے مکر و فریب سے خبردار رہنا اور اُس کے تسویل و دہوکے میں نہ آنا۔ پھر اگر گناہ سرزد ہو جاوے تو اُس کا تدارک توبہ و انابت سے کرنا۔ اور خدا کی جناب میں اپنی معاصی، بدکاری اور نادانی کا اعتراف کرنا۔ اللہ تعالے نے اِس قصہ کو انہیں حکمتوں کی بنا پر یاد کیا۔ اور اس سے حضرت آدمؑ کی کرامت و فضل اور کمال اجتبا و اصطفا کا اظہار فرمایا۔ اور یہ کہ خدا تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول کر کے اُن کی شان کو بڑھایا۔ حاشا کہ اِس سے ان کی تحقیر منظور ہو یا اُن کی ذلت مدنظر ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ کو اس طرح سمجھنا چاہیئے۔ تاکہ اُس سے انتفاع ہو۔ نہ دوسری طرح کہ اُس سے اِنسان تحقیر آدم کے جرم میں ماخوذ ہو *

حضرت آدم علیہ السلام کے سوا دوسرے انبیا خصوص مرسلین کے حق میں بھی صدورِ ذلت کو اسی معنے پر حمل کرنا چاہیئے۔ اگرچہ اس کا ثبوت ایسی نصِ صریح سے ہو۔ جو موجب علمِ ضروری ہے۔ اور معلوم رہے کہ اگر انبیاؑ ہماری طرح اسیر حرص و شہوت ہوتے تو خدا تعالےٰ اُن کی متابعت ہم پر فرض نہ کرتا۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جو خلاصہ موجودات اور زبدۂ خلائق ہیں۔ اس طرح ارشاد نہ فرماتا۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت کی۔ پس اے رسول انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو *

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذلت

عجب تر یہ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰت اللہ علیہ کے باب میں بھی جو تمام بنی آدم سے عبادت میں متفرد تھے۔ صرف اس خیال سے اثبات ذلت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے باپ کے لئے استغفار کی۔ اور اُن کی استغفار

جناب باری میں مقبول نہ ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ اُس وقت حضرت ابراہیمؑ کو معلوم نہ تھا کہ اُن کے باپ پر دشمنی خدا کا حکم جاری ہو گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جب اِس اُمت کو دوستی کفار سے منع کیا۔ اور فرمایا کہ خدا کی دوستی اور دشمنانِ خدا سے دشمنی کرنے میں ابراہیم کی متابعت کرو۔ تو اس ایک بات میں کہ انہوں نے اپنے باپ کے لئے استغفار کی اُن کی متابعت سے استثنا کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ تا إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ۔ اِس سے یہ امر ثابت کرنا منظور تھا کہ یہ ایک کلمہ یعنی استغفار لِأَبِيهِ اُن کے مناسب حال نہ تھا۔ اور خدا کو اُن کی یہ بات پسند نہ آئی۔ پس حکم ہوا کہ اِس باب میں حضرت ابراہیم کی متابعت نہ کرنا چاہیئے۔ اگرچہ اس باب میں حضرت ابراہیم کے پاس عذر صریح تھا۔ چنانچہ خدا نے اس عذر کو بیان فرما دیا۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ اب ذلت انبیا کا حال اِسی سے سمجھنا چاہیئے۔ اور اُن کا مرتبہ قدرا میں یہیں سے معلوم ہو جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام کی ذلّت

حضرت یوسف علیہ السّلام کے باب میں جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے زلیخا کا قصد کیا اور کہتے ہیں دَخَلَ هِمْيَانَهُ وَقَعَدَ منها مقعد الرجل من المرأة اور اس کی اسناد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے لاتے ہیں۔ اس کا قبول کرنا چند وجوہات سے روا نہیں۔ اوّل یہ کہ جن لوگوں نے اس قصہ کو اپنی کتاب میں یاد کیا ہے۔ والّا اُس کی سند حضرت ابن عباس رضؓ تک پہنچائی ہے۔ تو یہ اسناد ثقۃ عن ثقۃ نہیں پائی جاتی۔ ولو فرضنا اگر پائی بھی جائے تو یہ بھی اس امر میں اُن کا قول سند و حجت نہیں۔

دوسرے یہ کہ موقوف ہے ابن عباسؓ پر اگرچہ اصحابی بغیر سماع

نقل نہیں کرتا۔ لیکن جب منقول عنہ مذکور نہیں تو احتمال بلکہ غالب یہ ہے
کہ اُن کو اہل کتاب سے پہنچا ہو۔ اور اہل کتاب کی نقل اعتماد نہیں رکھتی۔ اِس
لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اُن کی تکذیب و تفسیق کا حکم کیا ہے
اور فرمایا کہ یہ لوگ تحریف کرتے ہیں۔ اور فرمایا کہ کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے
ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے نزدیک سے ہے۔ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور یہ لوگ دانستہ خدا پر دروغ باندھتے
ہیں وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ اور حضرت رسولِ
خدا صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو۔ بلکہ
تکذیب کرو۔ اور یہ جو فرمایا کہ اُن کی تکذیب نہ کرو۔ یہ اُس قسم اخبار کے متعلق
ہے۔ جس کا علم ہم کو اُن کی کتابوں سے نہیں پہنچا۔ لیکن اگر اُس کے مخالف
قسم علم دین سے ہمیں معلوم ہو۔ تو اُس کی تکذیب واجب ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
اہل کتاب کے حق میں فرماتے ہیں لَا تُصَدِّقُوهُمْ وَقَدْ كَذَّبَهُمُ اللّٰهُ
اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو۔ خدا نے اُن کی تکذیب کی ہے۔ (اور فرمایا
حسبنا کتاب اللہ ہم کو کتاب الٰہی یعنی قرآن شریف کافی ہے۔ اُس کے
ہوتے کسی دُوسری کتاب کی ضرورت نہیں) اکثر قصص انبیا اسی قسم سے ہیں
کہ اُن کو اصحاب تاریخ نے اہل کتاب سے اپنی کتابوں میں بلا سند نقل کر لیا ہے
اور بعض مفسرین نے آیات قرآن حکیم کی تحت میں بھی اُن قصّوں کو بیان
کر دیا ہے۔ (تو یہ قصّے اگر موافق قصص قرآن حکیم کے ہُوں تو اُن پر یقین
لانا چاہیئے۔ ورنہ وہ کبھی اعتماد کے قابل نہیں) پھر جب اُن کی نقل درست
نہیں۔ تو احتجاج اُن سے کیونکر درست ہو سکتا ہے ؛

حضرت یوسف علیہ السّلام کے مشہور قصّہ کی تکذیب

حضرت یوسف علیہ السّلام کے مذکورہ قصّہ کی تکذیب کی ایک دلیل
یہی ہے کہ آیت شریف وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰى
بُرْهَانَ رَبِّهٖ اس امر کا اقتضا نہیں کرتی کہ حضرت یوسفؑ نے قصد کیا

کیونکہ خدا نے خود فرمایا کہ یوسف علیہ السلام زلیخا کا قصد نہ کرتے۔ اگر وہ برہان اپنے رب کا نہ دیکھ لیتے۔ جب یوسف علیہ السلام کا قصد برہان دیکھنے پر معلق ہوا۔ اور برہان موجود ہے۔ پس یہ قصد ممتنع ہوا۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اہل عرب کے نزدیک لولا کے جواب کا لولا پر مقدم ہونا جائز نہیں پس جواب محذوف ماننا پڑیگا۔ اور اس کی تقدیر اس طرح ہوگی کہ لولا ان رای برھان ربہ لفعل جواب یہ ہے کہ اس تقدیر کو ماننے سے صاحب شریعت پر جو مبین قرآن ہے تحکم وا قدم لازم آتا ہے۔ ایسے قضیہ کے بیان میں تخمین روا نہیں۔ لیکن علمائے نحو نے جو تقدیم جواب لولا کو نا جائز کہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قرآن میں چند ایسے الفاظ پاتے ہیں۔ جو مختار علمائے عربیت نہیں۔ معہذا اس کے خلاف روا نہیں۔ وہ ہر مقام پر قرآن سے استشہاد لاتے ہیں۔ اور قرآن بھی ان کے قول پر حکم کرتا ہے۔ نہ ان کا قول قرآن پر۔ اور یہ آیت بھی اسی قسم سے ہے کہ علمائے عربیت اس سے استشہاد کریں *

پھر اگر ان کی تقدیر کو جائز سمجھا جائے تو واو لنستق واو عطف ماننا پڑیگا۔ یعنی ولولا ان رای برھان ربہ تاکہ یہ او حذف پر دلالت کرے۔ تاہم اگر ہم کہیں کہ جواب محذوف ہے تو یہ محذوف اس طرح ہونا چاہیئے کہ لفظ وھم بھا اس پر دلالت کرے۔ اس صورت میں تقدیر یوں ہونا چاہیئے تھی۔ لولا ان رای برھان ربہ لھم بھا ہماری تشدید و سختی قصہ گویوں کے صیغہ قول کی نفی پر اس لئے ہے کہ یہ لوگ اس قصہ کو خلاف قرآن بیان کرتے ہیں۔ اور ظاہر نصوص کے بالکل خلاف ہے *

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لولا ان رای برھان ربہ کے بعد فرمایا کذالک لنصرف عنہ السوء والفحشاء اس سے اس امر کی نفی ہوتی ہے کہ یوسفؑ سے سوء و فحشاء کا ارتکاب و قصد ہوا۔ مگر قصہ گویوں کے بیان کے مطابق حضرت یوسفؑ پر سوء و

فحشاء لازم آتا ہے۔ کیونکہ بُرے امر کا قصد بھی ایک قسم کا سُوءِ اور فحشاء ہے اور نہایت صاف دلیل اُن کی بریت کی یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ذَالِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّی لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ یعنی مَیں نے اِس لئے طلب بحث و تفتیش کی تاکہ عزیز مصر پر ثابت ہو جاوے کہ مَیں نے پیٹھ پیچھے اُس کی خیانت نہیں کی۔ خدا نے حضرت یُوسفؑ کو صدیق کہا۔ اور جس کو خدا نے صدیق کہا ہو اُس کی تصدیق ہم پر فرض ہے۔ اور نفی جنایت اُس سے ضرور ہے۔ اور قصہ گویوں نے جو کہا ہے۔ قعد منها مقعد الرّجل مِن المرْأةِ اِس سے یوسف علیہ السّلام کی جنایت ثابت ہوتی ہے۔ اِس لئے کہ یہ بات کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔ کہ اگر کوئی آدمی بُرے ارادے سے کسی عورت کے پاس بیٹھے۔ تو اس کی جنایت ثابت ہوگئی۔ اور یوسف علیہ السّلام نفی خیانت و جنایت کرتے ہیں۔ پس قصّہ گویوں کے موافق اُس کے معنے کرنا درست نہیں۔ دُوسرے یہ کہ زلیخا علیہا السّلام نے اس سے قبل دعویٰ کیا تھا کہ یوسف علیہ السّلام نے اُن کا قصد کیا۔ اور اللہ تعالےٰ نے صدق یُوسف اور کذب زلیخا پر دلیل قائم فرمائی۔ اور کہا جاتا ہے کہ یُوسف علیہ السّلام کے تمام بھائی پیغامبر تھے کہ خدا تعالیٰ نے اُن کے متعلق نص صریح یاد فرمائی۔ جواب یہ ہے کہ برادرانِ یوسفؑ کی نبوت کسی نص کے ذریعہ ثابت نہیں ہوئی۔ جو موجب علم ہو۔ اور یہ جو فرمایا۔ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ تو متحمل ہے کہ مراد اسباط سے اس جگہ حضرت یعقوبؑ کے فرزنداں صلبی ہوں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ سب فرزند اس میں داخل ہوں۔ نیز بعض فرزنداں کا بھی احتمال ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسباط سے مراد انبیائے بنی اسرائیل ہوں کہ وہ سب فرزندانِ یعقوبؑ ہیں ٭

اور ہمارے نزدیک حضرت یُوسف علیہ السّلام کا پیغمبر مُرسل ہونا بنص مقطوع بہ درست ہے۔ اور یہ اُن مُرسلین سے ہیں۔ جن کے اقتدا کرنے کا حکم ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى

برادران راعی برهان ربه کی عزت

برادران یوسف کی نبوت کسی نص صریح سے ثابت نہیں ہے ٭

اللہ فبھدٰ یھم اقتدہ ؕ پس یوسف علیہ السلام کا مرتبہ بابِ عصمت میں برادرانِ یوسف سے کہیں زیادہ ہے۔

دوسرے یہ کہ ہمارے نزدیک یہ امر ثابت ہے کہ برادرانِ یوسف نے یوسف کے ساتھ جو کچھ کیا۔ وہ نبوت کے پہلے کیا تھا۔ اس صورت میں اُن کی عصمت میں فرق نہیں آتا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے باب میں جو کہا جاتا ہے کہ اُن کے متعلق بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اُنہوں نے قبل مرتبۂ نبوت کے زلیخا کا قصد کیا یا بعد نبوت کے۔ ہم کہتے ہیں یوسف کی بابت قصد زلیخا کا ثبوت نہ قبل نبوت درست ہے اور نہ بعد نبوت۔ کیونکہ انہوں نے حالت نبوت میں جب عورتوں کے کید کا ذکر کیا تو اُس وقت اپنی ذات سے نفی خیانت فرمائی۔ اور پیغمبروں کا قول راست ہی ہوتا ہے پس کسی صورت میں اس کا اثبات روا نہیں۔ اور نہ اُس کا ذکر کرنا درست ہے۔ اِس لئے کہ اگر احادِ اُمّت سے کوئی فعل بُرا صادر ہو جاوے۔ تو اُس کا ذکر دوسروں کے سامنے روا نہیں۔ چہ جائیکہ ایک بات خلاف یقین ہو۔ اور اس میں پیغمبر مرسل کی غیبت کی جائے۔ نسئل اللہ العافیہ من استماع تلك القصة فکیف امتثال عن التحدث بھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ذلّت

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے اوریا کو لشکر میں بھیجا۔ اور حکم دیا کہ لڑائی میں تابوت سکینہ لئے ہوئے آگے آگے رہے۔ غرض اس سے یہ تھی کہ اوریا اس طرح مارا جاوے۔ اور داؤد علیہ السلام اس کی عورت سے جو حسینہ تھی۔ اور جس پر آپ فریفتہ ہوگئے تھے۔ شادی کرلیں۔ یہ اور اس قسم کی مخالف باتیں قصہ گو بیان کرتے ہیں۔ جو اصول دین کے منافی ہیں۔ اور جن کا زبان پر لانا بطور نقل کے بھی حرام ہے اس لئے کہ اِس سے ایک پیغمبر مرسل پر ظلم کی نسبت لازم آتی ہے تا قلانِ قصہ اِن دو آیات سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اِنَّ ھٰذَا اَخِی لَہٗ تِسعٌ

تِسۡعُوۡنَ نَعۡجَةً وَّلِیَ نَعۡجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ دوسری آیت فقال اکفلنیہا حالانکہ اِن آیتوں سے جرم کی نوعیت ثابت نہیں ہوتی کہ وہ کیا تھا اور نہ یہ کہ اِس قصہ کی اصل کیا ہے۔ جنابِ رسُولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے بھی کوئی نقل درست نہیں پائی گئی۔ پھر بھی مفسرین کی ایک جماعت نے اس قصہ کو نہایت بُرے طریقہ پر بیان کیا ہے۔ جس میں وہ مصیب نہیں ہو سکتے۔ اُس دلیل سے جو ہم نے حضرت یُوسف کے قصہ میں بیان کی ؞

بعض محققین اور اصحابِ معانی اس قصہ کی نسبت کہتے ہیں کہ اُس میں محل مواخذہ یہ بات ہے کہ داؤد نے بدوں تحقیق کرنے اس امر کے کہ مدعی اپنے دعوے میں سچا ہے یا جھوٹا یہ کہدیا۔ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡخُلَطَآءِ لَیَبۡغِیۡ بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ یہ تاویل بمقابلہ دُوسری تاویلات کے نظم قرآن سے زیادہ مشابہ اور ملتی جلتی ہے۔ اور درحقیقت اس تاویل میں زیادہ احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اس کی تاکید دُوسری اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ جو اُس کے بعد ہوئی ہے۔ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰكَ خَلِيۡفَةً فِى الۡاَرۡضِ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ بِالۡحَـقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الۡهَوٰى۔ اِس سے روشن ہے کہ حضرت داؤد اِس قضیہ میں حاکم تھے نہ خصم اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ حکم ہوتا فاحکم بینک و بین النّاس بالحق پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ امکان رکھتا ہے۔ مراد اس آیت سے اس کے علاوہ کوئی دوسری بات ہو اور چونکہ قرآن میں یہ قصہ مبہم ہے۔ اور آنحضرتؐ سے بھی اس باب میں کوئی نقل قابل اعتماد نہیں پہنچی۔ تو مناسب بلکہ محتاط یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جاوے اور اعتقاد کیا جاوے کہ اگر زن اوریا کے قصہ کی کوئی اصل ہے تو قصہ گویوں کے بیان کے خلاف ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا من حدث بحدیث داؤد علی ما یروی بہ القصاص جلدتہ جلدۃ المفتری ؞

اس باب میں اصل قصہ جو نزدیک تر باحتیاط ہے۔ یہ ہے۔ جو

زن اوریا اور داؤد کا واقعہ مشہورہ جھوٹا ہے ۔

بعض اصحاب تاریخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت داؤد کی نظر بے اختیار اوریا کی جورو پر پڑ گئی۔ جس کے حسن پر انہیں تعجب ہوا۔ پھر آپ نے از روئے محبت نہ ارادت کے جو پیغمبروں کو صلحائے اُمت کے ساتھ ہوتی ہے نہ از روئے حکم سلطنت کے اوریا کو کہا کہ اگر ممکن ہو تو اس عورت کو میرے لئے چھوڑ دے تاکہ میں اسے اپنی زوجہ بنا لوں۔ بعض علما کہتے ہیں کہ اوریا نے پیام نکاح اُس کو پہلے بھیجا تھا۔ اور داؤد علیہ السلام نے اوریا کے بعد اُس سے طلب خطبہ کیا۔ اللہ تعالےٰ نے صرف اتنی بات پر داؤد پر عتاب کیا۔ یہ دونوں صورتیں مشابہت خصمان کی رکھتی ہیں۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ قصہ کی حقیقت کیا ہے۔ ہاں ہم نے علم کے طریق سے معلوم کیا ہے کہ داؤد کے قصہ کو قصہ گویوں کے طریق پر بیان کرنا درست نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ وہ ظلم کو دفع اور فساد کو رفع کریں۔ اور بندوں کو حکم کیا کہ اُن کی پیروی و متابعت کرو۔ اور اُن کے گفتار کو کردار کو اپنا پیشوا بناؤ۔ جب ایسی ناروا باتوں کو اُن کی جانب نسبت کریں تو اُن کی متابعت اور خود اُن کی بعثت کیونکر مفید ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالےٰ جو کچھ فرماتا اور حکم کرتا ہے وہ سوائے صدق و عدل کے نہیں ہوتا پس لازم آتا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ مخلوق کی جانب بھیجے اور خلق کو مطلقاً اُن کی متابعت کا حکم فرمائے۔ وہ منافی حق اور مخالف عدل ہو۔

حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انبیاء کے حق میں وجوب عصمت کی تاکید ملائکہ کے حق میں تاکید کرنے سے زیادہ اہم ہے کیونکہ لوگ حضرات انبیا علیہم السلام کی متابعت پر مامور ہیں۔ اور ملائکہ کی اطاعت پر مامور نہیں ہیں۔ پھر جاہلوں سے تعجب ہے کہ وہ ایسی دور از کار باتوں کو عوام کے کانوں میں پہنچاتے ہیں۔ اس سے صاف روشن ہوتا ہے کہ وہ انبیاء کے مراتب و منازل کی معرفت نہیں رکھتے۔ اور اصول دین سے اُن کا حق نہیں پہچانتے۔ گویا اُن کو علم شرع سے کوئی آگاہی نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان تباہ کار سے ایسی باتیں سُنے تو اُس کو چاہیئے کہ اُس کا اعادہ

نہ کرے۔ ورنہ سُننے والا بھی خطا کار ہوگا۔ اور قائل کی طرح اُس کی آخرت بھی تباہ اور برباد ہوگی۔ ایسی باتوں کا احاد مسلمان اور افرادِ امّت کی نسبت سُننا۔ اور اس کو دوسرے کے سامنے بیان کرنا گناہ اور داخل غیبت ہے تو ظاہر ہے کہ انبیا علیہم السّلام کے حق میں ایسی بیہودہ باتیں کہنا کس قدر موجب گناہ و نکال آخرت ہوسکتی ہیں ✢

نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا

اسی طرح جہلا نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں تزویج حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے متعلق بدترین طریق بیان سے کام لیا ہے۔ جو عقلاً و نقلاً کذب افترا اور نرا بہتان ہے۔ کہتے ہیں آنحضرتؐ کی نظر زینبؓ پر پڑی۔ اور آپؐ کے دل میں زینب کی محبّت راسخ ہوگئی یہ سبب تھا جس سے آپؐ کو زینب کے ساتھ تعلق پیدا ہوگیا۔ یہ بیان محض دروغ و کذب ہے۔ اگر کسی ناقل نے اُس کو نقل کیا ہے۔ تو اس باب میں اُس کی نقل جھوٹی اور ناقابل اعتبار ہے۔ اور اس بارہ میں کوئی بھی نقل معتبر اور قابل اعتماد نہیں پائی گئی۔ ہم کو علماء اسلام اور تاریخ زمانہ رسول علیہ السّلام اور آپؐ کے حالات اور سیر صحابہ رضہ کے باب میں جتنی با وثوق کتابیں پہنچی ہیں۔ اُن میں سے ہم نے کسی کتاب میں اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہوا نہیں دیکھا ✢

اس باب میں کتب حدیث میں جو کچھ مذکور ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے زینب بنت جحش کو زید ابن حارث کے لئے چاہا جس کو آپؐ نے اپنا بلیٹا بنا لیا تھا۔ اور اسی خیال سے لوگ اُس کو زید بن محمدؐ کہا کرتے تھے زینب اور اُس کے اولیا اس خواستگاری سے راضی نہ تھے۔ کیونکہ حضرت زیدؓ موالی سے تھے۔ اور حضرت زینبؓ ایک شریف خاندان کی بیٹی تھیں۔ اور آنحضرتؐ کی چچیری بہن تھیں۔ عرب لوگوں کا دستور تھا کہ موالی کی مواصلت کو مکروہ جانتے تھے۔ اِس سبب زینبؓ کے اولیا نے زید کے ساتھ مناکحت

کو مناسب نہ سمجھا حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی - مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ اس آیت میں مومن سے مراد حضرت عبداللہ بن جحش یعنے زینبؓ کے حقیقی بھائی ہیں۔ اور مومنہ سے خود حضرت زینبؓ مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی مومن اور مومنہ کو زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اُس پر راضی نہ ہوں۔ اس آیت کے نزول پر یہ دونوں راضی ہو گئے۔ اور خدا کے حکم کے موافق زینبؓ کا نکاح زیدؓ کے ساتھ ہو گیا۔

وجہ نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا

عرب میں مدت سے ایک بُرا دستور یہ چلا آتا تھا کہ وہ جس کو اپنا بیٹا کہہ دیں۔ اُس کی مطلقہ جورو سے اپنا نکاح کرنا معیوب اور نہایت بُرا سمجھتے تھے۔ خدا تعالےٰ نے چاہا کہ اِس بُری رسم کو آنحضرتؐ کے فعل سے توڑ دے۔ اور زینبؓ کو بعد مفارقت کے بحکم آسمانی آنحضرتؐ کے نکاح میں دے دے تاکہ اس عادتِ بد کی مخالفت صحابہ اور امت پر آسان ہو۔ کیونکہ اگر آنحضرت کو ایسا فعل کرتے نہ دیکھتے تو صحابہؓ اور اُمتِ مابعد پر بڑا حرج واقع ہوتا۔ اور لوگ ایسا فعل کرنے سے ہچکچاتے۔ اور اپنے متبنّے کی جورو سے نکاح کرتے گھبراتے۔ اور اُن کی طبیعت ایسی عورتوں کی مصاحبت سے نفرت کرتی۔ اِس لئے کہ زنا شوئی ایسا کام ہے کہ بدوں میل نفس اور رغبت طبع کے نہیں ہوتا۔ حق تعالےٰ نے آنحضرتؐ کو مطلع فرما دیا تھا کہ حضرت زینبؓ تیری زوجگی میں آنے والی ہے۔ پس زیدؓ کے دل میں زینبؓ کی صحبت سے کراہت سی پیدا ہو گئی۔ لہٰذا اُنہوں نے حضرت رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ زینبؓ شریف گھرانے کی عورت ہے۔ وہ باتوں میں مجھ پر چیرہ دستی کرتی ہے اس واسطے میں اُس کی صحبت نہیں چاہتا۔ اور طلاق دینا چاہتا ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ زید ایسا مت کرو۔ اپنی عورت کو نہ چھوڑو۔ اور خدا سے ڈرو کہ بلا سبب طلاق دینا ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آنحضرتؐ پر عتاب[1] کیا۔ اور فرمایا کہ اللہ جس امر کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تم اُس کو چھپاتے ہو۔ اور لوگوں سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ خدا ہی سے ڈرنا چاہیئے۔ مطلب یہ کہ منافقین اور بے علم لوگوں سے اعتراض بے جا پر خیال کرکے تم زید کی زینبؓ کو طلاق دینے اور پھر اس کو اپنے نکاح میں لانے سے احتراز کرتے ہو۔ باوجود اس کے کہ ہم نے تمہیں مطلع کردیا ہے کہ زینب تمہارے نکاح میں آئیگی۔ اگر بدباطن لوگ کہیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بیٹے (متبنیٰ) کی جورو سے نکاح کرلیا تو یہ کوئی ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰہَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَ تَخْشَی النَّاسَ وَ اللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىہُ یعنے اے رسول جب تم اللہ کے اور اپنے مُنعَم علیہ کو کہتے تھے کہ اپنی زوجہ کو روک رکھ اور خدا سے ڈر اور تم اپنے دل میں چھپاتے تھے وہ بات جو خدا ظاہر کرنا چاہتا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ خدا ہی اس امر کا مستحق ہے کہ اُس سے ڈرو[2] اُس کے بعد خدا نے اِس حکمت کو یاد کیا کہ جب زیدؓ نے زینبؓ سے اپنی حاجت کو چھوڑ دیا۔ اور اُس کو زینبؓ کے ساتھ کوئی سبیل نہ رہی تو ہم نے زینبؓ کو تمہارے نکاح میں دیدیا۔ تاکہ مومنین کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی عورتوں سے جبکہ وہ اپنی حاجت کو چھوڑ چکے یعنی طلاق دے چکے ہوں۔ اور عدت

---

[1] معالم التنزیل میں ہے۔ ھٰذا ھُوالاولیٰ والالیق بحال الانبیاءِ یعنی اس واقعہ کو اسی طرح سمجھنا زیادہ اچھا اور نظر بہ حالاتِ انبیا زیادہ لائق ہے۔

[2] سرّوق سے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کی کوئی بات چھپاتے تو البتہ اس آیت کو چھپاتے وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ اس سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وحی کی کسی بات کو ہرگز نہیں چھپایا۔

گذر گئی ہو، نکاح کرنے میں حرج نہ رہے۔ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا آخر آیت تک ٭

حدیث[1] میں ہے کہ حضرت زینب جنابِ رسولِ خدا کی دوسری ازواج پر فخر کرتیں اور فرماتیں کہ تم کو تمہارے باپوں نے آنحضرتؐ کے نکاح میں دیا اور مجھ کو وحیِ سماوی کے ذریعہ حضور علیہ السلام کو زوجہ کرکے دیا۔ اور حدیث[2] میں ہے کہ جب زینب کی عدّت گذر گئی تو آنحضرتؐ نے زید کو زینبؓ کے نزدیک یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اُن سے کہو تم کو پیغمبر خدا یاد کرتے یعنی چاہتے ہیں۔ زینبؓ نے کہا کہ میں بدوں اجازتِ خدا کے کوئی کام نہیں کرونگی۔ پس اٹھ کر جانماز پر گئیں۔ اور استخارہ کیا۔ اسی وقت رسولؐ خدا پر قرآن نازل ہوا کہ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ الخ جنابِ رسولِ خداؐ اٹھے اور زینبؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اور بغیر دستوری اور طلب اجازت کے اندر چلے گئے۔ اس وقت حضرت زینبؓ سر برہنہ تھیں۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہ حضور تشریف لائے ہیں۔ شرم کے مارے سر پر آستین ڈال لی۔ اور عرض کیا یا رسول اللہؐ بلا خَطَبَةٍ وَّلَا شَاهِدٍ یعنی اے حضور بلا خواستگاری اور بے گواہ کے۔ آپؐ نے فرمایا۔ وَاللّٰهُ الْمُزَوِّجُ وَجِبْرَئِيْلُ شَاهِدٌ اللہ نے تمہارا نکاح میرے ساتھ کردیا۔ اور جبرئیل امین اس کے گواہ ہیں ٭

---

[1] قال انس کانت زینب تفتخر علیٰ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتقول زوجکن اہالیکن وَ زوجنی اللہ من فوق سبع سمٰوٰت ۱۲ معالم

[2] دوسری حدیث عن ثابت عن انس قال لما انقضت عدۃ زینب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لزید فاذکرہا علی قال فانطلق زید حتیٰ اتاہا وہی تخمر عجینہا قال فلما رایتہا عظمت صدری حتیٰ ما استطع ان انظر الیہا ان رسول اللہؐ ذکرہا فولیتہا ظہری وَ نکصت علیٰ عقبی فقلت یا زینب ارسلنی رسول اللہؐ الیک یذکرک قالت مَا انا بصانعۃ شیئًا حتیٰ اوامر ربی فقامت الیٰ مسجدہا ونزول القرآن وَجاءَ رسول اللہؐ فدخل علیہا بغیر اذن ۱۲ معالم ٭

منافقین کی زبان درازی

اس واقعہ کے بعد منافقوں نے زبان طعن دراز کی۔ اور کہنے لگے کہ پیغمبر خود تو کہتے ہیں کہ تمہارے بیٹوں کی عورتیں تم پر حرام ہیں۔ اور خود ہی اپنے بیٹے کی عورت سے نکاح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان بدباطنوں کے جواب میں ارشاد فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا یعنی محمدؐ تم میں سے کسی کے بھی باپ نہیں۔ وہ تو خدا کے رسول ہیں اور ان کی نبوت اُن پر ختم ہو گئی ہے۔ (اُن کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں) اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور فرمایا مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ تا آخر آیت۔ یہ قصہ محققین کے نزدیک اس طرح ہے۔ اور ضعیفوں اور بے دینوں نے جو مشہور کیا ہے کہ آنحضرتؐ کی نظر زینبؓ پر پڑ گئی۔ اور آپ کا دل ادھر متعلق ہو گیا۔ اور فرمایا سُبْحَانَ مُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ یہ اور اس کے مانند جو کچھ منافقوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اس باب میں نقل کیا ہے بالکل کذب و افتراء ہے۔ اہل ایمان کو زینہار اُس پر یقین نہ کرنا چاہیئے۔

اس باب میں علمائے متاخرین کی غلطی

بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض علمائے متاخرین نے اس قصہ کی بنا پر مذہب کو فروغ دینا چاہا ہے۔ اور اس پر قیاس کیا ہے کہ جس عورت پر آنحضرتؐ کی نظر پڑ جاتی۔ وہ اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی۔ اس بات کی کتاب و سنت میں کوئی اصل نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے حسن ظن سے اس قصہ کے ایراد میں اصحاب تفاسیر کی نقل پر بھروسہ کر لیا ہے۔ حالانکہ دو وجہ سے یہ بیان محل مواخذہ ہے۔ اول یہ کہ یہ حدیث اس وجہ پر کوئی اصل نہیں رکھتی۔ اور کسی معتمد ناقل نے اس کو نقل نہیں کیا ہے دوم یہ کہ اجتہاد وہاں کرنا چاہیئے جہاں اس کی ضرورت ہو۔ اور یہاں اجتہاد کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ اُس سے خاموش رہنا واجب ہے[1]۔

---

[1] تعجب ہے کہ مفسرین نے کیوں اس طرح اس قصہ کو بیان کیا۔ جو شان نبوت کے منافی ہے۔

جو لوگ علمِ نقل کے شناسا ہیں۔ انہوں نے اِس حدیث کو کتابِ سُنّت سے نہیں بلکہ مفتریات زنادقہ سے کہا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی عادت کیموافق اپنے پیشوایانِ دین کے حق میں کہتے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی کی نظر ان کی عورت پر پڑھ گئی۔ تو شوہر کو واجب ہے کہ اپنی زوجہ کو اُس کے لیئے چھوڑ دے۔ فَلَا جَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَ اَهْلِهٖ خَیْرًا ۔

آنحضرتؐ کی نزاہتِ نظر پر ایک سچی نقل

ہم اس مقام پر ایک نقل درست کا تحریر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ جس سے پورے طور پر آنحضرتؐ کی پاکی نظر نامحرم سے اور آپ کی نفی نظر ایسی چیزوں سے جو خیانت سے مشابہ ہوں۔ اگرچہ فی نفسہٖ خیانت نہ ہو۔ روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ جب آپ فاتحانہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو آپؐ نے مکہ میں چند آدمیوں کا خون بہانا مباح فرمایا اور کہا کہ اگر یہ لوگ غلافِ کعبہ کو بھی پکڑیں تو اُن کو نہ چھوڑو۔ اور قتل کر ڈالو انہیں میں سے ایک عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھے۔ فتح مکہ کے روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ اُن کا ہاتھ پکڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس لائے۔ کیونکہ وہ اُن کے رضائی بھائی تھے۔ اور حضرتؐ سے عرض کیا حضور عبداللہ کو ہاتھ دیجئے تاکہ آپ سے بیعت کریں چند مرتبہ اسی طرح عرض کیا۔ اور حضور علیہ السلام خاموش رہے۔ آخر بڑے اصرار و الحاح کے بعد اُن کی بیعت قبول کر لی پھر مجمع کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ مَیں اس لئے خاموش تھا کہ تم میں سے کوئی شخص اٹھ کر عبداللہ کی گردن مار دے۔ کسی انصاری نے کہا اے حضورؐ آنکھ سے کیوں نہیں اشارہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا کسی پیغمبر کو زیبا نہیں کہ اُس کی آنکھ متضمن خیانت ہو۔ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ خَائِنَةُ الْاَعْیُنِ ۝

جب آپ نے ایسے امر کے امضا کے لیئے جو دین کی رُو سے ٹھیک ثواب تھا۔ آنکھ سے اشارہ کرنا پسند نہ کیا۔ اور اُس کو اپنے حق میں خیانت

شمار کیا۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ مشابہ بخیانت تھا۔ تو مسلمانوں کو کب جائز ہے کہ آپ کے حق میں بروجہ مذکورہ نامحرم کی طرف نظر کرنا درست سمجھیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے بے قصد نظر ڈالی۔ اور دل میں اُس کا اثر ہو گیا۔ تو ایسا اعتقاد کیوں نہیں کیا جاتا کہ عصمتِ الٰہی نے آپ کو تمام و کمال نظر بجانب نامحرم سے معصوم رکھا۔ خدا کی عصمت بالکل آپ کے اختیار میں تھی۔ آپ جو کچھ فرماتے اور جو فعل آپ سے صادر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی عصمت آپ کے ہمراہ رہتی ✣

مَیں نے قرآن حکیم میں آنحضرتؐ کی پاکی نظر پر ایک لطیف اشارہ پایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک امر ناپسند اور ناخوب سے آپؐ کی نظر کو نزاہت کاملہ حاصل تھی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ مومنوں سے کہو کہ نامحرم کے دیکھنے سے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں۔ مراد یہ ہے کہ آنکھ کو ہر ایک نامشروع چیز کے دیکھنے سے چھپالیں۔ اور ایسے مواضع میں بظاہر آنحضرتؐ کی طرف خطاب ہوتا ہے۔ اگرچہ مراد اس سے اُمّت ہو۔ چنانچہ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ خدا کے ساتھ دُوسرے کو شریک نہ کر۔ اور فرمایا۔ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ كِلٰھُمَا تا رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا الخ یعنی اگر ماں باپ دونوں یا اُن میں سے ایک تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو اُن کو اُف نہ کہنا۔ اور نہ اُن کو جھڑکنا اور اُن سے نرمی کی بات کرنا۔ اور رحمت سے اپنے بازو اُن کے لئے نیچے کر لینا۔ اور کہنا اے پروردگار میرے ماں باپ پر رحم کر جس طرح اُنہوں نے مجھ کو چھوٹا سا پالا۔ اس کے نظائر قرآن میں اس سے زیادہ ہیں کہ اُن کے استشہاد کی ضرورت ہو ✣

اب ہم کہتے ہیں کہ اوپر کی آیت میں خدا تعالےٰ نے آنحضرتؐ کو فرمایا۔ کہ اُمت سے کہدو کہ کہدیں کہ ایسا کریں۔ تاکہ کوتاہ نظروں کو آپؐ کے نزاہت نظر کی بابت کوئی اشتباہ نہ رہے۔ اور یاد رکھو کہ رسولِ خدا

کا نفس اُن کے حکم کا مطیع تھا۔ اور ہوائے نفسانی کو آپ پر مطلق غلبہ دا تسلط نہ تھا۔ اور اُن کا ہمزاد یعنے جن جو ہر شخص کے ہمراہ رہتا ہے۔ آپ کا مسخر و منقاد تھا سوائے خیر کے کسی جانب میل نہ کرتا۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ افضل مَا صلی علی النبی من انبیائِہٖ وَ مُسلم ۵

اِنھی میں سے نا قابلِ اعتقاد تِلْکَ الغَرَانِیقُ العُلٰی والی حدیث ہے۔ جس کو راویوں نے تفاسیر میں یاد کیا ہے۔ اس حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ رسُولِ خدا نماز میں سُورۂ والنجم پڑھ رہے تھے۔ جب اس مقام پر پہنچے اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَ مَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی تو شیطان نے آپ کی زبان میں ڈالا تِلْکَ الغَرَانِیقُ العُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرْتَجٰی اس حدیث کو آئمہ حدیث سے کسی امام نے ایسے طریق پر نقل نہیں کیا۔ جو قابلِ حجت ہو۔ ہاں اس حدیث کو سعید بن جبیر سے نقل کیا گیا ہے۔ اور اُس کا یہ حال ہے کہ سعید بن جبیر کا راوی کہتا ہے۔ لَا اعلم الا من ابن عباس یعنی میں اس حدیث کو جو سعید بن جبیر نے روایت کیا ہے۔ نہیں جانتا مگر ابن عباس رضؓ سے۔ اور ایسی مخدوش روایت سے ایسے بڑے قضیہ کو ثابت کرنا بالکل درُست نہیں۔ باوجود اس کے کتب تفاسیر میں اس حدیث کو لوگوں نے سعید ابن جبیر سے ہی روایت کیا ہے۔ اور انہیں تک روایت کو پہنچایا ہے۔ اور سعید ابن جبیر وہ شخص ہیں کہ عدالت میں اُن کا حال مجہُول ہے۔ اور اگر یہ حدیث اسناد پسندیدہ سے بھی پائی جاتی تو بھی قابلِ حجت نہ ہوتی۔ کیونکہ یہ احاد سے ہے۔ اور حدیث احاد موجب علم نہیں ہوا کرتی۔ فکیف کہ اُس میں کثرت سے کلام و گفتگو ہو۔ اور باچندیں علت اصولِ دین کے بھی منافی ہو، اس واسطے کہ ہرگز روا

---

[۱] صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر ہمراہ اس کے ایک ہمنشین اُس کا جنوں میں سے اور ایک ہمنشین اس کا فرشتوں سے معین کیا گیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپؐ کے لئے بھی یا رسُول اللہ، فرمایا ہاں میرے لئے بھی۔ لیکن اللہ تعالٰے نے مجھے اس پر مدد دی۔ وہ مطیع (یا مسلمان) ہوگیا۔ (حدیث میں لفظ فاسلم دونوں طرح ہے) وہ بھلائی کے ساتھ مجھ کو حکم کرتا ہے +

نہیں کہ شیطان کے القاء کو آنحضرتؐ تلفظ کریں۔ شیطان کو آپ پر بالکل قدرت و غلبہ نہ تھا۔ اور اس لئے بھی نادرست ہے کہ آنحضرتؐ کو القاءِ شیطانی اور وحی جبرئیل میں کامل تمیز حاصل تھی۔ اگر تمیز نہ ہوتی۔ تو قرآن غیر قرآن سے کس طرح ممیز ہوتا۔ پھر حالتِ نماز میں یہ بات بطور اولیٰ نا ممکن ہے کہ آپ محض ایک گمان پر ایسے الفاظ پڑھ جاویں۔ جو قبیل کفر سے ہوں ۰

اِس اعتقاد کا فساد دینِ اسلام میں سخت ظاہر ہے۔ اور اس قول کا بطلان کسی ایسے شخص سے جو کچھ بھی فہم و درایت رکھتا ہو مطلق پوشیدہ نہیں اِن ناقلاں سادہ دل سے تعجب ہے کہ ایسی حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے اور اس ضمن میں کیا بلحاظ دین اور کیا بطریق نقل جو خلل موجود ہیں اُن کا اندیشہ نہیں کیا۔ انہوں نے اتنا بھی خیال نہیں کیا کہ خداوند تعالیٰ نے اس سُورت کی ابتدا میں قسم کھا کر اس بات کو یاد کیا ہے کہ تمہارا پیغمبرؐ گمراہ نہیں ہے اور ہوائے نفس سے کوئی بات نہیں کہتا ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ وحی ہے۔ جو اُس کی طرف بھیجی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۰ پس کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ نماز[1] ہی میں جب ہی سُورت پڑھ رہے ہیں۔ شیطان لعین آپ پر القا کرے۔ اور کلمات کفر آپ کی زبان سے ادا ہوں۔ تعالی اللہُ عَنْ ذَالِكَ وَجَلَّ مَنْصَبُ رِسَالَتِهٖ عَنْ مِثْلِ هٰذِهِ الْهَفَوَاتِ ۰

پر قصہ اس طرح کا جھوٹا ہے

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ مَیں جو کچھ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سُنتا اس کو لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش مجھے منع کرتے اور کہتے کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بشر ہیں۔ کبھی حالت رضا میں اور کبھی حالت سخط میں باتیں کرتے ہیں۔ تو تم آپ کی ہر ایک بات مت لکھا کرو۔ (مراد یہ ہے کہ انسان

[1] معالم التنزیل میں ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ یہ القا نماز میں ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں نماز کے باہر ہوا ۱۲

جب حالت غضب میں ہوتا ہے تو اس کی زبان سے ناقابل اظہار باتیں نکل جاتی ہیں۔ پس ہر قسم کی بات کو لکھنا ٹھیک نہیں ہے، عبداللہ کہتے ہیں میں نے یہ حال پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اے عبداللہ جو کچھ مجھ سے سنو لکھ لیا کرو۔ قسم اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے۔ سوائے حق کے اس سے کچھ باہر نہیں نکلتا۔ اور آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ حدیث کے لفظ یہ ہیں اُكْتُبْ هُوَ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ خَرَجَ مِنْهُ اِلَّا الْحَقُّ وَاَشَارَ اِلٰی فَمِہٖ پس ایسی حدیث جس کے متعلق یہ معلوم نہیں کہ اس کو کس نے نقل کیا۔ اور کس طرح نقل ہوئی۔ ایک ایسی جید اور متین حدیث کے مقابلہ میں جس میں رسولِ خدا نے خود خبر دی کہ میرے مُنہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور کس طرح درست ہوگا۔ اگر قائل کہے اکثر مفسرین نے ذیل کی آیت کے تحت میں اسی طرح اس کی تفسیر کی ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ کہاں ثابت ہے کہ شیطان نے بُری بات رسولِ خدا پر القا کی۔ آیت کی تفسیر اگر لفظ تلاوت سے کریں۔ تو معنی آیت کے یوں ہوں گے کہ تمہارے قبل ہم نے کوئی رسول اور کوئی نبی نہیں بھیجا۔ مگر وہ جب کبھی خدا کا کلام پڑھتا ہے تو شیطان اس کی تلاوت میں کوئی شے ڈال دیتا ہے۔ اب یہ القاء دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔ لفظ کی رو سے یا معنی کی رو سے۔ معنی کی رو سے القا کے معنے یہ ہیں کہ شیطان اپنی تاویلات فاسدہ اور تویلات نفسانی سے تلاوت کو اُن پر مشتبہ کر دیتا ہے۔ اور اگر از روئے

لہ تمنی کے دو معنے ہیں۔ قرأت اور آرزو دی دلی۔ یہاں دونوں معنے ہو سکتے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ اے رسول ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا۔ مگر (ان کو یہ پیش آیا کہ) جب انہوں نے کچھ تمنا یا قرأت کی تو شیطان نے ان کی تمنا یا قرارت میں کچھ ڈالا۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِكَاتِبِهٖ

لفظ ہو تو القا کے یہ معنی ہیں کہ جو چیز اصل الفاظ سے نہیں ہوتی شیطان اُس میں ملا دیتا ہے۔ پس خدا اپنے کلام کو شیطان کے القا سے نگاہ رکھتا ہے۔ اور القائے شیطان کو محو و ناچیز کر دیتا ہے۔ یعنی خدا کا فرمودہ محفوظ رہتا ہے۔ اور شیطان کا القا نابود ہو جاتا ہے۔ اور اگر تسلیم کر لیا جاوے کہ مذکورہ بالا آیت تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلىٰ الخ کے قضیّہ کے متعلق نازل ہوئی ہے طریق ثواب یہ ہے کہ تاویل اُس کی اس وجہ پر کریں کہ جب آنحضرتؐ اس مقام پر پہنچے اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى تو شیطان ملعون نے اِس طرح آواز کی تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلىٰ الخ مشرکوں نے اس آواز کو سُنا اور اپنے قصور فہم و نقص کے سبب یہ خیال کیا کہ آنحضرتؐ ہی پڑھ رہے ہیں۔ بایں خیال خوشنود ہوئے۔ اور اس بات کو پھیلا دیا۔ اور حضرت نبی کریم علیہ السلام اس امر سے ملول ہوئے خدا تعالیٰ نے آپ کی تسکین خاطر کے لئے یہ آیت نازل فرمائی وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ الخ اس حدیث کی اگر کوئی اصل ہو تو اس طرح اُس کی تاویل کرنا چاہیئے۔ تاکہ مخالف کتاب و سنّت و اصول دین کے نہ ہو۔ اور اگر یہ درست ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ اَلْقٰى عَلٰى لِسَانِهٖ تو مراد لسان سے نعت ہو گی یعنی شیطان نے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعت میں القا کیا۔ چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں ❖

تیسری فصل

رسالت خاتم الانبیاء اور آپ کے معجزات کے بیان میں

خدا تعالےٰ نے ابتدائے نبوّت میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایک فرشتہ کو مؤکل کیا تھا۔ تاکہ آپ کو ضروریاتِ دین اور طریق عبودیت

سے آگاہ کرتا ہے۔ اور حدیث اس طرح آئی ہے۔ فَکَانَ یُعَلِّمُہُ الْکَلِمَۃَ وَالْکَلِمَتَیْنِ یعنی فرشتہ آپ کو ایک ایک دو دو باتیں تعلیم کرتا تھا اُن دنوں آپ کو سچے خواب دکھائی دیتے تھے[1] یہ نبوت تھی جو بعد اس کے جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے۔ اور آپ کو کہا کہ اہل مکہ کو توحید کی طرف دعوت کریں۔ اب نبوت کے ساتھ رسالت بھی شامل ہوگئی۔ آپ کی دعوت میں چند چیزیں ایسی تھیں۔ جو دوسرے انبیا کی دعوت میں موجود نہ تھیں۔ اوّل یہ کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو تمام انس و جن کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ اور میری دعوت قیامت تک اُن پر جاری رہیگی۔ دوم یہ کہ آپ کی شریعت آخر و اکمل شرائع ہے۔ سوم یہ کہ آپ خاتم الانبیا ہیں۔ نبوت کا دروازہ آپکے بعد مسدود ہوگیا ہے۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ چنانچہ حدیث درست سے ثابت ہے۔ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ آپ کی دعوت و رسالت کے متعلق آپ کے ظہور کے پہلے بذریعہ انبیائے سابق اطلاع دی جا چکی تھی۔ اور اُس علم میں جو اُن میں متوارث چلا آتا ہے صاف تصریح کردی گئی تھی کہ پیغمبر آخر الزمان مبعوث ہوگا۔ اس کی نبوت تمام انس و جن کے لئے یکساں ہوگی۔ وہ خاتم الانبیا ہے۔ اُس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

[1] کتب معتبرہ میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عمر شریف قریب چالیس سال کے ہوئی اور ظہورِ قدسی کا وقت قریب آیا۔ تو آپ رات دن خدا کی یاد میں محو رہتے۔ غار حرا میں جاتے اور کئی کئی روز وہاں رہ کر یادِ خدا میں مشغول رہتے۔ اور غور و فکر کرتے تھے۔ اسی زمانہ کو تلاش حق کا زمانہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ یعنی اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ اے رسول کریم ہم نے تم کو اپنی تلاش میں سرگرم اور غلطان و پیچان پایا تو ہم نے تم کو اپنی طرف رہنمائی کی۔ اس قسم کی ایک حدیث بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جو ابتدا میں وحی شروع ہوئی۔ تو وہ رویاءِ صالحہ کے طور پر تھی۔ ہر ایک رویاء جو آپ دیکھتے وہ صبح کی سفیدی کی طرح صاف اور بین طور پر پوری ہوتی۔ اور آپ کو خلوت اور تنہائی میں رہنا پسند ہوتا۔ پس آپ غار حرا میں جاتے۔ اور وہاں کئی کئی رات تک عبادت کرتے۔ پھر گھر آتے اور اپنے ساتھ کچھ زاد لے جاتے۔ جب وہ ختم ہوجاتا تو پھر خدیجہ سے آکر اتنا ہی زاد لیجاتے۔ آپ اسی حالت میں تھے کہ آپکے پاس حق آگیا۔ اور اس وقت آپ غار حرا میں تھے ۱۲ منہ

اُس کا دین تمام ادیان سے بہتر اور اُس کی شریعت جملہ شرائع کی ناسخ ہوگی یہ تمام باتیں آپ کے دعوے کی حجت تھیں۔ اِس کا علم اہل کتاب کو پہنچ چکا تھا۔ مگر وہ باوجود اس علم کے آپؐ کے زمانہ میں آپؐ کے دشمن ہو گئے۔ حالانکہ آپؐ کے ظہور کے پہلے اِن بشارات کو نقل کرتے تھے۔ اور ان بشارات کی صحبت کی گواہی دیتے تھے۔ اور اُن کے علما کہا کرتے تھے کہ اہل مکہ سے نبی آخرالزمان کے ظہور کا وقت قریب آن پہنچا ہے۔ آپؐ کے قرب ولادت کے ایام میں عجیب نادر نشانات ظاہر ہوتے تھے۔ چنانچہ ابابیلوں کی کنکریوں سے اصحاب الفیل کی ہلاکت اور بتوں کا اوندھے منہ زمین پر گرنا جن کو مشرکین مکہ پوجتے تھے۔ اور بحیرہ سادہ کا پانی خشک و غائب ہو جانا اور ایوان کسریٰ کے چودہ کنگروں کا گرنا۔ اور آوازہائے سراقہ کا گوش زد ہونا اور کاہنوں کا اتفاق کرنا اِس امر پر کہ حادثہ عظیم عالم میں ظہور کرے گا کہ اُس کے سبب جنوں کو اخبار سماوی کی خبر منع ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ از آیات کثیرہ اور دعوت کے بعد جو آپؐ سے معجزات ظاہر ہوئے وہ حد احصاد شمار سے باہر ہیں۔ اُن میں سے ایک شق القمر ہے۔ دوسرا سنگریزوں کا آپؐ کے ہاتھ میں تسبیح کرنا۔ تیسرا یہ کہ آپ کی انگلیوں سے اس قدر پانی نکلا کہ ڈیڑھ ہزار اصحابؓ کے قریب اُس سے سیراب ہوئے۔ اور سب نے وضو کیا۔ اور بہائم کو پانی پلایا۔ اور بقدر حاجت بھر رکھا۔ چوتھے یہ کہ ستونِ حنانہ نے آپ کی جدائی میں نالہ کیا۔ یہ ایک چوب تھا۔ کہ حضور اُس پر تکیہ کر کے خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ جب ممبر بنایا گیا تو آپ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھنے لگے۔ اس امر سے بحکم ربّ ذو الجلال چوب مذکور نے بآواز بلند نالہ کیا حتیٰ کہ صحابہ کرام نے مسموع کیا۔ پانچویں یہ کہ آپ کی دعا کی برکت سے قلیل کھانا زیادہ ہو گیا۔ جس سے تمام لشکر کو کفاف المونت حاصل ہوا۔ چھٹویں یہ کہ ذراع گوسفند نے جو زہر آلودہ تھی۔ آپ کو مطلع کیا کہ مجھے تناول نہ کیجئے دشمنوں نے مجھ میں زہر ملا دیا ہے۔

ایک قسم معجزات آنحضرتؐ کی وہ ہے۔ جس میں آپ نے آئندہ زمانہ

کی خبریں دی ہیں کہ فلاں وقت میں ایسا ہوگا۔ اور ویسا ہی ہؤا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ کسریٰ و قیصر کے خزائن اللہ کی راہ میں خرچ ہونگے۔ اور ایسا ہی ہؤا۔ اور سراقہ کو فرمایا کہ کسریٰ کے دونوں ہاتھ خدا تیرے ہاتھ میں دیگا۔ اور ایسا ہی ہؤا۔ اور آپؐ نے مکہ و یمن و شام و عراق کی فتح کے متعلق جس ترتیب سے خبر دی تھی۔ اُسی ترتیب سے مقامات مذکورہ کی فتح واقع ہوئی۔ اِس قسم کے معجزات بھی شمار سے افزوں و بالا تر ہیں۔ ایک علمائے سلف نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت کے اعلام نبوّت ہزار تک پہنچتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس سے زیادہ ہوں۔ اور اُن کی اطلاع عالم مذکور کو نہ پہنچی ہو۔ یہ اعلام نبوّت و رسالت کئی قسم ہیں۔ بعض متواتر ہیں۔ جن کو قطع کرنا درست ہے۔ اور بعض معجزات ایسے ہیں کہ جماعت کثیر نے ان کو نقل نہیں کیا ہے۔ اور وہ اخبار احاد سے ہیں ان کے جنس میں بطریق معنے تواتر ثابت ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ جو اخبار اس قسم کے ہیں۔ ان میں باعتبار تواتر از روئے اعجاز کے نظر ہے ؛

قرآن حکیم سب سے بڑا معجزہ ہے

اور حضور رسولِ کریم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے کہ اُس کی جانب زوال و انقطاع کو راہ نہیں۔ اور وجوہ تواتر سے کوئی خبر قرآن کے مرتبہ کو نہیں پہنچی۔ مدتیں گذر گئیں کہ حق تعالیٰ کی یہ آواز خاص و عام کے کانوں میں گونج رہی ہے کہ اے محمدؐ مخالفین سے کہدو کہ اگر میں یہ قران اپنی طرف سے بنا کر کہتا ہوں۔ تو تم اُس کی مثل دس سورتیں بنا کر لاؤ۔ پھر فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو اس قرآن کی مثل ایک ہی سورت بنا لاؤ۔ پھر فرمایا کوئی حدیث تو اس کی مانند لاؤ۔ غرض بار بار خدا نے بتوسط اپنے پیارے حبیبؐ کے مخالفین کو قرآن کی مثل بنا لانے کا چیلنج دیا۔ مگر کسی سے آج تک ایک سورت بھی اُس کے مثل نہ بن سکی۔ آنحضرت کی نبوّت کا یہ نہایت عظیم الشان معجزہ ہے۔ اس واسطے کہ قریش جو آپ کی قوم تھی۔ اور پہلے پہل اُنہیں سے

خطاب تھا۔ یہ لوگ فصیح و بلیغ اور سخندانِ لغت تھے۔ اور آنحضرت جو کچھ پڑھتے تھے اُس کے معارف و حقائق کو خوب سمجھتے تھے۔ اور یہی لوگ آپکی دشمنی میں سب سے زیادہ حصّہ لیتے۔ اور آپ کی ہلاکت میں سب سے بڑھ کر کوشش کرتے تھے۔ اُنہوں نے آپؐ کی محاربت میں بے انتہا مال خرچ کیا۔ اور اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا کہ کسی طرح آپ پر غالب ہوں۔ پھر جب اُن سے کہا گیا کہ اس قرآن کی نسبت ایک سُورت ہی بنا کر لاؤ۔ تو اس کے جواب سے قریش پہلو تہی کرتے تھے۔ اور اُن سے ممکن نہ تھا کہ قرآن کی مثل بنا کر لائیں وہ کہا کرتے تھے کہ قرآن سحر و جادُو ہے۔ اور کذب و دروغ ہے۔ اگر اُن سے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے تھے۔ قرآن کی ایک چھوٹی سی سُورت کا معارضہ ممکن ہوتا۔ تو ناحق اپنی جان و مال کو ہلاکت میں کیوں ڈالتے۔ اور گوناگوں کوششیں آپ کی ہلاکت میں کیوں کرتے۔ اس واسطے کہ بشرطِ امکان قرآن سے معارضہ کرنا اور اُس کی مثل ایک سُورت ہی بنا لانا اس سے زیادہ آسان ہے کہ بذل مال اور ترکِ وطن اور مفارقت یار و دیار کی حاجت پڑے۔ پھر جب اُن سے قرآن کا مقابلہ نہ ہو سکا۔ اور چھوٹی سی سُورت بھی مثل قرآن کے نہ لا سکے۔ پس یہ امر کی بُرہانِ قاطع ہے کہ کوئی شخص بھی قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور یہ کہ قرآن کلام خدا اور آنحضرتؐ کا زندہ معجزہ ہے۔ جو قیامت تک باقی رہیگا۔ اور ہرگز ہرگز کبھی اور کسی زمانہ میں عربی کے بڑے بڑے عالم و فاضل سے اس کا جواب نہ بن سکیگا۔ کیونکہ جس طرح حضورؐ نے قریش سے یہ خطاب کیا تھا۔ اُسی طرح یہ خطاب ہمیشہ اور اب بھی تمام دنیا کے فضلا و علما علوم عربیہ اور فصیحان و بلیغان اور زبان دان لغات عرب سے ہے۔ مگر نہ آپ کے زمانہ میں قرآن کا جواب ہو سکا اور نہ آپؐ کے بعد اب تک باوجودیکہ ہر قرن میں عربی کے بڑے بڑے ماہرین سے جو دین اسلام کے بھی مخالف تھے۔ اُس کا جواب ہو سکا۔ اور انشاء اللہ آئندہ قیامت تک بھی نہ ہو سکیگا۔ اگرچہ مخالفین اپنی ایڑی چوٹی کا زور خرچ کر ڈالیں۔ یہ واقعات ہیں۔ جن سے صاف طور پر یقین

ہوتا ہے کہ قرآن کریم جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عظیم الشان معجزہ ہے۔

وجوہِ اعجاز

قرآن کریم کے وجوہاتِ اعجاز چند طریق پر ہیں۔ جن کو علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ایک وجہ کی ترجیح دوسری وجہ پر ثابت کرتے گئے ہیں۔ ہمیں ان تمام کے نقل و بیان کی ضرورت نہیں۔ اُن میں چند ضروری اور صاف و صریح ہیں۔ اس مقام پر بیان کیا جاتا ہے۔

اعجاز قرآن کی پہلی وجہ

اول وجہ اعجاز قرآن کی یہ ہے کہ وہ ایسی دلچسپ اور موثر عبارت اور عمدہ ترتیب اور نظم و نسق پر واقع ہوا ہے کہ کوئی انسانی کلام اور سخن عرب اُس کی مثل اور اُس کے مرتبہ کا نہیں پایا جاتا۔ یہی سبب ہے کہ پہلے بھی اور اب بھی فصحائے زمانہ سے جو فصیح و بلیغ انشاء پرداز اور قادر الکلام شخص قرآن پاک کی آیات پڑھتا یا سنتا۔ تو صاف لفظوں میں اعتراف کرتا کہ اس قسم کا کلام خلق سے معہود نہیں ہے۔ اور بلاشک یہ ایسا کلام ہے۔ جس کا مقابلہ و معارضہ کلام انسان ہرگز نہیں کر سکتا۔

دوسری وجہ

دوسری قسم اعجاز کی یہ ہے کہ قرآن کریم حالاتِ آئندہ سے باوجود اُس کے غیر موجود اور معدوم ہونے کے اور باوجود اِس کے کہ اُس کا نشان و گمان تک نہیں ہوتا سچی خبر دیتا ہے اور ویسا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ آیہ شریف لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ مُحَلِّقِيۡنَ رُءُوۡسَكُمۡ وَمُقَصِّرِيۡنَ لَا تَخَافُوۡنَ اور جیسا کہ سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَلَوۡ لَوَا الدَّهۡرَهٗ

اور جیسا کہ الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ اور جیسا کہ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ۔ اور جیسا کہ وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰهُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ الخ یہ اور جتنے وعدے قرآن کریم میں بیان ہوئے ۔ خدا کے فضل سے موافق اخبار و مواعد کے ہی واقع ہوئے ۔

تیسری قسم وجہ اعجاز کی یہ ہے کہ الفاظ موجز و مختصر میں معانی کثیرہ بیان ہوئے ہیں ۔ جن سے بعض علما واقف نہیں ہیں ۔ اور اکثر علما ان سے پورے واقف و آگاہ ہیں ۔ اور علمائے سلف نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام سنتیں قرآن کریم کی طرف راجع ہیں ۔ اور تمام سنن کی اصل قرآن کریم ہے ۔ ان باتوں کا ادراک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوجہ اکمل و احسن تھا ۔ اب معلوم ہوا کہ قرآن کریم کئی طرح سے معجز ہے ۔ نظم سخن کی وجہ سے کوئی بشری کلام اس کے مشابہ نہیں ۔ قرآن کریم میں جو چیزیں ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک بر سبیل لفظ و معنی علی الانفراد معجز ہے ۔ قرآن کریم کے لفظہائے موجز جو معانی کثیرہ پر دال ہیں ۔ وہ سب معجز ہیں ۔ تمام قرآن معنی کے طریق سے معجز ہے ۔ اس وجہ سے کہ بعض قرآن بعض کا مصداق ہے ۔ اور اعجاز کی ہر ایک قسم معاون ہے دوسری قسم کے ۔

قرآنی معجزہ کا مقابلہ حضرت عیسیٰ کے معجزات سے

علمائے ربانی فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرآن کو معجزہ کے طریق پر لانا حضرت عیسے علیہ السلام کے مردہ کے زندہ کرنے سے دلالت نبوت میں زیادہ صاف روشن تر ہے ۔ کیونکہ قرآن ایسی قوم پر آیا ۔ جو اہل بلاغت و فصاحت اور صرف سخن پر پورے قادر تھے ۔ اور باوجود اس کے کہ وہ صرف سخن پر قدرت رکھتے تھے ۔ قرآن کے معارضہ اور اس کے مثل کے لانے سے بالکل عاجز رہے ۔ اور حضرت عیسے علیہ السلام مردہ زندہ کرنے کا معجزہ ایسی قوم پر لائے کہ وہ ہرگز احیاء موتی کی قدرت

نہیں رکھتے تھے۔ قریش کو ہرگز توقع نہ تھی کہ کوئی شخص ایسا بلیغ کلام لائیگا جس کے معارضہ سے وہ عاجز ہوں گے۔ پس وہ خلاف توقع قرآن کے معارضہ سے عاجز ہو گئے۔ غرض قرآن کریم کی مثل کسی پیغمبر کو معجزہ نہیں دیا گیا۔ اُس کی خصوصیت یہ ہے کہ دوسرے انبیاء کرام کو معجزہ بروقت طلب تحدی دیا جاتا تھا۔ یعنے پہلے سے انبیاء معجزہ سے واقف نہ ہوتے تھے۔ جب قوم اُن سے معجزہ طلب کرتی تھی۔ تو خدا تعالےٰ انبیاء کے ہاتھ پر مطلوبہ معجزہ کو ظاہر کرتا تھا۔ پھر جب حجت ثابت ہو گئی۔ تو وہ معجزہ مرتفع ہو جاتا۔ اور یا زیادہ سے زیادہ انبیاء کی حیات تک باقی رہتا تھا۔ اور انبیاء کے بعد اُن معجزوں کا صرف ذکر اُمتوں کے درمیان باقی رہتا تھا۔ اور قرآن جو بنفسہ معجزہ ہے۔ بعد رسول صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بھی درمیان اُمت کے ویسا ہی محفوظ اور باقی ہے۔ اور قیامت تک اُس کی تحدی جاری و باقی رہیگی اُس پر فنا روا نہیں ہے۔

قرآن کریم میں دعوت اور حجت دونوں ہیں

ایک عجیب بات یہ ہے کہ پیغمبر جب دعوت پر مامور ہوتے ہیں تو اُس کے بعد صحت دعوے کے لئے اُن کو معجزہ بطور حجت عطا ہوتا تھا۔ گویا دعوت اور حجت دونوں چیزیں جُدا جُدا تھیں مگر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے لئے صرف قرآن کریم میں دعوت و حجت دونوں چیزیں جمع کی گئیں قرآن معنی کے لحاظ سے دعوت ہے۔ اور وجوہ بلاغت کی رو سے معجز اور حجت دعوت ہے۔ پس اُس کی حجت بھی اُس کے نفس میں ہے۔ اور دعوت بھی اُسی میں ہے۔ اور قرآن کے لئے یہ شرف و فضل کتنا پسندیدہ ہے کہ ایک ہی چیز میں دعوت و حجت دونوں جمع ہیں۔ اور وہ دونوں قیام قیامت تک ایک دوسرے سے جُدا نہ ہونگی۔ بعض ایسے سادہ دل اشخاص ہیں۔ جن کی فہم و درایت اِن معجزات کی حقیقت حقہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا ہم اُن کے سامنے ایک عمدہ دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی نبوت کی

پیش کرتے ہیں ۔ اور یہ وہ دلیل ہے کہ کسی نبیؐ کے بڑے سے بڑے معجزہ سے اعلےٰ و بالاتر ہے ۔ وہ دلیل حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے حالات زندگی ہیں ۔ جن پر غائر نظر کرنے سے فوراً آپ کی نبوت کی صداقت کا یقین ہو جاتا ہے ۔

ظاہر ہے کہ آپ ابتدائے حال میں ایک یتیم تھے ۔ نہ آپ کو کوئی قوت حاصل تھی جس کے ذریعے لوگوں کو اپنی بات منوا لیتے نہ صاحب مال و جاہ تھے ۔ کہ اُس کی لالچ و طمع دے کر قریش کو فریفتہ کرتے ۔ اور نہ آپ وارث ملک تھے کہ لوگ بطمع روزی و حصول جاہ آپ کی پیروی کرتے ۔ بلکہ تنہا و بے یار و مددگار رہتے ۔ کسی شخص کو آپ کی دعوت سے اتفاق نہ تھا ۔ حتیٰ کہ اس معاملہ میں آپؐ کے خویش و اقارب اور قریبی رشتہ دار تک آپؐ کے مخالف اور دشمن جان تھے ۔ باوجود اس کے جب آپ منادی توحید بن کر قریش میں آئے تو آپؐ کے عزم و استقلال اور آپ کی سچی رسالت و بشارت نے ایک عرصہ قلیل میں تمام ملک عرب و اطراف و جوانب کو جس میں شرک تثلیث اور بُت پرستی پھیلی ہوئی تھی ۔ ایک دم خدا کی توحید کی جانب جھکا دیا ۔ اور سب نے مذہب بُت پرستی اور عادات جاہلیت سے کہ مدت سے اُس پر مصر تھے ۔ صدق دل سے توبہ کر لی ۔ اور اُنہوں نے اپنے تمام مثالب کو مناقب سے بدل لیا ۔ وہ ایسے لوگ اور اُن کا ملک ایسا ملک تھا ۔ جہاں مدتوں سے کوئی داعی دین یا صاحب ملک نہیں آیا تھا کہ ان کو لوگوں کا خون بہانے غارت کرنے استباحت محرمات و زنا اور مردار کھانے اور ایک دوسرے پر ظلم و ستم کرنے سے باز رکھتا ۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی دعوت ظاہر ہوئی ۔ تو یکبارگی اُن کا حال بدل گیا ۔ اور سب بیک دل و یک زبان دین حق پر متفق ہو گئے ۔ اور ایک دم آپ کی طاعت کی طرف دوڑ پڑے ۔ اور بصفات مکارم اخلاق و محاسن افعال موصوف ہوئے ۔ اور خواہش دنیوی مثل حرص مال و جاہ و طلب ریاست اور متابعت شہوات اور اعتقاد کاہناں وغیرہ سب کو چھوڑ دیا ۔ اور بجائے اُس کے

تکالیف شرعی اور مشقت درویشی اور مفارقت اہل و عیال اختیار کیا۔ اور اپنی جانیں خدا تعالےٰ کی رضا میں بذل کیئے بادُوں اس کے کہ اس میں غرض دنیوی کا شائبہ ہوتا ۔

انسان جب ان حالات اور اس انقلاب عظیم پر غور و تامل کرے۔ تو وہ بہ یقین جان لے کہ ایسے کارہائے نمایاں اختیار عقلی اور تدبیر فکری سے حاصل نہیں ہوتے۔ اور آدمی کی قوت وسعی اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتی ہے یہ ایک آسمانی مدد اور خدائی کام ہے کہ اس کے حکم و تقدیر کے سوا ممکن نہیں۔ اس میں کسب کو کوئی دخل نہیں ہے۔ قرآن کریم بھی اسی جانب اشارہ کرتا ہے کہ لو انفقت ما فی الارض جمیعًا ما الفت بین قلوبھم ولٰکنّ اللہ الّف بینھم اے رسولؐ اگر تم اُن کی مواخات اور موافقت میں زمین کی تمام چیزیں بھی خرچ کر ڈالتے۔ تو اُن میں الفت پیدا نہ کرسکتے۔ لیکن اللہ نے اُن کے درمیان محبت پیدا کی ۔

دوسرے اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم امّی تھے۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اور پرورش بھی ایسی قوم میں ہوئے تھے۔ جو آپؐ کی طرح اُمّی تھے۔ اور وہ شہر بھی ایسا تھا کہ وہاں نہ کوئی اسلم گذشتہ کے اخبار کا عالم تھا۔ اور نہ کوئی ایسا صاحب سخن تھا جو اپنی حجت و جدال سے خصم کو خاموش کرسکتا۔ اور نہ کوئی فیلسوف صاحب وضع و ایجاد تھا۔ پھر نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کسی دوسرے شہر کا سفر کیا تھا۔ اور نہ کسی عالم کو واقف علوم و فنون پایا تھا۔ باوجود ان امور کے جب آپؐ دعوت توحید کرتے تھے تو انجیل و توریت کے اخبار سے خبر دیتے تھے۔ اور انبیائے گذشتہ اور امتہائے سلف کے واقعات و حالات جیسے گذرے تھے فرفر سناتے تھے۔ باوجودیکہ اُن کے حالات میں مرور ایام اور تحریف اہل کتاب سے بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا تھا ۔

پھر آپؐ ہر ملت کے مخالفین کے مقابل حجت و دلائل لاتے اور اپنے دعویٰ پر ایسے پُرزور براہین قائم کئے کہ جہان کے تمام زیرک و عقلائے

جمع ہو کر اُن میں ایک نقطہ کا فرق و نقص نہیں نکالا - یہ تمام باتیں اس امر کی روشن دلیلیں ہیں کہ خدا کی طرف سے آپؐ مامور اور مدد یافتہ تھے - اور خدا ہی کا ہاتھ آپؐ کے ساتھ کام کر رہا تھا - قرآن بھی اس جانب اشارہ کرتا ہے - اَوَ لَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۔ کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے تم پر قرآن کریم نازل کیا - جو اُن پر پڑھا جاتا ہے بے شک اس میں یقین لانے والوں کے لئے رحمت و ذکر ہے ۔

چوتھی فصل

آنحضرتؐ پر ایمان لانے اور بعض مہمات امور کی شناخت میں

جناب سرور کائنات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے معنی ہیں کہ دل سے آپؐ کی رسالت کی تصدیق اور زبان سے اُس کا اعتراف و اقرار کیا جائے - اور آپ کی رسالت پر ایمان لانا حقیقت میں خدا تعالےٰ پر ایمان لانا ہے - کیونکہ رسالت پر ایمان لاتا بدون خدا پر ایمان لائے ممکن نہیں - اس لئے کہ جب فرستادہ کے سچے ہونے کی تصدیق کر اعتراف کر لیا تو یہی فرستندہ یعنی خدا کی تصدیق و اعتراف ہے اور جب رسول کی رسالت پر ایمان لے آیا - تو اُس کی اطاعت بھی اس پر واجب ہو گئی - کیونکہ امر و نہی کا قبول کرنا رسول سے گویا اللہ تعالےٰ کے تمام احکام و تکالیف کو قبول کرنا ہے یہی سبب ہے کہ رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے - اور رسول کی مخالفت خدا کی مخالفت ۔

رسول پر ایمان لانے کے متعلق قول مجمل یہ ہے کہ آپؐ کے ہر ایک کلام و پیام کی پوری تصدیق کرے - اُس میں شک و شبہ کو ذرہ برابر دخل نہ دے -

اِس کے ساتھ ہی آپ کی رسالت پر تفصیلی ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ تاکہ ایمان مجمل میں جس امر کا اعتراف کر چکا ہے مفصل میں اُس کے خلاف نہ ہو۔ اُس میں سے یہ ہے کہ حضرت رسول خدا جو کچھ فرماتے رہیں اور جو کچھ خدا تعالیٰ کے پاس سے لائے ہیں۔ اُس کے متعلق آپ کی پوری تصدیق کرے۔ اور یقین کرے کہ آپؐ اپنی جانب سے ایک کلمہ کم و زیادہ نہیں کہتے۔ اور یہ بھی تصدیق کرے کہ آپؐ تمام جن و انس کی طرف رسول و فرستادۂ خدا ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا بعثت الی الاسود والاحمر یعنی میں جن و انس کی جانب مبعوث ہوا ہوں۔ اور اسی معنی میں آیات قرآن ناطق ہے۔ چنانچہ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ اور چنانچہ یٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ ط

قوم جن کو اس امر کی نشانی اور اثر تو معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر کوئی آسمانی امرِ عظیم حادث ہوا ہے۔ اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت تھی۔ لیکن اُنہیں حقیقت حال سے اطلاع نہ تھی۔ وہ زمین پر اسی تلاش میں پھرتے تھے کہ حضرت پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نشان معلوم کریں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یعنے اے پیغمبر ہم نے قوم جن کا رخ تیری طرف پھیر دیا کہ اُنہوں نے تیری رسالت کو پہچان لیا۔ اور تیرا کلام سن کر یہ یقین جان لیا کہ تو پیغمبر برحق ہے اس آیت میں ایک لطیف اشارہ یہ ہے کہ اگر یہ خود سے تیری خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تو ممکن نہ تھا۔ اس واسطے کہ اُن کا صارف یعنے تیری طرف پھیر دینے والا یہ حقیقت میں تھا۔ جب اُنہوں نے قرآن کریم کو سُنا اور اپنی قوم کی طرف گئے تو کہنے لگے۔ یٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ ط اے ہماری قوم خدا کی طرف بلانے والے کو جواب دو۔ اور اُس پر ایمان لاؤ۔ یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ جن کی طرف بھی فرستادۂ خدا ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم تک کوئی پیغمبر قوم جن کی طرف مبعوث نہیں ہوا۔ لیکن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حقیقی طور پر جس طرح بنی آدم کی جانب مبعوث ہوئے اِسی طرح

جن کی طرف ہاں حضرت سلیمان علیہ السلام ہی انبیائے سلف میں ایک ایسے پیغمبر تھے جو قوم جن کی طرف مبعوث ہوئے ⁂

إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰى کی تفسیر

یہ جو قرآن پاک میں إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰى یعنی جن کہتے ہیں کہ ہم نے ایک کتاب سنی۔ جو موسٰی علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی۔ یہ آیت دلیل ہے اس امر کی کہ جن حضرت موسٰی ع کی رسالت پر ایمان لائے تھے نہ یہ کہ حضرت موسٰے جن کی جانب مبعوث تھے۔ اور جس طرح ہمارا ایمان موسٰی علیہ السلام پر اس امر کی دلیل نہیں کہ موسٰی خدا کی جانب سے ہم پر رسول و فرستادہ ہیں۔ اسی طرح جن کا موسٰے پر ایمان لانا دلالت نہیں کرتا۔ کہ حضرت موسٰی جن کی جانب رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور تفاسیر میں بہ تحت اس آیت کے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کی دعوت قوم جن کو نہ پہنچی تھی۔ یا خود قوم جن نے توریت کو یاد کیا تھا۔ یہ ایک ظنی بات ہے نہ یقینی۔ اور اس بات کا سبب کہ جن نے توریت کو یاد کیا تھا۔ انجیل کو نہیں۔ یہ ہے کہ سلیمان ع اور دوسرے انبیائے بنی اسرائیل جو حضرت موسٰے کے بعد اور حضرت عیسٰے کے پہلے گذرے۔ اُن سب کی کتاب توریت تھی۔ اور اُسی کے موافق حکم کرتے تھے۔ جب سلیمان ع مبعوث ہوئے تو جن نے اُن سے توریت ہی کو قبول کیا تھا۔ اور اُسی کی اطاعت اُن پر واجب ہوگئی تھی۔ پھر سلیمان ع علیہ السلام کے بعد کوئی پیغمبر ع جن کی جانب مبعوث نہ ہوا۔ اور حضرت سرور کائنات رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی اُن کی جانب مبعوث ہوئے اِس سبب سے انہوں نے بہ تخصیص موسٰی علیہ السلام کا ذکر کیا ⁂

اگر سوال کیا جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پہلے جن مخاطب بہ امر و نہی تھے یا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مخاطب تھے اُن اوامر و نواہی و عدہ وعید

پر جو حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے فرشتوں کی رسالت کے ذریعہ اُن کو پہنچے تھے پھر سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں تجدید دعوت ہوئی۔ واللہ اعلم، اور اگر کوئی شخص جنوں کو یا بنی آدم کی کسی صنف کو ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت سے مستثنیٰ کرے تو اس کا ایمان حضرت رسول خدا کی رسالت پر درست نہ ہوگا۔

خدا تعالےٰ نے ابتدائے دعوت میں آپ کو فرمایا کہ اپنی قوم کو اور اپنے خویشوں کو یعنی قریش کو خدا کی طرف دعوت کرو۔ جب آپ کی دعوت قوم میں ظاہر ہوگئی تو خدائے تعالےٰ نے فرمایا میں نے یہ قرآن تم پر اس لئے نازل کیا ہے کہ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو یعنی عرب کو ڈراؤ اور آگاہ کرو۔ پھر فرمایا۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا یعنی ہم نے تم کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا ہے۔

اور یہ جو قرآن میں ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ یعنی ہم نے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر اس کے قوم کی زبان پر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمارے پیغمبر صرف عرب کے لیے مبعوث تھے، بِلِسَانِ قَوْمِهٖ سے مراد وہ لوگ ہیں کہ پیغمبر اُن سے تھے۔ اور انہیں کے درمیان اُن کی دعوت ظاہر ہوئی۔ یہ آیت اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ آپ کی دعوت سوائے عرب کے دوسری جماعت کی طرف جو نہ تو اُن کے قبیلہ سے تھے۔ اور نہ اُن کی قوم سے۔ اور جو اُن کی دعوت میں ظاہر نہیں تھے۔ اُن کی طرف نہیں تھی۔ اور آپ ان کی طرف فرستادۂ خدا نہیں تھے۔ اگر کہا جاوے نہیں۔ مراد اس سے اہل دعوت ہی نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل پر بھیجے گئے تھے۔ اُن کی زبان عبری تھی۔ اور توریت بھی اسی زبان میں تھی۔ پھر اگر بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے عرب میں تربیت پائی اور اُن کی زبان عبری نہ ہوئی تو کیا بنی اسرائیل کی یہ جماعت اُن کی دعوت سے خارج ہوئی۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرستادۂ خدا تھے۔ ان کی زبان سریانی تھی۔ انجیل بھی اسی زبان میں نازل ہوئی تھی جب رُوم کو اس زبان میں دعوت کی۔ حالانکہ اُن کی زبان سریانی نہ تھی۔ تو کیا حضرت عیسیٰ کی یہ دعوت درست نہ تھی۔ پھر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کیونکر خاص عرب کے لیے مخصوص

آنحضرت کی رسالت عامہ تھی۔

ہو سکتی ہے۔ قرآن شریف میں ہے وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ؕ یعنی آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ مجھ پر یہ قرآن وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ تم کو جو حاضر دعوت ہو۔ اور ان کو جن لوگوں تک یہ قرآن پہنچے عذاب الٰہی سے ڈراؤں۔ یہ آیت آپ کی عموم دعوت کی یقینی اور صاف و صریح دلیل ہے۔ اس کے بعد کسی کو آپ کی دعوت و رسالت کے عام ہونے میں شک نہیں ہو سکتا ؀

زندیقان بے دین جو آپ کی رسالت کے منکر ہیں۔ وہ عوام مسلمانوں میں بطور مناظرہ ایسی باتیں پھیلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت کی رسالت عرب تک محدود تھی۔ اور کہتے ہیں کہ خدا نے فرمایا ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔ پھر جب وہ فارسی یا ہندی وغیرہ زبانیں نہیں جانتے تھے۔ تو ان لوگوں کے پیغامبر کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس کا جواب ہم از روئے آیات قرآنی اور مثالہائے انبیائے سابقین اوپر بیان کر چکے ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ جب تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ وہ پیغمبر عرب تھے۔ تو ضرورتاً ان کے تمام اقوال کی بھی تصدیق کرنا لازم ہے۔ کیونکہ فرستادگان خدا جھوٹ اور دروغ نہیں کہتے ہیں۔ اور آپ نے فرمایا ہے کہ خدا نے مجھے جن وانس کی طرف بھیجا ہے۔ اور ان کی طرف بھی جن کو میری دعوت پہنچے۔ اور حدیث درست ہے کہ آنحضرتؐ نے نجاشی حبشی کی طرف نامہ لکھا۔ اور ان کو اپنے دین کی دعوت کی۔ نیز ہرقل رومی اور کسریٰ کو فرامین بھیجے اور ان کو اپنے دین برحق کی جانب بلایا۔ ان میں سے کوئی بھی عرب کا باشندہ نہ تھا۔ اور یہ روا نہیں کہ پیغامبر بے حکم خدا کے کوئی کام کرے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ تمام دنیا اور تمام انس و جن کی جانب رسول اور فرستادۂ خدا ہیں ؀

آنحضرتؐ کا خاتم الانبیا ہونا

حضرت رسول خدا پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مومن اس بات کی بھی تصدیق کرے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا نہ مرسل نہ غیر مرسل۔ خاتم النبیین سے یہی مراد ہے کہ آپؐ نے نبوت پر مہر کر دی۔ اور نبوت آپ کے آنے سے تمام ہو گئی۔ یا یہ معنے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے آپ کی نبوت کے ساتھ پیغامبروں

کو ختم کر دیا۔ اور خدا کا ختم ایسا حکم ہے کہ اُس کا خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (اللہ نے کافروں کے دل پر مہر کر دی) کے یہ معنے ہیں کہ اُس نے حکم کر دیا کہ کافر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اور ختم کو کسی کام کے آخر ہونے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کو ختم کر لیا۔ یعنی قرآن کے آخر تک پہنچ گیا۔ اور پورا قرآن پڑھ لیا۔ یہ جب ہی کہا جاتا ہے کہ قرآن کی کوئی سُورت اور کوئی آیت پڑھنے سے باقی نہ رہے۔ اس کے پہلے نہیں کہہ سکتے۔ خَتَمْتُ الْقُرْاٰنَ یعنی قرآن کو مَیں نے ختم کر لیا۔ یہی معنے ازروئے لغت کے مستقیم ہیں۔ اور یہ کہنا ضعیف ہے کہ آخر انبیا ہونے کے سبب یہ کہا گیا۔

ختم نبوت کے دلائل

بہت سی احادیث صحیحہ میں بھی وارد ہے کہ نبوت آنحضرت ؐ کے آنے سے تمام ہو گئی۔ یعنی آپ کے بعد دوسرا نبی نہ ہوگا۔ اُن احادیث میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں قریب تیتیس سال کے دجّال کذّاب ہونگے۔ کہ اُن میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کریگا۔ حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ قَالَ سَتَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ قَرِیْبًا مِّنْ ثَلٰثٍ ثَلٰثِیْنَ سَتَّۃً کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَ اَنَا لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم غزوۂ تبوک کو جاتے تھے۔ اور جناب علی کو مدینہ میں رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ وہ رونے لگے۔ اور عرض کیا اے حضور کیا مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اے علی رضؓ تم راضی نہیں کہ میری جانب سے ایسے رہو۔ جس طرح حضرت موسےؑ کی طرف ہارون علیہ السلام رہے۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور حضرت سعد وقاصؓ نے دوسری حدیث میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا

مجھ کو اور قیامت کو اس طرح بھیجا ہے۔ جیسے یہ دو انگلیاں اور اشارہ فرمایا مسبحہ اور سبابہ کی طرف۔ یعنی فرمایا جس طرح کہ کلمہ کی انگلی اور درمیانی انگلی کے بیچ میں کوئی انگلی نہیں ہے۔ اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ اور میری دعوت قیامت تک جاری اور ہمعنان ہے فرمایا بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ وَاَشَارَ بِاِصْبَعَیْہِ السَّبَّابَۃِ وَالْوُسْطٰی۔ اسی طرح حضرت جابر انصاری نے روایت کیا ہے۔ اور اس باب میں روایات اور احادیث شمار سے باہر ہیں۔

جب اس طریق سے یہ معلوم ہو گیا کہ آپؐ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہ ہوگا تو بالضرور رسول بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک رسول نبی ہوتا ہے۔ نبوّت کی نفی سے رسالت کی نفی بطور اولیٰ ثابت ہے۔ آنحضرتؐ کے ظہور سے پہلے انبیائے سابقین آپ کی بشارت دیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آخر انبیا ہیں اہل کتاب براہ کفر وحسد اُن بشارات کو چھپاتے تھے۔ پھر اُن کے علما میں سے جو لوگ دین اسلام میں داخل ہوئے۔ اُنہوں نے متفق الکلمہ ہو کر اس بات کا اقرار واعتراف کیا کہ ہم نے درحقیقت آنحضرتؐ کو اُسی صفت پر پایا۔ جیسا توریت وانجیل میں دیکھا اور پڑھا تھا۔

کتب انبیائے سابقین میں مذکور ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم انبیا ہیں۔ اُن کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اُن کی دعوت قیامت تک باقی ہے۔ یہودیوں کی ایک جماعت دعویٰ کرتی تھی کہ ہم محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیروی نہیں کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب تک زمین وآسمان باقی ہے۔ میرا دین قائم ہے۔ اگر جماعت یہود کا یہ قول درست ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ تمام انبیا علیہ السلام تنزیہہ وتوحید وعدہ وعید بعث ونشور کی دعوت کرتے آئے ہیں۔ اس میں کسی نے خلاف نہیں کیا۔ اور خلاف کرنا روا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے معنے یہ نہیں ہیں کہ احکام موسےٰ علیہ السلام کو نسخ وتبدیل اور اُن کی شریعت میں تبدل وتغیّر روا نہیں ہے۔ اور یہ بات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمائی۔ خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ چنانچہ فرمایا شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا

وَالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی وَ عِیْسٰی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ خدا کا شکر ہے کہ یہ مسئلہ اہلِ اسلام میں اس قدر روشن ہے کہ بیان و ذکر کی حاجت نہیں۔ لیکن اس بات کا یہاں بیان کر دینا ہم نے اِس لئے ضروری سمجھا کہ مبادا کوئی زندیق ایسا فضول سوال پیش کرکے عوام مسلمانوں کو دھوکے میں ڈالے، اور اس شبہ سے اُن کی دینداری میں ایک قسم کا نقص پیدا ہو جائے، بعض گمراہ لوگ یہ بھی کہہ بیٹھتے ہیں کہ کیا خدا تعالےٰ کی قدرت سے یہ امر بعید ہے کہ وہ دُوسرا نبی ظاہر کرے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب خدا تعالےٰ کسی امر کے متعلق خبر دے چکا کہ ایسا ہو گا تو اُس کے سوا دُوسرا نہیں ہو سکتا۔ پس خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد قیامت تک دوسرا نبی نہ ہو گا۔ پھر اُس کے خلاف کیونکر ہو سکتا ہے۔

اس قسم کی باتیں وہی شخص پیش کرتا ہے۔ جو اصلاً آنحضرتؐ کی نبوت کا معتقد نہ ہو، اگر وہ آپ کی رسالت کا معترف ہوتا۔ تو آپ کو ہر قول میں سچا جانتا پھر جب احادیث متواترہ سے یہ مسئلہ صاف ہو چکا ہے کہ آخر انبیا خاتم انبیا ہیں تو وہ اس سے کبھی انکار نہیں کر سکتا۔ اور بدل یقین رکھتا کہ آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں ہو گا۔ با وجود ان دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے اگر کوئی شخص آنحضرت کے بعد کسی دوسرے نبی کے آنے کو جائز رکھے، تو باتفاق علمائے اسلام کافر ہے، یہ ہے شرط درستی ایمان کی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر۔

آنحضرتؐ کبھی اپنی قوم کے دین پر نہ تھے

نیز یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرتؐ کبھی اپنی قوم کے دین پر نہ تھے اور آپ کو خدا تعالےٰ نے سوائے خدا کے دوسرے کی پرستش سے محفوظ رکھا تھا۔ اور آپ ہمیشہ کفر سے معصوم تھے، اور دوسرے انبیا کی بابت بھی ایسا ہی اعتقاد رکھنا چاہیئے، کہ سب کے سب پیام الٰہی اور تبلیغ رسالت میں دروغ و خطا سے معصوم تھے۔ اگر کسی سے زمانہ نبوت میں کوئی صغیر گناہ ہوا بھی ہو۔ تو

بطریق سہو و نسیان ہوگا۔ وہ خطا و زلت پر نہیں رہتے۔ جب انہیں اس کا علم ہو جاتا تو فوراً اس کے تائب ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے باز آجاتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی زلت اسی قسم کی تھی، اور حق تعالیٰ نے جو فرمایا وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی اس کے معنے یہی سمجھنا چاہیئے کہ آدم علیہ السلام سے بطریق نسیان زلت صادر ہوگئی۔ جس کے سبب اُن کا عیش زندگی اُن پر دوبھر ہوگیا۔ (تفسیر کبیر میں لفظ غویٰ کے معنے فَسَدَ تْ عَلَیْہِ عَیْشُہٗ کے ہیں۔ جس کو ہم نے ترجمہ میں استعمال کیا ہے) اور گناہان کبائر کا صدور زلت فراموشی کے سبب تھا۔ لیکن چونکہ اُن کے حال کی مناسبت سے یہ بھی بہت کچھ تھا۔ اس لئے لفظ غویٰ کا استعمال ہوا۔ اور گناہان کبائر کا صدور انبیا سے ہرگز روا نہیں ہے۔ اور برادران یوسف ؑ سے جو کچھ صادر ہوا وہ اُن کے مرتبہ نبوت پر پہنچنے سے پہلے تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نبوت کے قبل اپنی قوم کے دین پر تھے۔ ایسا کہنا ضلالت و گمراہی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ آپ[۱] نے فرمایا جب کعبہ کی بنا کرتے تھے تو قریش پتھروں کو کندھوں پر اٹھا کر لاتے تھے۔ عباس رضؓ نے مجھ کو کہا کہ اے بھتیجے تم بھی ازار نکال کر کندھے پر ڈال

[۱] خلاصۃ السیر میں ہے کہ خانہ کعبہ کی عمارت چونکہ خراب ہوگئی تھی۔ اور چھت بھی نہ تھی۔ علاوہ اس کے دیواروں کی بلندی قد آدم سے زیادہ نہ تھی۔ اس واسطے اس کی دوبارہ عمارت کی ضرورت پڑی۔ عمارت کے وقت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی پتھر لاتے تھے۔ پہلی ندائے غیبی آپ کو اُسی وقت ہوئی۔ سبب یہ تھا کہ عرب کے چھوٹے لڑکے سنگ کشی کے وقت اپنے لنگوٹ کو نکال کر اس میں پتھر بھر کے عمارت گاہ میں لے جاتے تھے۔ آپ نے بھی ان کی دیکھا دیکھی ایسا ہی کیا۔ اور لنگوٹ جس کو ازار بھی کہتے ہیں۔ نکالنے کے ساتھ بیہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے تو آپ نے ندای غیبی سُنی۔ کہ کوئی کہتا ہے استر عورتک یعنی اپنی عورت کو چھپاؤ۔ اس واقعہ صحیحہ سے ثابت ہے کہ عصمت الٰہی نے آپ کو حالت طفلی مذکورہ میں ناکردنی باتوں سے محفوظ رکھا۔ تو آپ کا قبل نبوت اپنے قوم کے دین پر ہونا کیونکر روا ہوگا۔ عمارت کعبہ کے متعلق روایات مختلف ہیں بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر شریف تیرہ یا چودہ سال کی تھی۔ اور بعض کہتے ہیں ۳۵ سال کی تھی۔ تطبیق ان دونوں میں یوں ہوسکتی ہے کہ تعمیر کو کئی سال تک ہوتی رہی۔ جن دنوں آپ پتھر لاتے تھے اس وقت آپ کی عمر چھوٹی تھی۔ اور یہ

کہ ضائع نہ ہوجاوے، مَیں ایسا کرنے کو تھا۔ کہ ایک شخص نے سامنے آکر زور سے میرے پہلو پر ہاتھ مارا۔ اور کہا کہ تو بھی ایسا فعل کرتا ہے میں اس سے بیہوش ہوگیا۔ جب ہوش میں آیا تو لوگوں نے کہا تجھے کیا ہوگیا ہے۔ مَیں نے کہا میری ازار کہاں ہے۔ پس جس شخص کے لیے خدا تعالیٰ حالت طفولیت میں کشفِ عورت روا نہ رکھے۔ اور اس پر تادیب کرے اور نگاہ رکھے۔ تو اس کو کفر سے کیونکر محفوظ ومعصوم نہ رکھے گا۔

اگر کوئی شخص جبیر بن مطعم کی حدیث پیش کر کے اعتراض کرے کہ آپ اپنی قوم کے دین پر تھے۔ اور تم اُس سے انکار کرتے ہو۔ چنانچہ وہ حدیث یہ ہے لَقَدْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَھُوَ عَلٰی دِیْنِ قَوْمِہٖ یعنی مَیں نے پیغامبر کو دیکھا۔ وہ اپنی قوم کے دین پر تھے۔ تو جواب اُس کا یہ ہے کہ مراد دین سے اس جگہ بقیہ دین ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام سے جو تھوڑا بہت قریش میں باقی و مروّج تھا۔ جیسے مناسک حج و مناکح و بیوع وغیرہا۔ اِس سے مراد شرک اور احکام جاہلیت نہیں ہے مَیں نے اِس تاویل کی دلیل خود متن حدیث میں پائی ہے۔ جو حدیث مذکورہ کا باقی جزو ہے۔ وہ یہ ہے۔ وَھُوَ یقف علٰی بعیر لہ بعرفات مِنْ بین قَوْمِہٖ حتّٰی یدفع معھم توفیقًا من اللہِ عزّ وجل مَیں نے آپ کو درمیان قوم کے موقف عرفات میں ایک اونٹ پر سوار دیکھا یعنی بجز اس کے دوسرے کو اُس کی قوم سے اس صورت پر نہیں پایا۔ اور یہ محض خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیق تھی۔

اے مخاطب تجھ کو بھی اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ خدا تعالیٰ کی عصمت نے آنحضرت کو ترکِ وقوف بعرفات سے نگاہ رکھا۔ اور آپ نے ترکِ وقوف میں اپنی قوم کی موافقت نہیں کی۔ کیونکہ یہ ملت ابراہیمی کے خلاف تھا۔ قریش وقفہ حج کے لیے حرم سے باہر نہیں آتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر آتے۔ پس جب عصمتِ الٰہی نے آپ کو اس سے مامون ومحفوظ رکھا۔ کہ صرف اس ایک عمل میں بھی جو مخالفت نسک ابراہیمی ہے۔

اپنی قوم کی موافقت کریں۔ تو اُن اعمال میں کیونکر قوم کی موافقت کر سکتے ہیں۔ جو سرے سے جملہ انبیائے سابقین کے دین و مذہب کے خلاف ہیں۔ اور جن سے توحید کی بنیاد ٹوٹتی ہے۔ آپ کی قوم تو بت پرست تھی پس آپ اپنی قوم کے دین پر کیونکر ہو سکتے ہیں) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اوپر ذکر ہوئی۔ ہمارے بیان کی تصدیق کے لیئے کافی ہے کہ جب آپ نے ازار اُتار کر کندھے پر ڈالنا چاہی۔ تو فوراً آپ کو اُس سے منع کیا گیا۔ حضرت جبیر ابن مطعم کی حدیث اس مقدمہ میں کوئی حجت نہیں ہے۔ اس کی تاویل اس طرح کرنا چاہیئے جیسا اوپر بیان ہوا تاکہ اصولِ دین کے مخالف نہ ہو۔

شبہ اور اس کی تردید

بعض لوگ ذیل کی آیات پیش کر کے کہتے ہیں کہ نبوت کے پہلے آپؐ اپنی قوم کے طریق پر ہونا ان آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ یعنی تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے۔ اور ایمان کیا ہے۔ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ اور تم کو گمراہ پایا۔ پھر ہدایت کی۔ اِن آیات کے وہ معنے نہیں ہیں۔ جو مخالفین بیان کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کے متعلق چند توجیہات ہیں۔ جن کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ آیات مذکورہ کے معنے صاف ہو جائیں۔

اوّل یہ کہ قرآن شریف میں آنحضرتؐ کے ساتھ خطاب تین طرح پر پایا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ خطاب آپؐ سے ہوتا ہے۔ اور مراد اُس سے آپؐ کی اُمت اور آپؐ دونوں ہوتے ہیں۔ دُوسرے یہ کہ خطاب آپؐ سے ہوتا ہے اور مراد آپؐ کی اُمت ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ خطاب آپؐ سے ہوتا ہے۔ اور مراد بھی آپؐ ہی ہوتے ہیں۔ پس آیت مَا كُنْتَ تَدْرِي اور وَوَجَدَكَ ضَالًّا میں دوسری قسم کا خطاب ہے۔ کہ مخاطب آپؐ ہیں اور مراد اس سے آپؐ کی اُمت ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا کہ ماں باپ کو اُف نہ کہو۔ اور نہ انہیں جھڑکی دو۔ اور اُن سے بات کرو تو نرمی کے ساتھ۔ اس آیت میں خطاب آپؐ سے ہے اور مراد اُمت ہے۔ کیونکہ اس خطاب سے بہت زمانہ پہلے آپؐ کے والدین فوت ہو چکے تھے۔

دوم یہ کہ مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ کے یہ معنی ہیں کہ اے رسُول تم علم کتاب اور اُس کے احکام نہیں جانتے تھے۔ اور تم کو ایمان کی شاخوں اور اس کی شرائع کا علم نہ تھا۔ ہم نے تم سے اِن باتوں کو بیان کیا۔ اس کے معنے یہ نہیں کہ تم خدا کو ہی نہیں پہچانتے تھے۔ اسی طرح وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى کے یہ معنے ہیں۔ کہ تم عالم شریعت اور آدابِ عبودیت سے بے راہ تھے۔ ہم نے تم کو رستہ بتایا +

سوم یہ کہ عرب جب کسی کو ہلاک کے نزدیک پاتے ہیں تو کہتے ہیں۔ وَوَجَدتُّهَا لِگا یعنی مَیں نے اس کو ہلاکت کے قریب پایا۔ تو یہ معنی ہوئے کہ اے محمدؐ تم ضلالت کے قریب تھے۔ ہم نے تمہیں راہِ ہدایت دکھائی۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا بعض کہتے ہیں وَوَجَدَكَ ضَالًّا کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے تمہیں گمراہ قوم کے درمیان پایا +

چہارم یہ کہ ضلال کا لفظ تھوڑے اور بہت دنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص رستہ سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہو جائے تو کہتے ہیں ضَلَّ عَنِ الطَّرِيْقِ یعنی فلاں شخص رستہ سے بہک گیا۔ اور ایسا ہی کہتے ہیں اُس وقت جب کوئی رستہ سے دس کوس دور ہو جائے۔ یا اس سے زیادہ پس اس جگہ ضلال کے پہلے معنے ہیں +

آنحضرتؐ فاضل ترین انبیاء ہیں

آنحضرت کی رسالت پر ایمان لانے کو یہ بھی شامل ہے کہ آپ کے فاضل ترین اور بہترین انبیا ہونے کا اعتقاد رکھے۔ اس کی دلیل خود حضور علیہ السلام کا قول ہے۔ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ اور ظاہر ہے کہ فرزندانِ آدم علیہ السلام پیغامبر تھے، بعض آدم علیہ السلام سے بھی مرتبہ میں فاضل اور اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ جیسے نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسٰی علیہم السلام اور جب ثابت ہوا کہ آپ اُن سے فاضل و بہتر ہیں تو ضرور آدم علیہ السلام سے بھی فاضل ہوئے۔ اس کی دلیل یہ ہے

کہ آپ نے فرمایا۔ اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَائِیْ آدم اور انکے سوائے سب میرے لوا کے تلے ہیں۔ اور دُوسری حدیث میں ہے کہ مَیں قیامت کے دن پہلا شفیع ہونگا۔ اور پہلا وہ شخص ہونگا جس کی شفاعت مقبول ہوگی۔ اور یہ حدیث درست ہَے۔ علمائے حدیث اس کی صحت پر متفق ہیں۔ اس حدیث سے آپکی فضیلت تمام خلائق پر ثابت ہے۔ اور قطعی دلائل سے ثابت ہَے کہ آپؐ کے فضائل تمام انبیا پر ہیں۔ اور آپؐ کی رسالت شریف ترین انبیائے علیہم السلام سے ہَے، کیونکہ آپؐ کی رسالت سے سابقہ رسالتیں منسوخ ہوگئیں۔ اور اس کے بعد کوئی دُوسری رسالت بھی نہ ہوگی۔ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں اس جانب اشارہ فرماتا ہے۔ وَ اِنَّہٗ لَکِتَابٌ عَزِیْزٌ لَّا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ۔ یعنی یہ ایک کتاب عزیز ہے۔ اُس کے قبل کوئی ایسی کتاب نہیں پائی جاتی۔ جو اس کی تکذیب کرے، اور نہ اس کے بعد کوئی ایسی کتاب ہوگی، جو اُس کے حکم کو اٹھا دے، آپ کی فضیلت کے دلائل بہ کثرت ہیں۔ یہاں اسی پر اختصار کیا گیا ہے۔ لیکن ان دلائل کا تتمہ بیان کر دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ ہمارے اوپر کے بیان میں کسی کو شک و شبہ نہ رہے +

اِن دلائل کا تتمہ

وہ تتمہ یہ ہے کہ جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے چند ایسی احادیث پائی جاتی ہیں۔ جن کے مطالعہ سے عوام کو آپ کی فضیلت میں شبہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر خدا کے فضل سے کوئی شبہ نہیں ہے اہل علم کو چاہئے کہ اُن احادیث اور احادیث تفضیل میں جمع و مطابقت کریں تاکہ عام لوگوں کے دلوں میں آپ کی فضیلت کی جانب سے کوئی شک و شبہ نہ رہے +

اُن میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ آپنے فرمایا لَا تُخَایِرُوْا بَیْنَ الْاَنْبِیَاءِ یعنی انبیا کے درمیان مخائرہ نہ کرو۔ مخائرہ یہ ہے کہ ایک پیغمبر کو دوسرے پیغمبر پر فضیلت دیجائے۔ یعنی ایک شخص کہے کہ فلاں پیغمبر فلاں سے بہتر ہے اور دوسرا اُس کے خلاف کہے۔ اور جب یہ بات دو مختلف اہل ملت کے درمیان آتی

ہے تو ایک شخص دوسرے کے نقص میں سعی کرتا ہے۔ اور یہ کفر ہے۔ اور جب دو مسلمانوں کے درمیان یہ مخایرہ ہوتا ہے تو مخالف اپنے قول کی تائید میں ایسی باتیں کرتا ہے جس سے دوسرے نبی کی تحقیر ہوتی ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معارضہ کے لئے خدا و رسول کے کلام کو پیش کرتا ہے۔ جس سے اس کے گمراہ ہونے کا یقین ہے۔

تفاضل بین الانبیاء

بہر حال ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا تین قسم باہر نہیں یا تو ایسی بات ہے جو کتاب و سنت سے ظاہر ہوگئی کہ کون فاضل تر ہے۔ پس اس نوع میں اختلاف خود روا نہیں۔ یا ایسی بات ہے کہ قرآن و سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ بھی ناجائز ہے۔ یا وہ ایسا امر ہے جس کا ذکر کتاب و سنت میں پوشیدہ طور پر آیا ہے۔ اس باب میں بھی ہر شخص کو کلام کرنا روا نہیں ہے پس جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں تینوں قسموں میں سے کسی ایک کے لئے حدیث مذکورہ میں نفی، فرمائی ہے۔ لیکن جو بات کتاب و سنت میں پوشیدہ طور پر آئی ہے تو اس باب میں جن لوگوں کو خدا نے علم سے بہرہ وافی دیا ہے۔ ان کو سزاوار ہے کہ خدا تعالے کے کلام کے موافق طریق تفضیل میں جادہ پیمائی کریں۔ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اس آیت کو دلیل و حجت سے روشن کرنا اہل علم کا فرض ہے۔ تاکہ افضل کا حق مفضول سے متمیز ہو جاوے۔ اور یہ وہ قسم نہیں ہے۔ جس کے باب میں نہی وارد ہے۔ دوسری بات شبہ انگیز یہ ہے لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی یعنی موسیٰ پر مجھ کو فضیلت نہ دو۔ یہ اس وقت فرمایا کہ ایک مسلمان نے ایک یہودی کو طمانچہ مارا۔ وہ کہتا تھا کہ خدا نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے۔ (یہ اسی قسم ہے جس سے دوسرے نبی کی تحقیر ہوتی ہے) نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دوسرے کے پیغمبر کو ناسزا الفاظ سے یاد کرنے لگا۔ آپؐ نے اسی واسطے منع فرمایا اور مراد لَا تُفَضِّلُوْنِیْ سے

یہ ہے کہ تم اپنی طرف سے مجھ کو موسیٰ پر فضیلت نہ دو، اصلی فضیلت وہ ہے کہ خدا کسی کو عطا فرمائے۔ تمہارے تفضیل سے کوئی مفضل نہیں ہوتا۔

لَاتُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ کے معنی

اسی قسم کی ایک حدیث یہ ہے کہ لَاتُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ میری خیریت وبہتریت ابراہیم پر طلب نہ کرو۔ اس کے بھی یہی معنے ہیں کہ اپنی طرف سے تخیّر نہ کرو۔ اور شاید آپ نے براہِ تواضع و انکسار ایسا فرمایا ہو۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے جدّ اعلےٰ تھے، ایک حدیث یہ ہے کہ کسی شخص نے آپ کو کہا یَاخَیْرُ الْبَرِیَّۃِ جواب میں آپ نے فرمایا ذَالِكَ اِبْرَاهِیْمُ شاید یہ بھی تواضع و انکسار سے ہو، جو آپ کی عاداتِ شریفہ سے تھی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کہکر پکارا جاتا ہے، شاید خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ بھی آپ کا خطاب ہو، کتب سابقہ میں علمائے اسلام کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں سوا آپ کے کوئی بھی زمین کے پردہ پر موحد نہیں تھا۔ اس واسطے خدا نے آپ کو خلیل کے خطاب سے کیا۔ تو خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ بھی اس اعتبار سے ہوگا۔ اور یہ ایسا ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرتؐ کو خلیل اللہ کہکر پکارتا تو آپ جواب میں فرماتے ذَالِكَ اِبْرَاهِیْمُ مطلب یہ ہے، کہ اسم خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا علَم ہوگیا ہے۔ ورنہ حضرت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خلیل اللہ تھے، چنانچہ خود فرمایا وَلٰکِنْ صَاحِبُکُمْ خَلِیْلُ اللّٰہِ اسی تاویل سے حضرت ابراہیمؑ کو خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ کہا گیا۔ اُن کا خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ ہونا یا بہ نسبت انبیائے سابق کے تھا۔ یا بہ نسبت انبیائے معاصر[1]

---

[1] ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی فضیلت تمام انبیا و رسولوں پر ہے۔ اور آپ کے بعد حضرت ابراہیم کی تفضیلت ہے۔ کیونکہ حدیث صحیح میں ہے خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ ابراہیم۔ پھر آپ نے اِس سے اپنے کو مخصوص فرمایا۔ چنانچہ ترمذی نے روایت کی ہے۔ اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلُ اللّٰہِ اَلَا وَاَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ اور خلیل وحبیب میں جو فرق ہے۔ وہ ظاہر ہے، اور سب کا اجماع اسی پر ہے۔ کہ ابراہیمؑ کے بعد نوحؑ و موسےٰؑ و عیسیٰؑ کا مرتبہ تمام انبیا سے زیادہ ہے۔ اور یہ پانچوں پیغمبر علما کے نزدیک الوالعزم رسول ہیں بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۵

کے برابر ہے۔ جیسا حضرت رسُولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ فاطمہؓ کیا تم اس سے خوش نہیں کہ تم زنانِ عالم کی سیّدہ ہو حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا۔ پھر مریم کہاں ہیں۔ فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ کے عورتوں کی سیدہ ہیں۔ اور تم اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار ہو۔ پس یہی تاویل خیر البریّت کی کی ہے۔ کیونکہ بریت اُس خلق کا نام ہے۔ جو پیدا ہوگئی ہے۔ نہ وہ جو ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ اور میرے ذہن میں اس حدیث اور نیز اسی قسم کی دوسری احادیث کی بابت ایک تاویل آئی ہے۔ جو از بس مستقیم ہے۔ وہ یہ کہ ہر گاہ آپ تخییر و تفضل کا ذکر فرماتے تھے، تو آپ اس وقت اپنے تخیر و تفضل سے آگاہ نہ تھے۔ مگر امارات اور آثار سے اپنی خیریت و فضیلت پہچانتے تھے، لیکن قطعی طور پر واقف نہ تھے اسی واسطے جب اصحاب سے اس قسم کی باتیں سُنتے تو منع فرماتے کہ اس باب میں اپنی رائے سے کوئی بات مت کہو ؞

اَوَّلُ مَنْ یکتسیٰ اِبْرَاھِیْمُ کے معنی

اسی قسم کی ایک حدیث یہ ہے اوّل مَنْ یُلْتَبِسُ ابراھیم یعنی قیامت کے روز پہلے حضرت ابراہیمؑ کو لباس پہنایا جائیگا۔ اس کا سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ابراہیمؑ ہی پہلے شخص ہیں۔ جن کو منکرین نے آگ میں ڈالتے وقت برہنہ کیا تھا۔ لہٰذا آج خدا تعالےٰ انہیں دنیا وی برہنگی کا بدلہ عطا فرمائے گا اور انہیں سب سے پہلے ملبوس فرمائے گا ؞

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو جگہ ان کے نام جمع فرمائے ہیں۔ چنانچہ فرمایا شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہٖ نوحًا والذی اوحینا الیک وما وصّینا بہٖ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ اس آیت میں خدا نے نوح کے ذکر سے ابتدا کی ہے۔ اس لئے کہ وہ پہلے مرسل ہیں۔ پھر آنحضرت کا ذکر فرمایا اس لئے کہ آپ خاتم انبیا ہیں۔ اس کے بعد باقی نبیوں اولو العزم پیغمبروں کا۔ دوسری جگہ فرمایا واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح و ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ابن مریم یہاں آپکے ذکر کو مقدم کیا بلحاظ آپکے مرتبہ عظیمہ کے اگر کہا جائے کہ ابراہیم کا ذکر تو دونوں جگہ نوح کے بعد آیا ہے۔ پھر انہیں نوح پر کیوں کر فضیلت دی جاتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ فضیلت ابراہیم اوپر والی حدیث سے ثابت ہے۔ اس واسطے ابراہیم کا رتبہ بعد آنحضرت کے باتفاق علما سب نبیوں سے عظیم ہے ؞

ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز پہلے میں ہی ہوش میں آؤنگا۔ لیکن جب میں سر اٹھاؤنگا تو موسےٰ کو دیکھونگا کہ وہ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کہ سرے سے بیہوش ہی نہیں ہوئے۔ (العوض اُس بیہوشی کے جو طور پر ان کو طاری ہوئی تھی) یا مجھ سے پہلے ہوش میں آئے ہیں پس ان احادیث کی بنا پر اگر انبیا کی فضیلت آپ پر بعض جزئی باتوں میں ثابت ہوتی ہی تو ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت تمام انبیا علیہم السلام پر اَضْعَافًا مُضَاعَفَۃً ثابت ہے۔ چنانچہ آپ کی رسالت عموم انس و جن کی طرف ہونا اور آپ کی دعوت کا قیامت تک باقی رہنا۔ تیسرے بقائے معجزہ معہ دعوت چوتھی سب سے پہلے قبر سے اُٹھنا۔ پانچویں سب سے پہلے بہشت میں جانا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اِلیٰ مَالَانِہَایَۃَ لَہٗ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایک فضیلت رکھنے والا سابق ہوتا ہے یا دس فضیلتیں۔ اور اس سے بھی زیادہ فضائل رکھنے والا سابق و افضل ہوتا ہے۔

یُونُسْ ابْنِ مَتّیٰ والی حدیث کے معنی

ایک حدیث یہ ہے کہ آپ نے فرمایا لَا ینبغی لاحدٍ ان یقول اَنَا خَیْرٌ من یُونس ابن متیٰ یعنی کسی کو یہ کہنا زیبا نہیں کہ میں یونس ابن متیٰ سے بہتر ہوں۔ تو یہاں انا خیر سے مراد نفس آنحضرتؐ نہیں ہے۔ بلکہ نفس قائل مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کو روا نہیں ہے کہ وہ یونس ابن متیٰ سے اپنے کو فاضل جانے۔ اور یونس کی قید اس لئے ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت کو ارشاد فرمایا کہ تو مثل یونس ابن متیٰ کے مت ہو کہ اُس نے صبر نہ کیا۔ اور اپنی قوم کی ہلاکت میں شتابی کی۔ پھر جب میں نے اس کی قوم کی توبہ قبول کر لی۔ اور عذاب اُٹھا لیا۔ تو یونس غضبناک ہوا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں شیطان انسان کو ورغلاتا ہے۔ اور وہ خیال کرتا ہے کہ میں یونس ابن متیٰ سے فاضل تر ہوں۔ کیونکہ میں خدا کی راہ میں بذل جان و مال کرتا ہوں۔ اور سر مو اُس کے حکم سے تجاوز نہیں کرتا۔ اور جو مصیبت و مشقت من جانب اللہ یا من جانب خلق مجھ کو پہنچتی ہے۔

اُس پر صبر کرتا ہوں۔ اور یہ ضلالت ہے کہ کوئی شخص خصائلِ خیر میں خود کو انبیا سے فاضل جانے۔ کیونکہ اس سے تحقیر پیغمبر لازم آتی ہے۔ جو ضلالت وکفر میں داخل ہے۔ پس تادیبًا اُمت کے لئے یہ حدیث فرمائی۔ اور اگر مراد اس سے حضور اقدس کی ذات ہو۔ تو معنے یوں ہونگے کہ کسی کو یہ کہنا زیبا نہیں کہ مَیں (رسولخدا) یونس ابن متی سے فاضل تر ہوں۔ اس صُورت میں یہ حدیث آنحضرت کی تواضع و انکسار پر دال ہوگی، اور سبب اس فرمانے کا یہ ہے کہ قرآن شریف میں حضرت یونس علیہ السلام کا جو ذکر آیا ہے۔ اُس کے ملاحظہ سے اُمت کی نظر میں حضرت یونس کی حقارت نہ ہو۔ اس واسطے کہ رسالت کا منصب جلیلہ اس سے بلند تر ہے کہ کوئی شخص سوائے تعظیم کے اُس میں اندیشہ کرے۔

آنحضرتؐ نے کبھی حق کو نہیں چھپایا۔

ایمان بہ رسالت میں یہ بھی داخل ہے کہ مومن اعتقاد کرے کہ ہمارے حضور علیہ السلام نے کبھی امرِ حق کو نہیں چھپایا۔ اور نہ کسی امرِ باطل کی تردید و ابطال سے اغماض کیا۔ بلکہ آپ نے ہمیشہ بیانِ حق بہ حق کیا۔ اور بیانِ باطل بہ باطل یعنی امرِ حق کی نسبت بلا اندیشہ فرمایا۔ کہ وہ حق ہے۔ اسی طرح باطل کی بات اُس کے باطل ہونے کی شہادت دی۔ اس اظہار حق اور ابطال باطل میں جہاں اجمال کی ضرورت تھی۔ وہاں بطریق اجمال فرمایا۔ اور جہاں تفصیل کی ضرورت تھی۔ وہاں تفصیل سے کام لیا۔ مجمل کا ادراک علمانے فرمالیا۔ اور مفصل کا افہام عوام تک وسیع رہا حتیٰ کہ ہر ایک متنفس ذی عقل اس کو سمجھ گیا۔ غرض حضور کا بیان کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمْ کے موافق تھا۔

یہ بھی اعتقاد رکھے کہ آنحضرتؐ نے جس بات کے لئے فرمایا۔ یہ میرا خاصہ ہے۔ اس کو دُوسرے کے لئے تجویز نہ کرے۔ اور آپ کی خصوصیات تین درجہ کی ہیں۔ ایک خصوصیت بمقابلہ جملہ خلائق کے اور وہ مقام محمُود ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم قیامت کے روز اس مقام پر فائز ہونگے اسی مقام کے لئے آپنے فرمایا ہے لَا یَقُوْمُ اَحَدٌ غَیْرِیْ کہ میرے

سوا کوئی بھی اس قیام پر قیام نہیں کریگا۔ دوسرے خصوصیت بمقابل تمام انبیا کے شمل قیام دعوت اور حجت میں اِلیٰ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ تیسری خصوصیت بہ مقابلہ اُمت کے جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کا اُمت پر حرام ہونا ۔

تمام انبیا وغیرہ آنحضرتؐ کے جاہ و منزلت کے حاجتمند ہیں

یہ بھی اعتقاد رکھے کہ انبیا اور سوا اُن کے کوئی ایسا نہیں کہ قیامت کے روز آپؐ کے جاہ و منزلت سے مستغنی ہو۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے روز سب نفسی نفسی پکارتے ہونگے۔ حتیٰ کہ آپؐ باب شفاعت کھولیں گے۔ آپؐ کے پہلے کوئی بھی کسی کی شفاعت کرنے کی مجال نہیں رکھے گا ۔

یہ بھی اعتقاد رکھے کہ زمین آپؐ کے جسم اطہر کو بوسیدہ نہیں کریگی قیامت کے روز جب زمین شگافتہ ہوگی۔ تو حضور فداہ روحی امی وابی اسی کالبد اطہر کے ساتھ قبر سے باہر تشریف لائیں گے۔ اور آپؐ کا و دیگر انبیا کا حشر اسی طرح ہوگا۔ چنانچہ حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَجْسَادِ الْاَنْبِیَاءِ یعنی اللہ تعالےٰ نے انبیا کے جسموں کو زمین پر حرام کردیا ہے۔ اور حدیث میں ہے۔ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِی قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ انبیا اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ اور تمام انبیا سے پہلے آپؐ اپنی قبر سے اُٹھیں گے۔ ان تمام مذکورہ بالا باتوں میں ایمان لانا ضرور ہے۔ تاکہ حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر جو من جانب اللہ ہم پر فرض ہے۔ بوجہ اکمل و احسن بجالائی جاوے ۔



پانچویں فصل

فرشتوں پر ایمان لانے کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ ملائکہ اللہ تعالےٰ کی مخلوق اور اس کے بندہ ہیں۔ زندہ، دانا گویا۔ اور مکلّف اللہ تعالےٰ نے مثل انس و جن کے ملائکہ کو بھی نیکی کرنے اور بُرائی سے باز رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ مکلف بالشرع دو فرقہ ہیں۔ انسان اور جنات، پھر جنات کے دو گروہ ہیں۔ مطیعان و اہل طغیان۔ مطیعان ملائکہ کہلاتے ہیں۔ اور اہل طغیان کو شیاطین[1] کہتے ہیں۔ پھر مطیعان یعنی مومنوں میں نیک و بد دونوں قسم کے ہیں۔ بعض علما کہتے ہیں کہ وہ جن جو ساکنان ملاء اعلےٰ ہیں۔ اور آسمان پر رہتے ہیں۔ ان کو ملائکہ کہتے ہیں۔ اور جو زمین پر رہتے

[1] حضرت مصنّف رح نے ملائکہ جن اور شیاطین کی حقیقت اور ماہیت کو نہایت سیدھے طور پر بیان کیا ہے جو اس زمانہ میں مشکل سے تسلیم ہوگا۔ لیکن کیا کیا جاوے کہ یہ مسئلہ ہی ایسا ہے جس کا سمجھنا اور سمجھانا بہت دشوار ہے اس لئے بعض فلاسفہ اسلام نے تو ان کے وجود ہی سے انکار کردیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ سے مراد مذہب اسلام میں قوای مدبر عالم اور قوای ملکوتی انسانی ہیں۔ اور قرآن و احادیث میں جہاں کہیں ملائکہ کا ذکر آیا ہے۔ اس سے انہیں قوای مذکورہ کی عبارت ہے۔ اسی طرح مراد شیاطین سے انسان کے قوای حیوانی نفسانی ہیں۔ اور جن کا خارج میں وجود ہی نہیں ہے۔ مراد اس سے یا تو قوای انسانی کی طغیانی ہے یا ایسی قوم جو ابھی انسانی تحقیق سے پوشیدہ ہو، تحقیق اسلام نے ان کے وجود کو ثابت کیا ہے۔ اور فلاسفہ کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حقیقت میں ان تینوں کے وجود خارج میں ثابت ہیں۔ اور یہ جواہر یعنی اپنے آپ سے قائم ہیں۔ غیر متحیز اور غیر منقسم ہیں۔ باہم ان میں ایسا ہی اختلاف ہے۔ جیسے کہ گھوڑے اور انسان ہیں کہ حیوانات مشترک ہیں۔ یعنی جنس میں مختلف ہیں اور نوع میں مختلف ہیں۔ اور ان لوگوں کو معلوم بھی ہوتے ہیں۔ جن میں اللہ تعالےٰ ان کے دیکھنے کی قوت پیدا کر دیتا ہے اور وہ کبھی صورت بشری میں دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی دوسری طرح اور جب وہ اپنی مخصوص جوہریت سے دوسری صورت میں متشکل ہوتے ہیں۔ تو اس وقت متحیز اور منقسم ہونا ان کا امکان رکھتا ہے غرض مسئلہ میں اختلاف بہت ہے اور اس میں زیادہ کریہ اور بحث کرنا ضلالت سے خالی نہیں۔ لہذا ہم مصنف کے قول کی تصویب کرتے ہوئے اس بات کے معتقد ہیں کہ اس باب میں قرآن اور احادیث صحیحہ میں جو کچھ آیا ہے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے ۱۲

[2] اور ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کیلئے سجدہ کرو۔ تو سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے (سجدہ نہ کیا) وہ جن سے تھا پس اس نے خدا کا حکم نہ مانا ۱۲

جنات کے دو گروہ

ہیں۔ وہ جن کہلاتے ہیں۔ پھر جنوں میں جو ساکنان زمین ہیں۔ دو فرقہ ہیں مومن و کافر۔ جو کافر ہیں اُن کو شیاطین کہتے ہیں۔ اور جو مومن ہیں۔ اُن میں دونوں قسم کے جن پائے جاتے ہیں۔ نیک اور بد۔ اور اس دعویٰ پر انہوں نے چند دلائل قرآن کے پیش کئے ہیں۔ جس میں روشن تر دلیل یہ ہے۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ[1] اور قرآن سے ثابت ہے کہ ابلیس قوم جن سے ہے۔ چنانچہ فرمایا كَانَ مِنَ الْجِنِّ پھر وہ اگر ملائکہ سے نہ ہوتا تو اس کا استثنا ملائکہ سے درست نہ ہوتا۔ اگر کوئی شخص کہے۔ آدمی سب بدنی ہیں مگر ابلیس تو یہ قول درست نہ ہوگا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ خدا نے فرمایا کہ ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے نہ کیا۔ وہ جن کی قوم سے تھا۔ اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی، چنانچہ فرمایا۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ[2] اس آیت سے ثابت ہے کہ ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کا سبب یہی تھا کہ وہ قوم جن سے تھا۔ اسی باعث اُس نے ملائکہ سے علیحدگی اختیار کی۔ پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ابلیس ملائکہ سے ہوگا۔ اس لئے کہ اگر سب ملائکہ جنّی قوم سے ہوتے تو سجدہ آدمؑ سے نافرمانی کرنے میں سب کے سب ابلیس کے ساتھ شامل اور یکساں ہوتے۔ لیکن اس بات کا جواب کہ اگر ابلیس قوم جن سے تھا۔ تو خطاب میں ملائکہ کے ساتھ اُس کو کیوں شامل کیا گیا۔ یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اُس کی سکونت آسمان پر تھی۔ وہ ملائکہ کا ہمسایہ و ہمنشین تھا۔ اور کثرت عبادت میں اور وفور اجتہاد میں فرشتوں کا ہم صحبت تھا۔ اپنی جنس سے جدا ہوکر فرشتوں سے ایسا مل گیا تھا۔ کہ گویا انہیں میں کا ایک ہوگیا تھا۔ جب خدا تعالےٰ نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم کیا۔ تو وہ بھی خطاب میں شامل ہوگیا۔ اگرچہ اصل حقیقت میں اُن سے جدا تھا۔

---

[1] تو ابلیس کے سوا تمام ملائکہ نے سجدہ کیا۔

[2] اور ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدمؑ کے لئے سجدہ کرو۔ تو سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے (سجدہ نہ کیا) وہ جن سے تھا۔ پس اُس نے خدا کے حکم کو نہ مانا۔

اِس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک عجمی شخص عرب میں آئے، اور زبان ولباس وتہذیب وتمدن میں ایسا اُن سے متحد ہو جائے کہ انہیں میں کا ایک سمجھا جائے۔ پھر جب تمام عرب ایک کام پر متفق ہو جائیں۔ اور یہ عجمی شخص اس سے انکار کرے۔ تو کہا جائیگا کہ فلاں کام پر ہم سب متفق ہوئے۔ مگر فلاں شخص جو عجمی تھا۔ اور اُسی عجمیت نے اُس کو ہمارے خلاف پر آمادہ کیا۔ اِسی دلیل سے ابلیس کو بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ملائکہ جن سے تھا۔

ملائکہ اور جنوں میں تفریق

اس امر پر ایک واضح اور روشن دلیل یہ ہے جو قرآن میں موجود ہے کہ جب بروز قیامت اللہ تعالےٰ ملائکہ کو فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ دنیا میں تمہاری پرستش کیا کرتے تھے۔ فرشتے جواباً عرض کرینگے۔ اے خدا تیری شان اس سے ارفع ہے کہ تیرے سوا کسی دُوسرے کی پرستش کی جاوے۔ بلکہ یہ لوگ جنوں کی پرستش کرتے تھے۔ اور یہ بات دو آیات سے ظاہر ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ یعنی جب ہم قیامت کے روز ان سب کا حشر کریں گے۔ پھر فرشتوں کو کہیں گے کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے۔ فرشتے کہینگے اے خدا تیری ذات ہر نقص وعیب سے پاک ہے تو ہمارا مالک ہے اُن کے سوا۔ بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ اُن کے اکثر انہیں پر ایمان رکھتے تھے۔ اگر ملائکہ جن ہوتے تو ایسا کبھی نہیں کہتے کہ کافر ہماری پرستش نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جنوں کو پوجتے تھے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ جنس مخلوق سے ہیں۔ اور وہ جن وانس کی جنس سے جُدا ہیں۔

اب ہم فرشتوں پر ایمان لانے کا بیان کرتے ہیں

وجود ملائکہ سے انکار کرنا بے دینی ہے

جاننا چاہیئے کہ فرشتوں پر ایمان لانا چند باتوں پر شامل ہے۔ اول اُن کی ہستی و وجود پر ایمان لانا۔ اور اُن کا وجود جس طرح بیان کیا گیا۔ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ کفار کی ایک جماعت وجود ملائکہ سے انکار کرتی ہے۔ اور اسی طرح بعض زنادقہ کہ وہ وجود ملائکہ کا اثبات تو کرتے ہیں۔ لیکن بخلاف قول خدا اور مرسلین کے اُن کا وصف دوسری طرح بیان کرتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ آسمانی قوتوں اور افلاک کی تاثیروں کو ملائکہ کہتے ہیں۔ مثلاً عزرائیل کو کہ قابض ارواح ہے۔ قوت زحل کہتے ہیں۔ اور جبرئیل کو جو امین وحی ہے۔ قوت مشتری کہتے ہیں اسی طرح ان ملاعین نے چند اباطیل جمع کر لئے ہیں۔

دوم اس بات پر ایمان لانا کہ وہ بندگانِ خدا اُس کے آفریدہ ماموا اور مکلف ہیں۔ وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔ سوا اُن چیزوں کے جن پر اُن کو خدا تعالے نے قدرت دی ہے۔ اور ملائکہ پر حکم موت روا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آخر دور زمانہ تک اُن کو حیات عطا فرمائی ہے۔ جب وہ مدت دراز تمام ہو جائیگی۔ تو وہ بھی فوت ہو جائیں گے۔ پھر اُن کو خدا تعالیٰ حالت حیات میں لائیگا۔

ہمارے اس بیان سے تین قسم کے لوگوں کے خیالات واہیہ اور اعتقادات باطلہ کی تردید ہوتی ہے۔ فرشتوں کو مخلوق کہنے سے مشرکوں کے اس اعتقاد کی تردید ہوتی ہے۔ کہ وہ ملائکہ کو معبود جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ یہی بندوں کو اولاد عطا کرتے ہیں۔ ان کی عدم قدرت سے زنادقہ کی تردید ہوتی ہے۔ جو فرشتو کو مدبر عالم مستقل بالذات خیال کرتے ہیں۔ اُن پر موت کا حکم قائم کرنے سے بعض اصحاب ضلال کے اس خیال کا رد ہوتا ہے۔ جو فرشتوں کے لئے موت کا حکم تجویز نہیں کرتے۔

سوم یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ بعض فرشتے انبیا کے پاس رسالت پہنچانے پر مامور ہیں۔ اور یہی فرشتے قبل دعوت انبیا کے قوم جن کو دعوت توحید کرتے تھے۔

چہارم یہ کہ فرشتے خدا کی نافرمانی سے معصوم ہیں۔یعنی خدا نے اُن کو نافرمانی سے معصوم رکھا ہے۔اگر عصمتِ حق تعالیٰ اُسے معصوم نہ رکھتی تو صدور نافرمانی اُن سے ممکن تھا۔کیونکہ حق تعالیٰ نے انہیں امر و نہی میں مبتلا کیا ہے اور جس کو خدا تعالیٰ کسی کام کے کرنے کا حکم کرے۔ممکن نہیں کہ بلا توفیق خدا کے اس سے امرِ الٰہی کی مخالفت نہ ہو، اور اسی طرح جس کو خدا تعالیٰ کسی کام سے نہی یعنی منع کرے۔ممکن نہیں کہ بے مددِ الٰہی وہ اس ممانعت سے تجاوز نہ کرے۔یہ امر حکمت سے بعید ہے۔اور امر و نہی بے امکان ثواب و عتاب کے نہیں ہوتا۔چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرشتے خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ رَبِّهِمْ مُشْفِقُوْنَ اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ فرشتوں میں جو کوئی خدا (معبود) ہونے کا دعوےٰ کرے گا۔وہ ہمیشہ آتشِ دوزخ سے معذب ہوگا تو ثابت ہوا کہ تہدید و عقوبت بے امکان نافرمانی کے ممکن نہیں ؛

پنجم یہ کہ فرشتے خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔اُن کی حُرمت عظمت اُن کے فضل کے موافق ہم پر واجب ہے۔اور یہ بحث کہ ملائکہ بشر سے افضل ہیں۔یا بشر ملائکہ سے تیسرے باب میں بالتفصیل بیان ہوگی۔انشاءاللہ تعالیٰ یہاں صرف اتنا جاننا کافی ہے کہ اس امر افضلیت کے نہ جاننے سے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔لیکن کسی کی فضیلت میں خواہ ملائکہ ہوں یا بشر اس قدر غلو کرنا جس سے دوسرے کی تحقیر مترشح ہو۔داخل کفر ہے۔اور اگر نادانی سے ایسا کرتا ہے تو یہ بجائے خود درست نہیں۔پس ہر شخص کو چاہیئے کہ اس بات میں احتیاط کرے۔اور فرشتوں کے باب میں وہی کہے۔جو کتب اہل سنت و الجماعت سے مستفاد ہے ؛

ششم یہ کہ فرشتے عبادت سے فاتر و سُست نہیں ہوتے۔ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔خدا نے اُن کو جن کاموں پر مقرر کیا ہے۔وہ وہی کام کرتے ہیں۔اور اُن میں حسب منشاء الٰہی تصرف رکھتے ہیں۔اُس وقت مشغول بہ تسبیح نہیں ہوتے۔ان میں بعض حاملانِ عرش ہیں۔بعض عرش کے گرداگرد صف بستہ کھڑے ہیں۔بعض طوافِ عرش میں مشغول ہیں۔بعض خازنِ بہشت ہیں۔بعض خازنِ

دوزخ۔ بعض اُن میں ملائکہ رحمت ہیں۔ اور بعض ملائکہ عذاب و رحمت۔ بعض قابض ارواح ہیں۔ بعض کاتب اعمال اور بعض ابر پر تعینات ہیں۔ اسی طرح مختلف کام ان کو تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں کو روحانی اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں روح کے سوا دوسری چیز کی آمیزش نہیں۔ وہ ایسے لطیف ہیں کہ اُن کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ جب کسی بندہ پر اُن کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو انسانی شکل پر انہیں متشکل کر دیتا ہے۔ یا خود انسان کی بصارت میں فرشتوں کے دیکھنے کی قوت پیدا کر دیتا ہے۔ بعض علما فرشتوں کو رے کے فتح سے رَوحانی کہتے ہیں۔ اس معنے سے کہ وہ ہمیشہ روح عبادت میں ہیں۔ وہ آسمانوں کی فصحت میں رہتے ہیں۔ وہ آدمیوں کی طرح مغاکِ خاک میں محبوس نہیں۔ بعض علما ان کی دو قسمیں کرتے ہیں۔ رُوحانی و کروبی۔ رُوحانی فرشتگان رحمت ہیں۔ اور کروبی فرشتگان عقوبت پہلی قسم روح سے مشتق ہے اور دوسری لفظ کرب سے۔ واللہ اعلم ٭

چھٹی فصل

کتب آسمانی پر ایمان لانے کے بیان میں

کتب آسمانی پر ایمان لانا واجب اور صحت ایمان سے ہے۔ اس لئے کہ حضرت رسُولِ خدا نے خبر دی ہے کہ مجھ سے پہلے انبیا اور مرسلین گذرے ہیں جن پر خدا تعالےٰ نے کتابیں نازل فرمائیں۔ پس ان کتابوں پر بلا حصر و تعین اعداد ایمان لانا حقیقت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تصدیق میں داخل ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تصدیق خدا کی تصدیق ہے۔ اور یہ دونوں شرائط صحت ایمان سے ہے۔ پس آسمانی کتابوں پر ایمان لانا صحت ایمان سے ہوا۔ عام طور پر اس باب کے متعلق اتنا ہی ایمان لانا کافی ہے۔ کہ وہ

خدا کی کتب منزلہ ہیں۔ برحق ہیں اُن کا قبول کرنا اُن لوگوں پر جو اُن کے زمانہ میں گذرے ہیں۔ واجب تھا۔ اسی طرح دوسرے انبیا پر ایمان لانے میں صرف یہ کافی ہے کہ تمام انبیائے گذشتہ برحق اور راہ راست پر تھے۔ اُن پر ایمان لانا اور اُن کے احکام کی اطاعت کرنا اُن کے اہل زمانہ پر فرض تھا۔ وہ خطا سے معصوم تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیساکہ اوپر کی فصل میں بیان ہوُا ۔

قرآن کریم پر ایمان لانے کا طریق

قرآن کریم پر ایمان لانے میں صرف اس قدر کافی نہ ہوگا۔ بلکہ بعد اُس کی تصدیق کے چند چیزیں قرآن کے متعلق ایسی ہیں۔ جن پر ایمان لانا ضروری ہے اوّل یہ کہ قرآن کو قبول کرے۔ اور اُس کی متابعت اپنے اوپر فرض جانے۔ دوّم یہ کہ قرآن کو ایک حجت باقی تا بہ قیامت مانے۔ اور اس کو نسخ و تبدیل سے منزہ جانے۔ سوم یہ کہ قرآن کو کلام خدا جانے۔ اس کو وضع جبریل اور وضع پیغمبر سے گمان نہ کرے۔ اس لئے کہ خدا تعالےٰ نے قرآن کو اپنا قول اور اپنا کلام کہا ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ قرآن میں دو جگہ اس کی اضافت جبریل کی طرف کی گئی ہے۔ کہ قرآن اُس کا قول ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ. جواب یہ ہے کہ اس آیت کے وہ معنی نہیں جو تمہاری فہم میں آئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خدا نے قرآن کو کئی مقامات پر اپنا قول کہا ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی چیز قول خدا بھی ہو۔ اور قولِ جبریل بھی۔ پس آیت کے معنی یہ ہیں اِنَّهٗ لَقَوْلٌ تَلَقَّاهُ عَنْ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ اَوْ سَمِعَهٗ مِنْ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ اَوْ نَزَّلَ بِهٖ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ یعنی قرآن کریم قولِ الٰہی ہے۔ جو رسولِ کریم کے ذریعے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچا ہے۔ یا آپ نے اُس کو رسولِ کریم یعنی جبریل سے سُنا۔ یا رسولِ کریم اُس کو پروردگار کے پاس سے لیکر نازل ہوُا ہے۔ چونکہ حضرت جبریل علیہ السلام قرآن پہنچاتے تھے۔ اس لئے اُن کی طرف اضافت کی گئی۔ دوسری دلیل کلام خدا ہونے کی یہ ہے کہ قرآن معجزہ ہے۔ اور معجزہ وہ ہے کہ سوائے خدا کے کوئی اُس پر قادر نہ ہو۔ قرآن اگر

جبرئیل یا پیغمبر کا قول ہوتا۔ تو اُس کو معجزہ کہنا درست نہ ہوتا۔ خدا نے ولید ابن مغیرہ پر اسی واسطے لعنت کی ہے کہ وہ قرآن کو قولِ خدا نہیں کہتا تھا۔ چنانچہ اُس کا قول یہ ہے۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ۔ چہارم یہ اعتقاد رکھے کہ قرآن اپنی موجودہ نظم پر معجزہ ہے۔ چنانچہ اثبات رسالت کی فصل میں بیان ہو چکا کہ اگر تمام دنیا ل کر چاہے کہ اُس کی مثل ایک آیت بنا لائے تو ممکن نہیں۔ فلذا قال۔ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ۔ پنجم اعتقاد رکھے کہ قرآن کریم جو مصاحف میں مکتوب ہے۔ یہ تمام و کمال وہ کلام ہے جس پر حضرت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی۔ اس میں سے کچھ کم نہیں ہوا۔ اور اس میں سے کسی نے اپنی جانب سے کچھ زیادہ نہیں کیا۔ یہ پورا قرآن ہے۔ بے کم و بیشی جتنا آنحضرت پر نازل ہوا تھا۔ سب کا سب موجودہ قرآنوں میں موجود و مکتوب ہے۔ اور جس وضع پر قرآن نازل ہوا۔ اُسی نظم اور وضع پر قائم و موجود ہے۔ اللہ تعالے نے قرآن شریف کو ان تمام خللوں سے محفوظ رکھا ہے اُس نے اس بارہ میں اپنے پر وعدہ کر لیا ہے۔ اُس کا وعدہ سچا اور حق ہے چنانچہ اُس نے فرمایا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ اور فرمایا وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ۔ یہ تمام چیزیں جو قرآن پر ایمان لانے کے متعلق بیان ہوئیں۔ اُن میں سے کسی ایک چیز کی نفی کرنے سے خدا کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اور نیز خدا کے رسول کی تکذیب۔ اگر قرآن جیسا بیان ہوا۔ ویسا نہ ہوتا۔ تو کسی طرح اُس سے تمسک روا نہ ہوتا۔ اور نہ اُس پر یقین لانا درست ہوتا۔ قرآن پر ایمان لانے کے یہ معنے ہیں۔ جو اوپر بیان ہو گئے ؛

بحث ناسخ و منسوخ

توابع ایمان بہ قرآن سے ایمان بناسخ و منسوخ ہے۔ اور نسخ وہ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کام کی بابت ایک حکم فرمائے۔ پھر اُس کے بعد دوسرا حکم کرے جس سے پہلا حکم منسوخ ہو جاوے۔ (یعنی دوسرے حکم پر عمل کرنا واجب ہو جائے

اور پہلے حکم کا عمل اُٹھ جاوے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو فرمایا وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ یعنی مشرکین سے روگردانی کرو۔ پھر فرمایا مشرکین کے ساتھ قتال کرو۔ تو پہلا حکم اِس دوسرے حکم سے منسوخ ہوگیا۔ اور اس قسم کے احکام قرآن میں بہت ہیں۔ اور معلوم رہے کہ نسخ احکام ہی میں ہوتا ہے۔ واقعات یا قصص و حکایات میں نہیں ہوتا۔ اور احکام میں نسخ واقع ہونا یہ خدا تعالیٰ کی حکمت محض ہے۔ اس سے اُس کے علم میں تفاوت یا نقص عائد نہیں ہوتا۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذَالِکَ جب اُس نے ایک حکم فرمایا۔ تو اُس وقت اُس کی حکمت بالغہ اس امر کی مقتضی تھی۔ اور پھر اُس کو رد کرکے دوسرا حکم فرمایا۔ تو اُس وقت اِسی کی ضرورت تھی۔ اور یہی دوسرا حکم بندوں کے حسب حال تھا۔ نسخ یا تو ایک حکم کے بالکل اُٹھا دینے پر بولا جاتا ہے۔ یا اُس میں تبدیلی واقع ہونے پر۔ یہ تنسیخ و تبدیل ایسی ہے۔ جیسے کوئی طبیب مریض کے لیے آج ایک دوا تجویز کرے۔ پھر دوسرے روز مریض کی حالت کو دیکھ کر یا اُس دوا کو بالکل ہی بند کردے۔ اور بجائے اس کے دوسری دوا دے۔ یا اسی دوا میں ضروری تغیر و تبدل کرے، پھر جس طرح طبیب کے دوا کو بدل دینے میں اُس کے علم طبابت میں کوئی تفاوت پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کا ردّ و بدل مریض کی موجودہ حالت پر منحصر ہے۔ اسی طرح جناب باری کے علم میں کسی حکم کے ردّ و بدل سے کوئی نقص عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بندوں کے حال کے مناسب وقت ہوتا ہے۔

نسخ کا انکار یہودی کرتے ہیں۔ جس سے اُن کی بڑی غرض یہ ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السّلام کے بعد جو شریعتیں ظاہر ہوئیں۔ اُن کی تکذیب کی جاوے کہ نسخ احکام الٰہی میں ممکن نہیں۔ پھر موسٰی علیہ السّلام کے بعد جو شرائع ظہور میں آئیں۔ وہ سچی نہیں ہیں۔ اِن ملاعین کے عناد سے تعجب ہے کہ انہوں نے باوجود اس علم کے کہ موسٰی علیہ السّلام کے وقت میں اُن کے پہلے انبیا جو گذرے ہیں۔ اُن کی شریعتوں میں نسخ ہوگیا۔ پھر بھی نسخ سے انکار کیا۔ اکثر ایسے احکام تھے۔ جو موسٰی کے قبل جاری تھے۔ اور موسٰی کی شریعت میں اُن میں تبدیل و تنسیخ واقع ہوئی۔ مثلاً حضرت یعقوب علیہ السّلام کی شریعت میں دو بہنوں میں جمع کرنا جائز تھا۔ موسٰی کی شریعت

بھی حرام ہوگیا۔ اور بہت سے احکام بدل گئے، مثلاً بیت المقدس سے قبل بنی اسرائیل کا قبلہ مصر تھا۔ پھر حکم ہوا کہ بیت المقدس کی طرف منہ کیا کرو۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ کعبہ تھا۔ یہ اور اس کے سوا سب باتیں نسخ نہیں تو کیا ہے۔ روافض کی ایک جماعت بھی نسخ کی منکر ہے۔ اور اُن کا یہ انکار خلاف عقل ونقل ہے۔ (چنانچہ آگے بیان ہوگا)۔

اس مقام پر یہ بھی یاد رکھو کہ قرآن کے سوا جو کتابیں اس وقت یہود و نصاریٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اُن کی تصدیق ہم پر لازم نہیں ہے۔ ان کتابوں کے متعلق صرف اتنا کہنا چاہیئے کہ ہم خدا کی تمام منزلہ کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اُن کی کتابوں کا اصلی حالت پر نہ رہنا خاص قرآن سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو خیانت سے منسوب کیا۔ اور فرمایا کہ یہ لوگ اپنے پاس سے چند باتیں فراہم کرلیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس سے ہیں۔ اور بات کو اپنے موقع ومحل سے پھیر دیتے ہیں۔ اور حق بات کو چھپا لیتے ہیں۔ پس اُن باتوں کی تصدیق جو اُن کے طریق سے ہم کو پہنچی ہیں۔ روا نہیں۔ بالخصوص جب یہ کفار ہیں۔ اور کفار کی گواہی جب ہمارے حق میں مقبول نہیں۔ تو خدا و رسول کے حق میں بطور اولیٰ نامقبول ہوگی۔ علما کی ایک جماعت بیان کرتی ہے کہ یہ بات اب صاف و روشن ہوچکی ہے کہ یہود لوگ جو اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کے پاس توریت ہے۔ تو مسلمانوں کو اس پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہم اُس میں مغازی موسیٰ اور قصہ فرعون اور موسیٰ کے حالات اور اُن کی مدت قیام درمیان بنی اسرائیل کے سوا کچھ نہیں پاتے۔ اور موسےٰ کی خبر وفات میں بھی اختلاف پاتے ہیں۔ پس کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں کہ اس قسم کی کتاب کبھی توریت نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس کو موسےٰ علیہ السلام اور اُن سے زمانہ ماقبل کی جھوٹی یا سچی تاریخ کہنا زیادہ ترقرین مصلحت ہے۔ اور اس بنا ہی حصہ ماننے کے قابل ہے۔ جس کی تصدیق ہمیں قرآن کے ذریعہ سے ہوگئی ہے۔ رہی انجیل تو اُس میں بھی آسمانی کتاب ہونے کی کوئی صلاحیت نہیں۔ بلکہ اُس میں ایسے الفاظ ہیں۔ جس سے کفر صریح پایا جاتا ہے۔ مثلاً باسم الاب الابن و روح القدس۔ یعنی اس کتاب کی باپ۔ بیٹے اور روح القدس کے نام سے ابتدا کیا ہوں۔

اور جلیبیا یا ثالوثا۔ پس ان عبارتوں اور اسی قسم کی دوسری باتوں سے ظاہر ہے کہ ایسی کتاب قابل اعتماد نہیں۔ بالخصوص جب علمائے نقل نے پوری تلاش و تحقیق کے اس پر اجماع کر لیا ہے کہ یہ مروجہ انجیل اصلی انجیل نہیں ہے۔ اصلی انجیل بخت نصر کے اور نیز ویرانی بیت المقدس کے وقت عیسائیوں کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ پھر نرسایوں کی ایک جماعت نے اپنی یاد و خیال سے ایک کتاب ترتیب دیکر اسی کا نام انجیل رکھ لیا۔ تاکہ لوگوں کی رغبت سست نہ ہو۔ اور تقلیداً اسی کتاب کو انجیل مان لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ پس ظاہر ہے کہ ایسی کتاب کس طرح قابل تصدیق ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس کا لکھنا پڑھنا بھی کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بطریق درست ثابت ہؤا ہے کہ جب آپ نے امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں توریت کا ایک صحیفہ دیکھا۔ تو مارے غصہ کے آپکا رنگ متغیر ہو گیا۔ اور بطریق توبیخ فرمایا کہ کیا تم لوگ جس دین پاک اور ملت حقہ پر ہو۔ اس کے متعلق تمہیں کچھ حیرت ہے۔ امتھوکون انتم فی الضلالۃ لقد جئتکم بہا بیضاء نقیۃ ولو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی یعنی کیا تم لوگ ضلالت میں حیرت زدہ ہو۔ میں تو تمہارے پاس ایک پاک دین لیکر آیا ہوں۔ اور اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی بغیر چارہ نہ ہوتا۔

ایک اعتراض کا جواب

اگر اعتراض کیا جائے کہ جب ایسا تھا تو آنحضرت صلعم نے ان یہود کو حد زنا میں سنگسار کرنے وقت توریت کس واسطے طلب کی۔ جواب یہ ہے کہ توریت اس لیئے نہیں منگوائی تھی کہ آپ کو توریت میں حکم رجم ہونے کا علم نہیں تھا۔ بلکہ بات یہ تھی کہ جب آپ نے یہودی کی عورت کو رجم کا حکم دیا۔ تو یہودی جھوٹ کہنے لگے کہ توریت میں رجم کا حکم نہیں ہے۔ عبد اللہ ابن سلام نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ توریت میں حکم رجم ہے۔ اس واسطے آپ نے اقامت حجت کے

خیال سے توریت منگوائی۔ اور یہودیوں کو آیت رجم دکھائی۔ تاکہ اُن پر ظاہر ہو جاوے کہ وہ دانستہ اخفائے حق کرتے ہیں۔ اور آپ پر بذریعہ وحی یہ بات روشن تھی کہ توریت کی فلاں آیت منزل من اللہ ہے۔ اور فلاں آیت محرف یا خود ساختہ آپکے سوا دُوسرے کا یہ مرتبہ نہیں کہ وہ اصل بات معلوم کر سکے۔ اگر ہم ان کی کسی چیز کو قبول کرلیں۔ تو کورانہ تقلید متصوّر ہوگی۔ اور یہ روا نہیں کہ پس ان کی مروّجہ وموجودہ توریت کی تصدیق کسی طرح درست نہیں۔ اور اس کو خدا کی طرف سے سمجھنا جائز نہیں ۔

ساتویں فصل

روزِ آخرت پر ایمان لانے میں

ہم نے روز آخرت اور احوالِ عقبیٰ کا بیان کتب سماوی اور پیغمبروں پر ایمان لانے کے بعد اس لئے کیا کہ مقدم اُن دونوں چیزوں کا ہے۔ پھر آخرت پر ایمان لانا ضرور ہے۔ اور اُمّت کو انبیا علیہم السّلام نے توحید کے بعد ہی روز آخرت سے آگاہ کیا ہے کہ مدّت عالم کو انقطاع ہوگا۔ اور میرے پیچھے مخلوق پھر زندہ ہوگی۔ وہاں اُس کو اعمال کی جزا سزا ملے گی۔ اور دنیا کے کاموں سے باز پُرس ہوگی۔ تمام ادیانِ حقہ اس امر پر متفق ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام میں خدا پر ایمان لانے کے ساتھ ہی یوم آخرت پر ایمان لانے کا بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَقَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ فرمایا کہ جو لوگ خدا پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اُن کے ساتھ قتال کرو۔ اسی کے مثل اکثر آیات ہیں۔ ہم پہلے روز بازپسیں کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ کیا ہے ۔

یوم آخرت سے مراد کیا ہے

یادرکھو کہ آخرت سے مراد دُنیا کا آخری دن ہے۔ اور دنیا کہتے ہیں۔ اس عالم کی صفت زندگی کو۔ چنانچہ ذٰھِسَۃُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اور مَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا۔ اور اللہ تعالےٰ نے انسان کی پہلی زندگی کو دنیا فرمایا۔ دنیا کے معنی نزدیک تر کے ہیں۔ اور نزدیک تر سے یہ اشارہ ہے کہ وہ اوّل ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اُس کا زمانِ بقا قلیل اُس کے اور ایام بمقابلہ آخرت کے اندک ہیں۔ اور حشر کے بعد کی زندگانی کو آخرت کہتے ہیں۔ کہ وہ مقابل اوّل کے ہے۔ اور نیز اس لئے کہ آخرت کے بعد کوئی دن نہ ہوگا۔ جیساکہ دنیا کے بعد یوم آخرت کا ظہور ہوگا۔ اور یہ اُس کے عدم زوال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی آخرت کبھی ذریلے زوال و انتقال نہ ہوگی۔ کہ اُس کے پیچھے کوئی دوسرا دن ظہور کرے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو اس جہان میں پیدا کیا۔ اور اس کو "نَشْاَۃَ الْاُوْلیٰ" فرمایا۔ پھر اُس جہان میں قدرت کاملہ سے جب انسان کے کالبد خاکی کے ریزہ ریزہ اور اور بوسیدہ اجزا کو ایک جگہ جمع کرکے اُس میں روح ڈالیگا اور بالکل دنیاوی صورت پر اُٹھائے گا۔ تو اس پیدائش ثانیہ کا نام "نَشْاَۃَ الْاُخْریٰ" رکھا گیا۔ اور اس لحاظ سے کہ دنیا اس جہان کی حیات و زندگی کا نام ہے۔ اُن لذائذ اور نعمتوں کو بھی دنیا کہتے ہیں۔ جو اس جہان میں پیوستگی و علاقہ رکھتی ہیں۔ اور جن سے انسان اپنی زندگی میں کامیاب اور برخوردار ہوتا ہے۔ پھر روز آخرت وہ ہے۔ جہاں لذائذ اور دنیوی نعمتیں کچھ نہیں رہینگی۔ اور سب آخر اور تمام ہو جائیں گی *

بعض کہتے ہیں۔ روز آخرت وہ ہے کہ اس دن آسمان پھٹ جائینگے آفتاب لپیٹ لیا جائے گا۔ اور شب و روز کا وجود نہیں رہیگا۔ لیکن علمائے اہل سُنت کے نزدیک جو بات کتاب و سنت سے بالاتفاق ثابت ہے۔ اُس پر نظر کرتے ہوئے مذکورہ بیان درست نہیں معلوم ہوتا۔ اُن کا قول یہ ہے کہ روز بازپسین وہ دن ہے کہ جب مخلوق مرکر زندہ ہوگی۔ اُس وقت دنیا کچھ باقی نہ رہیگی

اس واسطے کہ دنیا اس جہان کی صفتِ حیات کا نام ہے۔ جب حیات ہی باقی نہ رہی۔ تو دنیا کہاں اور اہلِ حق کا اجماع ہے کہ انسان دنیا میں ایک ہی مرتبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور جب مر جاتا ہے۔ تو پھر کبھی دوبارہ دنیا کی زندگی حاصل نہیں ہوتی۔ جب حشر اموات ہوگا۔ تو اُس کے قبل دنیا کی ضروریات اور تمام وہ چیزیں جو دنیا میں ہیں۔ فنا ہو جائیں گی۔ اور انتہائے ایام کے بعد حشر ہوگا۔ پس یہی روز آخرت ہے۔

یوم آخر کی تفسیر

یوم آخر کی تفسیر آخر ایام دنیا پر نہ کریں۔ بلکہ اُن ایام پر حمل کریں جن میں ترکیب عالم برقرار ہے۔ اور جب ترکیب عالم ٹوٹ جاوے اُس کو روز آخر کہیں اس صورت میں بھی یوم آخر اس معنے سے نہیں کہتے کہ اُس کے بعد دوسرا روز نہیں۔ بلکہ اُس معنے سے کہتے ہیں کہ اُس کے بعد کوئی روز ایام دنیا کی وضع پر نہیں ہوگا۔ اور اگر بنی آدم کے آخر ایام کے لحاظ سے کہیں تو پہلے معنی ٹھیک ہیں۔ بہر نوع روز آخرت کی تصدیق و اعتراف داخل ایمان ہے۔

اب معلوم کرو کہ یہ دنیا فانی ہے۔ اور اس کی بنیاد آمادہ خرابی و زوال اور اعتقاد کرو کہ دنیا کی ابتدا ہے۔ کیونکہ قدیم کی نہایت نہیں ہوتی۔ اور وہ تغیر پذیر بھی نہیں ہوتا۔ اور یاد رہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولِ گرامی کی زبانی ہمیں خبر دی ہے کہ اُس دن آسمان پھٹ جائیں گے۔ سورج لپیٹ لیا جائیگا۔ ستارے جھڑ جائیں گے۔ زمین کو بدل دیا جائیگا۔ اور پہاڑ روئی کے گالے کی طرح اڑتے پھریں گے۔ اور دریا مثل آگ کے گرم کیئے جائیں گے۔ یہ اور ان کے سوا جو کچھ خدا نے اور اُس کے رسولِ برحق نے فرمایا ہے سب درست اور سچا ہے۔ حقیقت میں ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے وعدے میں خلاف نہیں ہوتا۔ پھر جو شخص اُس کے حقیقی معنی کو مجاز پر حمل کرے۔ اور اُن علامات کے متعلق اپنی رائے و قیاس سے ظاہری معنی کے خلاف تاویل کرے۔ وہ اور جو شخص مطلق ان باتوں سے انکار کرے دونوں کفر میں برابر ہیں۔

یکساں ہیں۔ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ اُن چیزوں پر بھی ایمان ضرور ہے۔ جو اُس روز ظاہر ہونگی۔ اور جو قرآن حدیث میں بالتفصیل مذکور ہیں ۔

ساعت کا استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے

قرآن میں ساعت دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک تو دنیا کے آخر دن پر۔ چنانچہ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا دوسرے آخرت کے پہلے دن پر جیسے یَوْمَ یَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ط اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ جب ترکیب عالم ٹوٹ جائیگی۔ تو دنیا کی حالت دگرگوں ہو جائیگی) اس کے بعد دنیا کی موجودہ چیزیں بکلی نیست ہو جائینگی۔ یا اُنہیں خدا تعالیٰ اسی حال میں چھوڑ کر دوسرے رنگ میں ظاہر کریگا۔ اس کے متعلق کلام کرنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ہمیں اس باب میں کوئی خبر نہیں پہنچی۔ اور امورِ آلہیہ میں بدوں علم کے گفتگو کرنا حرام ہے۔ بلکہ یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ ان چیزوں کو نیست کر دے۔ چاہے اُنہیں اصلی حالت پر چھوڑ دے۔ اور تبدیل حالت کرے۔ فی الجملہ وہ قادر ہے۔ اس دن جو کچھ وہ چاہے کرے۔ اس کو ہر طرح اختیار ہے۔ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ. وهو علی کل شیءٍ قدیر ط

آٹھویں فصل

موت کے بعد جی اُٹھنے پر ایمان لانے میں

ہر زمانہ اور ہر قرن کے اہلِ حق کا بالاتفاق اس بات پر اعتقاد ہے کہ اللہ تعالےٰ بوسیدہ ہڈیوں اور ریزیدہ کالبد کے اجزا کو جہاں کہیں وہ

ہوں گے۔ زیر زمین۔ قعر دریا۔ اور شکم حیوانات سے جمع کرکے اُن کو دنیوی کا لبد کی صورت میں جمع کرے گا۔ اور کالبدہائے اموات میں اُن کی وہی روحیں جو اُن کو دنیا میں حاصل تھیں ڈالیگا۔ پس تمام لوگ بامر الٰہی قبروں سے اور نیز اپنے اپنے مقامات سے اُٹھیں گے۔ اور چھوٹے بڑے حتیٰ کہ وہ بچے بھی جو شکم مادر میں روح سے بہرہ یاب ہوئے۔ اُٹھ کھڑے ہونگے۔ بعث پر ایمان لانے کے یہی معنی ہیں کہ ان تمام باتوں کی تصدیق و اعتراف کیا جاوے یہ باتیں قرآن کریم کی متفرق آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفاد ہیں۔ اور ہر عصر میں علمائے ربانی کا اجماع اس پر منعقد ہوگیا ہے اور اِن علمانے بالاتفاق منکران بعث کی تکفیر کی ہے۔

دلائل بعث

بعث بعد از مرگ کے دلائل قرآن و حدیث میں کثرت سے موجود ہیں۔ ایک جگہ فرمایا۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کیا جس خدائے پاک نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور اُن کے پیدا کرنے سے عاجز نہ ہوا۔ وہ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔ ہاں وہ تمام چیزوں پر قادر ہے۔ ایک جگہ فرمایا افعیینا بخلق الاول۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہم پہلی مرتبہ مخلوق کے پیدا کرنے سے عاجز اور درماندہ نہیں ہوئے۔ تو کیا دوبارہ اسی خلق کے پیدا کرنے سے عاجز ہو سکتے ہیں۔ جب ایک چیز کا عدم سے ظہور میں لانا ہم پر آسان ہوا تو اُسی کا اعادہ کیونکر دشوار ہو سکتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ۔ یعنی کافر کہتے ہیں کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کریگا۔ اے پیغمبر کہدو اُن کو وہ خدائے تعالیٰ زندہ کریگا۔ جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ قرآن شریف میں دلائل بعث بہت

ہیں۔ سب کا نقل کرنا موجب طوالت ہے۔ اور ایمان داروں کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اس واسطے کہ اس بیان سے ایسی دو حجتیں لازم آتی ہیں۔ جو جواب بعث میں کافی ہیں ۔

پہلی حجت

پہلی حجت یہ کہ آدمی ایک ارضی حیوان ہے۔ اور ظاہر ہے کہ زمین اور آسمان جو زمین کو محیط ہے۔ وہ آدمی سے بزرگ تر ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ اتنی بڑی جسامت والی چیزوں کے پیدا کرنے سے عاجز نہ ہوا۔ تو کیا آدمی کے پیدا کرنے اور اس کے اعادہ سے عاجز ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ۔ یعنی بیشک آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا آدمی کے پیدا کرنے سے بڑا کام ہے۔ تو جو خدائے قادر اتنا بڑا کام کر سکتا ہے۔ وہ انسان کے پیدا کرنے اور اس کو دوبارہ جلا کر اُٹھا دینے پر قدرت نہیں رکھتا ۔

دُوسری حجّت

دوسری حجت یہ کہ کسی چیز کا اعادہ "نشاۃ الاخریٰ" میں اُس چیز کی ابتدا سے زیادہ عجیب نہیں۔ کیونکہ ابتدائے عدم محض سے ہوئی۔ اور اعادہ شے موجود کا ہوتا ہے جس کے اجزاء ذرّات و روح وغیرہ پہلے سے موجود ہیں۔ اور جب امر جائز ہے کہ حق تعالیٰ آدمی کو مٹی سے پیدا کرے۔ پھر اُس کے خشک ہونے پر اس میں روح ڈالے۔ اور نفخ روح کے بعد اُس گلی سفال کو گوشت پوست، خون، استخواں اور رگ و پے بنائے۔ تو یہ بھی بطور اولیٰ جائز ہے کہ وہی کالبد جب مرنے کے بعد خاک ہو جائے۔ تو اسی کالبد کو دوبارہ خاک سے پیدا کرے ۔

قرآن میں اس قسم کی بہت دلائل ہیں جیسے مردہ زمین کا زندہ کرنا اور درختوں، روئیدگیوں وغیرہ کا لبدان کے خشک اور بے برگ و بار ہونے

کے بعد سبز و شاداب اور برومند کرنا۔ یہ تمام باتیں بعث و نشور کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔ فَانْظُرْ اِلٰی اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰہِ کَیْفَ یُحْیِی الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحْیِی الْمَوْتٰی وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ پس خدا کی آثارِ رحمت کی جانب نظر کرو۔ وہ مردہ زمین کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔ بے شک خدا مردہ کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اس پر مُردہ کا زندہ کرنا کوئی دشوار نہیں ایک دوسرے مقام پر انسانی خلقت کی تفصیلی حالت بیان کرکے اللہ تعالے نے بعث پر دلیل قائم کی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَۃٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَۃٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَۃٍ مُّخَلَّقَۃٍ وَّغَیْرِ مُخَلَّقَۃٍ لِّنُبَیِّنَ لَکُمْ وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَاءُ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخْرِجُکُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا اَشُدَّکُمْ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا وَتَرَی الْاَرْضَ ھَامِدَۃً فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَاءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ کُلِّ زَوْجٍۢ بَھِیْجٍ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَاَنَّہٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَاَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ لَّا رَیْبَ فِیْھَا وَاَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ط

ترجمہ۔ لوگو! اگر تم مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک کرتے ہو۔ تو تحقیق ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے مٹی سے۔ پھر نطفہ سے۔ پھر لہو جمے ہوئے سے۔ پھر بوٹی صورت بنی ہوئی سے۔ اور بن بنی ہوئی سے۔ تاکہ بیان کریں ہم تمہارے واسطے اور ٹھیرا دیں تم کو رحموں میں جب تک چاہیں ایک وقت مقرر تک۔ پھر نکالتے ہیں ہم تم کو بچہ۔ تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ اور تم میں سے بعض وہ شخص ہیں کہ قبض کیا جاتا ہے۔ اور بعض تم میں سے وہ ہیں کہ پھیرا جاتا ہے طرف ناکارہ عمر اپنی کے۔ تاکہ نہ جانیں علم کے بعد کچھ اور دیکھتا ہے تو زمین کو خشک۔ پھر جب اتارتے ہیں اس پر پانی۔ ہلتی ہے اور پھولتی ہے

اور اگاتی ہے۔ ہر قسم کی نفیس چیزیں یہ (تمام باتیں) دلیل ہیں۔ اس امر کی کہ اللہ وہی ہے۔ حق اور یہ کہ وہی جلاتا ہے۔ مردوں کو اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اور یہ کہ خدا اُٹھاوے گا۔ اُن لوگوں کو جو قبروں میں ہیں ؎

اس آیت میں کئی طریق پر جواز بعث ونشور پر حجت قائم کی گئی ہے جو اہل عقل کے لیئے کافی ووافی ہے۔ ایک جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے بعث پر استدلال کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے خالق سے عرض کی رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی اے پروردگار مجھے دکھا۔ تو مردوں کو کس طرح زندہ کریگا۔ (آخر قصہ تک) ایک دوسری جگہ حضرت عزیز یا کسی دوسرے شخص کا قصہ بیان کیا ہے کہ وہ ایک ویران گاؤں سے گذرے جو ڈھگیا تھا۔ اور وہاں کے لوگ مردہ پڑے تھے۔ انہوں نے یہ دیکھ کر براہ تعجب کہا۔ اَنّٰی یُحْیِیْ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا الخ اسی طرح اصحاب کہف کا قصہ اور بنی اسرائیل کی ایک قوم کا قصہ کہ موت کے ڈر سے اپنے شہر سے نکلے جب اُن کے بادشاہ نے اُن کو جہاد کی دعوت دی (اور اُن کے باہر آنے کے سبب میں درمیان اہل تاریخ کے اختلاف ہے) غرض جب یہ لوگ باہر آئے تو خدا نے انہیں مردہ کر دیا۔ اس کے بعد پھر زندہ کیا۔ چنانچہ فرمایا فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاھُمْ ان تمام آیات وقصص قرآنی سے دلائل بعث روشن وظاہر ہے۔ جو لوگ وجود صانع کے معتقد ومعترف ہیں۔ اُن کے لیئے یہ حجتیں کافی اور مسکت ہیں۔ مگر وہ لوگ جو صانع جل جلالہ کے وجود ہی سے انکار کرتے ہیں۔ اُن کے لئے کوئی بھی دلیل اطمینان بخش نہیں۔ اور اُن کے جہل اور وقاحت کا کوئی بھی علاج نہیں؎

منکرین بعث کا خیال فاسد

منکران بعث سے ایک فرقہ ملاحدہ کا ہے۔ جو کہتے ہیں بعث بعد الموت عقلاً محال ہے۔ یہ لوگ تناسخ کے قائل کہتے ہیں کہ بعث کے یہ معنی ہیں

کہ دنیا ہی میں رُوح ایک کالبد سے دوسرے کالبد کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ بھی جانداروں اور حیوانات لایعقل کی جنس میں۔ پس جو جانور ان کی رُوح کے مناسب حال ہوتا ہے۔ اُسی کے کالبد میں انسانی روح حلول کرتی ہے۔ اگر اس کالبد میں اس کو راحت نصیب ہوئی۔ تو یہ اُس کی سعادت کا بدلہ ہے۔ اور اگر رنج ہوا تو شقاوت کا معاوضہ یہ سخن ایسا رکیک ہے کہ اُسکی جواب کی طرف توجہ کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ ہمارے مذکورہ بیان میں ہی ان ملاعین کا جواب موجود ہے۔ مگر ان میں سے ایک گروہ خود کو دائرہ اسلام میں داخل کرتا اور اس آڑ میں مسلمانوں کو فریب دیتا ہے۔ ضعفا اسلام ان کے پنجہ فریب میں آکر راہِ حق چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ ان کا قاعدہ ہے کہ یہ اسلام ہی کے پردہ میں چھپ کر قرآنی آیات اور احادیث میں اس قسم کے شبہات ڈالتے اور ایسی تاویلات لایعنی کرتے ہیں۔ جن سے اُن کا مطلب اور اُن کے عقائد باطلہ کی سچائی ثابت ہو۔ ان کا قول ہے کہ آخرت ایک عالم رُوحانی ہے۔ اور اسی طرح بہشت کی لازوال نعمتوں اور دوزخ کے دردناک عذاب کی تاویل کرتے ہیں۔ اِن لوگوں کا فساد دین اسلام میں ان لوگوں کے فساد سے زیادہ اہم اور نقصان رساں ہے۔ جو ظاہرا مخالف اِسلام گفتگو کرتے ہیں۔ اُن کا خون بہانا اور اُن کے اموال کو مُسلمانوں کے لئے غنیمت کرنا واجب ہے۔ اور اُن کے مکائد و فریب کا رفع کرنا مخالفین اسلام کے اعتراضات اور شکوک کے دفع کرنے سے زیادہ افضل اور باعث تائید دین حقہ اسلام ہے۔

اہل اسلام کی ایک جماعت جو منکرین بعث کیجانب میل رکھتی ہے۔

اہل اسلام کی ایک اور جماعت ہے جو منکرین بعث کی جانب میل رکھتی ہے وہ بعث بعد الموت کی قائل تو ہے۔ لیکن ان کا قول ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ بعث اموات انہیں دنیوی کالبدوں میں ہو۔ بلکہ ممکن ہے کہ ایک

روح کے متعدد قالب ہوں۔ اس قول میں بھی انکار بعث اور ثبوت تناسخ کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ اور یہ قول بھی مخالفین بحث کے موافق اور عامہ اہل اسلام کے عقائد کے خلاف ہے۔ قرآن کریم کی تمام آیات سے یہی ظاہر ہے۔ کہ بعث اسی دنیوی کالبد کے ساتھ ہوگا۔ اسی کالبد اور اسی روح کا اعادہ کیا جائیگا۔ چنانچہ فرمایا۔ قَالُوْا اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ اَوَ اٰبَاؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ط کافر کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرکر مٹی اور ہڈیاں ہو جائینگے۔ تو کیا ہم اُٹھائے جائینگے۔ یا ہمارے باپ دادے؟ اے نبی کہدو ہاں۔ اور تم سب جمع کئے جاؤ گے ۔

جناب نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم کے زمانہ میں منکرین محض اسی جسے بعث کا انکار کرتے تھے کہ وہ اسی دنیوی کالبد کے ساتھ اعادہ کو محال جانتے تھے۔ چنانچہ اُن کا قول یہ تھا۔ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً کافر کہتے ہیں کیا ہم پھر پچھلے پاؤں لوٹائے جائینگے۔ کیا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے اُن کے جواب میں اس قدر ان باتوں کا کشف فرمایا۔ کہ تاویل کی گنجائش نہیں رہی۔ اور جس نے آپؐ کے نبوت کی تصدیق کی۔ اس کے دل میں اس کے متعلق بھی کوئی شک نہیں رہا ۔

اللہ تعالیٰ نے جواز بعث کے باب میں کثرت سے دلائل قائم کئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى کیا انسان گمان کرتا ہے کہ وہ مہمل چھوڑ دیا جائیگا؟ پھر بعث کے باب میں حجت قائم فرمائی۔ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى کیا انسان گری ہوئی منی کا نطفہ نہ تھا۔ پھر منی سے علقہ یعنی پھٹکی ہوا۔ پھر اس کو پیدا کیا۔ اور پورا انسان نر یا مادہ بنا دیا۔ یہ تمام باتیں اس امر کی دلیل ہیں۔ کہ وہ خدا مردہ کو زندہ کریگا۔ وہ بعث اموات پر پورا قادر ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا

وَ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کیا۔ اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹ نہ آؤ گے۔ ایک جگہ فرمایا کَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ یعنی جس طرح ہم نے ابتداء میں پیدا کیا۔ اسی طرح اعادہ کرینگے۔ یہ ہم پر وعدہ ہے۔ بے شک ضرور ہم ایسا کرنے والے ہیں۔ ان آیات سے ثابت ہے کہ بعث اُس کی حکمت میں واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے انسان کو پیدا کیا۔ پھر بعض کو محاسن، اخلاق اور عبادت الٰہی میں مصروف و منقاد فرمایا۔ وہ مومن کہلائے۔ بعض اپنے اخلاق ذمیمہ اور عصیان کاری کے باعث کافر ہوئے۔ پس اگر معاد نہ ہوتا۔ تو عابد و فاسق شاکر و کافر کے درمیان کیونکر تمیز ہوتی۔ اور یہ بات حکمت الٰہی سے بعید ہے۔ کہ وہ مومن و کافر مطیع و سرکش عابد و مذنب میں کوئی فیصلہ نہ فرماوے۔ اور یہ کہ عابد کو ثواب اور غیر عابد کو عقاب سے کوئی تعلق ہی نہ رہے۔

انسان اسی کالبد میں اٹھایا جاویگا۔

دُوسری صورت سے یوں سمجھو کہ انسان مختلف الاحوال ہے۔ بعض حالت اسلام میں رنج و مشقت محنت و غم میں عمر بسر کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو حالتِ کفر میں تو انگر اور بغایت خوش و خرم ہیں۔ پس ایک روز میعاد ضرور چاہیئے کہ ہر ایک کے حق میں جزا و سزا کے مسئلہ کو محقق کرے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے حضرت رسُول کریمؐ کی زبانی اس بات سے خبر دی ہے۔ وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ۔ وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اور یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ اور یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور یہ جائز نہیں کہ روح انسانی اس کالبد سے الگ ہو کر دوسرے کالبد میں ثواب نہ عقاب پاوے۔ اس واسطے کہ کوئی روح بدون کالبد کے کوئی اچھا یا بُرا کام نہیں کر سکتی۔ تو سزا و جزا کا اسی کالبد میں ہونا ضرور ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ارواح بے کالبد اور کالبد بے روح سے امر و نہی اور وعدہ وعید کا خطاب نہیں کیا ہے۔ بلکہ خطاب

دونوں پر وارد ہے۔ تو یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ فعل و خطاب میں دونوں شریک ہوں۔ اور مکافات ایک ہی پر صادر ہو۔ اسی واسطے یہ معلوم ہو گیا کہ ثواب و عقاب کا تعلق بھی اُسی روح اور اُسی کالبد سے متعلق ہے۔ جو انسان کو دنیا میں حاصل ہے ❖

اِس قدر بیان اہل اسلام کے رفع شبہات اور دفع وسوسہ کے لیئے کافی ہے۔ اور جو شخص تصدیق رسالت کرتا ہے اُس پر واجب ہے کہ وہ نبی کریمؐ کی عام اخبار کی بھی تصدیق کرے۔ اگرچہ عقل و حس اُس کی حقیقت کے ادراک سے عاجز و قاصر ہو۔ اگر وہ قبول نہ کریگا۔ تو دائرہ اسلام سے خارج ہوگا۔ لیکن وہ لوگ جو توحید و نبوّت کے منکر ہیں۔ اور ساتھ ہی حشر اجساد کا انکار کرتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں سے توحید و نبوّت کے باب میں بحث کرنا چاہیئے۔ جب اس میں ملزم ہو جائیں۔ تو حشر اجساد و اموات کو خود بخود قبول کریں گے ❖

نویں فصل

آخرت کے احوال میں

قرآن و حدیث و اقوال علمائے سلف سے یہ بات بتواتر ثابت ہو چکی ہے کہ دنیا کی زندگی صور اسرافیل کے نفخہ اماتت کے بعد تمام ہو گی۔ اس لیئے کہ خدا تعالےٰ نے اس نفخہ کو اتمام حیات دنیوی کا سبب قرار دیا ہے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکتے ہی زمین و آسمان اور اُن میں جو کچھ ہے اُس کی ہیبت اور سختی سے سب فنا ہو جائیں گے۔ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللہُ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللہُ۔ یعنی جب نفخ صور ہوگا۔ تو زمین و آسمان کے تمام رہنے والے مرجائینگے۔ مگر جس کو خدا چاہے (وہ اس نفخہ اماتت کے

الّا من شاء اللہ سے مراد کون ہے۔

اثر سے مستغنی رہے گا۔ لفظ مَنْ شَاءَ اللّٰہُ کی تفسیر میں علما کا اختلاف ہے
کہ اس سے مراد کون ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ شہدا ہیں۔ چنانچہ خدا نے فرمایا
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہوئے۔ انہیں مردہ گمان نہ کرو۔ بلکہ وہ زندہ
ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق دئے جاتے ہیں۔ خوش ہیں۔ اس پر جو اللہ تعالےٰ
ان کو اپنے فضل سے پہنچاتا ہے*

مراد اس سے یہ ہے کہ وہ نعیم بہشت سے محظوظ و متمتع ہیں۔ اور اندوہ
مرگ سے وارستہ نہ یہ کہ وہ مردہ نہیں ہیں۔ اور جب اموات میں شامل ہیں۔ تو
ضرور وقتِ بعث تک زندہ نہ ہوں گے۔ ممات میں رہینگے۔ اگر یہ تاویل کیجائے
کہ شہدا کی روحیں نفخہ اماتت سے فنا نہ ہوں گی۔ تو یاد رہے کہ شہدا اس فضیلت
میں انبیا سے اولیٰ تر نہیں ہیں۔ بلکہ انبیا اُن سے اولیٰ ہیں کہ زمین اُن کے کالبد
کو نہیں کھاتی۔ چنانچہ حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ
الْاَنْبِيَاءِ بے شک خدا نے نبیوں کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ اور
حدیث میں ہے۔ اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ انبیا اپنی
قبروں میں زندہ ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ مرادِ اِلَّا مَنْ
شَاءَ اللّٰهُ سے حضرت موسےٰ علیہ السلام ہیں۔ چونکہ دنیا میں ان کو صعقہ یعنے
کوہِ طور پر بے ہوشی ہو چکی ہے۔ تو نفخہ اماتت کے وقت وہ اس سے مستغنی
رہیں گے۔ اور قائلین کا یہ سہو ہے۔ کیونکہ نفخہ اوّل کے وقت جو صعقہ ہوگا
وہ صعقہ موت ہے۔ اور جس شخص کی موت نفخہ اوّل کے پہلے واقع ہوئی۔
وہ اس استثنا میں داخل نہیں ہے۔ اور یہ جو رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا ہے کہ سب کے پہلے میں ہوش میں آؤنگا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ
موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ تو واضح ہو کہ یہ واقعہ بعث کے بعد
ہوگا۔ اور وہ نفخہ فزع ہے۔ اور یہ تو آنحضرتؐ نے فرمایا نہیں کہ موسےٰ کو
صعقہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ موسےٰ کو صعقہ نہیں

ہوا یا مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے۔ اور اگر مراد اس سے صعقہ اماتت لیں۔ تو مراد موسیٰ سے اُن کی رُوحانیت ہو گی ۔

بعض علما کہتے ہیں۔ کہ مراد اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ سے ولدان حور و غلمان ہیں۔ اور نیز خازنان بہشت۔ اس دلیل سے کہ وہ سرائے سرور و لذت ہے۔ وہاں اندوہ رنج و غم مرگ سے کیا تعلق۔ لیکن یہ تاویل جب ٹھیک ہوتی کہ بہشت زمین و آسمان میں کہیں ایک جگہ ہوتی۔ اور جب خدا فرماتا ہے۔ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اس سے معلوم ہوا کہ جنت کا عرض بھی آسمان و زمین سے چند گنا زیادہ ہے۔ تو وہ زمین و آسمان میں کس طرح سما سکتی ہے۔ خصوص جب کہ ایک جنت کی یہ صفت ہو ۔

بعض علما حاملان عرش مراد لیتے ہیں۔ اور جبرئیل و میکائیل اور وہ ملائکہ جو گرداگرد عرش کے صف باندھے کھڑے ہیں۔ وہ نہ آسمانوں میں ہیں اور نہ ساکنان زمین سے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ عرش بھی ایک فلک ہے۔ جو تمام آسمانوں کو محیط ہے۔ پس حاملان عرش اور جو گرداگرد عرش کے ایستادہ ہیں۔ کس طرح ساکنان عرش سے خارج ہو سکتے ہیں۔ غرض یہ تاویلات و مرادات جیسا کہ اُن کی تردید سے ثابت ہوا۔ اس قابل نہیں کہ اُن میں سے کسی ایک پر قطع اور یقین کر لینا چاہیئے۔ اور ہم نے اسی واسطے اس تقریر کو وسعت دی ہے کہ لوگ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ کی تعیین نہ کریں۔ اور صرف یہ اعتقاد رکھیں۔ کہ کوئی بھی ایک ایسا شخص ہو گا۔ جو نفخۂ اماتت کے وقت صعقۂ موت سے محفوظ رہیگا۔ اس کا صحیح علم خدا تعالیٰ کو ہے۔ اور یہ بھی یقین رکھیں کہ وہ شخص ساکنان آسمان و زمین سے ہو گا۔ کیونکہ استثنا اس امر کو ظاہر کرتا ہے تعیین کے متعلق حضرت نبی کریمؐ سے کوئی نص صریح وارد نہیں ہوئی۔ اور تاویل کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمیں اس کا علم نہیں ملا کہ وہ شخص قسم ملائکہ سے ہے یا جن یا نوع انسان سے۔ پھر یہ بھی یقین نہ کرنا چاہیئے کہ وہ شخص موت سے بالکلیہ بچا رہیگا۔ اور حکم فنا اُس پر جاری نہ ہو گا۔ بلکہ اگر نفخۂ اماتت سے اُس کی موت مقدور نہیں تو کسی دوسرے سبب سے یا بلا سبب اُس پر موت وارد

ہوگی، بات یہ ہے کہ نفی مرگ سوائے خدا کے کسی پر روا نہیں ہے۔ اور اُس کو کسی مخلوق کے حق میں متخیل کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اِس پر بھی اگر خدا تعالےٰ کسی خلق کو موت سے محفوظ رکھنا چاہے۔ تو وہ اس پر قادر ہے۔ مگر اکثر علما کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی متنفس اور مکلف موت سے رستگار نہیں۔ اور موت ایک ذریعہ اور سبب ہے۔ اِس جہان سے اُس جہان کی طرف انتقال کرنے کا (صوفیہ کہتے ہیں کہ موت حبیب کو حبیب کی طرف پہنچاتی ہے)۔

حدیث شریف میں کہ موت سے کوئی محفوظ نہیں۔ ملائکہ ہوں یا اور کوئی قسم، ملک الموت اور میکائیل وغیرہما کی روح بھی قبض کیجائیگی۔ اور سب کے بعد جبرئیل علیہ السلام کی وفات ہوگی۔ اور یہ سب اُسی وقت زندہ ہوں گے۔ اس خبر میں اگر شرائط صحت پائے جائیں۔ تو کسی مسلمان کو اس میں تردد کرنا درست نہیں۔ بہرحال اعتقاد رکھے کہ موت سب کے لئے اور نیز فرشتوں کے لئے روا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ملائکہ سے نفی مرگ کرے۔ تو وہ ضلالت پر ہے۔

نفخۂ اماتت کے بعد نفخۂ احیا ہوگا۔ جس کے سبب تمام مردے جی اُٹھیں گے ان دو نفخوں کی درمیانی مدت یعنی فاصلہ کو برزخ کہتے ہیں۔ اور برزخ نہ دنیا سے ہے نہ عقبیٰ سے۔ بلکہ وہ ایک فاصلہ ہے درمیان دونوں نفخوں کے۔ (قبض رُوح کے بعد سے ہر انسان نفخۂ احیا تک برزخ میں ہے۔ خواہ قبر میں ہو یا کسی دوسری حالت میں)۔

سوال منکر و نکیر

برزخ میں جو بات سب سے پہلے پیش آتی ہے وہ سوال منکر و نکیر ہے یہ اُس وقت ہوتا ہے۔ جب مردہ کو قبر میں رکھتے ہیں۔ اور رُوح انسانی پھر اپنے کالبد خاکی کی طرف عود کرتی ہے۔ تو منکر و نکیر دونوں فرشتے بحکم ربّ جلیل قبر میں آکر اُس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ تیرا دین کیا ہے۔ اور اس مرد یعنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باب میں کیا کہتا ہے۔

اِن سوالات کے جواب میں اگر بندہ کامیاب ہوا تو عذابِ قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ اور اُس کی رُوح کو بہشتِ برین میں لیجاتے ہیں۔ اور اگر بندہ اہلِ شقاوت سے ہے۔ اور ٹھیک جواب اُس سے نہ بن پڑا تو اُس پر عذاب گوناگوں وارد ہوتا ہے۔ سوال نکیرین ضغطہ قبر اور عذاب قبر حق ہے۔ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور یہ آیت اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا عذاب قبر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اِن سب پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور جو شخص مرگیا۔ وہ زمانِ بعث تک برزخ میں ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ اس پر دال ہے۔ لیکن وہ زمانہ جس کو مطلقاً برزخ کہتے ہیں وہ زمان بین النفختین ہے۔ اُس کی مدت کے متعلق حدیث میں لفظ چہل واقع ہے۔ بدون تشریح اس امر کے کہ مراد اُس سے چہل روز ہیں۔ یا چہل ماہ یا چہل سال۔ اکثر علما اِس سے چہل سال مراد لیتے ہیں۔ شاید اُن کی نظر سے کوئی حدیث گذری ہو۔ یا کتب انبیا سے انہیں یہ بات جو اُن کی نظر میں قابل اعتماد ہو۔ معلوم ہوئی۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے دونوں نفخوں کی درمیانی مدت میں بوسیدہ ہڈیوں اور گرے پڑے خاک میں ملے ہُوئے اجزائے جسم کو ہر جگہ سے جمع کریگا۔ خواہ وہ آگ میں جلا ہو۔ یا پانی میں غرق ہوا ہو یا ہوا میں اڑ گیا ہو یا آفتاب میں خشک ہو گیا ہو۔ یا خاک میں گل سڑ کر مل گیا ہو۔ یا شکم حیوانات میں ہضم ہو گیا ہو۔ غرض تمام اجزا کو فراہم کریگا۔ حتیٰ کہ انہیں سے ایک ذرہ نہ چھوڑا جائیگا۔ پھر انسانی کالبد کو اُسی وضع و ہیئت نخستین پر جو اُس کو دنیا میں حاصل تھا۔ ترکیب و ترتیب دیا جائے گا۔ اگر کسی کالبد کا عضو یا حصہ دنیا میں قطع ہو گیا ہو۔ تو اُس کے ہمراہ اعادہ کیا جائے گا۔ انسان جب اُٹھیگا۔ تو غیر مختون اٹھیگا۔ پھر جب زمانہ برزخ کا گذر جائے گا تو حضرت اسرافیل بحکم ربِّ جلیل دوبارہ صور پھونکیں گے۔ اور یہ نفخہ احیا ہوگا۔ ارواح سب کی سب صور اسرافیل میں جمع ہوں گی۔ نفخ صور کے ساتھ ہی تمام روحیں نکل پڑیں گی۔ اور اپنے اپنے کالبدوں میں داخل ہونگی۔

دونوں نفخوں کی درمیانی مدت میں کیا ہوگا۔

اُس وقت بامر الٰہی سب لوگ زندہ ہونگے۔ چنانچہ فرمایا ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ
اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے
کہ وحوش کا حشر کیا جائیگا۔ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے
دن حیوانات کے درمیان حکم قصاص جاری کرے گا۔ حتیٰ کہ اگر کسی شاخدار
جانور نے حیوان بے شاخ کو مارا ہوگا۔ تو اس کا قصاص بھی دلایا جائیگا۔ یہیں سے
معلوم ہوا کہ وحوش و بہائم کا بھی حشر ہوگا۔ لیکن حیوانات کا حشر اس لیئے
کہ وہ مکلف نہیں ہیں بغایا ثواب و عقاب کی غرض سے نہ ہوگا۔ بلکہ صرف قصاص
کے لئے ہوگا۔ جب یہ ہولیگا تو بلا شدت موت اور سختی جانکنی کے اُن پر حکم
موت صادر ہوگا کہ خاک ہو جاؤ۔ وہ سب کے سب خاک ہو جائیں گے۔
چنانچہ حدیث میں ہے۔ ثُمَّ يُقَالُ لَهَا كُوْنُوْا تُرَابًا۔ اور ممکن ہے کہ وحوش
کے حشر میں اس کے سوا کوئی دوسری حکمت الٰہی ہو +

ساہرہ کی تفسیر

بعث کے بعد اللہ تعالےٰ خلق کو ہر جگہ سے اُٹھائے گا۔ اور محشر میں
جو موقف عرض و حساب ہے۔ سب کو جمع کریگا۔ اس موقف کا نام ساہرہ ہے چنانچہ
فرمایا۔ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ لغت میں ساہرہ رُوے زمین کو کہتے ہیں۔ اور
شاید اس سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالےٰ شکم زمین سے سب کو روئے زمین پر جمع
کریگا +

بعض علما کہتے ہیں کہ ساہرہ بیت المقدس کے پاس ایک جگہ ہے کہ محشر وہیں
ہوگا۔ اور حدیث میں آیا ہے عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ اَرْضُ الْمَحْشَرِ اگر اس حدیث
میں شرائط صحت پائے جائیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہوگی۔ کہ اللہ تعالیٰ اُس زمین کو
محشر کے واسطے فراخ کرے گا۔ یا زمین کو کھینچنے کی وہیں سے ابتدا ہوگی۔ حدیث
میں بھی آیا ہے کہ قیامت کے دن زمین کھال کی طرح کھنچ جائیگی۔ اور حدیث
میں ہے کہ حساب عرض کے روز خلائق کو جس زمین پر جمع کریں گے۔ وہ زمین چاندی
کی ہوگی۔ اُس زمین پر کوئی گناہ نہیں ہوا ہوگا۔ لیکن بیت المقدس کی زمین تو

اِس صفت کی نہیں۔ اور نہ اُس میں خلق اوّلین و آخرین کے جمع ہونے کی گنجائش ہے۔ پس جیسا ہم نے بیان کیا۔ اُس کے معنے وہی لینا چاہیئے۔ اور شائد کہ آنحضرت نے ارضِ محشر کو ارضِ مقدس فرمایا ہو۔ اِس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو کفر و معاصی کی آلودگی اور شرک کی نجاست سے پاک فرما کر دُوسری ہیئت پر نمودار کریگا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَيَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ۔ یعنی قیامت کے دِن زمین کی موجودہ ہیئت بدل دی جائے گی۔ تفصیل اُس کی یہ ہے کہ اُس روز پہاڑ اور زمین شکستہ ہوجائیں گے۔ وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً پس پہاڑ پنبہ حلاج کی طرح ہوجائیں گے۔ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ اور مثل ہبا منشورہ کے ذرہ ذرہ ہوجائینگے وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا پھر اپنے حال سے پراگندہ ہوجائیں گے وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا۔ پھر غبار کی طرح ہوا میں اُڑینگے۔ اور چونکہ یہ غبار نہایت کثیف اور باہم نشستہ ہوگا لہٰذا لوگ پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کرینگے۔ کہ یہ اپنی اصلی حالت پر کھڑے ہیں وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ یعنی ایسے ہوجائیں گے کہ دیکھنے والا دُور سے گمان کریگا۔ کہ یہ اپنی پہلی حالت پر کھڑے ہیں۔ حالانکہ وہ ابر کی طرح اُڑتے ہونگے۔ جیسے سراب کہ دُور سے پانی خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن قریب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ریت ہے چمکتا ہُوا۔ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا کے یہی معنے ہیں ÷

انقلاب جبال کی ترکیب

پہاڑوں کی ترکیب و انقلاب کی بابت جو بیان کیا گیا۔ ظاہراً قرآن و حدیث سے ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ مختلف پہاڑوں کی مختلف صفات ہوں۔ یعنی بعض پہاڑ خوردہ ہوں۔ اور بعض مثل غبار کے اڑیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس جیسا آیاتِ بالا میں مصرح ہے سمجھنا چاہیئے۔ اور یہ اِس لیئے کہ بعض اصحاب کو جبال کی نسبت اشکال پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن پہاڑوں کے انقلاب میں یہ ترکیب کیسے ہوگی۔ لہٰذا ہم نے دونوں باتیں بیان کردیں ÷

جب پہاڑوں کی یہ کیفیت ہوگی۔ اور گڑھوں کو بھر دیا جائے گا۔ اور ٹیلوں کو پست کر کے زمین کو ہاموں کی طرح ہموار و برابر کر دیا جائے گا۔ اُس میں کوئی نشیب و فراز نہیں رہے گا۔ چنانچہ فرمایا فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا۔ اور زمین کے اور نیز دوزخ پر سے حجاب اُٹھا دیئے جائیں گے۔ اور دوزخ ظاہر ہو جائے گی۔ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰی اور ایسا ہوگا کہ آسمان پھٹ جائیں گے۔ افلاک نیست و نابود ہو جائینگے آفتاب لپیٹ لیا جائیگا۔ اور آسمان طے کر لیا جائیگا۔ تو مخلوق موقف عرض میں کھڑی ہوگی۔ جب اس طرح کھڑے کھڑے ایک عرصہ دراز گذر جائے گا۔ اور لوگ عاجز آجائیں گے اور تشنگی و تپش اُن میں پوری طرح سرایت کریگی تو خلائق بعجز و الحاح تمام حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض حال کریں گے۔ اور اُن کو اپنا شفیع بنائیں گے تاکہ درمیان خلائق کے حکم کیا جائے۔ آدم حضرت نوحؑ کی طرف بھیجیں گے۔ اور نوحؑ حضرت ابراہیمؑ کی طرف اور ابراہیمؑ حضرت موسٰےؑ کی طرف اور موسٰےؑ حضرت عیسٰےؑ کے حوالہ کریں گے۔ اور حضرت عیسٰے علیہ السلام ہمارے نبی مختار حبیب کردگار شافع المذنبین رحمۃ للعٰلمین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ کے حوالہ شفاعتِ خلائق کا کام کریں گے۔ پس حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام خلائق کی شفاعت فرمائیں گے۔ اور انہیں تپش و حرارت روز قیامت سے نجات دلائیں گے۔ چنانچہ حدیث درست سے ایسا ہی ثابت ہے۔ پھر نامہائے اعمال خلائق دائیں اور بائیں طرف سے روانہ ہونگے اہل سعادت کے دائیں ہاتھ میں نامہائے اعمال دیئے جائیں گے۔ اور اہل شقاوت کے بائیں ہاتھ میں پھر ہر ایک کو اپنے اعمال نامہ کے پڑھنے کا حکم ہوگا۔ کہ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا اور نامہ اعمال کے پڑھنے میں یہ حکمت ہے کہ لوگ جب زندہ ہوں گے تو اپنے دنیوی اعمال کو فراموش کر جائینگے۔ انہیں معلوم نہ ہوگا کہ اللہ تعالٰے نے اُن کے اعمال کا احصاء کیا یا نہیں۔ جب اُنہیں روز قیامت کی تکلیف و حرارت محسوس ہوگی۔ تو

شفاعت خاتم النبیین

حیران و متعجب ہوں گے کہ اس شدت مصائب باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال نامے اُن کے ہاتھ میں دیگا۔ کہ وہ پڑھ کر خود معلوم کرلیں کہ انہوں نے دنیا میں کیا کچھ کیا ہے۔ نیک لوگ اپنے اعمال پڑھ کر خوش ہونگے۔ اور بدلوگ رنجیدہ اور ترسناک نیکوں کے لیئے شگونِ نیک ہوگا۔ اور بدوں کے لیئے فال بد یہی اعمالنامے ثواب و عقاب کی ایک علامت ہوگی۔ اور یہ بات بفحوائے قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ خلائق کے نامہائے عمال ظاہر کیئے جائینگے۔ انہیں مخلوقات کے اعمال نیک و بد تحریر ہونگے۔ لوگ پڑھ کر خود ہی اپنے اعمال سے واقف ہو جائیں گے۔

اصل حقیقت یہ ہے جو مذکور ہوئی۔ اس کے سوا ظاہر آیات و احادیث کو حقیقت سے مجاز پر لیجانا درست نہیں۔ اگر کوئی شخص ان نصوص کی تاویل مجاز پر کرے۔ تو اس کو گمراہ و مبتدع سمجھنا چاہیئے کہ ایسا آدمی منکر ان حشر و اجساد کی تائید کر رہا ہے۔ اُس کو حقیقت اسلام سے کوئی حس نہیں۔

نامہ اعمال پڑھنے کے بعد محاسبہ ہوگا

نامہائے عمال کے بعد محاسبہ ہوگا۔ اُس کی دلیل یہ آیت ہے۔ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا۔ یعنی وہ شخص جس کا نامہٗ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اُس سے آسان طریق پر حساب لیا جائیگا۔ اور حساب کے وقت انبیا علیہم السلام اور نیز شہدا حاضر و موجود ہونگے، وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّھَدَآءِ اور مراد شہدا سے کاتبانِ اعمال خلائق ہیں۔ اُس دن فرشتے لوگوں پر آشکارا ہونگے۔ یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ انبیا علیہم السلام کہینگے کہ خدا کی جانب سے جو کچھ ہم پر نازل ہوا۔ ہم نے تم کو پہنچا دیا۔ اور فرشتے خلائق کے اعمال کی گواہی دینگے۔ چنانچہ فرمایا یَوْمَ تَشْھَدُ عَلَیْھِمْ اَلْسِنَتُھُمْ وَاَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ط وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِھِمْ لِمَ شَھِدْ تُّمْ عَلَیْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ

کُلَّ شَیْءٍ ط یعنی اُس روز انسان کی زبانیں ہاتھ اور پاؤں انسان کے کسب کے متعلق گواہی دینگے۔ انسان کہیگا تم نے ہم پر کیوں گواہی دی۔ وہ کہینگے خدا نے ہم کو گویائی بخشی جو ہر چیز کو گویائی بخشنے والا ہے۔ یہ گواہی اُن لوگوں کے حق میں ہو گی۔ جو کاتبانِ اعمال کی گواہی کا اعتراف و تصدیق نہیں کرینگے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کے اعضا سے اُن کے اعمال کے متعلق گواہی دلوائے گا۔ پھر تو اُن کو کوئی چارہ کار باقی نہیں رہے گا۔ اور ممکن ہے کہ گواہی اعضا اُن لوگوں کے حق میں ہو۔ جو بلا اندیشہ عقوبت بداعمالیوں میں مبتلا رہتے تھے۔ اور اعمال بد آشکارا اور بدون خفا کرتے تھے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ اُن کی زیادتی عقوبت کو اُن کی اعضا کی گواہی سے آشکارا کریگا۔ اور اُن کے افعال فواحش کو اس طرح فرمائے گا کہ اُن کے اعضا ہی اُن کی بداعمالی کی شہادت دینگے۔

محاسبہ کے معنی و تفصیل

محاسبہ کے معنی ہیں کہ بندہ کو اس کے اعمال پر مطلع کیا جاوے۔ اور اُس پر روشن کر دیا جاوے کہ اُس نے اپنی مدتِ حیات میں کیا عمل کئے ہیں۔ غرض مخلوق کے اعمال نیک و بد سے ایک ذرہ فروگذاشت نہ ہو گا۔ چنانچہ فرمایا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ یعنی اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو گا تو ہم اُس کا حساب لیں گے۔ اور ہمارا حساب لینا کافی ہے۔ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ حساب تمام خلائق کا اُس کے علم میں ایسا ہے جیسا ایک آدمی کا حساب جس طرح تمام مخلوق کی خلق و بعثت اُس کے نزدیک ایک آدمی کی خلق و بعثت کے مانند ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ تمہاری سب کی خلق و بعثت مثل ایک آدمی کی خلق و بعثت کے ہے۔ اور محاسبہ کی صفت کے متعلق قطع کرنا ٹھیک نہیں کہ کس طرح ہو گا۔ لیکن بعض علما فرماتے ہیں کہ تمام مکلفین کا حساب ہو گا جیسا ہم نے بیان کیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حسب امر الٰہی فرشتے خلق کا حساب کرینگے اور ہر ایک کے حساب پر ایک فرشتہ مقرر کیا جائے گا۔ اس طرح تھوڑی سی

مدت میں سب کا حساب طے ہو جائے گا۔ بعض علما کہتے ہیں کہ جب قرآن سے
یہ امر ثابت ہے کہ خدا تعالی اُن لوگوں سے جو مستوجب سخط و عذاب ہیں۔ بات نہیں
کریگا۔ اِس سے ثابت ہوا کہ خدا تعالی اُن اصحاب سے جو مستحق ثواب ہیں۔ خوشنود
ہوگا۔ اور روز قیامت اُن سے باتیں کریگا۔ اور بندہ اور خدا کے درمیان کوئی
ترجمان نہ ہوگا۔ پس مستوجبین سخط و غضب کا حساب فرشتوں کو تفویض ہوگا۔

ان صورتہائے مذکورہ بالا میں کوئی تعلل و تنقص نہیں ہے۔ تاہم کسی ایک
بات پر قطع کرنا درست نہیں۔ یعنی تعین کے ساتھ کہنا درست نہیں۔ کہ محاسبہ
اسی طرح ہوگا۔ دوسری طرح اُن میں۔ اور قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک گروہ
بے حساب بہشت میں جائے گا۔ یہ متوکلین کا گروہ ہے۔ ایک دوسرے گروہ کا
حساب نہایت آسان لیا جائے گا۔ اور بعض کا حساب سختی اور از دیاد عتاب کے
ساتھ ہوگا۔ اور بعض کے حساب میں نہایت شدت کی جائیگی۔ اِس فریق میں بعض
فساق اہل ایمان بھی شامل ہوں گے۔ اور اکثر کفار۔ پس حساب میں تین قسم کے
لوگ ہونگے۔ مومن، فساق، کفار، اگرچہ فاسقوں کے حساب میں شدت ہوگی
لیکن کفار کے برابر نہیں۔

جنت و دوزخ میں بعض مومنین و کفار کا بیحساب داخل ہونا

بعض علما یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح خاص مومنین کا بے حساب داخل
بہشت ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ بعض کفار جو غضب
الہی سے قریب تر ہیں بے حساب دوزخ میں ڈالے جاویں۔ لیکن اُن آیات سے
جو وزن اعمال کے باب میں آئی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام کفار کا حساب
یکبارگی ہوگا۔ ایک آیت میں ہے فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ
عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ یعنی تیرے ربّ کی قسم تمام لوگوں سے اُن کے اعمال
کی بابت سوال ہوگا۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ یعنی اُن کو ٹھیرا ؤ۔ وہ سوال کئے جائیں گے۔
تم کو کیا ہو گیا کہ ایک دوسرے کی یاری نہیں کرتے، اور بعض علما جو بے حساب
بعض کفار کے دخولِ جہنم کے قائل ہیں۔ اُن کا استدلال اس آیت سے ہے
وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ یعنی مجرم لوگ ان کے گناہوں
سے سوال نہیں کئے جائینگے۔ وہ بے حساب واصل بہ جہنم ہونگے۔ ان دونوں
آیتوں میں مطابقت یوں ہو سکتی ہے کہ جس جگہ فرمایا کہ مسئول ہیں۔ تو مراد اس
سے یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول کی بابت سوال کئے جائیں گے۔ اور جہاں فرمایا
کہ اُن سے سوال نہ ہوگا۔ تو مراد یہ ہے کہ دوسرے گناہوں کے متعلق سوال نہ
ہوگا۔ کیونکہ جب اصل کفر ثابت ہو گیا۔ تو عذاب دوزخ کے مستوجب ہو چکے۔
اور شاید یہ مراد ہو کہ فرشتے کفار کی پیشانی سے معلوم کر لیں گے کہ یہ کافر ہیں۔ پھر
سوال کی حاجت نہ ہوگی ؂

وزن اعمال کا بیان

محاسبہ کے بعد وزن اعمال ہوگا۔ اور اس سے یہ غرض ہے کہ اندازہ عمل
ظاہر ہو جاوے۔ اور نیکی و بدی میں تفاوت معلوم ہو جاوے کہ زیادتی کس میں ہے
اس واسطے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن میں حسنات کی صفت گرانی اور سیئات کی
صفت سبکی کے ساتھ کی ہے۔ چنانچہ فرمایا فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور جن لوگوں کی میزانِ عمل خیر سے بالکل خالی ہوگی۔ وہ
ہمیشہ دوزخ میں رہینگے۔ چنانچہ فرمایا وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ احادیث
صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دو گروہ کے سوا تیسرا گروہ بھی ہوگا۔ جو صرف اصل
ایمان رکھتا ہوگا۔ اور تمام عمر معصیت میں مبتلا رہا ہوگا۔ اس واسطے وہ مستوجب
عذاب ہوگا۔ کہ اس سے اعمالِ حسنہ چھوٹ گئے۔ اور جب خدا تعالیٰ نے فرما دیا
ہے کہ ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر بدی کا بھی وزن ہوگا۔ اور نیکی و بدی سے کچھ
بھی بدوں وزن نہیں چھوڑا جائے گا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ اس تیسرے

گروہ کے اعمال کا بھی وزن ہوگا۔ اس طرح وزن اعمال میں تین قسم کے لوگ داخل ہیں۔ سابقین۔ مختلطین اور کفار اگر کوئی معترض ہو کہ جب کفار قیامت میں رحمت سے بے نصیب ہیں۔ اور اُن کے پاس سرمایہ حسنات بھی نہیں۔ تو وزن سے کیا فائدہ ؟

جواب یہ ہے کہ چونکہ کفار بھی حالتِ کفر میں ایسے اعمال مثل صلہ رحمی ہمدردی۔ رحم اور سخاوت وغیرہ کرتے ہیں جو اگر حالتِ اسلام میں کرتے۔ تو موجب تقرب ہوتا۔ لہٰذا وہ اپنے ان اعمالِ حسنہ کی نسبت خیال کرتے ہونگے۔ کہ انہیں اُن کے اعمال کا اجر ملے گا۔ پس اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُن کے تمام اعمال صالحہ کو میزان کے ایک پلڑے میں اُن کے کفر کو دوسرے پلڑے میں رکھ کر وزن کریگا۔ تو کفر کا پلڑا جھک جائیگا۔ اور اعمال مذکورہ کا پلڑا نہایت خفیف اور سُبک ہو جائے گا۔ جو صاف دلیل اس امر کی ہے کہ حالت کفر میں اعمال حسنہ مطلقاً مفید نہیں ہو سکتے۔ یہی بات کافروں کے جتانے کے لیئے اُن کے اعمال کا وزن ہوگا۔ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ انہوں نے دنیا میں جو اعمال بہ گمان اجر کئے تھے۔ وہ آج اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا۔ دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ کفار حسنات تو رکھتے ہی نہیں البتہ عذاب میں متفاوت درجہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں وارد ہے۔ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ یعنی منافق دوزخ کے فروتر گڑھے میں ہونگے۔ اور اس معنے سے بھی کہ بعض کفار ایسے ہیں۔ جو صانع عالم کا انکار کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ صانع عالم کا اثبات تو کرتے ہیں۔ لیکن توحید کی راہ سے نہیں۔ بلکہ بطریق کفر و شرک پس یہ دونوں گروہ باہم برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح بعض بت پرست ہیں۔ بعض توحید کے معتقد ہیں۔ مگر انکارِ رسالت کرتے ہیں۔ یہ بھی یکساں نہیں ہو سکتے۔ پھر جب اعمال و اعتقاد میں یکساں نہیں ہیں۔ تو عذاب میں کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ اسی واسطے وزنِ اعمال ہوگا۔ تاکہ اُن کے عذاب کا درجہ بقدر اُن کے اعتقاد کے ظاہر

روشن ہو جاوے ۔

نیز اُن پاک نفوس کے وزنِ اعمال میں بھی یہی فائدہ متصوّر ہے۔ جنہوں نے عمر بھر کوئی برا کام نہیں کیا ہو گا۔ اور ہمیشہ نیکی اور تقرب الی اللہ کی جانب جھکے رہے ہونگے ۔

لیکن اس باب میں کہ وزن اعمال کیونکر اور کس طرح ہو گا۔ علمائے کرام نے بہت کچھ بیان کیا ہے۔ اور جو کچھ قرآن و حدیث سے مستفاد ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قیامت میں حقیقتاً وزن اعمال کے لئے ایک میزان ہو گی جس کے حسب معمول دو پلڑے ہونگے۔ ایک نورانی۔ دوسرا ظلماتی۔ پہلا حسنات کے لئے اور دوسرا سیئات کے لئے۔ کیفیت وزن کے متعلق دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اعمال کو بمقدار اُن کے درجات ثواب و عقاب کے ایک جسم بخشے گا۔ اعمال خواہ نیک ہوں یا بد سب مجسّم ہونگے، اور اس طریقے سے نیکی اور بدی کا وزن بڑی آسانی سے ہو جائیگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حسنات کو باندازہ حسنات گراں کر دیا جائے گا۔ اور سیئات کو بقدر سیئات خفیف۔ یہ وجہ پہلی وجہ سے اولیٰ تر اور قرین قیاس ہے۔ اور نیز اس وجہ سے کہ اس بارہ میں حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ایک حدیث درست و صحیح وارد ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ننانوے پرچے میزان کے ایک پلڑے میں رکھینگے۔ اور صرف ایک چھوٹا سا پرزہ جس پر کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ لکھا ہو گا۔ دوسرے پلڑے میں رکھیں گے تو یہ صحیفہ شہادت وزن میں ان تمام سجلات پر غالب اور سب پروانوں پر راجح ہو گا۔ اور وہ تمام سجلات خفیف اور سُبک ہو جائیں گے ۔

بعض دوسرے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ وزن اعمال کا ذکر جو قرآن و حدیث میں آیا ہے۔ اُس سے مراد یہ ہے کہ بعض اعمال کو بعض دوسرے اعمال کے ساتھ برابر کریں گے۔ اور اُن کی زیادت و نقصان اس طرح معلوم کر لیں گے، وہی برابر کرنے اور اعمال کے برابر جانچنے اور نیکی و بدی میں سے ایک کو دوسرے

پر غالب سمجھنے کی کیفیت تو آج ہم کو اس کے جاننے کی کوئی سبیل نہیں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کس طرح اعمال طالح وصالح میں حساب فرمائے گا۔ یہ تاویل اگرچہ احتمال قبول رکھتی ہے۔ لیکن ہمیں زیبا نہیں کہ بے دلیل قاطع اور حجت ساطع کے خدا اور رسول کے کلام کی اس طرح تاویل کریں۔ کیونکہ ہماری عقلیں اس کی کیفیت جاننے سے محض عاجز و درماندہ ہیں۔ اور اس قسم کی تاویلات کے جواب میں ہمیں علمائے اسلام کے اس فرمان پر بلا حجت عمل کرنا چاہیئے۔ کہ جو کچھ ہم کو خدا کے رسول کی طرف سے بطریق صحیح پہنچے۔ ہم اس کو بلا چون وچرا قبول کرلیں۔ اگرچہ انسانی عقول اس کی دریافت ماہیت اور کماہی حقیقت سے عاجز ہوں اور اگر اس باب میں کوئی شخص مخالف ملت اسلام گفتگو کرے۔ تو پہلے اس کے ساتھ توحید و نبوت کے باب میں کلام کرنا چاہیئے۔ جب وہ توحید و نبوت کا اعتراف کرلیگا۔ تو اسلام کے تمام مسائل کا معتقد ہو جائے گا۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ وزن حسنات کا اعتبار رضائے باری تعالیٰ اور وزن سیئات کا اعتبار سخط باری تعالیٰ کے لحاظ سے ہوگا۔ مثلاً ایک مومن ہے کہ نیکیاں کرنے میں اس کی غرض محض جناب باری تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی ہے۔ اور اسی کی دوستی کو وہ اپنا غایت مقصود سمجھتا ہے۔ اور جملہ شرائط دوستی اور اطاعت و متابعت رسول کو بوجہ احسن و اکمل بجا لاتا ہے۔ پھر باوجود اس کے اس کے عذاب سے اور عدم قبول طاعات وعبادات سے ترساں و لرزاں رہتا ہے۔ دوسرا مومن ایسا ہے جو ترس عقوبت و رعایت آداب سنن سے عبادت تو کرتا ہے۔ لیکن وہ حضور دل سے غافل ہے۔ اور اس سے بھی اندیشناک ہے کہ شائد اس کے اعمال مقبول نہ ہوں۔ پس ظاہر ہے کہ ان دونوں شخصوں کے عمل صورت میں یکساں ہیں۔ لیکن ایک کا عمل محض رضا جوئی خدا تعالیٰ سے ہے اور دوسرے کا عمل حضور دل سے خالی اور وہ بھی بخوف عذاب الٰہی۔ پس ان کے اعمال میں فرق بین ہے۔ تو ثواب میں بھی تفاوت ضرور ہے۔ اسی لحاظ و اعتبار سے ان کا وزن اعمال بھی ہوگا۔ کیونکہ وزن بحسب ظاہر اعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ بحسب محل و موقع رضائے الٰہی جل جلالہٗ۔

اسی طرح سیئات میں مثلاً ایک شخص گناہ کرتا ہے۔ اور اُس سے محبت پکڑتا ہے۔ اور معاصی کی جانب دلیر ہے۔ اور نہی خدا تعالیٰ سے غافل اور عقوبت الٰہی سے نڈر ہے۔ اور عاقبت سے خوف نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے بڑے اعمال پر شاد و خرم ہے اُس کے مقابل دُوسرا شخص ایسا ہے۔ جو گناہ کرتا ہے اور جانتا ہے کہ میں بُرا کرتا ہوں اور اُس سے ڈرتا ہے۔ اور توبہ کرتا ہے۔ اور دل تنگ ہوتا ہے۔ اور اُس حال میں اس کا میلانِ طبع توبہ کی طرف ہوتا ہے۔ تو ضرور اس دُوسرے کے گناہ سزا اور عقوبت میں پہلے کی نسبت کمتر ہیں۔ پس اس کا وزن سیئات بھی اسی اعتبار سے ہوگا۔ اسی پر دُوسری صورتیں قیاس کر لینا چاہیئے۔

صراط کا بیان

وزنِ اعمال کے بعد صراط پر گذرنے کا موقع پیش آئے گا۔ اور صراط ایک رستہ ہے۔ جو موضع عرصات وحساب کی زمین پر ظاہر ہوگا۔ یہ راستہ حقیقت میں ایک پل کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ جو دوزخ پر رکھا ہوگا۔ جنتی جنت میں اسی پل کے ذریعہ پہنچیں گے۔ اور اسی پل کے تحت میں دوزخ ہوگی۔ اسی واسطے جناب رسُولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراط کو جسر جہنم فرمایا ہے۔ یعنی دوزخ کا پُل۔ اور قرآن نے ہم کو خبر دی ہے کہ بہشت سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک ہے۔ اور حدیث سے معلوم ہوا کہ سدرۃ المنتہیٰ آسمان پر ہے عرش کے نیچے۔ پھر قرآن وحدیث سے روشن ہوتا ہے کہ دوزخ اس جہان کے نیچے ہے۔ جس طرح جنّت اوپر ہے۔ قیامت کے دن جب آسمانوں کو لپیٹ لیں گے۔ تو جنّت آشکارا ہو جائے گی۔ اور جنّت کے درجات ہیں۔ ایک کے اوپر دوسرا موافق درجات اہل بہشت کے۔ جو اُن کی طاعت وعبادت کے لحاظ سے اُن کو ملیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ بروز قیامت جنّت کو اہل جنّت کے قریب کریگا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ اسی طرح جب زمین کی موجودہ صورت وشکل بدل دی جائیگی۔ اور اُس کے حجابات جس کے سبب اُس میں نشیب و فراز پایا جاتا ہے۔ اٹھا دیئے جائیں گے۔ تو دوزخ ظاہر ہو جائیگی۔ چنانچہ فرمایا۔ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ اُس وقت لوگ موقف عرض

حساب میں مجتمع ہوں گے۔ درآنحالیکہ جنت اُس کے اوپر اور دوزخ اُن کے نیچے ہوگی، پھر لوگوں کو صراط پر سے گذرنے کا حکم ہوگا جس کے ذریعہ جنتی جنت میں پہنچیں گے، اور دوزخی دوزخ میں گریں گے۔

اور واضح رہے کہ صراط پر سے ہر ایک شخص گذرے گا۔ خواہ کسی درجہ کا انسان ہو۔ کسی کو اس سے چارہ نہیں۔ جیسا قرآن کریم میں وارد ہے۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا پس جو لوگ پاک ہیں اور قلب سلیم بے آلائش گناہ کے خدا کے پاس بنکر آئے ہیں۔ انہیں جہنم سے کوئی آسیب و گزند نہیں پہنچے گا۔ اور جو لوگ گناہگار اور مستوجب عقوبت و سخط الٰہی ہیں۔ وہ جہنم میں گرینگے۔ پھر اُن میں وہ لوگ جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے دوزخ سے نجات پائیں گے، اور اہل شرک ہمیشہ دوزخ میں رہینگے۔ اور صراط پر گذرنا بلحاظ طاعت وعبادت کے ہوگا۔ جیسا حدیث شریف میں آیا ہے۔ بعض بجلی کی طرح طرفۃ العین میں گذریں گے بعض مثل ہوا کے۔ بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح۔ بعض مانند تیز و تند انسان کے۔ بعض بصورت تیر سریع السیر۔ غرض گذرنے کی حالتیں مختلف ہونگی۔

حدیث میں صراط کی صفت اس طرح آئی ہے کہ اس کا اوپر کا سرا جنت کی طرف ہوگا۔ اور نیچے کا سرا جہنم کی طرف۔ یہ ہمارے اس بیان کی دلیل ہے کہ صراط ایک رستہ ہے پستی سے بلندی کی جانب کھنچا ہوا۔

اہل حق کا مذہب ہے کہ صراط کا رستہ محسوس ہوگا۔ لوگ اُس کو بچشم سر دیکھیں گے۔ ادیانِ حقہ سابقہ بھی اس کے مؤید ہیں۔ اور پیغمبروں نے اسی طرح اپنی امت کو خبر دی ہے۔ پھر سب کے بعد حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صراط کے متعلق ہمیں یہی خبر پہنچائی ہے۔ اور اس خبر کو ایسا صاف و صریح بیان فرمایا کہ اُس میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں رہی۔ جس سے ثابت ہوگیا کہ یہ اور تمام احوال آخرت اعیانی وحقیقی ہیں۔ نہ خیالی ومجازی آنحضرت ص کا فرمانا بجا اور حق ہے۔ اور اُس کا قبول کرنا حقیقت کے طور پر تمام امت مرحومہ پر فرض وواجب ہے۔

صراط کے متعلق ایک لطیف بیان

اور یہ جو ایک حدیث میں ہے کہ صراط ایک پل ہے۔ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز اَدَقُّ مِنَ الشَّعْرِ وَاَحَدُّ مِنَ السَّیْفِ اگرچہ بعض علما نے اپنے اعتقادناموں میں اس کو اسی طرح یاد کیا ہے۔ اسی طرح دوسری حدیثوں کو جو اس باب میں اوپر بیان ہوئیں۔ لیکن حقیقت امور عقبیٰ کا جاننا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان و نقل پر موقوف ہے۔ تو اس معاملہ میں ایسی حدیثوں پر یقین و اعتماد کرنا چاہیئے۔ جو روایت و درایت کے لحاظ سے صحت کو پہنچی ہوں۔ اور ان احادیث کو جن کی صحت میں علما کا اختلاف ہے۔ احادیث متفقہ کے ہم مرتبہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ پس آئمہ حدیث و حفاظ نقل کرتے ہیں کہ اَدَقُّ مِنَ الشَّعْرِ والی حدیث وصف صراط میں ثابت نہیں ہے۔ نیز حدیث میں ایسا آیا ہے کہ ملائکہ صراط کے دونوں جانب کھڑے ہونگے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ صراط کے یمین و یسار قلابیں ہوں گی۔ جن سے لوگوں کو پکڑینگے۔ بعض لوگ صراط سے اسی طرح گذر جائیں گے کہ انہیں کوئی آسیب نہیں پہنچے گا۔ اور بعض اُن قلابوں سے خستہ و زخمی ہو جائیں گے۔ تاہم دوزخ میں گرنے سے محفوظ رہیں گے، لیکن بعض ایسے ہوں گے جو قلابوں سے کھینچکر دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ بعض لوگ قدموں تک نور میں غرق ہوں گے۔ بعض صراط پر سے زندہ و سلامت گذر جائیں گے پس پیٹ کے بل چل کر پار ہوں گے۔ یہ تمام باتیں حدیثوں میں ہیں جن سے صراط کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ اب ان احادیث کے ہوتے اَدَقُّ مِنَ الشَّعْرِ والی حدیث کہاں تک تسلیم کی جاسکتی ہے۔ لہذا ہمیں یوں تاویل کرنا چاہیئے۔ کہ مراد اس حدیث سے یہ کہ صراط پر سے گذرنا اس قدر مشکل ہے جیسے کسی ایسی چیز پر سے گذرنا جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہو۔ اور اس کی تنگی و وسعت بقدر طاعت و معصیت کے ہوگی۔ اور یہ جو کہا کہ تلوار سے تیز ہے۔ یعنی اُس پر سے گذرنا اہل سعادت کے لیئے آسان ہے۔ مگر اہل شقاوت

کے لیئے تلوار سے تیز ہے۔ اگر عوام مسلمانوں کی فہم اس ادراک سے قاصر ہو تو انہیں اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ اگر یہ حدیث حضرت رسول خدا سے بطریق صحت مروی ہے تو بلا چون و چرا اس کو تسلیم کرتے اور اُسے حق جانتے ہیں۔ اور اگر ہماری فہم میں آنحضرت کے بیان میں کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ تو یہ ہماری کوتاہی فہم سے ہے۔ آپ کے بیان میں حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں ہے ٭

جنت و دوزخ کی تعریف

صراط کے بعد دوزخی دوزخ میں جائینگے۔ اور جنتی جنت میں۔ بہشت ایک عالم روحانی ہے۔ خرم و شاداب راحت و آرام سے بھرا ہوا۔ اُس کی روحانیات اور جسمانیات غائت لطافت و کمال دلاویزی پر ہوگی۔ وہاں پر کامرانی و عیش کے تمام اسباب مہیا و آمادہ ہوں گے۔ اور تمام جسمانی و روحانی لذتیں وہاں میسر ہونگی۔ جنت کے ساکنین کو کسی قسم کا رنج و الم نہیں ہوگا۔ اہل جنت اور نعمت ہائے جنت کو کبھی زوال و فنا نہ ہوگا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے دوستوں اور طاعت گذاروں کے لیئے بہشت کو آمادہ و مہیا کر رکھا ہے۔ وہ اس وقت موجود و مخلوق ہے اُس کے درجات بہت ہیں بعض درجات بعض سے ارفع و افضل ہیں۔ یہ درجات باندازہ طاعت و عبادت کے اہل جنت کو نصیب ہونگے ٭

اور دوزخ عالم ظلمانی کا نام ہے۔ جو آتش سوزاں سے بھری ہوئی ہے اور جہاں مصائب و ناخوشی کے تمام اسباب مہیا و موجود ہیں۔ اور ہر قسم کے عذاب جسمانی و روحانی اہل جہنم کو پہنچیں گے۔ مثل جنت کے دوزخ کے بھی درجات ہیں درکات وہ درجے ہیں۔ جو پستی کے لحاظ سے ہوں۔ ایک کے نیچے ایک۔ جس طرح درجات وہ درجے ہیں۔ جو بلندی کے لحاظ سے ہوں۔ ایک کے اوپر ایک۔ دوزخ میں سخت ترین اور صعب ترین عذاب ہوگا۔ وہاں کے ساکنین کو کبھی اور کسی وقت آسائش و راحت کی صورت نہ دکھائی دیگی۔ اور کبھی عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو دشمنان خدا و رسول اور منکران توحید و رسالت کے لیئے ساختہ و آمادہ کیا ہے جس آدمی کی موت کفر و شرک پر ہوئی۔ وہ کبھی عذاب دوزخ

سے نجات نہیں پائے گا۔ لیکن عصات گناہ گاران ایمان سے جو لوگ اپنے گناہوں کے سبب دوزخ میں ڈالے جائیں گے، اگرچہ ان کے گناہ کتنے ہی زیادہ ہوں لیکن ایک مدتِ معین کے بعد آخر کار دوزخ سے نجات پا کر جنت میں ہمیشہ ہمیشہ با آرام و اطمینان تمام رہیں گے۔ آخرت کے یہ تمام حالات قرآن و حدیث سے مستفاد ہیں۔ جن پر تمام اہل حق کا اجماع و اتفاق ہے۔ ان پر ایمان لانا اور اعتقاد رکھنا ہر ایک مومن پر فرض ہے۔ ورنہ ناقص رہے گا ۔

دسویں فصل

قیامت کی شرطوں کے بیان میں

ہم نے اس فصل میں قیامت کی شرطیں اور وہ نشانیاں جو قیامت کے پہلے ظاہر ہونگی۔ تفصیلاً بیان کرنا اس لئے مناسب جانا کہ آیاتِ قیامت میں سے بعض ایسی ہیں۔ جو معہود و معتاد خلق نہیں پس وہ لوگ جو ایمان بالغیب لائے ہیں۔ اور ان سے یہ آیات محجوب و مخفی ہیں۔ وہ جب ان آیات کا ذکر سنتے ہیں تو یا تو قطعاً ان کے وقوع سے انکار کرتے ہیں۔ یا ایسی تاویل کرتے ہیں۔ جس سے حقیقت الامر پوشیدہ رہے۔ اور مجاز پر حمل کیا جاوے۔ اس تاویل فاسد سے ان لوگوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ عوام مسلمانوں کو راہِ حق سے بہکا دیں۔ اور خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کے متعلق ان کے دلوں میں شبہات پیدا کر دیں ۔

ایک بات یہ ہے کہ اکثر اصحاب اشراط ساعت کی تفصیل نہیں جانتے، اور اگر وہ علماء سے ان آیات کا تذکرہ سنتے بھی ہیں تو ان آیات میں جن کا قبول کرنا واجب ہے اور ان آیات و اشراط میں جن کے وقوع میں ایک گونہ تردد ہے کوئی فرق نہیں کر سکتے۔ پس صحیح و غیر صحیح اور ضروری و غیر ضروری سب پر یکساں

ایمان و اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ نہ تو مراد خداوندی اور بیان رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سمجھتے ہیں۔ اور نہ اُن کے اخبار میں تمیز و شناخت کر سکتے ہیں کہ قابل قبول کون ہیں۔ اور قابل رد کون۔ انہیں صرف سُنی سُنائی رطب و یابس باتوں پر تقلیداً و اعتقاداً ایمان لانا آتا ہے۔ اور بس۔ لہٰذا ہم نے اِن وجوہاتِ مذکورہ کی بنا پر محض مصلحت مسلماناں پر نظر کرتے ہوئے اشراط و آیات ساعت کو بالتفصیل اس طریقہ پر بیان کر دیا۔ جس سے غث و سمین اور صحیح و غیر صحیح میں صاف طور پر فرق ظاہر ہو جاوے۔ اور عامۂ مومنین عامیانہ اعتقاد کی خرابی کے سبب گمراہی میں نہ پڑیں وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ ط

قیامت کی علامتیں بہت ہیں

قیامت کی علامات بہت ہیں۔ اُن میں سے بعض ظاہر ہو گئیں جن میں حضرت نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ظہور سب سے بڑی اور بیّن علامت قیامت کی ہے۔ پھر معجزہ شق القمر۔ اور بعض ایسی ہیں۔ جو قرن بعد قرن ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ جیسے نقصان علم، کثرت جہل، رفع امانت، ظہور فتن، غلبہ جہلا و گناہ گاراں، اشاعت مزامیر و معازف[1]، شراب نوشی، امارت حمقا و کودکاں، طوائف الملوکی، پچھلے لوگوں کا اگلوں پر لعنت کرنا۔ اور اُن کے سوائے جو کچھ احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی ہیں۔ سب درست و بجا و حق ہیں۔ اُن میں سے اکثر ظاہر ہو گئی ہیں۔ اور باقی وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ اور ہوتی رہیں گی، لیکن ہمارا قصد اس فصل میں ان چھوٹی چھوٹی علامات کا گننا نہیں ہے۔ ہم یہاں علاماتِ عظیمہ اور بڑی بڑی نشانیوں اور شرطوں کا بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جن کی نسبت حضرت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ قرب قیامت کے وقت ظاہر ہونگی۔ جیسے خروج دجال و یاجوج و ماجوج، وغیرہ۔ اور اُن کو اشراط ساعت کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ جب تک یہ باتیں ظاہر نہ ہو جاویں۔ مدتِ حیاتِ دنیا تمام نہ ہوگی، اور ہم نے اِس سے

[1] مزامیر و معازف کے بیان ایک لطیف بحث دیکھو تکملہ عہ

قبل کی فصل میں بیان کردیا ہے کہ قرآن میں ساعت کا استعمال دو معنی پر ہوا ہے۔ ایک دنیا کی آخری ساعت پر جب نفخہ اماتت پھونکا جائے گا۔ اور اشراط اسی ساعت سے متعلق ہیں۔ دوسرے ساعت کا اطلاق اس وقت پر ہوا ہے۔ جب حضرت اسرافیل نفخہ احیا پھونکیں گے، اور تمام خلق زندہ ہوگی۔ اور جملہ اشراط ساعت سے

ظہور حضرت مہدی علیہ السلام کا ہے۔

ظہور امام مہدی علیہ السلام

مہدی ایک مرد ہوگا۔ اہل بیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم و ذریت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس کا نام محمدؐ اور اس کے باپ کا نام عبداللہ ہوگا۔ دنیا کو عدل سے بھر دیگا۔ جس طرح وہ اس سے پیشتر ظلم و ستم سے بھری ہوگی شرع محمدی اور طریق و آئین احمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق خلق اللہ کی دادرسی کریگا۔ اور دین حنیفی کا سچا نمونہ ہوگا۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ لَا مَھْدِیَ اِلَّا عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمْ مراد اس حدیث سے نفی مطلق نہیں ہے بلکہ نفی فضیلت مراد ہے۔ معنی یہ ہیں کہ کوئی مہدی فضیلت میں مثل عیسے ابن مریم کے نہیں ہوسکتا۔ جس طرح کہتے ہیں۔ لَا فَتیٰ اِلَّا عَلِی یعنی کوئی جوان شجاعت میں علیؓ کے برابر نہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ علی ہی صرف ایک جوان ہے دنیا میں کوئی جوان ہی نہیں۔ اسی طرح فارسی میں کہتے ہیں :-

لا مہدی الا عیسی ابن مریم کے معنی

"مرد نیست الا فلاں و شہر نیست الا بغداد"

پس انہی اعتبارات سے اوپر کی حدیث کے معنی کرنے چاہئیں کہ کوئی مہدی فضیلت اور بڑائی میں عیسے ابن مریم کے برابر نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ چونکہ حضرت عیسے علیہ السلام کے قواعد شریعت منسوخ ہوگئے۔ اور ان کا زمانہ نبوت منقضی ہوگیا ہے۔ اور وہ جناب نبی کریمؐ کے دین و آئین اور شریعت حقہ کے مطابق کام کرینگے۔ اور اسی دین کے ایک پیرو اور مقلد کی حیثیت میں آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ پس ان کا طریق اس دین میں خلفائے امت کی طرح ہوگا۔ جن کو خدا نے راہ حق بتا دی ہے۔ اور وہ عامہ مسلمین کو خدا کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ امر اس حدیث سے روشن ہوگیا کہ اس امت کے مہدیوں

ہیں جو اتباع سنت و سیرت نبوی ہیں اور مہمات خلافت کے سرانجام میں بہمہ وجوہ کامل ہیں۔ کوئی مہدی حضرت عیسےٰ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ وہ پیغمبر مرسل ہے (اگرچہ اس وقت خلفائے امت کی صورت میں نازل ہوا ہے)۔

ہمیں لازم ہے کہ حدیث لَا مَھْدِیْ الخ کی تاویل اسی طریق پر کریں تاکہ مہدی کے باب میں جو احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ کہ وہ فرزندانِ فاطمہ سے ہوں گے، اور اس حدیث میں تعارض و اختلاف واقع نہ ہو (اور یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مہدی و عیسےٰ ایک ہی شخص ہے۔ دو شخص جدا جدا نہیں۔ جیسا کہ مرزائیوں نے سمجھ رکھا ہے۔ دیکھو حاشیہ[1]) اس لئے کہ مہدی کی ذریت فاطمہ سے ہونے کی حدیث درست اور بطرق متعدد مروی ہے۔ حتیٰ کہ اس کے جنس میں تواتر ثابت ہے۔ پس اس طرح تاویل کرنے سے دونوں حدیثیں اپنی اپنی جگہ پر قائم رہ سکتی ہیں۔

حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں ایک یہ ہے کہ اُن کا ظہور مکہ میں ہوگا۔ دوسرے یہ کہ شام کی طرف سے ایک لشکر مہدی سے لڑنے کو آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو موضع بیداء میں زمین میں دھنسا دیگا۔ اور حدیث میں ہے کہ قسطنطنیہ کی فتح مہدی کے ہاتھ سے ہے اور نیز جبل الدیلم جو ملحدوں کا مسکن ہے آپ ہی فتح کریں گے، اور حدیث میں ہے کہ مہدی فرزندان حسنؓ سے ہوگا۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ کرعہ نامی ایک گاؤں میں جو مضافات یمن سے ہے اُس کا ظہور ہوگا۔ اس وقت علاقہ یمن میں اس نام کا کوئی گاؤں نہیں ہے۔ شاید کسی زمانہ میں ہو۔ لوگ اُس کا اصل نام بھول گئے ہوں اور بجائے اُس کے بکشتہ کہنے لگے ہوں یا آئندہ اس نام کا کوئی گاؤں آباد ہو جائے۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ ایک ابر کا ٹکڑا اُس کے سر پر سایہ کئے ہوگا۔ اُس ابر میں سے ایک فرشتہ ندا کریگا۔ ھٰذَا وَلِیُّ اللّٰہِ الْمَھْدِیْ فَاتَّبِعُوْہُ یہ مہدی خدا کا ولی ہے اس کی متابعت کرو۔ ایک

[1] تفصیل کے لئے دیکھو تکملہ ص

حدیث میں آیا ہے کہ اُس کی پیشانی پر ایک نشان ستارہ درخشاں کی طرح چمکتا ہوگا ٭

اس باب میں اخبار منقولہ کا درجہ

یہ اخبار جو ہم نے نقل کیے صحت و شہادت میں اس درجہ کے نہیں کہ اُن پر اعتماد کلی کیا جاوے۔ مگر ایسے بھی نہیں کہ اُن میں طعن درست ہو۔ پس ان میں جو درست ہیں۔ اُن پر ایمان و اعتقاد واجب ہے۔ اور جن اخبار میں کسی قسم کا وہن یا شبہ ہے ان کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ اگر حدیث ہے تو اس پر ہمارا اعتقاد ہے۔ اصل حدیث میں شبہ نہیں۔ اگر غلطی ہے تو ناقل کی جانب سے ہے ٭

ظہور مہدی اگرچہ خوارق و عادات سے ہے۔ جیسی مغرب سے طلوع آفتاب لیکن ہم نے اس خیال سے بیان کر دیا کہ اشراط ساعت جاننے کے بعد لوگوں کو اخبار مہدی کے متعلق غلطی نہ ہو۔ اور اگر اشراط ساعت کے پہلے کوئی مدعی دعوی مہدویت کرے تو اُس کا دعویٰ ناقابل قبول ہو، اور مسلمان اُس کے فتنہ سے محترز رہیں۔ کیونکہ زمانہ گذشتہ میں چند مرتبہ ایسا ہی فتنہ اُٹھا ہے۔ کہ فتنہ پردازوں اور ریاست خواہوں نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور چند جہلا اور نادان مسلمانوں کو اپنا پیرو بنا کر امن عامہ میں خلل ڈالا آخر بڑی خواری کے ساتھ واصل بجہنم ہوئے ٭

مہدی کے باب میں شیعہ کا خیال

دوسرے یہ کہ عام مسلمان اباطیل اہل تشیع کے فریب میں نہ آجائیں جنہوں نے سامان جہالت و عصوبیت جمع کر رکھا ہے۔ نیز باطنیہ فرقہ کی ضلالت و گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔ جو غایت درجہ بد باطن اور فریبندہ فرقہ ہے ٭

متشیعہ کہتے ہیں کہ مہدی محمد عسکری ہے۔ اُنہوں نے اُس کا نام

صاحب الزمان رکھاہے۔ وہ دو سال کا تھا کہ وفات پائی اکوئی عالم بلکہ کوئی عاقل اس بات پر یقین نہیں کریگا۔ بھلا اہل اسلام سے ممکن ہے کہ ایسی جاہلانہ باتوں پر التفات کریں۔ اور سمع قبول میں ان کی مزخرفات کو جگہ دیں۔ اس قسم کی باتیں زندیقوں کی خرفات اور لتوہات سے ہیں۔ جیسے میمون قداح اور ابو سعید حرانی اور اس کا بیٹا وغیرہم، اُن کا ارادہ اس سے یہ تھا۔ کہ عام مسلمانوں میں تفرقہ وجدائی ڈالیں۔ اور سادہ دل کمینہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنائیں۔ اور احکام شرع کو اس واہی طریقہ پر اُن میں پھیلائیں، اور اہل علم کو مسلمانوں کی نظر میں متہم اور بے وقر کریں ٭

مَیں نے دنیا میں اس فرقہ سے بدتر اور نادان کوئی فرقہ نہیں پایا۔ جو ایسے بے حاصل اور بیہودہ افسانوں سے اپنا مطلب ثابت کرنا اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے۔ اور منشا دعوت باطنیوں کا یہی خرافات ہیں۔ پس دینداروں کو ان باتوں پر کوئی توجہ نہ کرنی چاہیئے، اس واسطے کہ ان کی باتوں میں سوائے مخالفت احادیث صحاح اور اجماع اُمت کے دھرا ہی کیا ہے ٭

اب ہم دُوسرے احوال کا بیان کرتے ہیں۔ جو نوادر حالات اور معظمات وقائع سے ہیں۔ اور ان میں اکثر خوارق وعادات سے ہیں۔ مَیں نے ان حالات کو حدیث ابو سریحہ اور حدیث حذیفہ ابن اسد رضی اللہ عنہم میں یکجا پایا ہے، اُن کی حدیث درست حدیث ہے، اور دُوسرے احادیث میں متفرق آیا ہے۔ ان آیات میں سے بعض وہ ہیں۔ جو قرآن سے ثابت ہیں۔ اور بعض دوسری حدیثوں کے ذریعہ تواتر کو پہنچے ہیں۔ بایں وجہ کہ تواتر ان کی جنس میں ثابت ہوا ہے، ابو سریحہ کی حدیث اسی طرح ہے کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غرفہ سے ہماری باتوں پر اطلاع پائی۔ اور ہماری طرف نظر کی۔ اور فرمایا۔ مَا تذکرونَ وَ مَا تقولون کن باتوں کا ذکر کرتے ہو، اور کیا کہہ رہے ہو، قُلْنَا السَّاعة یا رَسُوْلُ اللّٰہ ہم نے کہا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ فرمایا۔ انہا لن تقوم حتی تروا عشر آیات خسفا بالمشرق وخسفا بالمغرب وخسفا

بجزیرۃ العرب، ویاجوج وماجوج ودابۃ الارض والدخان والدجال ونزول عیسی ابن مریم وطلوع الشمس من مغربہا ونارا تخرج من قعر عدن۔ یعنی قیامت قائم نہ ہوگی۔ جب تک اُس کے پہلے دس علامتیں نہ دیکھ لو۔ مشرق ومغرب کی زمین کا دھنسنا۔ اور جزیرہ عرب کا دھنسنا۔ اور یاجوج وماجوج کا۔ اور دابۃ الارض کا ظاہر ہونا۔ اور دخان اور دجال کا ظہور، اور حضرت عیسے ابن مریم کا نزول اور آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا۔ اور قعرِ عدن سے آگ کا نکلنا۔ اس حدیث میں ان دسوں علامتوں کو اسی ترتیب سے بیَں نے پایا ہے۔ اور صحاح میں دُوسری ترتیب سے ہے۔ لیکن نفس آیات میں کوئی اختلاف نہیں ہے ❖

اور یاد رہے کہ اس حدیث میں جو دس آیتیں مذکور ہیں۔ اُن کا ظہور اسی ترتیب سے نہیں ہوگا۔ اس واسطے کہ احادیث صحاح سے معلوم ہُوا ہے کہ یاجوج ماجوج کا خروج نزولِ عیسے کے بعد ہوگا۔ لیکن ہم ہر ایک میقات اور اُس کی کیفیت کا بیان بوضوع تمام کئے دیتے ہیں۔ جن کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے۔ تاکہ اہل ایمان کے اعتقادات اس باب میں، راسخ ہو جائیں اور اُن کے قدم جادۂ اعتدال سے نہ ڈگمگائیں ❖

دجال کا بیان

خسوف سہ گانہ جو حدیث میں مذکور ہے۔ اُن کی بابت احادیث سے معلوم ہوُا۔ کہ اُن کا وقوع ظہور مہدی کے بعد ہوگا۔ یعنی اُس وقت جب شام کا لشکر حضرت مہدی کے ساتھ جنگ کرنے آئیگا۔ جس طرح اوپر ذکر ہوُا۔ اور بعد ظہور حضرت مہدی علیہ السلام کے اور فتح قسطنطنیہ کے خروج دجال ہوگا۔ دجال بنی آدم کی قسم کا ایک مرد ہے۔ جو حبشہ سے نکلے گا۔ اس کی ایک آنکھ میں ٹینٹ نکلا ہوگا۔ مثل دانہ انگور پختہ کے، اور اس میں اختلاف ہے۔ کہ اُس کی سیدھی آنکھ کانی ہوگی یا اُلٹی، اس باب میں کسی ایک پر قطع کرنا جائز نہیں۔ صرف یہ اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ وہ اعور یعنی کسی بھی ایک آنکھ سے

اندھا ہوگا۔ حدیث میں اختلاف راویان حدیث کی غلطی سے واقع ہوگیا ہے حدیث کو راویوں نے خوب ضبط نہیں کیا ہے۔ اسی واسطے راست وچپ کے قرار داد میں غلطی واقع ہوئی۔ ورنہ بیان نبوت ایسی متضاد باتوں سے پاک ہے۔ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امّت کے لئے اُس کی صفت بیان کردی ہے۔ لیکن اُس کے وقت خروج کو کسی تاریخ کا مقید نہیں کیا ہے اس سبب سے کہ وہ اُس کے لئے مامور نہیں تھے۔ تاہم اُس کے خروج کے آثار وقرائن بتلا دیئے ہیں اور فرمایا ہے کہ لوگ اُس کے خروج کے قبل تین خشک سالیوں میں مبتلا ہونگے پہلے سال معمول سے ایک ثلث کم بارش ہوگی۔ اور غلہ وغیرہ بھی ایک ثلث کم پیدا ہوگا۔ دوسرے سال دو ثلث کمی واقع ہوگی۔ اور تیسرے سال نہ بارش ہی ہوگی۔ اور نہ نبات ہی اگیگی۔ پس اس حال میں دجال خروج کرے گا۔ اُس کے ساتھ بہت سے شبہات اور سحر ہائے عظیم ہوں گے۔

اور حدیث میں یُوں آیا ہے کہ دجّال ایک قوم کو دعوت کریگا۔ تو وہ اُس کی خدائی پر ایمان لے آئے گی، اور حدیث میں ہے فیامر السّماء فیمطر والارض فینبت یعنی بارش کا حکم کرے گا تو پانی برسیگا۔ اور زمین کو سبزہ اُگانے کا حکم کرے گا۔ تو سبزہ پیدا ہوگا۔ چونکہ قوم اُس وقت قحط عظیم میں مبتلا ہوگی۔ پس یہ حال دیکھ کر اُس پر ایمان لے آئے گی، اور حدیث میں ہے کہ دجال چالیس روز کی مدّت میں تمام زمین کو طے کرے گا۔ اور تمام شہروں اور دیہاتوں میں گھوم آئے گا۔ مگر مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہوسکے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ دجّال کا مقام خروج مغرب ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔ کہ وہ مشرق سے نکلیگا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ قحط کی تکلیف سے چارپائے ہلاک ہوجائیں گے۔ وہ وہاں پر آکر کہے گا کہ اگر میں تمہارے اونٹوں کو زندہ کردوں۔ تو تم مجھے اپنا پروردگار اور خدا یقین کروگے۔ لوگ کہینگے ہاں پس شیاطین کو اُن کے اونٹوں کی صورت پر متمثل کردیگا۔ پھر ایک دوسری قوم پر آئے گا۔ جن کے باپ بھائی ہلاک ہوگئے ہونگے، اُن سے بھی یہی کہے گا۔

جس کا جواب اُس کے موافق ملے گا۔ پس وہ شیاطین کو اُس کے باپ، بھائیوں کی صورت پر متمثل کریگا۔ اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص دجال کی صفت کا مدینہ میں ظاہر ہوگا۔ وہ لوگوں سے کہیگا کہ اگر میں ایک شخص کو قتل کر کے زندہ کروں۔ تو تم مجھے پروردگار یقین کروگے، لوگ کہیں گے ہاں۔ پس وہ ایک شخص کو قتل کر کے زندہ کریگا۔ تو وہی شخص جو اُس کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ دجال سے کہیگا کہ میں تجھے خوب جانتا ہوں ایسا کہ اس سے پہلے آگاہ نہ تھا۔ وہ پھر اس کو مار ڈالنا چاہے گا۔ تو اُس وقت اُس کے قتل پر قادر نہ ہوگا۔ اور یہ علامت ہوگی اُس کے کذب دعویٰ خدائی کی۔ اور حدیث میں ہے کہ دجال کے ہمراہ بہشت و دوزخ ہوگی۔ لیکن اس کی بہشت حقیقت میں دوزخ ہوگی۔ اور اس کی دوزخ حقیقت میں بہشت۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ اُس کے ساتھ آگ اور پانی ہوگا۔ لیکن لوگ جس کو پانی گمان کریں گے، وہ آتش سوزاں ہوگی۔ اور جس کو آگ تصوّر کریں گے، وہ حقیقت میں آب سرد ہوگا ۔

دجّال کے متعلّق احادیث اور اُن کا مرتبہ

دجال کی صفات و وقائع کے باب میں جو احادیث اوپر مذکور ہوئیں۔ اُن میں بعض ایسی ہیں۔ جن میں اختلاف ہے۔ اور بعض ایسی ہیں۔ جن میں کوئی اشکال نہیں۔ پس اِن ہر دو قسم کا بیان ضروری ہے۔ تاکہ خصمانِ شریعت اور مجوسانِ مطلورۂ طبیعت عوام مسلمانوں کے اضلال کے لئے ایک دستاویز نہ بنالیں اور دعویٰ تناقض اور علّت شبہت سے اخبار غیب کو جو صاحب عالم غیب صلوٰۃ اللہ و سلامہ نے پہنچائے ہیں۔ رد نہ کریں۔ کیونکہ ملاحدہ جو دین حق کے دشمن ہیں۔ اور فلاسفہ جو منکرانِ اخبارِ غیب ہیں۔ ہمیشہ ایسے موقع کے منتظر رہتے ہیں۔ وَاللہُ نَاصِرُ دِینِہٖ وَمُظْہِرُ حُجَّتِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۔

لیکن اُن احادیث میں سے جن میں نقل طریق سے اختلاف ہے۔ ایک حدیث یہ ہے کہ اُس کی چشم راست اعور ہے۔ اور دوسری حدیث میں

دجال کی چشم چپ کا اعور ہونا مذکور ہے۔ پھر بعض نے بے تعیین اس کی آنکھ کے اعور ہونے پر اقدام کیا ہے۔ پس ان ہر سہ بیانات میں صرف ایک ہی درست وصحیح ہو سکتا ہے۔ باقی غلط۔ اور چونکہ سیدھی آنکھ کے اعور ہونے کی طرف اکثر اصحاب گئے ہیں۔ لہٰذا ہم اسی پر اعتبار کرتے ہیں کہ وہ اعور ہے۔ اور راست یا چپ پر قطع نہیں کرتے۔ کیونکہ جہت اختلاف سے اصل بات پر جرح لازم آتی ہے ؞

دوسری اختلافی بات یہ ہے کہ اُس کی مدت قیام چالیس روز ہوگی اور حدیث اسما بنت یزید بن الاسلم الانصاری میں چالیس سال مذکور ہیں۔ لیکن اسما بنت یزید کی حدیث صحت و شہرت اور اتفاق روایات عدول میں چالیس روز والی حدیث کے برابر نہیں۔ اس کو اصحاب بزرگ کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے۔ اور ضرور یہ اصحاب ضبط وحفظ اور احتیاط میں ایک عورت سے اولیٰ تر ہیں۔ اس سبب حقیقت میں اس کی مدت قیام چالیس روز ہی ہوگی۔ چالیس سال کا ذکر ایک وہن اور بے بنیاد بات ہے ؞

تیسری بات یہ کہ ایک حدیث میں ہے کہ وہ دیار مغرب میں ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ وہ مشرق کی جانب سے خروج کرے گا۔ اس میں کوئی تناقص نہیں۔ کیونکہ وہ مغربی جزیرہ سے جو اُس کا محبس ہے۔ مخلصی پاکر مشرق میں آئے گا۔ اور خراسان کی طرف سے ظاہر ہوگا۔ اور اس کی وجہ یہ کہ فرمایا وہ دریائے مغرب بلکہ دریائے یمن میں ہے۔ یہ ہے کہ وہ جزیرہ بحرین میں بجانب مغرب ہوگا۔ اس سے مراد حضرت رسول خدا کی صرف تعبہ خبر دجال ہے۔ اس کے ظاہر کرنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصلحت نہ دیکھی ہوگی یا اس کے پوشیدہ رکھنے میں مصلحت ہوگی۔ کشف واظہار کو خلاف مصلحت سمجھا ہوگا ؞

دجّال کی صفت میں ایک اشکال

دجّال کی صفت میں ایک بڑی اشکال یہ ہے کہ حدیث میں زندہ کرنے

کی اضافت اُس کی طرف ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ دجال ایک شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کریگا۔ حالانکہ زندہ کرنا صرف خدا تعالیٰ کا ہی فعل و قدرت ہے،۔ جواب یہ ہے کہ ہم نے قطعی دلائل سے سمجھ لیا ہے کہ محیی و ممیت یعنی زندہ کرنے والا اور مارنے والا صرف خدا تعالیٰ ہے جل جلالہٗ۔ اس کی اضافت دوسرے کی طرف محض سبب کے لحاظ سے ہے جس طرح احیاء مردگان کی اضافت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی دعا احیا کا سبب واقع ہوتی تھی، پس جب حکمتِ الٰہی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ اُس مقتول کے زندہ کرنے میں دجال ملعون کی مراد حاصل ہو جائے۔ اس واسطے احیا کی اضافت مجازاً اُس کی طرف کی گئی۔ پھر بھی خدا تعالیٰ نے باوجود اس کے قضائے حاجت کے مردہ کو زندہ کرنے میں بھی ایک دلیل اُس کے بطلانِ دعوے پر قائم کر دی۔ وہ یہ جب دجال اُسی شخص کو جس نے اُس کو زندہ کیا ہوگا۔ پھر مار ڈالنا چاہیگا تو اُس وقت اُس کے قتل پر ہرگز قادر نہ ہوگا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ جب دجال مار ڈالنے پر جو مقدرت بشر سے ہے۔ قادر نہ ہوا تو احیا پر جو خاص خدائے تعالیٰ کا فعل ہے۔ استقلالاً کس طرح قادر ہو سکتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ احیا موتی اُس کے اختیار و قدرت سے ہرگز نہ ہوگا۔ لہٰذا احیا کی اضافت اس کی طرف مجاز ہے۔ ورنہ حقیقت میں وہ اُس پر قادر نہیں۔

ایک اور اشکال

ایک اور اشکال یہ ہے کہ جب یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ مدعی نبوت کی کسی ایسے فعل سے جس کی مثل سے مخلوق عاجز ہو۔ مدد کرے۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ احیا مردہ سے مدعی ربوبیت کی مدد کرے، اور مردہ کا زندہ کرنا اس کے اختیار میں دیدے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ مدعی نبوت کا دعویٰ ایسے امر کے متعلق ہوتا ہے۔ جس کا وجود بشر میں ممکن ہے۔ اُس کے صدق و کذب کا علم خدا کو ہی ہوتا ہے۔ بظاہر اُس کے دعوے کو جھوٹا کرنے کی دلیل نہیں ہوتی

پس اگر کوئی دلیل مدعی نبوت کے سچا یا جھوٹا کرنے کی ہے۔ تو یہی کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی ایسی دلیل یا ایسا فعل خارق عادت پیش کرے جس کے جواب اور مقابلہ سے اُس زمانہ کے لوگ یا تمام خلق عاجز و درماندہ ہو۔ پس اگر مدعی نبوت کی دلیل یا فعل اس کے کہنے کے مطابق ظاہر ہؤا۔ تو اس کی نبوت کے برحق ہونے میں کلام نہیں۔ اور اگر اُس کے خلاف ثابت ہؤا تو مدعی نبوت کا ذب سمجھا جائے گا۔ جب دلیل ہی شناخت و تمیز نبی صادق و کاذب کا ذریعہ ٹھہری۔ تو ظاہر ہؤا کہ جھوٹے مدعی نبوت کی امداد اُس کی موافقت میں منجانب اللہ کبھی نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہو تو اُس کی نبوت کے سچا ہونے میں کوئی شک نہ رہے۔ اور جھوٹے نبی کو جھوٹا سمجھنے میں بڑی سخت دقت پیش آئے۔ اور داعی ایمان کی داعی کفر سے تمیز نہ ہو سکے۔ اور یہ اقتضائے حکمت الٰہی سے بعید ہے۔ تو یاد رہے کہ جھوٹا مدعی نبوت کی امداد معجزہ کے ذریعہ ہرگز اور کسی نوع جائز نہیں ہے۔

اور یہ بات مدعی ربوبیت میں نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایسے امر کا دعویٰ کرتا ہے جس کی نظیر اُس کے امثال میں مستحیل ہے۔ اگر مدعی محدث ربوبیت کی قابلیت رکھتا تو تمام محدثات بھی اس قبیل سے ہوتے، اور محدث فی نفسہ دلائل حدوث اور امارت ضعف سے کسی وقت منفک نہیں ہے۔ پس یہی حالت اُس کے کذب دعوے کی شاہد ہے۔ بالخصوص دجال میں تو یہ بات بطور اولیٰ موجود ہے۔ اس لئے کہ وہ مرتبہ بشریت میں بھی نقصان رکھتا ہے۔ اور کسی ذی فہم سے پوشیدہ نہیں کہ وہ اگر اپنے دعویٰ ربوبیت میں صادق ہوتا۔ اور درحقیقت احیا نفس اس کی قدرت میں ہوتا۔ تو بطریق اولیٰ اپنی چشم کور کے روشن کرنے پر قادر ہوتا۔ چنانچہ جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں دجال کے باب میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں۔ جو انبیائے سابقین میں سے کسی نے بیان نہیں کی۔ اَلَا اِنَّہٗ اَعْوَرُ وَاِنَّ رَبَّکُمْ لَیْسَ بِاَعْوَر یاد رکھو کہ وہ اعور ہے اور تمہارا پروردگار اعور نہیں ہے۔ اس حدیث میں اس جانب اشارہ ہے کہ ایک ایسا بشر جو مرتبہ بشریت میں بھی کمال دنیا میسّت

نہیں رکھتا۔ رب ہونے کی کیونکر قابلیت رکھ سکتا ہے۔ رہی دجال کی تسلیط وتمکین۔ تو اس میں یہ حکمت ہے کہ انسان اپنی عقل سے جان لے کہ وہ کاذب ہے۔ اور اُس کے فتنہ سے سالم وسلامت رہے ؛

ہماری اس تقریر کے بعد مخالفین ومنکرین کو ہرگز عوام مسلمانوں کو فریب دینے کی جرأت نہیں رہے گی، ہم نے دلائل قاطعہ اور حدیث نبوی سے ثابت کردیا ہے کہ دجال کے باب میں جو اشکال وارد کی جاتی ہیں۔ وہ چنداں پائدار و مستحکم نہیں ہیں۔ اور یہ کہ اُس کے جواب نہایت آسان ہیں۔ بات یہ ہے کہ خروج دجال اور اُس کے تسلط میں خدا کی جانب سے بندوں پر ایک ابتلاء عظیم ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس میں اُس کی کیا حکمت ہے۔ انسان کو کیا مجال کہ بدوں اُس کی توفیق کے اُس کی عمیق اور پوشیدہ حکمتوں کے راز کو معلوم کرسکے۔ وَاللّٰہ یحکم فی خلقہ بما یشاء ؛

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نزول

دجال لعین کے خروج اور اُس کے فساد فی الارض کے بعد حضرت عیسٰی علی نبینا علیہ افضل الصلٰوۃ آسمان سے نزول فرمائینگے، جناب نبی کریم سے بسند صحیح ثابت ہے کہ قربِ ساعت کے وقت جناب عیسٰےؑ آسمان سے نزول فرما کر دجال کو قتل کرینگے، اور زمین کو دجال اور اُس کے متبعین کی خباثت وفساد سے اور یہودیان بے دین کی ناپاکیوں اور گندگیوں سے جو حضرت عیسٰےؑ کے قتل کرنے اور مصلوب ہونے کے مدعی ہیں۔ پاک کرینگے ؛

حضرت عیسٰی کے نزول میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ جب انقراض عالم کی مدت قریب ہوگی تو چونکہ عیسٰیؑ بنی آدم سے ہیں۔ (اُن کو خدا نے کفار کے شر سے بچا کر ایک مدت معین کے لیئے آسمان پر اُٹھا لیا ہے) اور کوئی انسان آسمان پر فوت نہیں ہوگا۔ بلکہ زمین پر مریگا۔ چنانچہ فرمایا۔[1] مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ

[1] ہم نے اس مٹی سے تم کو پیدا کیا۔ اور اس مٹی میں تم کو پلٹائیں گے۔ اور دوسری بار اسی مٹی سے تم کو نکالیں گے ؛

وَفِیْهَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُکُمْ تَارَةً اُخْرٰی ۔ پس جب حضرت عیسیٰ کی اجل مقررہ اختتام کو پہنچے گی، تو اللہ تعالیٰ اُن کو زمین پر نازل کریگا تاکہ موت انہیں زمین پر پالے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کی تکذیب کی۔ انہیں ساحر و جادوگر بنایا۔ اور اُن کے قتل کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ نصِ قرآنی سے یہ امر ثابت ہے، اللہ تعالیٰ اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجکر اُن کے صفحۂ حال پر رقمِ مذلت کھینچیگا۔ اور حضرت عیسےٰؑ کے نزول کے ذریعہ دین حق کو عزیز فرمائے گا۔

یہودیوں کی سلطنت زمین کے کسی حصّہ پر نہیں، وہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہے۔ اور اس امر کے منتظر کہ انہیں فرصت ملے۔ بحمد اللہ کہ انہیں کبھی فرصت و فراغت امور دینی میں نصیب نہ ہوگی حتیٰ کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائینگے۔

جب دجّال لعین ظاہر ہوگا۔ تو یہ خبیث اُس کی متابعت کریں گے۔ اور اور شومی تکذیب مسیح ہادی کے سبب جس کی تصدیق واجب ہے۔ اور اُس کے معجزہ کو سحر کے ساتھ تعبیر کرنے کی بدبختی کے بدلہ میں سحر دجال کو قبول کرینگے پس اللہ تعالیٰ اُسی برگزیدہ بندہ کو جس کی یہ تکذیب کرتے تھے۔ ایسے وقت میں جب اُن کا خیال تھا کہ اب ہم نے فرصت حاصل کرلی۔ اب ہمیں چاہئے کہ مسلمانوں اور دینداروں سے انتقام لیں۔ یہودیوں کی تخریب اور ہلاکت کے لئے بھیجیگا۔ اور اِس طرح وہ اس کی ذاتِ مقدس کی ہلاکت کا دعویٰ کرتے تھے۔ اُس کے ہاتھ سے اُن کو ہلاک کرادیگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موافق نصِ قرآنی اور احادیث نبوی کے ایمان لانا چاہیئے، اور یہ بھی اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ جب عیسےٰ علیہ السلام آسمان سے نزول کرینگے۔ تو وہ احکام شریعت غرائے محمدیؐ کے تابع ہونگے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام خلائق کی طرف مبعوث کیا ہے۔ پس واجب ہے کہ اُس وقت حضرت عیسیٰ اپنی شریعت

سے درگذر کر کے شریعت محمدی کے تابع ہوں۔ اِس معنی سے حضرت عیسیٰ کی نبوت اُن کے رفع الی السماء تک محدود تھی۔ اس کے بعد جب شریعت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اشاعت ہوئی۔ تو تمام انس و جن پر آپ کی شریعت کی متابعت و اطاعت واجب ہوگئی۔ کیونکہ آپ خاتم الانبیا ہیں۔ آپ کے بعد کسی نبی کا ہونا ممکن نہیں۔ اگر کوئی مدعی دعویٰ کرے تو باطل ہے۔ آپؐ نے خود فرمادیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ الحدیث تو واضح ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اُس وقت نبی نہ ہونگے، اُن کا عمل کتاب و سنّت پیغمبر آخرالزمان کے موافق ہوگا۔ اور اسی معنی میں فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوکان موسٰی حیا ما وسعہ اِلَّا اتباعِیْ ط کہ اگر موسےٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری متابعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا ❊

اگر سوال کیا جاوے کہ حدیث نواس بن سمعان میں بعد وصف دجال اور اُس کے ہلاک ہونے کے آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کی بابت فرمایا۔ یَفْتَحُ بَابَ الدَّارِ کہ وہ انصاف کا دروازہ کھولیں گے۔ کَمَا فِیْ اَصْلِ الْحَدِیْثِ اور اسی حدیث میں حضرت عیسیٰؑ کو نبی اللہ کہا۔ اور دُوسری جگہ فرمایا فَیَرْغَبُ نَبِیُّ اللّٰہِ اس پر حضرت عیسےٰ کی نبوّت ثابت ہے۔ اور تم اُن سے نفی نبوّت کرتے ہو ❊❊

جواب یہ ہے کہ ہم وحی شریعت کی نفی کرتے ہیں نہ الہام الٰہی کی۔ اور ہم آخر زمانہ میں یعنے آنحضرت کے بعد حکم نبوت کی نفی کرتے ہیں نہ اسم نبوّت کی۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کو نبی اللہ کہتے ہیں۔ اور نیز دوسرے انبیا کو باعتبار شرف کے نبوت کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس معنی سے حضرت عیسیٰ کو بھی نبی اللہ کہا گیا کیونکہ وہ واقعی نبی ہیں۔ اگرچہ اُس وقت اُس کی نبوت کا حکم منقطع ہوگیا ہے۔ اسی اعتبار سے دوسرے انبیا کو بھی نبی اللہ کہتے ہیں اس میں عیسیٰ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے ❊

خروج یاجوج وماجوج

بعد نزول عیسیٰؑ وہلاکت دجال اور اُس کے تابعین کے خروج یاجوج وماجوج ہوگا۔ اور یہ نسل بنی آدم سے دو قسم کے لوگ ہیں۔ جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔ اُن کی زیادتی سے رُوئے زمین کا کوئی حصہ بلکہ کوہ دہاموں تک خالی نہ ہوگا۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاجُوْجُ وَمَاجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ مراد فتح یاجوج وماجوج سے اُن کی دیوار کا کھلنا ہے جس میں وہ محصور ہیں اور جس کو ذوالقرنین نے اِس لئے بنایا تھا۔ کہ خلق خدا اُس کے فساد وفتنہ سے محفوظ رہے۔ یاجوج وماجوج کی اصل حقیقت یہی ہے۔ اس کے خلاف تاویل کرنا گمراہی وضلالت ہے۔ یاجوج وماجوج کے خروج کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام مومنین کے ہمراہ کوہ طور میں متحصن ہونگے۔ جس وقت آپ کو اِن کے فساد کی خبر پہنچے گی۔ تو آپ اور آپ کے ہمراہی جملہ اہلِ ایمان یاجوج وماجوج کی ہلاکت کے لئے جناب باری میں دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ بہ برکت دعائے عیسیٰ اور اُن کے ہمراہین کے سب کو عارضۂ طاعون میں فنا کریگا۔ طاعون ایک مرض ہے جس میں مریض کو شدت کا بخار چڑھتا ہے۔ اور اکثر وقت بن گوش زیر بغل اور بن ران میں سے کسی ایک جگہ یا سب جگہ گلٹیاں نمودار ہوتی ہیں۔ یہ مرض نہایت مہلک لاعلاج اور خلق خدا پر ایک عام مصیبت ہے اَعَاذَنَا اللّٰہُ وَجَمِیْعَ الْمُسْلِمِیْنَ مِنَ الطَّاعُوْنِ بِحُرْمَةِ النَّبِیِّ وَاٰلِہِ الْاَمْجَادِ۔ (اٰمین)

مغرب سے طلوع آفتاب

اشراطِ ساعت میں سے ایک بڑی شرط آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا ہے۔ اور مراد اس آیت سے یہی ہے۔ ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیَھُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ کیا یہ لوگ اِس

اس بات کے منتظر ہیں کہ اُن کے پاس فرشتے یا تیرے پروردگار کی بعض آیات آئیں۔ مراد بعض آیاتِ ربک سے آفتاب کا جانب مغرب سے نکلنا ہے۔ اور یہ امر احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا۔ اُمت کو جناب نبی کریمؐ سے ایسا ہی پہنچا ہے۔ اس کا منکر کافر ہے۔ اس لئے کہ اس سے قولِ پیغمبرؐ کی تردید پائی جاتی ہے۔ اور تصدیق اُن تمام باتوں کی جو نبی صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہمیں پہنچیں ہم پر واجب ہے۔ اگرچہ وہ مخالف عقل اور خلافِ معقول و معہود ہوں۔ اور یہ نشانی بھی انہیں امور سے ہے، اس پر بھی جو شخص اس بات کو مستبعد جانے۔ اگر وہ دیندار ہے تو اُس کو اپنے دین کی جانب رجوع کرنا چاہیئے۔ جب اپنے دین میں دیکھے کہ بعد حشر خلائق کے آفتاب کو بلندی سے پستی کی طرف پھینک دینگے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ جب آفتاب کو مع تمام افلاک کے لپیٹ لینگے۔ تو اُسے چاہیئے کہ طلوع آفتاب از جانب مغرب کو بھی مستبعد خیال نہ کرے۔

انسان جب پانچ ستاروں، زہرہ، مُشتری، عطارد، مریخ اور زحل کی طرف نظر کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے سیر و رفتار کی ایک حد اور وضع مقرر فرما دی ہے کہ وہ کسی حالت میں اپنی حد اور وضع سے تجاوز نہیں کرتے، پس اسی طرح خدا تعالیٰ قیامت کے قرب میں آفتاب کی حرکت و سیر کو پھرا دیگا۔ اور بجائے مشرق کے مغرب کی جانب سے طلوع فرمائے گا۔ لیکن یہ بات اتنی ہے کہ ستاروں کی رفتار و سیر کا علم لوگوں پر اس وقت ظاہر ہے، اور اقترابِ ساعت کے وقت طلوع آفتاب از جانب مغرب کا حال و علم اُس نے کسی حکمت سے بندوں پر ظاہر نہیں فرمایا۔

آفتاب کی رفتار بدل دینے میں منجملہ بہت سی پوشیدہ حکمتوں کے ایک حکمت یہ ہے کہ جب انتظام ترکیب عالم فساد کو پہنچے گا۔ اور لوگ برائی و بدی پر مصر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اس بڑی آیت کے ذریعہ مخلوق کو متنبہ فرمائے گا کہ نقض ترکیب عالم اس پر آسان و اکلون ہے۔ اور یہ کہ دنیا کا کام انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ اور یہ کہ قیامت کے باب میں جو کچھ انبیا علیہم السلام نے خلق

خدا کو پہنچایا ہے۔ تمام درست و بجا ہے۔ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جب اشراط شاعت ایک ایک آخر زمانہ میں ظاہر ہونگی۔ اور لوگ اسی طرح بدائی وضلالت پر قائم رہینگے، تو یہ آیہ کریمہ برای العین اُن پر ظاہر ہو گی۔ اس عقوبت میں کہ جب ایمان بالغیب جائز نہیں رکھتے۔ تو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ لیکن اس وقت کا ایمان مطلق مفید نہ ہو گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ یعنی جس دن تیرے ربّ کی بعض آیات ظاہر ہوں گی۔ تو کسی شخص کو اُس کا ایمان لانا اُس وقت نفع نہ دیگا۔ جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ رات جس کی صبح کو آفتاب مغرب سے طلوع کریگا۔ نہایت دراز ہوگی۔ لیکن اُس کی درازی سوائے تہجد گذاروں اور اصحاب اوراد کے کسی کو محسوس نہ ہوگی۔ جب یہ لوگ اپنی عبادت داوراد سے فارغ ہوکر منتظر صبح کے ہونگے، مگر صبح نمودار نہ ہوگی۔ اُس وقت اُن کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ اور گھبرا کر پھر طاعت و وظیفہ میں مشغول ہو جائینگے۔ پھر صبح کا انتظار کرینگے۔ اور جب صبح کا طلوع نہ ہوگا۔ تو خیال کریں گے کہ کوئی امر عظیم اور حادثہ جسیم ظاہر ہونے والا ہے۔ لہٰذا دعا و استغفار میں سربسجود مصروف ہونگے کہ اتنے میں جانب مغرب سے آفتاب طلوع کریگا۔ اس حال میں کہ نور و روشنی سے بالکل خالی ہوگا۔ اور تمام لوگ اُس کو مشاہدہ کرینگے یہی وہ وقت ہوگا کہ کفار کا ایمان اُن کو مطلق مفید نہ ہوگا۔ اور حدیث کے مطابق آفتاب صرف ایک روز مغرب سے نکلے گا۔ یہی درست ہے اس میں شک نہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ آفتاب متواتر تین روز تک مغرب سے نکلیگا۔ پھر اپنی عادت معہود کے مطابق مشرق سے نکلتا رہیگا۔ اور باقی ایام دنیا تک اُس کا طلوع و غروب اسی طرح حسب معمول ہوگا۔

رات کے دراز ہونے کا بظاہر سبب یہ ہے کہ جب مغرب سے آفتاب کے طلوع ہونے کا وقت قریب ہوگا۔ تو آفتاب خدا سے دستوری

اُس وقت کا ایمان مفید نہ ہوگا

چاہے گا۔اُس کو اجازت نہیں دیجائے گی۔ اور حکم ہو گا کہ جس رستہ سے آیا ہے اسی رستہ سے پلٹ جا۔ اور آیت یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ کی تاویل میں علمائے اُمّت کا اختلاف ہے۔ بعض ظاہر آیت پر تمسک کر کے کہتے ہیں کہ مغرب سے طلوع آفتاب کے وقت کسی فرد بشر کی توبہ قبول نہ ہو گی۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے من تاب قبل ان تطلع الشمس من مغربہا تاب اللہ علیہ یعنی جو شخص مغرب سے آفتاب طلوع ہونیکے پہلے توبہ کر چکا۔ اللہ اُس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

دوسری حدیث میں ہے۔ لَا یَنْقَطِعُ التَّوْبَۃَ حَتّٰی تَطْلِعَ الشَّمْسَ مِنْ مَغْرِبِہَا توبہ منقطع نہ ہو گی۔ جب تک آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع نہ کرے، اِن کے سوا اس معنی میں اور بھی احادیث وارد ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں یہ حکم اُن لوگوں کے لیئے وارد ہے۔ جنہوں نے اس آیت کا مشاہدہ کیا۔ اور بعد مشاہدہ کے ایمان لائے۔ لیکن وہ اصحاب جو اس آیت کے ظہور کے بعد پیدا ہوئے۔ یا اس آیت کے وقت مکلف نہ تھے۔ اور حد تمیز کو نہیں پہنچے تھے۔ اس آیت کے حکم سے خارج ہیں۔ (یعنی توبہ اُن کے حق میں مفید ہے) اور اصول دین کا اقتضا بھی یہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالے بندوں کو ایمان کی طرف دعوت کرے۔ اور وہ قبول کر لیں۔ تو اُن کا ایمان اضطراری نہ ہو گا۔ ضرور مقبول ہو گا۔ (مگر جب یہ کہیں کہ اس آیت کے بعد دنیا کی مدت مقتضی ہو جائیگی) اور میں نے ایک حدیث میں دیکھا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے جو عمر رسیدہ اور بوڑھا ہو گا۔ سوال کریگا کہ تم کب پیدا ہوئے۔ تو وہ جواب میں کہیگا۔ اُس وقت جب آفتاب مغرب کی طرف سے نکلا تھا۔

اور اس امر کی دلیل کہ یہ حکم انہیں لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اس وقت بحالت بلوغ مکلف بالشرع تھے۔ اور باوجود اس کے ایمان نہیں لائے۔ یہ ہے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کی پہلی علامت مغرب سے طلوع آفتاب ہے۔ تو لامحالہ خروج دجال اس کے بعد ہو گا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کا نزول خروج دجال کے بعد ہوگا۔ اور زمان عیسٰے علیہ السلام میں ایمان مقبول ہے۔ بدلیل اس آیت کے وَاِنْ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ اور کوئی اہل کتاب سے نہ ہوگا۔ جو عیسٰی علیہ السلام پر اُن کی موت سے پہلے ایمان نہ لائے۔ اگر اعتراض کیا جاوے کہ ایمان تو لائینگے مگر مقبول نہ ہوگا تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عیسٰی جزیہ کو موقوف کرینگے۔ یَضَعَ الْجِزْیَۃَ اور اس کے یہ معنی ہیں کہ لوگ ایمان لانے پر راضی ہونگے۔ جزیہ دینے پر راضی نہ ہونگے۔ پھر اگر اعتراض کیا جاوے کہ مراد اس آیات سے کہ آیات سماوی میں سے پہلی آیت مغرب سے آفتاب کا نکلنا ہے یعنی پہلی آیت جو اختلال نظامِ افلاک و ستارگان سے مشاہدہ ہوگی۔ وہ یہ آیت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بیشک اسکا احتمال ہے۔ لیکن حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں آیا ہے کہ تین چیزیں ہیں۔ جب وہ ظاہر ہو جائیں گی۔ تو کافر کے لئے ایمان لانا مفید نہ ہوگا۔ اوّل مغرب سے آفتاب کا نکلنا۔ دوسرے دجال کا خروج۔ تیسرے دابۃ الارض کا پیدا ہونا۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ خروج دجال نزول عیسٰےؑ سے قبل ہوگا۔ اور ہم بدلائل یہ بیان کر آئے ہیں کہ حضرت عیسٰی کے زمانہ میں ایمان مقبول ہوگا ۞

اگرچہ یہ پہلی وجہ پر ترجیح رکھتی ہے۔ تاہم کسی ایک بات پر جزم اور قطع کر لینا درست نہیں۔ کیونکہ اس باب میں کوئی بھی ایک نقل جو موجب علم ضروری ہو نہیں دیکھی گئی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ پہلے کس آیت کا ظہور ہوگا۔ صرف اتنی بات احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں آفتاب مغرب سے طلوع کریگا۔ اس وقت ایمان مقبول نہ ہوگا۔ مگر اس کے وقت کے متعلق ہم کو یقینی علم نہیں۔ احتمال ہے کہ عیسٰے علیہ السلام کے پہلے ہو یا اُن کے بعد جب اُن کے تمام ہمراہی اور مطیعین وفات پا جائیں۔ اور خلق سے نائرہ فساد و شرارت منطفی نہ ہو۔ بلکہ لوگ اسی طرح فساد و عناد پر مستمر رہیں۔ تو غضب الٰہی جوش میں آئے۔ اور اُن کو عذاب دینا ضرور ہو۔ اس وقت آفتاب مغرب سے طلوع کرے۔ پھر اُن کا ایمان مقبول نہ ہو۔ جس طرح دوسری اُمتوں کو ایمان یاس مقبول نہیں

ایمان یاس مقبول نہیں۔

فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا یعنی اُن کو اُن کا ایمان لانا نفع نہ دے گا۔ جب اُنہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ سنت اللہ التی قد خلت وَخَسِرَ هنالك الکافرون ٥

دابۃ الارض کا نکلنا

ایک اور نشانی زمین سے دابۃ الارض کا نکلنا ہے۔ جو نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُکَلِّمُهُمْ ٥ یعنی جب ہمارا عذاب اُن پر واقع ہوگا۔ تو ہم اُن کے لئے دابۃ الارض نکالیں گے۔ جو اُن سے کلام کریگا۔ جیسے ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کو پتھر سے نکالا تھا۔ دابہ اور اُس کے حالات میں اخبار کثیر وارد ہیں۔ لیکن اس وجہ سے کہ وہ معتمد اور موجب علم ضروری نہیں۔ ہم اس کے بیان سے درگذر کرتے ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنے والوں پر اتنا واجب ہے کہ وہ زمین سے دابۃ الارض کے نکلنے اور اُس کے گویا ہونے کا اقرار کریں۔ اور یہ کہ وہ اقترابِ ساعت کے وقت خروج کریگا۔ حدیث میں ہے کہ دابۃ الارض کا نکلنا اور مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا قریب قریب ہوگا۔ یعنی ایک نشان کے ظاہر ہوتے ہی دوسرا نشان ظاہر ہوگا۔ اور یہ دلیل ہے اس تاویل کی جو اوپر بیان ہوئی۔ کہ آفتاب کے مغرب سے نکلنے کو سماوی آیات کے لحاظ سے پہلی آیت کہنا مناسب ہے۔

دخان کا ظاہر ہونا

ایک اور نشانی دخان ہے، اور وہ ایک گھٹا ٹوپ اندھیرا رکھنے والا دھواں ہے۔ جو آسمان سے زمین تک تمام چیزوں کو گھیر لیگا۔ جس سے لوگوں کا دم گھٹنے لگے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ ٥ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دخان کی علامت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں گذر گئی۔ اُس وقت ایک سخت قحط پڑا تھا۔

جس سے کفار زمین پر دھواں دیکھتے تھے، وَاللہُ اَعْلَمُ بِتَاوِیْلِہٖ ؀

آگ نکلنا

ایک اور نشانی قصر عدن سے آگ کا نکلنا ہے۔ جس کی روشنی مواضع شام تک پہنچے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آگ لوگوں کو مقام رست خیز میں لے جائیگی۔ ایک روایت میں قیامت گاہ کا ذکر ہے۔ اور جہاں کہیں لوگ رہینگے۔ یہ بھی اُن کے ساتھ رہے گی۔ رات دن میں کسی وقت اُن سے جُدا نہ ہوگی۔ احادیث درست سے اُس پر ایمان لانا ثابت ہے۔ لیکن یہ حدیث چند طریق پر مروی ہے کہ اُس کے بعض حصوں پر اشکال وارد ہوتی اور بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اُس کی صحیح طریق پر تقریر کرنا درست ہے۔ تاکہ کوئی مبطل عام مسلمانوں پر کوئی شبہ پیدا نہ کرے۔ اور اپنے عقائد فاسدہ کے پھیلانے میں اس کو ایک وسیلہ نہ گردانے ؀

احادیث خروج نار میں ایک اشکال

اشکال یہ ہے کہ ایک حدیث میں قعر عدن کی آگ کو آخر آیت کہا گیا ہے ایک روایت میں یمن سے اُس کا نکلنا بیان ہوُا ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے۔ اَوّل اشراط السّاعۃ نارٌ تحشر الناس مِنَ المشرق اِلَی المَغرِب۔ یعنی قیامت کی شرط وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لیجائے گی۔ اگرچہ لفظ اول و آخر میں روایت سے غلطی واقع ہونا مستبعد نہیں ہے (یعنی ممکن ہے کہ راوی اول کی جگہ آخر یا آخر کی جگہ اول کہہ گیا ہو) لیکن چونکہ دونوں حدیثیں درست ہیں۔ اور ایک ہی خبر میں جناب نبی کریم سے اختلاف واقع ہونا روا نہیں پس صواب یہ ہے کہ دونوں حدیثوں کو اس طور سے صاف کر دیا جائے کہ اُن میں تناقض نہ رہے۔ لہٰذا۔

ہم کہتے ہیں کہ دونوں حدیثوں میں دو واقعات علیحدہ علیحدہ بیان کئے گئے ہیں۔ یعنی وہ آگ جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف اُٹھا لیجائے گی

اور جس کو اشراط ساعت کی پہلی شرط فرمایا ہے۔ یہ دوسری آگ ہوگی۔ اور وہ آگ جو قعر عدن سے نکلے گی۔ اور جس کو آخر آیات فرمایا ہے۔ یہ دوسری آگ ہوگی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے سوق کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ یمن سے نکلنے والی آگ جو آخر آیات ہے حقیقت میں آگ ہوگی۔ اور دوسری آگ جو اول اشراط ساعت ہے۔ مراد اس سے فتنہ اتراک ہوگا۔ کہ ہمارے زمانہ میں ظہور کریں گے، اور لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف کھینچ لے جائینگے غایت شدتِ فتنہ اور خلق کے ہلاک ہوجانے اور شہروں کے مستاصل ہوجانے کے سبب اُس کو آگ سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ چنانچہ قاعدہ ہے کہ عرب حرب کو آگ سے تشبیہ کرتے ہیں۔ اور پھر اس قوم کا فتنہ تو حقیقت میں آگ کی طرح شہروں کو خراب کرنے والا اور مخلوق کو تباہ کرنے والا ہوگا۔ جس سے دنیا چیخ اُٹھے گی ❊

اگر سوال کیا جاوے کہ انشقاق قمر اوّل اشراط ساعت ہے۔ اور وہ زمانہ رسول میں ظاہر ہوگئی۔ اور تم حدیث ابن مسعودؓ سے تمسک کرتے ہوئے کہتے ہو۔ کہ دخان کا واقعہ زمان رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میں گذر گیا۔ تو قیامت کی پہلی شرط یہ ہوئی۔ پھر وجہ اس حدیث کی کہ اوّل اشراط السّاعۃ نارٌ یحشر النّاس من المشرق الی المغرب کس طرح ہوگی ❊

جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اشراط ساعت متعدد ہیں۔ بعض اُن میں سے وہ ہیں۔ جو زمانہ رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نزدیک ظاہر ہوگئیں بعض وہ جو آپؐ کے بعد ظاہر ہوئیں۔ اور آخر زمانہ میں جب اُمّت کے احوال میں تغیر و تبدل اور فساد و خرابی واقع ہوگی۔ اُس وقت متعاقب اور متوالی ظاہر ہونگی۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ وَ اٰیات یتتابع کتتابع النظام قطع سلکہ تو اس آگ کی علامت کہنا اس لحاظ سے ہے کہ یہ پہلی آیت ہوگی، ان آیات سے جو آخر زمانہ میں وقت تغیر و تبدل احوال خلائق کے ظہور کریں گی ❊

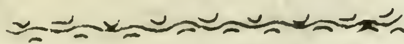
اور اس حدیث میں کہ ایک آگ یمن سے ظاہر ہوگی۔ اس جہت سے اشکال یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ جب تک دس آیتیں ظاہر نہ ہوں۔ قیامت قائم نہ ہوگی، ان میں سے ایک خروج آتش ہے۔ قعر عدن (یمن) سے پھر اس حدیث میں فرمایا کہ یہ آگ خلق کو مقام محشر میں لیجائے گی۔ تقیل معھم حیث ما قالوا وباتت معھم اینما باتوا[1]
یہ حالت تو حشر کے بعد ہوگی۔ اور حشر بعد قیامت کے ہوگا۔ پس اس آگ کو اشراط ساعت سے کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ شرط کا ساعت پر مقدم ہونا ضرور ہے۔ ہم کہتے ہیں احتمال ہے کہ وہ آگ یمن سے ظاہر ہو جاوے اس کے بعد حشر قائم ہو۔ اور آگ حشر کے بعد تک اپنی حالت پر رہے۔ پھر اسی آگ کو اہل شقاوت کا سائق کر دیا جاوے کہ انہیں دوزخ میں لے جائے۔ اور زمین محشر تک کسی جگہ اُن سے جدا نہ ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ وتحشر بقیتھم النار وتقیل معھم حیث ما قالوا وباتت معھم اینما باتوا وتصبح معھم حیث اصبحوا وتمشی معھم حیث مشوا ؀

اشراط ساعت کے یکے بعد دیگرے ساعت بعد ساعت اور نزول بعد نزول ظاہر ہونے کی مثال ایسی ہے۔ جیسے امارات و آثار مرگ کہ دمبدم بیمار پر ظاہر ہوتی ہیں۔ تاکہ وہ توبہ کرے۔ اور خدا کی طرف رجوع لاوے اور افعال بد سے تائب ہو۔ اور استعداد موت حاصل کرے۔ اور حق وصیت بجا لائے۔ یہی حال اشراط ساعت کا ہے۔ تاکہ لوگ علامات قیامت دیکھ کر توبہ کریں۔ اور اپنی باقی زندگی میں مستعد لقائے ربانی ہوں۔ اور امید اپنی اس دار فنا سے اٹھا دیں۔ اور اہل ایمان یہ آیات دیکھ کر موئید بزیادتی یقین ہوں۔ اور جو کچھ بحکم خدا جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اور منکر ان بعث و نشور

---

[1] جہاں وہ دوپہر کو آرام کریں گے۔ وہ بھی وہیں ٹھہر ے گی۔ اور جہاں وہ رات کو سوئیں گے۔ تو وہ بھی وہیں رات گذارے گی ؀

پر حجت قاطعہ قائم ہو۔ واللہ یحکم فی خلقہ مایشاء و یفعل ما یرید و ھو حسبنا و نعم الوکیل ؂



تیسرا باب

اعتقادی مسائل کے بیان میں بحسب کتاب و سنّت و اجماع اُمّت

اس باب میں چند ایسے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ جن سے واقف ہونا نہایت ضرور اور اصول دین سے ہے۔ اور اُن کے نہ جاننے سے مظنہ بدعت و ضلالت ہیں اور مسالک فتن و ہلاکت میں گرنے کا خوف ہے۔ اس کو دس فصلوں میں ایسے عمدہ طریق پر علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے کہ اُس کے سمجھنے میں مطلق دقت نہ ہو۔ یہ وہ باتیں ہیں۔ جن سے مسائل امامت اور احکام و قضایا متعلق ہیں۔ اور اسی سے صلاح و فساد اُمّت منوط ہے ؂

پہلی فصل

وجوب امامت کے بیان میں

امامت کے وجوب میں حسب ذیل دلائل پیش کئے جاتے ہیں ؂

وجوب امامت کے وجوہات و دلائل

اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کیا ہے کہ وہ ایفاء حقوق، اقامت حدود، امر معروف، نہی منکر، ظالم سے داد مظلوم لینے، دشمنانِ خدا و رسول کے ساتھ جہاد کرنے۔ بیضہ اسلام کو انتشار فساد اور غلبات دشمن سے نگاہ رکھنے، مسلمانوں کے دماء خروج اور اموال کی محافظت کے لئے ذہنات ولات مقرر و قائم کرنے، خداوندان اموال سے پوری زکوٰۃ لینے۔ اور مستحقین کو پہنچانے۔ خراج و محاصل وصول کر کے مسلمانوں کو مصالح دینی و دنیوی میں صرف کرنے وغیرہ وغیرہ میں سعی و بلیغ کرتے رہیں۔ اور کبھی اور کسی وقت اس فرض سے غافل نہ ہوں۔ پھر یہ کام ایسے ہیں۔ جن کا نفاذ و اجرا بدوں ایک ایسے امام کے مقرر کئے۔ جس کے نسب و تعین پر اہل اسلام متفقۃ الکلمہ ہوں۔ اور جو ان احکام کی تمہید اور ان قضایا کی تمشیت کی پوری قدرت و صلاحیت رکھتا ہو، نہایت دشوار ہے۔ کیونکہ انسانی رائیں باہم مختلف اور ان کی خواہشات و ہوایا متنوع اور متبعید ہیں۔ پس ان کے نفوس بے زجر زاجر اور بغیر حاکم قاہر کے جو انہیں کی اتفاق رائے سے قائم و منصوب ہو۔ ہرگز سیدھے رستہ پر نہیں رہ سکتے۔ اسی واسطے بندوں پر اور بالتخصیص اہل علم پر واجب ہوا کہ جناب نبی کریم کی وفات کے بعد اس امر پر قیام اقدام کریں۔ کیونکہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس امر اہم پر اپنے سامنے کسی کو مقرر نہیں فرمایا۔ اور انصرام امور اہل اسلام کا اصحاب رائے پر چھوڑا۔ تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ جس شخص کو دینی۔ دنیوی اور سیاسی امور میں ممتاز دیکھیں اس کو اتفاق باہمی سے اپنا امام مطاع اور مرجع امورات قرار دیں۔ تاکہ ادائے فرائض کے طریق اور نفاذ امور میں کوئی دقت نہ رہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ خدا تعالےٰ نے بندوں پر کوئی کام فرض کیا ہو اور اس کے ادا کرنے کی کوئی سبیل نہ نکالی ہو۔ جناب رسول خدا کے بعد ہر وقت اسی کا یہی حکم ہے۔ اور اگر امام برحق جس کو باستحقاق شرعی

امامت پہنچی ہو، اپنا جانشین کسی دوسرے شخص کو کر دے۔ (کہ میرے بعد فلاں شخص امام ہوگا) تو اس وقت مسلمانوں کے ذمہ سے یہ فرض اُٹھ جائے گا۔ لیکن جس حالت میں امام موجود اپنے روبرو کسی کی امامت پر نص نہ کرے، تو اس صورت میں مسلمانوں پر نصب امام واجب ہے۔ چنانچہ بیان ہوا اس امر میں ہرگز تقصیر نہ کریں۔ حدیث میں وجوب امامت کی بہت دلیلیں ہیں۔ ازانجملہ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا مَنْ مات وَلیس فی عنقہ بیعتہ مات میتۃ فی الجاھلیۃ[1] دوسری حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ الامام جنۃ یقاتل من ورائہ[2] تیسری حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ جب انہوں نے حدیث فتنہ سنی تو عرض کیا۔ یارسول اللہ فما تامرنی ان ادرکتنی ذالک قال تلزم جماعۃ المسلمین وَامامہم یعنی اے خدا کے رسول جب یہ زمانہ مجھے پالے۔ تو میں کیا کروں۔ فرمایا مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑ۔

ازجملہ دلائل وجوب ایک بڑی دلیل صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہے کہ بعد وفات پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جب مہاجرین و انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے[3]، اور مہاجرین نے طلب بیعت کی تو انصار نے کہا منا امیرٌ

---

[1] امامت اور اس حدیث کے دلچسپ معانی کیلئے دیکھو تکملہ صفحہ ۔

[2] امام ایک ڈھال ہے۔ جو غیر مطیعوں کے ساتھ قتال کر کے مطیعوں کو بچاتا ہے۔

[3] شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور ان کے ہمخیال جناب رسول خدا کی میت کو بلا کفن و دفن چھوڑ کر بطمع حصول ریاست سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ انہیں اتنا ہوش نہیں کہ نصب امام و خلیفہ اتنا ضروری ہے کہ بدوں اس کے انتظام دین اور اتفاق ما بین ممکن نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی دنیوی حاکم فوت ہو جاتا ہے۔ تو جب تک اس کا جانشین نہیں بنا لیتے تب تک اس حاکم کی تجہیز و تکفین نہیں کرتے کہ مبادا کوئی فتنہ اُٹھ کھڑا ہو۔ اور اس کا دبانا بدوں حاکم کے دشوار ہو۔ پھر دنیا اور دین کے اتنے بڑے بادشاہ کے وفات کے وقت جس کی ذات گرامی دین و دنیا کی صلاح و سداد کے متعلق کیونکر ایسا نہیں کیا جاتا۔ جیسا صحابہ کرام نے کیا۔ دوسرا امر نصب امام کی ضرورت پر (باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۷)

وجوب امامت کی دلیل اجماع صحابہؓ سے

وَاَمِیرٌ مِّنکُم یعنے ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے (یہ دلیل ہے اس امر کی کہ مہاجر و انصار سب نے نصب امام کو ضروری سمجھا۔ اور سب بلا اکراہ نصب امام پر مجتمع ہوئے، آخر باجماع جماعت صحابہ حضرت ابو بکرؓ امیر اور امام اور خلیفہ جماعت مسلمین کے منتخب ہوئے)۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے نزدیک بحضور جماعت مسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ تجویز کیا۔ بعض نے اعتراض کیا۔ کہ اے ابو بکرؓ خدا کو کیا جواب دیگا۔ جب وہ پوچھے گا کہ سخت ترین مردم کو تو نے خلیفہ تجویز کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں خدا کو جواب دونگا کہ میں نے بہترین اہل اللہ کو خلیفہ کیا ہے۔ اہل مکہ کو یہ لوگ اہل اللہ کہا کرتے تھے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ جب لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نصب خلیفہ کے لیئے درخواست کی۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ زندگی میں عہد کر سکتا ہوں۔ لیکن بعد مرگ کے ذمہ نہیں لیتا۔ لیکن تم ان چھ شخصوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینا۔ چنانچہ ان چھ آدمیوں کا شوریٰ مقرر کیا۔ عثمانؓ علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، اور سعد بن وقاصؓ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ یہ تمام بیان اجماعی ہے۔ صحابہؓ سے وجوب امامت پر۔



(بقایا حاشیہ صفحہ ۲۳۶ سے)

یہ داعی ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر وفات سنتے ہی باقی مہاجرین وانصار حصول ریاست وحکومت کے لیئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ خبر پہنچی کہ لوگ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں۔ اور خلافت کیلئے جھگڑا کر رہے ہیں۔ حضرات شیخین مجبوراً وہاں تشریف لے گئے۔ تاکہ کوئی فتنہ اُمت میں پیدا نہ ہو۔ خود جناب علیؓ بھی اپنے چند ہمخیالوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے ہوئے اپنی خلافت کو منوانے کے منصوبے کر رہے تھے، پھر شیخین نے کیا تو کیا بُرا کیا۔

دوسری فصل

امامت کے شرائط میں

علما فرماتے ہیں۔ امامت کی تین شرطیں ہیں۔ علم۔ عدالت اور شجاعت بعض علما قوت وقہر کو بھی شرائط امامت سے کہتے ہیں۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ اگر امام قوی وقاہر نہ ہوگا تو استیفاء حقوق اور اقامت حدود کیونکر کر سکیگا۔ ایک اور بھی شرط ہے۔ جن میں علما باہم مختلف ہیں۔ اور وہ امام کا قریشی ہونا ہے۔ جمہور اہلِ حدیث کا اسی پر اتفاق ہے۔ بدلیل حدیث الائمہ من قریش کے، ابو حنیفہ کے مذہب میں بروایت شاذ غیر قریشی کا خلیفہ و امام ہونا روا ہے۔ تو معنی حدیث کا حمل اس صورت میں یا بر وجہ استحباب ہوگا۔ یعنی قریش کی امامت غیر قریشی سے اولیٰ ہے۔ بجائے کہ اُس میں شرط امامت پائی جاوے۔ یا یہ کہ حدیث خبر کے طور پر واقع ہوئی ہے یعنی حضور نے فرمایا کہ امام قریش سے ہونگے، اگر مراد خبر ہے تو ایسا ہی ہوگا

کتنے لوگوں کے اتفاق سے امامت قائم ہوسکتی ہے

پھر علما کا اس میں اختلاف ہے کہ کتنے لوگوں کے اتفاق و رضامندی سے بیعت منعقد ہوسکتی ہے۔ ہم نے بمقتضائے حدیث و اصول شریعت کے سب سے زیادہ موافق قول یہ پایا ہے کہ جب چالیس مرد اہل رائے و شوریٰ اور خداوندان تمیز و عدالت سے کسی ایسے شخص کی بیعت پر جو مستعد امامت ہو۔ اتفاق کر لیں۔ اور ان میں ایک ایسا عالم بھی ہو جو قضا کی قابلیت رکھتا ہو۔ تو ان کے اتفاق و مشورت سے بیعت منعقد ہو جاتی ہے۔ اور مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ اور چاہیئے کہ عالم مذکور

بیعت کی ابتدا کرے۔ پھر دوسرے لوگ بیعت کریں۔

امامت میں عصمت شرط نہیں ہے یعنی امام کا معصوم ہونا شرط امامت نہیں ہے۔ یہ شرط متشیعہ لگاتے ہیں۔ جن کا قول اس باب میں کوئی بنیاد وقعت نہیں رکھتا۔ جس طرح دوسرے مسائل میں جو مخالف اہل سنت والجماعت ہیں اُن کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے ۔

امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں شیعہ کی تردید

متشیعہ کہتے ہیں کہ امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ تاکہ اس کے صلاح وتقویٰ کے باعث اہل اسلام اس کے فسق وفجور سے بچیں۔ پھر جو شخص اس قابل نہ ہو۔ تو اس کو ہرگز حکم ولایت وامامت میں نصب نہ کرنا چاہیئے کہ اس صورت میں عباد وبلاد میں تباہی وفساد دینی ودنیوی اشاعت پکڑیگی۔

امامت کے لئے عصمت کے شرط نہ ہونے پر یہ دلیل ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے بالتخصیص اپنی ذات کو شر شیطان سے سلامت ومامون فرمایا ہے۔ مَا منکم اِلّا وقد وکل قرینہ مِنَ الجن قالوا ولا أنت یارسول اللہ قال ولااَنا الا ان اللہ اعاننی فاسلم یعنی تم میں سے ہر ایک شخص پر جنّ کی قسم کا ایک مصاحب مؤکل کیا گیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ پر بھی۔ فرمایا مجھ پر بھی۔ مگر خدا نے میری امداد فرمائی تو وہ اسلام لے آیا۔ (یہ حدیث صاف اس امر کی دلیل ہے کہ سوائے انبیا کے کوئی معصوم نہیں) ۔

دوسری دلیل یہ کہ نبوّت موجب اقتدا ہے۔ نبی کے ہر ایک قول و فعل پر علے الاطلاق سر تسلیم کرنا فرض ہے۔ حتیٰ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی فعل اور کسی قول کے متعلق کوئی شخص اعتراض نہیں کرسکتا۔ اور کسی کو جائز نہیں کہ اس کی مخالفت کرے۔ یا اس میں شک لائے۔ پس نبوّت کے لئے عصمت شرط ہے۔ تاکہ بندگان خدا اقتدا میں انبیا کی طرف سے کراہت اور نفرت کا اظہار نہ کریں۔ اور امامت کا حکم ایسا ہے۔ جیسے حکم امارت اور قضا اور امانت کا۔ اور ظاہر ہے کہ ان تمام باتوں میں عصمت کا ہونا شرط

نہیں۔ پس امامت کے لئے بھی عصمت شرط نہیں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ اس سے مفسدہ پیدا ہونے کا خوف ہے۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جب قاضی نصب کرتے ہیں۔ اور قاضی معصوم نہیں ہوتا۔ تو جو خرابی امام کی عدم عصمت کے صورت میں واقع ہونے کا خوف تھا۔ اس کا انسداد نہیں ہوا۔ اگر کہیں کہ امام اس کی تسدید و تقویم کر سکتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ امام مشرق میں ہے۔ اور اس کی طرف سے ایک حاکم مغرب میں ہے۔ پھر اگر حاکم کی ذات سے کوئی حادثہ و مفسدہ پیدا ہو۔ یعنی وہ حکم میں خطا کرے۔ تو خطا حاکم و امام دونوں کی سمجھی جائے گی۔ امام کی تو اس جہت سے کہ اس نے خطا کار اور غیر معصوم کا تقرر کیا۔ اور حاکم کی اس سبب سے کہ اس سے خطائے فاحش سرزد ہوئی۔ اب یہ امر ظاہر ہو گیا کہ غیر معصوم سے جس قسم کی خرابی سرزد ہونے کا احتمال تھا۔ وہی خرابی معصوم سے سرزد ہو گئی۔ پھر معصومیت کہاں رہی؟

روافض کی یہ تمام باتیں عصمت کے متعلق بیکار اور پوچ ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ان فضولیات میں پڑ کر کتاب کی ضخامت بڑھا دیں۔

اختلاف مابین علی و ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما

ان کے مزخرفات کا سب سے عمدہ جواب یہ ہے کہ ان کے نزدیک پہلے امام معصوم حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہیں۔ اور ان سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں۔ جس میں وہ دعوئی امامت و معصومیت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک حضرت علی رضؓ پہلے امام منصوص اور پہلے معصوم ہیں۔ ان کا علم و فضل بھی بقول روافض کے برتر اور مافوق تمام آئمہ اور اولیا اور اوصیا کے ہے اور یہ بھی روافض بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ابن عم تھے۔ اور نیز حضرت علی رضؓ کے تابعین اور اشباہ سے حضرت ابن عباس کئی دفعہ جناب علیؓ کی طرف سے حجاز و یمن اور بصرہ اور ملحقات بصرہ کے حاکم و والی رہ چکے ہیں۔ پھر باوجود اس کے اکثر اجتہادی مسائل میں جناب علی رضؓ و ابن عباسؓ کے مابین اختلاف موجود ہے

چنانچہ ایک مرتبہ جناب علی رضؓ نے زنادقہ کو آگ میں جلایا۔ تو حضرت ابن عباس رضؓ نے کہا کہ اگر میں ان کو سزا دیتا۔ تو آگ میں کبھی نہ جلاتا۔ اس لیئے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا یعذب بالنار الا رب النار آگ کا عذاب دینا سوائے رب النار یعنے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں پہنچتا یعنی انسان کو زیبا نہیں کہ کسی گنہ گار کو عذاب آتش میں مبتلا کرے۔ بلکہ یہ عذاب دینا خدا نے اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ کہ وہی گنہ گاروں اور کفار کو عذاب دوزخ میں جلائے گا۔ میں تو ان کو قتل کرتا کہ حدیث میں ہے من بدل دینہ فاقتلوہ جب کوئی شخص اپنا دین بدل دے تو اس کو قتل کر ڈالو۔ یہ حدیث جب جناب علی رضؓ کے سمع مبارک میں پہنچی۔ تو از راہ ندامت فرمایا ویح ابن عباس رضؓ گویا اپنے حکم سے نادم ہوئے۔ اس طرح ان مسائل میں درمیان ابن عباس رضؓ و جناب علی کے اختلاف رہا۔

جناب علی رضؓ کا مذہب ہے کہ متوضی کو متیمم کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں۔ حالانکہ ابن عباس رضؓ کا مذہب اُس کے خلاف ہے۔ دُوسرے حضرت

لہ تحفہ اثنا عشریہ میں ہے کہ اگر وجود امام معصوم کا ضروری ہو۔ اس واسطے کہ خطا سے امن میں رہیں تو چاہیئے کہ ہر شہر و اقلیم میں ہونا ایسے شخص کا ضروری ہو۔ اس واسطے کہ وجود ایک شخص کا مستلزم امن نہیں ہو سکتا ہے۔ اس واسطے کہ مکلفین مشارق و مغارب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ہر ایک اپنی حاجتوں میں گرفتار۔ یہ ممکن نہیں کہ سب امام کے پاس حاضر ہو سکیں کہ محالات عادیہ سے ہے اور اگر امام ہر شہر میں کوئی نائب مقرر کرے۔ پس جب کہ عصمت مفقود ہے۔ خطا اس پر ظاہر ہوگی۔ اور بسبب اس کے کہ وہ امام سے دور ہے۔ اس خطا پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ خصوص حوادث و وقائع لوجہ کہ تا تدارک خطا کا ہوتا چلا جائے۔ علی الخصوص زمانہ غیبت کبریٰ میں اور بر تقدیر مطلع بھی ہوا۔ تو تنبیہ اُس خطا پر نہیں ہو سکتی۔ سوا اس کے کہ کوئی قاصد بھیجا جائے، اور قاصد کو بھی عصمت لازم نہیں ہے۔ یہ بھی خطا سے مامون نہیں۔ اس کے سوا خطا بھی جعل و فریب کے جاری ہوتے ہیں۔ اس میں بھی احتمال خطا کا موجود۔ علیٰ ہذا نائب جب تمام عمل قواعد رائے و تنبیہات کے نہ جانے گا۔ مراد امام کے سمجھنا ممکن نہیں۔ اور یہ سبب موقع گمان و خطا کے ہے۔ پس امن بغیر نصب امام معصوم کے کبھی نہیں ہو سکتا۔ اختصر محمدہ

حضرت علی رضہ کا مذہب تھا کہ اگر کسی سے کوئی حدیث سُنتے تو جب تک اس کو قسم نہ دلاتے قبول نہ کرتے، حالانکہ مذہب ابن عباس بلکہ جمہور صحابہ وتابعین کا اس کے خلاف ہے۔ الغرض بہت سے مسئلوں میں مابین ان ہر دو اصحاب رضہ کے خلاف موجود ہے جس کا استیعاب متعذر ہے۔ اور حجت کے لئے اتنا ہی کافی ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت علی رض امام معصوم ہوتے تو حضرت ابن عباس مسائل مذکورہ وغیرہ میں کبھی ان کا خلاف نہ کرتے۔ بلکہ اختلاف جائز ہی ہوتا۔ کیونکہ جو آدمی خطا سے معصوم ہے اس کی مخالفت معصیت میں داخل ہے۔ اور اگر خود حضرت علی رضہ اپنے لئے عصمت کو واجب جانتے۔ تو وہ اس امر کو کیونکر جائز سمجھتے کہ جو شخص مسائل متعددہ میں ان کے خلاف مذہب رکھتا ہے۔ اسی کو اپنی جانب سے عام مسلمانوں پر حاکم اور والی کر رہے ہیں ؛

سب سے عجیب بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو امام میں عصمت کے مدعی ہیں۔ امامت کے باب میں اُن کا مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ پر صلاح بندگاں کی رعایت واجب ہے، اور اُن کے گمان میں امام معصوم معظمات مصالح بندگاں سے ہے۔ بلکہ بندوں کی تمام خوبیاں اور مصلحتیں اسی کی ذات سے وابستہ ہیں۔ پھر اُن کا قول ہے کہ خداوندانِ عصمت سے صرف دو آدمیوں نے خلافت کی ہے۔ جناب علی اور امام حسن رضی اللہ عنہما۔ اور دونوں حضرات کا زمانہ خلافت پانچ سال دو ماہ تھا۔ اس اعتبار سے اُن کا مذہب رعایت اصلح میں انہیں پر حجت ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اتنے زمانہ دراز تک جس کو تین سو تیس برس ہوگئے ۔ وہ امام کہاں رہے جن کی بابت تمہارا گمان ہے کہ بدون وجود ایسے معصوم امام کے عالم کا اصلاح پذیر ہونا ممکن نہیں۔ اور بغیر اُن کے قضایا واحکام جاری نہیں ہو سکتے۔ اتنی مدت گذر جائے، اور کوئی جمعہ وجماعت منعقد نہ ہو، اور نہ دوسرے احکام شرع جو حکام کے حکم سے وابستہ ہیں مستقیم رہیں۔ اس سے زیادہ کونسا گناہ ہوگا کہ کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ یہ اُمت جو خیر الامم ہے۔ اس قدر قرون دراز تک ضلالت وگمراہی پر مجتمع تھی۔ اور اُن کے احکام و قضایا اور جمعہ وجماعت

لہ اور اب تو ایک ہزار سال سے بھی زیادہ ہوتے ہیں ۱۲ منہ ؛

کچھ درست نہ تھا۔ حالانکہ حدیث میں ہے۔ لن تجتمع امتی علی الضلالۃ میری اُمت ہرگز ضلالت پر مجتمع نہ ہوگی۔ اور فرمایا لایزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق اور ایک روایت میں ہے۔ یقاتلون علی الحق حتی یاتی امر اللہ یعنی میری اُمت سے ایک گروہ ہمیشہ ظاہر و غالب ہوگا وہ حق پر قتال کریں گے۔ حتی کہ خدا کا حکم (قیامت) آجائے گا +

پس یہ گروہ کون ہے۔ اور جب سب کے سب باطل پر ہیں۔ تو وہ لوگ جن کی صفت حدیث میں آئی ہے۔ کہاں ہیں۔ تمہارے امام کا تو نشان و اثر تک دنیا کے پردہ پر نہیں۔ پھر تمہارے زعم باطل کے مطابق اصلاح اُمت کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور رعایت اصلح کا خیال فاسد کہاں قائم رہ سکتا ہے +

شیعوں کے اقوال کا فساد و بطلان

جو شخص ان امثال و نظائر پر غور کریگا۔ اُس پر اس قوم کا فساد و فساد فوراً ظاہر ہو جائیگا۔ ہم نے محض اس خیال سے ان کے چند نظائر بیان کر دیئے ہیں۔ تاکہ عوام پر ان کا دعویٰ کا بطلان روشن ہو جائے۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کی مزخرفات کا کوئی وزن و وقار نہ رہے۔ اور غیر انبیاء میں عصمت کے دعویٰ کو محض واہی اور لغو سمجھیں۔ اصل یہ ہے کہ انہوں نے امامت میں عصمت کی قید بڑھانے سے چاہا ہے کہ اہل سنت والجماعت کے عقائد اور اُن کے قضایا اور احکام شریعت میں خلل ڈالیں۔ اور یہ باطنیوں[1] کا ایک بڑا فریب و کید ہے۔ اُن کے دعات خدا اُن پر لعنت کرے تمام اطراف عالم میں اس بیہودہ عقیدے کو انواع و اقسام کے مکائد و فریب سے پھیلا رہے ہیں۔ اور اس طرح خدا کی ایک بڑی مخلوق کو گمراہ کر رکھا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا امام معصوم کو روا ہے۔ اس قسم کے اور بہت سے خرافات بکتے ہیں۔ اور نسبت اُس کی اپنے ادعیا کی جانب کرتے ہیں۔ یہ بیدین فرقہ اپنے کو اسمٰعیل ابن جعفر رضی اللہ عنہما کی جانب منسوب کرتا ہے۔ اور روافض کی طرح

[1] دیکھو تکملہ صف

عام اہل سنت کو گمراہی میں ڈالتا ہے۔ اس دعویٰ کا منشاء مشکوٰۃ دعوت باطنین سے ہے۔ اور لفظ باطنی بھی انہوں ہی نے اپنے فرقہ کے لئے اختراع کیا ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے گوش و زبان کو اس بدعت عظیمہ کی آلائش سے مصئون و مامون رکھیں۔ واللہ منقذ من الضلال ٥

تیسری فصل

اس بیان میں کہ بعد حضرت نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم کے خلیفہ برحق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے

عام روایات سے قطع نظر کر کے ہم کہتے ہیں کہ معتبر اور معتمد علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے خلافت کے باب کوئی نص جلی وصریح نہیں پائی گئی۔ نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے اور نہ اُن کے سوا کسی دوسرے شخص کے لئے۔ ہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ میں حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصوص خفی بکثرت موجود ہیں بہرحال اس باب میں اہل سنت والجماعت کا بڑا تمسک اجماع اُمت پر ہے۔ رہا نص خفی کا اظہار تو اس کو قرآن وحدیث سے بعض علما تاکید حجت کے طور سے اور نیز بسبب کثرت ادلہ کے بیان کرتے ہیں۔ ورنہ اجماع کے ہوتے کسی دوسری دلیل کی مطلق حاجت نہیں ہے ٭

اخبار متواترہ کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمہور صحابہ مہاجر وانصار جن میں بڑے جلیل القدر علما وفضلا اور نہایت مقدس ومتورع حضرات شامل تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ اور بعد بحث ومباحثہ وامعان نظر کے تمام حاضرین نے بصدق دل وطیب خاطر

بالاتفاق آپ کی خلافت حقہ کو تسلیم کیا۔ اور جملہ اصحاب کبار نے آپ کی بیعت اور قبول امامت وخلافت سے شرف جاودانی سے سرفرازی حاصل کی۔ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم الشان مجمع کا جو اصحاب حل و عقد و علم و فضل سے بھرا ہوا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت پر اتفاق کرنا سوائے حق کے نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ لن تجتمع امتی علی الضلالۃ کہ میری اُمت ضلالت پر مجتمع نہ ہوگی۔ پھر سب سے پہلا اور معظم تریں واقعہ جس پر بعد پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام نے اتفاق و اجماع کیا۔ وہ خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ اس خلافت حقہ کے منکر جو محض بوجہ عناد وخباثت قلبی ایسی صاف بصریح اجماع اور ایسی روشن و ظاہر اور سچی حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ مثل نابینائے مطلق اور کور مادر زاد کے ہیں۔ جو بسبب کوری و نابینائی کے روز روشن میں اشیا موجودہ کی اصلیت دیکھنے سے محروم ہے۔ اُن کے اس انکار سے سوائے اس کے کہ قول پیغمبرؐ کی تردید اور صحابہ کرام پر طعن و تشنیع وارد ہو۔ اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ لیکن ان ملاعنہ و ملاحدہ کی تردید و تکذیب سے نہ تو کلام اقدس حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی تردید ہو سکتی ہے۔ اور نہ حضرات اصحاب عظام حاملان شریعت نبویؐ کے اجماع کی تکذیب ممکن ہے۔ یہ لوگ اس انکار سے اجماع کے مخالف ہوئے ہیں۔ جو اصول دین اور ارکان شریعت سے ہے۔ اسی انکار کی وجہ سے ان کو قریب بہ کفر کہا جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ط اور جو شخص بعد ظاہر و روشن ہونے ہدایت کے حضرت رسول خدا کو تکلیف پہنچاتا اور مومنین کے رستہ سے الگ چلتا ہے۔ ہم اُس کو گمراہی کی طرف پھر لیتے ہیں۔ اور جہنم میں ڈال دیتے ہیں۔ اور جہنم بُرا ٹھکانا ہے۔ بعض علما کا قول ہے کہ اس آیت کی رُو سے اجماع کی مخالفت کفر ہے ؂

منکر امامت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز درست نہیں

مَیں نے بعض علمائے ماوراء النہر کے فتاوٰی میں لکھا دیکھا ہے کہ خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے منکر کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اجماع کی مخالفت کی ہے، یہ بدعتی لوگ محض عناد کی وجہ سے باتیں کرتے ہیں۔ اور احادیث صحاح کا مقابلہ کرتے اور علمائے اسلام جو اساطین شرع ہیں اُن کی تکذیب ثواب جانتے ہیں۔ پھر باطل چیزیں جھوٹی حدیثوں سے جمع کرکے اور اُن میں اپنی کہانیاں ملا کر عام اہل اسلام کے سامنے لاتے ہیں۔ اس پر بھی جب اُن کے عقائد فاسدہ کا رواج اور اُن کی بیہودہ گوئی کی کوئی وقعت نہیں ہوتی تو وہ احادیث جو جناب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں وارد ہیں یاد کرتے ہیں۔ اور اپنی مطلب برآری کے موافق ان کی تاویلات گڑھ لاتے ہیں۔

ہم اس مقام پر بالاختصار نمونتاً اس قسم کی چند حدیثیں بیان کرکے اُن کا جواب دیئے دیتے ہیں تاکہ ذی علم حضرات اسی سے اُن کے دعویٰ اور عقل و علم کی حقیقت سمجھ لیں۔ ہماری غرض اس سے صرف مسلمانوں کے اور بالخصوص اُن کے حال پر شفقت مسلمانی ہے۔ اُس میں ہوائے نفسانی اور تعصب مذہبی کو ہرگز دخل نہیں۔ اور نہ کبھی ہمارا یہ خیال ہوا ہے۔

مطاعن اہل تشیع اور اُن کا جواب

فرقہ متشیعہ چند وجوہات سے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے باب میں بحث کرتے اور کئی حیلے حوالے پیش کرکے اصحاب رضی کرام پر طعن کرتے ہیں۔ اوّل یہ کہ بعض صحابہ رضی کو بنو ہاشم کی عداوت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور بعض پر جناب علی رضی کی دشمنی کا الزام لگاتے ہیں کہ علی رضی نے اُن کے چند قرابت والوں کو جہاد میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ رہ کر قتل کیا تھا۔ اس سبب سے صحابہ رضی جناب علی رضی کے دشمن ہو گئے۔

اور اُن کے استحقاق خلافت سے اغماض کیا۔ اور بعض صحابہ کی نسبت کہتے ہیں
کہ اُنہوں نے کتمان حق کیا۔ اور نیز بعض نے اظہار حق میں ضعف و کمزوری
دکھائی۔ یعنی ان کو معلوم تھا کہ بیعت ابوبکرؓ باطل ہے۔ مگر انہوں نے ڈر کے
مارے نہیں کہا۔ اور بعض کی نسبت جہل و نادانی کی طرف کرتے ہیں کہ انہوں نے
جہالت کے سبب استحقاق علی کو نہ پہچانا۔ اور باوجود علیؓ کے فضل و تقدیم کے
کہ وہ تمام معانی استحقاق میں سب سے مقدم اور مفضل تھے۔ دوسرے ایسے
شخص کو جس میں شرائط امامت موجود نہ تھیں اختیار کیا۔

روافض کی ان تمام یاوہ سرائیوں کے جواب میں صرف یہ حدیث
کافی ہے۔ لن تجتمع اُمّتی علی الضلالۃ میری اُمت ہرگز گمراہی
پر اجتماع نہ کریگی۔ اور واضح تر دلیل اس بات کی صحت پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے قرآن کریم میں متعدد جگہ علی العموم صحابہ کی ثنا فرمائی ہے۔ جیسا کہ
وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ اور
فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ
رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ تا آخر سورت اور فرمایا۔ لِلْفُقَرَاءِ
الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ
تا وَالَّذِيْنَ جَاءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ۔ پھر یہ لوگ جتنی باتیں صحابہؓ کی شان
میں کرتے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے باب میں جو کچھ کہتے ہیں۔ اور
جناب علیؓ کی تفضل و تقدیم میں جو کچھ بیان کرتے ہیں۔ اُس میں کوئی بات
مذمت سے خالی نہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے جن بزرگوں کی مدح فرمائی ہو۔ وہ
ہرگز مذموم نہیں ہو سکتا۔ اور جس قوم کی عدالت کی نسبت خدا نے گواہی
دی ہو۔ اُس کا قول ہر حال میں مسموع و مقبول ہوتا ہے۔ اور جو روافض
تمام صحابہؓ اور خصوص اصحاب ثلثہؓ کا ذکر طعن کے ساتھ کرتے ہیں۔ تو وہ
فاسق ہوئے۔ یا نہیں۔

رہا اُن کا یہ کہنا کہ صحابہ کرامؓ جناب علیؓ اور نیز بنو ہاشم کے

دشمن تھے۔ اس لیئے کہ جناب علی رضؓ نے اصحاب کبار رضؓ کے رشتہ داروں کو جو کافر تھے۔ قتل کیا تھا۔ یہ روافض کی کھلی زندیقی اور صریحاً بے دینی ہے اور ایسی بات ہے کہ کوئی جاہل سے جاہل شخص بھی اس کا اعتبار نہیں کرسکتا اس واسطے کہ جب صحابہ کرام کو یہ لوگ اس قسم کے جانتے ہیں کہ انہوں نے محض اس خیال سے کہ علی رضؓ نے ان کے کافر رشتہ داروں کو قتل کیا۔ اُن کی طرفداری سے کنارہ کشی کی۔ اور باطل کی نصرت فرمائی۔ اور مخالفت رسول پر آمادہ ہوئے۔ جس سے صاف طور پر تضییع امانت اور توہین دین ظاہر ہے، پس اُن کے ایمان میں شک ہے۔ بلکہ سرے سے یہ مومن ہی نہیں ہوسکتے! اور اس صورت میں وہ صرف علی رضؓ کے دشمن نہیں۔ بلکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی دشمن ہوئے (حاشا ھم عن ذالك)

حضرات علما پر پوشیدہ نہیں کہ روافض نے اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیئے اپنے اس بیان سے صحابہ کرام کو نفاق اور کفر سے منسوب کیا ہے۔ بھلا ایسی ستودہ قوم پر جنہوں نے اپنے مال و جان سے راہِ حق میں کوشش اور حضرت رسول خدا کی غایت دوستی سے اپنے خویش و اقارب اور عشیرت کو دشمن جانا اپنے وطن کو چھوڑا اور تنہائی، برہنگی اور گرسنگی کی حالت میں حضرت رسول خدا کے ساتھ شاہد حرب میں حاضر رہے۔ اور راہِ حق میں تلواریں اُٹھا کر اپنے خویش، عزیزوں، اور باپ، بھائیوں کا خون بہایا۔ یہ تہمت لگائی جاسکتی ہے کہ وہ محض عصبیت و جمعیت جاہلیت کے واسطے دوستانِ خدا کو دشمن سمجھیں۔ اور حق و اہل حق کو مخذول کریں۔

حضرت ابو عبیدہ رضؓ بن الجراح کی فدائیت

حضرت ابو بکر رضؓ کی بیعت کے وقت جو علما نجبا اور خداوندان حل و عقد حاضر تھے۔ اُن میں ایک حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ رسولِ خدا نے ان کو امین الامت کا خطاب دیا تھا۔ اور بدر کے روز اپنے باپ کو قتل کر کے اس کا سر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

پاس لائے، اور عرض کیا یا رسول اللہ ھذا راس الشیخ الکافر کیا ممکن ہے کہ ایسا شخص جو راہ حق میں اپنے باپ کا سر کاٹنے سے دریغ نہ کرے وہ باطل کے ساتھ شریک رہ کر کتمان حق کرے۔ اور ایسے موقع پر جہاں تمام امت محمدی کی ہلاکت منصور ہو۔ کلمہ حق سے خاموش رہے۔

خیر اگر روافض مہاجرین پر بنی ہاشم کی عداوت کی تہمت لگاتے ہیں تو انصار کی بابت کیا کہتے ہیں۔ جو نہ بنی ہاشم سے دشمنی رکھتے تھے اور نہ جناب علیؓ سے۔ بلکہ انہیں تو بنی عبد المطلب کی خویشی حاصل تھی۔ پھر مدینہ میں ان کو مہاجرین سے کوئی خوف بھی نہ تھا۔ کیونکہ وہ ہر طرح اُن پر غالب تھے۔ انہوں نے بیعت کے باب میں منازعت بھی کی۔ کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے منا امیں ومنکم امیں اور اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے خلافت کا قیاس قوم اور سیادت قبیلہ پر کیا۔ عرب کا دستور تھا کہ ہر قبیلہ کا حاکم اُسی قبیلہ سے ہوا کرتا تھا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجت کیساتھ انصار کو ملزم کیا۔ اور فرمایا کہ حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام مرض میں ابوبکرؓ کو نماز میں مسلمانوں کا پیشوا کیا۔ اور نماز ایک ستون اور معظم ترین امور دین ہے۔ آنحضرتؐ نے نماز میں ابوبکرؓ کو اپنی جگہ پر کھڑا کیا۔ اور خود اقتدا فرمائی۔ تو پیغمبر علیہ السلام جس بزرگ ترین شخص کو دین میں آگے کریں۔ کوئی شخص اُس کو پیچھے نہیں کر سکتا۔

دوسرے یہ کہ جناب رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام مہاجرین سے تھے تو اُن کا خلیفہ بھی مہاجرین سے ہونا چاہیئے۔ اور بہترین مہاجرین وہ ہے جس کو پیغمبر علیہ السلام نے نماز میں مقدم اور آگے کیا۔ غرض اس منازعت کے بعد تمام انصار نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی متابعت مصادعت کی۔ اگر اس قضیہ میں کچھ بھی حیف وزیادتی ہوتی۔ تو انصار کبھی موافقت نہ کرتے۔

رافضی کہتے ہیں کہ اس معاملہ سے انصار کو کوئی نسبت نہ تھی۔ وہ حضرت علیؓ کے طرف دار تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کے ساتھ ہو کر لڑائی کی۔ اور معاویہؓ کو معزول کرنا چاہا۔ ہم کہتے

ہیں کہ زمان خلافت علیؓ میں معاویہؓ کی اعتزال کی خواہش جو انصار کے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ اور جس کو انہوں نے حضرت علیؓ کی مدد کرکے عملی طور پر ظاہر بھی کر دیا۔ ان کی یہ خواہش بجا تھی۔ اس لئے کہ اُس وقت خلافت کے حقدار حضرت علیؓ تھے۔ اور خلیفہ وقت کے مخالف سے لڑنا کسی صورت میں مذموم نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کو جو انصار نے بعد بحث ومباحثہ کے بخوشی تمام منظور کر لیا۔ یہ بھی دلیل ہے اس امر کی کہ خلافت ابو بکرؓ انصار کے نزدیک بھی خلافت حقہ تھی۔ ورنہ اُن کی خلافت جابرانہ وغاصبانہ ہوتی۔ تو انصار اُس کو کبھی تسلیم نہیں کرتے۔ جس طرح حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کو اُنھوں نے نہ مانا۔ وہ ضرور اپنی جماعت کثیرہ اور قوت عظیمہ کے ساتھ فوراً مقابلہ کو مستعد ہو جاتے)۔

روافض کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انصار نے باوجود جاننے اس امر کے کہ ابو بکرؓ کی خلافت باستحقاق نہیں ہے۔ خوف کے مارے امر حق کو چھپایا۔ بدلیل اس کے کہ انصار اُس وقت قوت مال اور کثرت تعداد میں مہاجرین سے غالب تھے۔ اور ابو بکرؓ تو خود ایک مرد ضعیف تھے۔ مدینہ میں ان کا قبیلہ کوئی بڑی شان وشوکت نہیں رکھتا تھا۔ اور بنو ہاشم بھی بنو تیم سے کم زیادہ استیلا و غلبہ رکھتے تھے۔ نیز ابو بکرؓ ایک درویش آدمی تھے۔ یہ بھی خیال نہیں ہو سکتا کہ لوگوں نے زر ومال کے طمع سے اُن کے ہاں میں ہاں ملائی۔ اور خلافت ابو بکرؓ پر اتفاق کر لیا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کوئی ذی عقل باور نہیں کر سکتا۔ کہ ایسے اچھے قرن میں اتنی بڑی مقدس جماعت میں ایک مرد خدا بھی ایسا نہ تھا کہ جو ابو بکرؓ کی غیر استحقاقی ثابت کرکے اُن کی خلافت کا انکار کرتا۔ اور کلمۂ حق سے خاموش نہ رہتا۔ حالانکہ اس بڑے مجمع میں ایسے جلیل القدر صحابی اور مقدس نفوس موجود تھے کہ خداوند عالم نے قرآن کریم میں اُن کی مدح فرمائی ہے۔ اِس سے صاف روشن ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا خلیفہ ہونا محض اُن کے استحقاق کے سبب تھا۔ کہ بعد رسُول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم ورع، تقدس، خیریت،

اور معاملہ فہمی میں اُن سے بہتر کوئی شخص مدینہ میں کیا ساری دنیا میں موجود نہ تھا۔
اور اُن کی مقدس ومکرم ذات میں امامت کے جملہ شرائط موجود تھے ۔

اہلِ تشیع کا اعتراض اور اس کا جواب

بھلا روافض کہتے ہیں کہ اُس وقت شرائط امامت سوائے علیؓ کے کسی میں نہیں پائے جاتے تھے ۔ اس کا جواب ہم اجماع اُمت کے استدلال میں دے چکے ہیں ۔ وہ یہ کہ اگر ابو بکرؓ میں شرائط امامت و معرفت کامل موجود نہ ہوتی ۔ تو صحابہ کے اتنے بڑے مقدس گروہ کا اجماع اُن کی خلافت پر ہرگز متحد نہ ہوتا پھر اجماع بھی وہ جو بعد امعان نظر و بحث و مباحثہ کے قائم ہوا تھا ۔ یہ اجماع وہ تھا جس میں صلاح دین ، صحتِ عقائد ، بہبودی خلائق و جمہور اُمت منصور تھی اس پر بھی اگر کوئی جاہل تابع روافض اس کا قائل و معترف نہ ہو ۔ تو حضرت ابو بکرؓ کے استحقاق اور اُن میں وجود شرائط امامت کے ثبوت میں یہ دلیل کیسی لاجواب ہے کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانۂ مرض میں ابو بکرؓ کو نماز میں امام بنانے کا حکم دیا ۔ اور فرمایا ۔ مروا ابابکر فلیصل بالناس یعنی ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں کیا پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے یہ ممکن ہے کہ وہ غیر مستحق اور غیر مشروط بالامامت شخص کو امام بننے کا حکم دیں ۔ حاشا وکلا ۔ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقدیم حضرت ابو بکرؓ کے لئے امامت کے مسئلہ میں تمام اس امر کی دلیل ہے کہ ابو بکرؓ میں شرائط امامت پوری طرح موجود تھیں ۔ وہ علم دیانت ، امانت اور تمام خصائل خیر میں سب سے مقدم تھے ۔ اس لئے ان کو امامت میں مقدم کیا گیا ۔

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نبی کریمؐ اُمت کو ایک ایسی چیز کا حکم کریں جس سے وہ خود مخالف ہوں ۔ یعنی حضرت ابو بکرؓ خلافت کی لیاقت نہ رکھتے ہوں ۔ اور خود اُن کو تقدیم کا حکم فرمائیں ۔ پس اس سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ علم ، صلاحیت ، عدالت ، ورع وغیرہ میں تمام صحابہ میں کامل تر تھے ؛

اور صحابہ کرام اجتہاد و اختیار خلیفہ میں مصیب تھے ✦

موجبات تفضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دیگر موجبات تفضل میں بھی جملہ صحابہ رضی سے فاضل تر تھے۔ چنانچہ موجبات تفضل سے پہلی بات تقدیم اسلام ہے تو اس امر میں کسی عالم کو اختلاف نہیں کہ اسلام ابوبکر۔ علی۔ زید، اور خدیجہ رضی اللہ عنہم کا سب سے اول تھا۔ ان چہار حضرات کے تقدم اسلام کے باب میں احادیث وارد ہیں۔ مگر تقدم اسلام حضرت ابوبکر کی حدیث کی اسناد جیسی جید اور درست تر ہیں۔ اس درجہ باقی ہر سہ حضرات کی حدیث اسلام کی اسناد جید نہیں ✦

اگر کہا جاوے کہ جب پہلی دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام غار حرا میں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس سورۂ اقرا لیکر نازل ہوئے اور آپ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے اُس کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فوراً اُس کی تصدیق کرلی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام حضرت ام المومنین خدیجہ کا سب سے اوّل ہے ✦

جواب میں ہم کہتے ہیں کہ کسی حدیث معتبر سے تو یہ بات ظاہر نہیں ہوئی ہاں اس کا احتمال ہے۔ اور لفظ احتمال کو ہم نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ اُس وقت جبرئیل ع نے آنحضرت ص سے یہ نہیں کہا تھا کہ مَیں جبرئیل ع ہوں۔ اور خدا کا فرستادہ اُس وقت نہ حضرت نے ان کو پہچانا۔ جس وقت جبرئیل علیہ السلام آئے اور سورہ اقرا کی ابتدائی چند آیات پڑھیں۔ تو آپ پر دہشت طاری ہوگئی۔ اور آپ گھبرائے کانپتے ہوئے حضرت خدیجہ رض کے پاس آئے، اور اس بات کا ذکر کیا۔ تو خدیجہ رض نے آپ کی تسلی فرمائی۔ اور آپ کی بات کو سچا جانا اُس وقت آپ منجانب اللہ دعوت پر مامور بھی نہ تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ ص مامور بدعوت ہوئے۔ تو پہلی مرتبہ دعوت ابوبکر رض کے سامنے پیش کی جس کو انہوں نے فی الفور قبول کرلیا۔ اور اسلام میں شامل ہوگئے باوجود اس کے اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ آپ کے سوا اسلام میں باقی تینوں

میں سے کسی کو تقدم تھا۔ تو اِس سے کوئی اُن کی فضیلت ظاہر نہیں ہوتی۔کیونکہ حضرت خدیجہ رضؓ عورت ذات تھیں۔اُن میں آنحضرتؐ کی رائے کو دفع کرنے کی قوت و مجال کہاں ہوسکتی ہے۔ نہ وہ حضرت رسُول خدا کو ابتدائی حالت میں دعوت کے بارے میں کوئی مدد پہنچا سکتی تھیں۔اور جناب علی رضی اللہ عنہ ایک صغیرسن بچے تھے۔اُن کا اسلام اُس وقت دعوت میں کیا مدد کرسکتا تھا اور موجب تقویت ہوسکتا تھا۔(بچوں کی عادت ہے کہ وہ جس کی صحبت و تربیت میں رہتے ہیں۔اور اُس کو کوئی کام کرتے دیکھتے ہیں۔تو خود بھی اُس کی ریس اختیار کرلیتے ہیں نہ اس لیئے کہ انہیں اس کام کے نفع وضرر اور حسن و قبح کے سمجھنے کی دلیل و تمیز اور صلاحیت ہوتی ہے۔بلکہ دوسرے کھیلوں کے مانند اُن کے نزدیک یہ بھی ایک کھیل ہوتا ہے۔یہی حال اُس وقت جناب علیؓ کے اسلام کا تھا) ۔

رہے زید حارث تو وہ موالی سے تھے۔اور عرب میں مولی یعنی غلام کی دعوت چنداں وقعت نہیں رکھتی۔تو ظاہر ہوا کہ سوائے حضرت ابوبکر صدیق اعظم رضی اللہ عنہ کے اُس وقت کوئی بھی اس قابل نہ تھا۔کہ اپنے اسلام سے حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ آلہ وسلم کو کچھ امداد و تقویت پہنچاتا۔ابوبکرؓ ہی ایک ایسے شخص تھے جو قوت و تمیز و شوکت و مرتبت کی حالت میں اسلام لائے اور دعوت اسلام میں آپ کے معاون و دست و بازو ہوئے۔اور کامل تیرہ سال تک ہر طرح کی تکالیف و مصیبت میں آنحضرتؐ کا ساتھ دیا۔اور تبلیغ دعوت و نشر ملت میں سعی کامل بجالاتے رہے ۔

حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ ہر موسم میں قبائل عرب کے ایک ایک شخص کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر بلاتے ، اور انہیں خدا تعالیٰ کی باتیں سُناتے۔اُس وقت ابوبکرؓ آپؐ کے آگے آگے رہتے اور لوگوں میں آپ کی دعوت کی اشاعت و تقویت کرتے ، اور دین اسلام کی مدح و ثنا اور سچی خوبیاں بیان فرماتے۔چنانچہ کتب تواریخ و سیر کے مطالعہ سے روشن ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر اس قدر لوگ دائرہ اسلام

میں داخل ہوئے کہ شمار و احصار سے باہر ہے۔ کبار صحابہؓ سے جو لوگ آپ کے دست حق پرست پر ایمان لائے اُن میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں۔ عثمان، طلحہ، زبیر، سعد، سعید اور خباب وغیرہم رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وقف کر رکھا تھا۔ جیسا نفع کہ ابوبکرؓ کے مال نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچایا ایسا کسی دوسرے کے مال نے نہیں پہنچایا۔ آپ نے ضعاف مومنین پر جو ایک سال شعب ابو طالب میں محصور تھے۔ اپنا مال خرچ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ما نفعنی مال کما نفعنی مال ابی بکر اور نیز فرمایا انہ لم یکن احدٌ من علیّ فی صحبتہ وذات بین یدیہ من ابی بکر بن ابی قحافۃ آپ نے سات آدمیوں کو معذبین مومنین سے اپنے مال سے خرید کیا۔ آپ نے ظہور دعوت کے ایام میں اپنے جان و دل کو بلاؤں کے لیے مخالفین کے لیے سپر بنا رکھا تھا۔ خدا اور رسول کی خاطر آپ نے وہ بلائیں اور مصیبتیں اُٹھائیں کہ کوئی شخص اس بارہ میں آپ کی برابری نہیں کر سکتا۔

دوسری بات موجبات تفضل سے مسابقت فی الہجرت ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر ہجرت میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ اور آپ کے رفیق تھے۔

تیسری بات موجبات تفضل سے غزائے بدر میں اور بیعت الرضوان میں حضرت ابوبکرؓ کا حاضر رہنا ہے۔ آپ دونوں موقعوں پر موجود تھے بلکہ حضرت رسول خدا جس غزوہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی اُس میں آپ کے ہمراہ رہے۔ غرض مشاہدہ اور حضور حضرت رسول خدا سے کوئی بات حضرت ابوبکرؓ سے فوت نہیں ہوئی۔

چوتھی بات موجبات تفضل سے حضرت ابوبکر کا مواضع قتال میں قائم و ثابت رہنا ہے۔ صحیح طور پر معلوم ہے کہ احد و حنین کے خونریز معرکوں میں اکثر صحابہ منہزم ہو گئے تھے۔ صرف چند اصحاب باقی حضرت رسول خدا کے رفیق تھے۔ اور انہیں ساتھیوں میں سے ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بھی تھے ÷

پانچویں بات موجبات تفضل سے جو سب سے معظم اور موثر ہے۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کی خصوصیت ہے۔ جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام میں جو تخصیص و تکریم ابوبکرؓ کو تھی۔ وہ کسی کو حاصل نہ تھی۔ آنحضرت نے بارہا حضرت ابوبکرؓ کی مدح و ثنا فرمائی۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی معاملہ میں مشورت کرتے تو حضرت ابوبکرؓ کو ضرور بلاتے۔ اور پہلے اُن سے مشورہ کرتے۔ اور حضرت ابوبکرؓ جب نماز پڑھتے تو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پس پشت کھڑے ہوتے۔ یہ مرتبہ سوائے ابوبکرؓ کے کسی کو حاصل نہ تھا۔ اور بجز آپ کے کوئی شخص اس مقام پر نہ کھڑا ہوتا۔ اور جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھتے۔ تو ابوبکر آپ کے سیدھے ہاتھ کی جانب بیٹھتے۔ پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو صحابہ ایک طرف چلے جاتے۔ اور صرف ابوبکرؓ ہی آپؐ کے ساتھ کھڑے ہوتے ÷

اور اگر کہا جاوے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ ایک غلام آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیدھے ہاتھ کی جانب آکر بیٹھ گیا۔ اور اُس وقت ابوبکرؓ آپؐ کے بائیں ہاتھ کی جانب بیٹھے ÷

یہ حدیث بیان مذکورہ کے خلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ جوان مذکور سے بوجہ قلت معرفت شرائط تعظیم کے یہ حرکت ظاہر ہوئی۔ جو ادب کے منافی ہے۔ اور خداوندان نظر و ارباب عقل و بصیرت سے یہ امر مخفی نہیں کہ اگر اُس میں کچھ بھی ادب و شعور ہوتا۔ تو اُس سے ایسی جرأت کا جو ادب کے منافی ہے۔ اظہار نہ ہوتا۔ اور وہ فوراً حضرت ابوبکرؓ کے لئے جگہ چھوڑ دیتا ÷

دوسری بات یہ کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا کرتے تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ آمین کہتے۔ اور جب کسی لڑائی پر جاتے تو صحابہ آگے ہوتے اور ابوبکرؓ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ صحابہ کے پس پشت چلتے۔ جنگ بدر کے روز جناب رسول خدا کے واسطے ایک عریش بنایا گیا۔ آنحضرت اُس کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو بھی عریش کے نیچے اپنے ہمراہ بٹھایا تھا

آپ کے علوم نبوت کے سبب صحابہ آپؓ کو اپنا شفیع کرکے اپنی حاجات آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کرتے۔

صحابہؓ کرام کو جب پوری طرح معلوم ہوگیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے فضائل حد احصا سے بالاتر ہیں۔ اور آنحضرتؐ نے ایام مرض میں آپ کو مسلمانوں کا پیشوا بنایا۔ اور خطبہ میں فرمایا کہ مسجد میں تمام دروازے بند کر دو۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کا دروازہ کھلا رکھو سد علی کل خوختہ غیر خوختہ ابو بکر اور فرمایا لو کنت متخذاً من الناس خلیلاً لاتخذت ابا بکر خلیلاً یعنی اگر میں انسان سے کسی کو دوست کرتا تو ابوبکرؓ کو دوست کرتا۔ اور فرمایا۔ یابی اللہ والمومنون الا ان یکون ابا بکر وغیرہ وغیرہ یعنی خدا اور مومن لوگ قبول نہیں کریں گے مگر ابوبکرؓ کو جو امامت ابوبکرؓ پر نصوص خفیہ ہیں تو تمام صحابہؓ نے اس کو صواب و نیک و سعادت ابدی جانا۔ کہ آپ کو اپنا امام اور پیشوا بنائیں۔ اور یہ کہ آپ سے بہتر دنیائے اسلام میں کوئی ہے نہ کبھی آیندہ ہوگا چنانچہ سب نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور آپ ہی کو اپنا مرجع و ہادی جانا۔ اور دوسرے صحابہؓ کرام کی مانند بعد چندے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور آپ کی متابعت ومتابعت کو بہتر و نیکو تر یقین کیا۔

اہل تشیع کا قول کہ حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے کارہ تھے اور اُس کا جواب

روافض کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ بیعت میں کارہ تھے۔ اور وہ ابوبکرؓ سے بیعت کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ خلافت کو اپنا حق جانتے تھے۔ لیکن جناب علیؓ نے مجبوراً بظاہر ابوبکرؓ کی متابعت و مطاوعت کرلی۔ مگر باطن ان کا اس کے خلاف تھا۔ جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ نے ظاہر میں بیعت و متابعت کرلی تو حکم ظاہر پر ہوتا ہے۔ اس سے وہ اصحاب بیعت میں داخل ہوگئے

اور روافض پر حجت قائم و ثابت ہو گئی ◆

اس قوم روافض سے زیادہ کون بے سر و سامان اور دنی العقل فرقہ ہو گا کہ اپنے امام برحق پر کتمان حق۔ ضعف رائے، بزدلی ذہن اور ضمیر کے خلاف اظہار کی تہمت لگاتے ہیں۔ اور ان کو اس گناہ عظیم میں مبتلا کرتے ہیں کہ انہوں نے باطن کے خلاف کیا۔ گویا اُن کا ظاہر و باطن یکساں نہ تھا۔ ان کو کچھ اوپر پچیس۲۵ برس تک اسی دستور پر ڈرپوک وغیرہ وغیرہ جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ ظاہر میں طاعت کرتے تھے۔ اور باطن میں مخالف تھے ◆

یہ بدگمانی جناب علیؓ پر کیونکر چسپاں ہو سکتی ہے۔ حالانکہ کتابوں میں لکھا ہے کہ قوم مسلمہ بنی حنیفہ سے محمد حنیفہ کی والدہ اسیران جنگ میں آئیں۔ اور حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے وہ جناب علیؓ کو دی گئیں۔ جناب علیؓ نے اُن سے استیلاد کیا۔ اور اُن کے بطن سے محمد حنفیہ پیدا ہوئے۔ اگر ابو بکرؓ کی خلافت غیر حق پر ہوتی۔ تو مادر حنفیہ کے ساتھ حضرت علیؓ کا استیلاد کرنا کیونکر درست اور شرعاً جائز ہوتا (ظالم یہ نہیں سمجھتے کہ اس بدگمانی سے جناب علیؓ پر کیا کیا گناہ عاید ہوتے ہیں۔ اور محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ کس قسم کے بیٹے سمجھے جاتے ہیں) ظاہر ہے کہ جس وقت امیر معاویہ کی حکومت شام میں مستحکم ہوئی۔ اور اہل شام کے اجماع و موافقت سے اُن کی شان و شوکت و قوت پوری طرح بڑھ گئی۔ اُس وقت بھی حضرت علیؓ امیر معاویہؓ کے ساتھ آمادہ پرخاش ہوئے۔ اور امیر معاویہؓ کی قوت و شوکت پر خیال کر کے اظہار حق خلافت میں مطلق اندیشہ نہ کیا۔ اس سے روشن ہے کہ اگر ابو بکر کی خلافت حق پر نہ ہوتی۔ تو اُس وقت حضرت علی ہرگز منازعت اور طلب حق سے نہیں چوکتے۔ کیونکہ ابو بکرؓ کی شوکت و قوت معاویہؓ کی شوکت و قوت کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتی تھی۔ جب جناب علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے مقاومت نہیں کی۔ تو اب یہ بات بالکل صاف ہو گئی۔ کہ حضرت علی ان کی خلافت کو حق پر جانتے تھے، اور آپ نے ابو بکرؓ سے بہ صدق و طیب خاطر اپنے خالص ضمیر سے بیعت و مطاوعت کی ◆

وہ احادیث جن سے شیعہ خلافت بلا فصل علیؓ کی ثابت کرتے ہیں

اب ہم ان احادیث کا ذکر کرتے ہیں۔ جو حضرت علی کی فضیلت میں وارد ہیں۔ اور جن سے شیعہ صاحبان استحقاق خلافت علی رضؓ پر استدلال کرتے ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علیؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة ھارون من موسیٰ کیا تم اے علیؓ اس پر راضی نہیں کہ تم مجھ سے ایسے ہو۔ جیسے ہارون سے موسیٰ۔ یعنی جس طرح حضرت موسیٰ میقات کی طرف جاتے تو حضرت ہارون کو اپنی طرف سے چھوڑ جاتے، اسی طرح اس وقت میں تم کو مدینہ میں حفاظت اطفال وزناں کے لئے چھوڑے جاتا ہوں ‹‹

روافض کہتے ہیں کہ یہ حدیث خلافت علی رضؓ پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ ہارون حضرت موسےٰ کے خلیفہ تھے۔ جب تک حضرت ہارون زندہ رہے موسےٰ علیہ السلام کا خلیفہ اُن کے سوا کوئی نہ تھا۔ جواب یہ ہے کہ حدیث مذکورہ درست ہے اور اس سے حضرت علیؓ کی ایک گونہ فضیلت وثنا ثابت ہوتی ہے لیکن اس سے خلافتِ علی رضؓ پر استدلال کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اور حمل اس حدیث کا بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علی کی امامت پر یا تو جاہل کرسکتا ہے جو علم حدیث وسوق وسیاق حالِ حدیث سے کوئی آگاہی نہ رکھتا ہو۔ یا معاند بے دین کہ ہر ایک بات میں عناد وکینہ کو دل میں پوشیدہ رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ حدیث کی حقیقت اور اُس کے حال سے واقف ہو۔ اور عناد کو کام میں نہ لاوے تو اس حدیث سے اس پر صاف روشن ہو جاوے کہ جب آنحضرت علیہ الصلوٰة والسلام غزوۂ تبوک کو جاتے تھے۔ تو آپ نے اُس وقت کسی کو تخلف کی رخصت نہ دی۔ صرف حضرت علی کو فرمایا کہ ازواج مطہرات اور زنان اہل بیت کی محافظت اور دوسرے مصالح کے انصرام کے لئے مدینہ میں رہیں۔ منافق ناحق حضرت علیؓ کے پیچھے پڑ گئے۔ اور کہنے لگے کہ آنحضرت ؐ نے اپنے چچا زاد بھائی کو مدینہ میں رہنے کو

کہا ہے۔ اور غزوہ میں اُن کو اپنے ہمراہ نہیں لے گئے۔ جب حضرت علی رضؓ نے یہ بات سُنی تو روتے ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کیا اتخلفنی فی النساءِ والصبیان یعنی یارسُول اللہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔ یعنی جب موسےٰ میقات کے لئے اپنی قوم سے جُدا ہو کر باہر جاتے۔ تو ہارُون کو بجائے اپنے چھوڑ جاتے (اسی طرح جناب علی رضؓ کو فرمایا کہ میں تمہیں چھوڑے جاتا ہوں) اس سے یہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ حضرت علی کی خلافت بعد رسُول خدا کے ثابت ہو کیونکہ حضرت ہارُون نے حضرت موسےٰ کے سامنے وفات پائی۔ اس واسطے کہ آنحضرتؐ نے جناب علی رضؓ کو حضرت ہارُون کے ساتھ نسبت دی۔ تاکہ علی کی خلافت بعد رسُول اللہ کا شائبہ نہ رہے۔ اس کو خلافت علی پر حمل کرنا مستقیم نہیں ہے اور نیز حضرت ہارُون علیہ السلام کے زمانہ میں پیغمبر تھے۔ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ جناب علی حضرت رسُول خدا کے زمانہ میں امام تھے، اگر مراد آپ کی خلافت بعد از وفات ہوتی۔ تو یوں ارشاد ہوتا انت منی بمنزلۃ یوشع من موسیٰ اس لئے کہ موسےٰ کے خلیفہ اُن کی وفات کے بعد حضرت یوشعؑ تھے۔

حدیث غدیر خم کے معنی

دوسری حدیث جس سے روافض خلافت علی رضؓ پر استدلال کرتے ہیں۔ من[1] کنت مولاہ فعلی مولاہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت

[1] یہ حدیث غدیر خم کہلاتی ہے۔ اور شیعہ اس کو بڑی دھوم دھام سے خلافت بلافصل حضرت امیر کا استحقاق ثابت کرنے میں پیش کرتے ہیں۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ بریدہ بن الحطیب الاسلمی روایت کرتا ہے کہ وقت مراجعت حجۃ الوداع کے جب آنحضرت غدیر خم پر ایک موضع ہے درمیان مکہ اور مدینہ کے پہنچے۔ تو تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یا معشر المسلمین الست اولی بکم من انفسکم قالو بلیٰ قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ یعنی اے گروہ مسلمانوں کے کیا نہیں ہوں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۰)

ہوتا ہے کہ حضرت علی تمام لوگوں سے خلافت کے باب میں اوّل تر ہیں۔ جواب یہ ہے کہ تمہاری تاویل مستقیم نہیں۔ کیونکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فاء تعقیب کے ساتھ علی رضؓ کی ولایت کو اپنی ولایت پر عطف کیا ہے۔ اور فاء تعقیب میں تراخی ممکن نہیں۔ یعنی چاہیئے کہ جب کسی شخص کی پیغمبر کی ولایت ثابت ہو تو علی رضؓ کی ولایت بھی اُس کے عقب ہی یعنی ساتھ ہی ثابت ہو، اور یہ روا نہیں کہ زمانہ رسول میں علی رضؓ حضرت رسولِ خدا کی ولایت میں شریک ہوں (یعنے ایک ہی وقت میں رسول کی ولایت بھی ہو۔ اور حضرت علی رضؓ کی ولایت بھی) پھر جب آنحضرتؐ کی حیات میں ولایت علی ثابت نہ ہوئی۔ تو آپؐ کی وفات کے بعد بطور اولیٰ ثابت نہیں۔ ان دلائل سے ظاہر ہے کہ اس حدیث سے ولایت علی پر تمسک کسی حالت میں ٹھیک نہیں ہے۔ تو ثابت ہوا۔ کہ مراد اس سے ولایت نہیں۔ بلکہ مولاہ دینی ہے۔ مفہوم حدیث یہ ہے کہ آنحضرت فرماتے ہیں۔ میں جس شخص کا یار و مددگار اور دوست ہوں۔ علی بھی اس کے یار و مددگار اور دوست ہیں۔ یا یہ کہ جو میرا یار و مددگار ہے۔ علی کا بھی یار و مددگار رہے ❖

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مولاۃ اسلام ہے۔ اور بعض علماء نقل کرتے ہیں کہ اسامہ بن زید نے حضرت علی رضؓ سے کہا کہ تم میرے مولا نہیں ہو۔ میرے مولا پیغامبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ لہٰذا جناب رسولِ خدا نے بطور زجر و توبیخ کے من کنت مولاہ فعلی مولاہ ٗ بعض کہتے ہیں یہ بات زید کو کہی۔ جب وہ دختر حمزہ کے بارہ میں حضرت علی رضؓ سے منازعت کرنے لگے ❖

اور ہمیں بطریق معتبر پہنچا ہے کہ ایک شخص نے حسن بن الحسن الحسین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۹)

ہیں دوست تر تم کو اپنی ذاتوں سے۔ سب نے کہا بیشک ہو۔ فرمایا جس کا مولیٰ میں ہوں۔ اس کا علی مولیٰ ہے اے خدا دوست رکھ اُس کو جو کوئی دوست رکھے اس کو اور دشمن رکھ جو کوئی اس کو دشمن رکھے۔ یہ پوری حدیث ہے۔ جس کا ایک ٹکڑا صاحب کتاب نے نقل کیا ہے اس کا ایسا جواب جو نہایت لاجواب ہے تحفہ اثنا عشریہ کے باب ہفتم میں ملاحظہ ہو۔ اس مختصر میں گنجائش نقل کی نہیں ہے ۱۲ ❖

رضی اللہ عنہم سے کہا کہ کیا آنحضرت علیہ السلام نے نہیں فرمایا۔ مَنْ کُنتُ مَولاہ فعلی مَولاہ اُنہوں نے فرمایا ہاں ایسا ہی فرمایا ہے۔ پس قسم کے ساتھ کہا کہ اگر آنحضرت کی مراد اس سے سلطنت و امارت ہوتی۔ تو آپ اپنی اُمت کے واسطے اس امر کو ظاہر کر دیتے، اس واسطے کہ اُمت کا کوئی بھی خواہ مثل پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نہ تھا۔ اور خدا کی قسم اگر خدا اور اُس کا رسول حضرت علی رض کو اس کام کے لئے اختیار و پسند کرتے اور حضرت علی رض اُس کو ترک کرتے اور اسباب میں اپنا عذر و جہل مسلمانوں کے رُوبرو پیش کرتے۔ تو دنیا میں کوئی خطا حضرت علی رض کی اس خطا کے برابر نہ ہوتی۔ اس باب میں دو طریق سے اس مرد کو ملزم کیا ہے۔ لہٰذا اس حدیث اور اس قسم کی دوسری احادیث کو حضرت علی رض کی فضیلت اور علو منزلت پر حمل کرنا چاہیئے۔ نہ خلافت و ولایت پر کیونکہ احتمال کے طریق پر کسی حدیث سے استدلال کرنا اجماع امت کے ہوتے کوئی اثر و وقعت نہیں رکھتا۔ چہ جائیکہ اس میں ایسی قوم پر ازدرا اور طعن ہو۔ جس کی ثنا و صفت خدا اور رسول نے فرمائی ہے۔

یہی دو حدیثیں بڑی معتبر اور جید ہیں۔ جن سے روافض حضرت علی رض کی خلافت پر استدلال کرتے ہیں۔ سو بحمد اللہ کہ ہم نے ان دونوں حدیثوں کے معنی پورے طور پر سمجھا دیئے۔ سوا اُن کے جتنی احادیث ہیں۔ وہ یا تو ضعیف ناقابل حجت ہیں۔ یا موضوع کہ اُن کا ذکر بھی روا نہیں اُن سے استدلال تو کجا۔ ان احادیث کو اکثر بے دینوں نے جن میں شمالی اور اہل رجعت شامل ہیں۔ وضع کیا ہے۔ تاکہ مسلمانوں کو اُن کے دین سے پھرا کر انہیں فتنہ میں ڈالدیں انہیں میں سے سعد و علید مطیر اسکاف اور سالم بن ابی حصفہ مطین ہیں۔ ان احادیث میں اکثر وہ حدیثیں ہیں جو حضرت عمار[1] و سلمان رضی اللہ عنہما

---

[1] تاریخ تمدن اسلام میں ہے کہ عمر ابن الخطاب رضی نے عمار ابن یاسر رض کو شہر کوفہ کی فوج کا افسر اور وہاں کے مسلمانوں کی نماز کا امام مقرر کیا تھا۔ اور ان کا مشاہرہ چھ سو درہم مقرر کیا۔ اُن کے ماتحت حکام محرروں اور موذنوں کی تنخواہیں علیحدہ علیحدہ مقرر کیں ۱۲ منہ ؎

ان کے نام سے وضع کی گئی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ عمار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر کوفہ رہ چکے ہیں۔ اور سلمان اُن کی طرف سے اپنی تمام زندگی تک مدائن کے حاکم رہے۔ حتیٰ کہ اس حکومت کی حالت میں انہوں نے انتقال کیا۔ اگر یہ دونوں اصحاب خلافت ابو بکر رض کو غصب جانتے۔ تو خلافت عمر کے کیونکر قائل ہوتے، اور اُن کی طرف سے امارت کیونکر قبول کرتے۔ کیونکہ دونوں خلافتوں کا حکم یکساں ہے (اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے نام کی جو حدیثیں روایت کی گئی ہے۔ وہ خالص وضعی اور بناوٹی ہیں۔ اُن سے خلافت علی پر استدلال ہرگز ہرگز جائز نہیں)۔

اگرچہ یہ مسئلہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایسا مہتمم بالشان نہ تھا جس کے بیان میں ہم طوالت سے کام لیتے۔ کیونکہ سب کو معلوم ہے۔ کہ شیعان علی جو خلافت علی رض کے ثبوت حقیت کے باب میں دلائل پیش کرتے ہیں۔ وہ انتہا درجہ رکیک اور پوچ ہیں۔ ان دلائل سے بجائے اس کے خلافت علی میں کچھ مدد ملے۔ اُلٹی اہل بیت کرام اور جناب علی رض کی توہین و تضحیک ظاہر ہوتی ہے (جس کے ذمہ وار خود وہی روافض ہیں۔ جو ان کی شان اقدس میں ایسی بے ادبیوں کا اظہار کرتے ہیں کہ کہیں اُن کو ڈرپوک سُست رائے بناتے ہیں۔ کبھی اُن کے ظاہر کو باطن کے خلاف ظاہر کرتے ہیں۔ اور کہیں معاذ اللہ وہ تہمت لگاتے ہیں کہ ہم اُس کا اعادہ مناسب نہیں سمجھتے۔)

لیکن ہم نے ضعفا اُمت پر رحم کرکے بخیال ہمدردی اسلام اسی فصل میں طریق ایجاز سے تجاوز کیا۔ کیونکہ ان مبتدعین کا قاعدہ یہ ہے کہ کسی جاہل اور ناواقف مسلمان کے رُوبرو اپنے مزخرفات اور موضوعات پیش کرکے اُن کو راہ راست سے بہکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور میں نے اکثر دیکھا ہے کہ لوگوں نے عام خلق خدا کو اپنی باتوں سے سرگرداں اور پریشاں کر رکھا ہے۔ عوام مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ ان کی دروغ بافیاں کہاں سے کہاں تک پہنچتی ہیں۔

یہ زنادقہ چاہتے کہ شریعت میں ضعف و دہن پیدا کریں۔ اور اُس کی

بنیاد خلافت ابو بکرؓ میں اعتراض پیدا کر کے نکالیں۔ کیونکہ خلافت ابو بکرؓ پر قدح کرنا حقیقت میں جمہور اصحابؓ پر طعن کرنے کے مرادف ہے۔ پھر ان پر طعن کرنا دین اسلام پر طعن کرنے کی جانب مفضی ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث اور وہ احکام جو ان سے مستفاد ہوتے ہیں۔ ہم کو صحابہ کے ذریعہ پہنچے ہیں۔ لیکن جب ان کا حال ایسا ہو۔ جیسا یہ بدعتی بیان کرتے ہیں تو صحابہ کی نقل پر اعتماد کیونکر درست ہو سکتا ہے[1] پس شریعت کوئی چیز نہیں رہتی۔ نعوذ باللہ من الضلال ٭

خوب یاد رکھو کہ اس مسئلہ کی محافظت موافق قول اہل سنت الجماعت کے حقیقت میں جملہ ابواب شریعت کی محافظت کرنا ہے۔ اور اس کی جانب سے تہاون و تکاسل حقیقت میں دین و شریعت نبوی کی اضافت ہے۔ و اللہ ناصر حزبہ وولی دینہ ٭

---

[1] امام بیہقی امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اصل عقیدہ شیعہ کا یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کو گمراہ کہتے ہیں۔ اور روافض قائل ہیں ان کی تکفیر کے اور کہتے ہیں۔ سب صحابہ سوائے ان چند لوگوں کے دنیا سے کافر گئے ہیں۔ اور قاضی ابو بکر باقلانی نے کہا کہ جس چیز کی طرف گئے ہیں روافض بسبب اس کے باطل کرنا بالکل دین اسلام کا لازم آتا ہے۔ اس واسطے کہ جب چھپانا نصوص کا قلم اور افترا اور جھوٹ پیچھے اول احکام اسلام کے بسبب، غرض نفسانی کے ان سے واقع ہوا، تو اور جو کچھ کہ حدیثیں اور اخبار ان سے روایت کی گئیں۔ جھوٹ اور باطل ہوئیں۔ بلکہ تعصب رجوع کرتا ہے۔ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف کہ ان کی صحبت میں ایسے لوگ آئے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف بھی کہ انہوں نے سستی اور تقصیر کی بیچ طلب حق اور تائید اس کی کے۔ اور یہ کلام شیخ ابن حجر کا ہے۔ صواعق محرقہ میں کہ انہوں نے بہت طول طویل ذکر کیا ہے۔ اور مظاہر حق بلفظہ تمتہ ص

چوتھی فصل

مراتب صحابہ اور اُن کی توقیر کے بیان میں

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ابواب فضیلت پر وقوف آگاہی بطریق وحی ہو سکتی ہے۔ پھر اُن کے جانچنے کا طریق یہ ہے کہ اُن کے احوال و اعمال پر نظر کرنا اور ان کو میزان شرع میں تولنا چاہیئے۔ اب جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ اصحاب کی صفت و ثنا بیان فرمائی ہے اور حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اُن کے زمانہ کو خیر القرون فرمایا ہے۔ اِن دونوں باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ فاضل ترین اُمت ہیں۔ اور چونکہ بنی آدم موجبات تفضل میں درجات متفاوت رکھتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ صحابہ میں بایک دیگر تفاضل ضرور ہے۔ پھر یہ امر بھی مسلم ہے کہ صحابہؓ سب کے سب خیر القرون کے مصداق ہیں۔ تو ابواب فضیلت میں اعتبار سابق صحبت اور فواضل دینی کے لحاظ سے ہوگا۔ نہ اُمور دنیا میں تقدیم اور سیادت و نسب[1] کے لحاظ سے اس لیئے کہ جو شخص قرن اول میں سب پر مقدم ہے۔ تو باعتبار اس تقدیم کے بالاتفاق سب سے فاضل تر ہوگا۔

ان مقدمات کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ تمام صحابہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ سب سے فاضل ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ کے رُوبرُو اُس شخص کے جواب میں جس نے کہا تھا "ابو بکر خدا کو کیا جواب دوگے کہ عمرؓ کو ہم پر خلیفہ کرتے ہو۔ وہ تو ایک درشت خُو اور تند مزاج آدمی ہیں"۔ آپؓ نے فرمایا۔ خدا سے میں کہونگا کہ میں نے بہترین اہل اللہ

---

[1] حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں ذاتوں کی تفریق اور محض نسب کے لحاظ سے دُوسروں پر فخر اور کرنا کوئی چیز نہیں ہے۔

کو اُمّت پر خلیفہ کیا ہے۔ اور یہ بات حضرت رسُول خدا کی حدیث سے بھی مفہوم ہوتی ہے جو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسُولِ خدا نے فرمایا۔ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر ابتدا میں ان دونوں کی تخصیص کے حکم سے ان کی ایک بڑی کرامت ظاہر ہوتی ہے۔ جس میں کسی کو مشارقت نہیں۔ کیونکہ اس حدیث کے موافق ان کا قول وفعل باقی صحابہ اور جمیع اُمّت کے لئے حجت ہے۔ اور دلیل واضح ہے ان کی صحت خلافت پر اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے اُن کی مانند ایک حدیث روایت کی ہے کہ ابوبکر وعمر سید اکھول اھل الجنۃ من الاولین والاخرین اور ایک روایت میں ابوبکر وعمر سید اکھول اھل الجنۃ الحدیث، اور ایک اور حدیث اُن کے باب میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا انا اول من ینشق عنہ الارض ثم ابوبکر ثم عمر یعنی سب سے پہلے میری قبر کھلے گی پھر ابوبکر کی۔ پھر عمر کی۔ ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور اسی قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں ؂

ایک عجب تر بات شیخین رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں

لیکن عجب تر اور نادر اور درست تر یہ بات ہے کہ حضرت رسُول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی کوئی حدیث نہیں پائی جاتی جس میں دو بڑے عظیم الشان اصحاب کی ثنا و فضیلت کو ایک ہی ذکر میں جمع کیا گیا۔ یہ بزرگی صرف جناب ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو حاصل ہے کہ آنحضرت رسُول خدا نے ان دونوں مؤقر صحابہ کے ذکر و فضیلت وثنا کو بالترتیب ایک جگہ بیان فرمایا ہے۔ اکثر ایسی احادیث موجود ہیں جن سے ان دونوں الوالعزم صحابیوں کا اختصاص حضرت رسول خدا کی جناب میں صاف اور صریح طور پر پایا جاتا ہے ایک بڑی خصوصیت جس میں دوسرے اصحاب کو ہرگز مشارکت نہیں یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا سن و سال حضرت رسُول خدا کے سن و سال سے

موافقت تامہ رکھتا ہے۔ دُوسری خوبی اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ بعد وفات کے بھی حضرت رسُول خدا کے مصاحب و قریں بن رہے ہے۔ یعنی جس گنبد اقدس وحجرہ مطہرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دفن ہیں۔ اُسی حجرہ میں حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی مدفون ہیں۔ اور یہ ایسا بڑا شرف ہے کہ کسی صحابی کو نصیب نہیں ہوُا۔ ان معانی وبیانات سے علمائے اُمت سے کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ ابوبکرؓ وعمرؓ بعد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بہترین وفاضل ترین اُمت ہیں، اگر یہ اختلاف رافضیوں زیدیوں وغیرہم کی طرف سے پایا جاتا ہے۔ تو اس کے جواب میں ذکر اجماع امت کافی ہے۔ جو اوپر بیان ہوُا *

باوجود اس کے جمہور صحابہؓ کے سوا حضرت عمر ابن ابی سلمہ کی روایت اور نیز حضرت محمد ابن حنفیہ کی روایت سے ثابت ہوگیا ہے کہ بعد پیغامبر صلے اللہ علیہ وسلم کے بہترین اُمت ابوبکر ہیں۔ پھر عمر رضی اللہ عنہما۔ ان دونوں بزرگوں کا قول مخالفین پر حجت ہے۔ کیونکہ یہ اہل بیت نبوی اور پیشوائے شیعان علی سے ہیں *

بعد شیخین کے ختنین کا مرتبہ ہے

پھر اکثر اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ ان ہردو بزرگ صحابیوں ابوبکرؓ وعمرؓ کے بعد فاضل ترین صحابہؓ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت اسداللہ الغالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، دلیل اس پر اثبات خلافت عثمان ہے کہ بعد حضرت عمرؓ کے قائم وثابت ہوئی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے اختیار خلیفہ کے لئے شوریٰ قرار دیا تھا۔ جس میں حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہوُا۔ پھر اہل سنت کا ایک گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے فاضل تر ہیں (اور خلافت مفضول باوجود فاضل کے درُست ہے) *

اگر کوئی شخص ہم سے سوال کرے کہ اہل سنت کے مقابلہ میں یہ قول کیا وقعت رکھتا ہے۔ اور یہ کہ اس سے تو خلافت عثمانؓ میں طعن پیدا

ہوتا ہے۔ اور یہ کہ باوجود فاضل کے مفضول کو خلیفہ کرنا اہل سنت کے نزدیک مستبعد ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو خنجر مارا گیا۔ تو اُن سے کہا گیا۔ استخلف یا امیر المؤمنین تو انہوں نے کسی کی خلافت پر نص نہیں کیا۔ اور یہ فرمایا کہ میں زندگی میں عہد کرسکتا ہوں۔ لیکن بعد موت کے نہیں کرسکتا۔ لیکن میں ان چھ آدمیوں کے سوا جن سے حضرت رسُولِ خدا آخر وقت تک راضی رہے، کسی کو بہتر نہیں جانتا۔ علی، عثمان۔ طلحہ۔ زبیر۔ سعد وقاص۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما۔ غرض عمرؓ کے بعد شوریٰ ہوا۔ اور صحابہؓ کی نظر میں اُن میں سے کسی کو دوسرے پر ترجیح دینا ٹھیک نہیں معلوم ہوا۔ کیونکہ وہ سب طبقہ اعلےٰ سے تھے، اور چھوؤں کا استحقاق یکساں تھا۔ اسی حال میں چار اصحاب اُٹھ گئے اور عثمانؓ و علیؓ کی تفویض میں خلافت کا کام کردیا۔ اُنہوں نے سمجھ لیا تھا کہ استحقاق خلافت میں اس وقت اِن دونوں سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ پھر علیؓ و عثمانؓ نے اِس کام کا حل وعقد حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے حوالہ کیا۔ اور دونوں نے میثاق دے دیا کہ اس باب میں جو کچھ عبدالرحمٰن بن عوف کریں۔ وہی ہم دونوں کو منظور رہے۔ اور دونوں میں سے جس سے عبدالرحمٰن بیعت کرینگے، دوسرا بھی اُس سے فوراً بلا تاخیر بیعت کریگا۔ اور بیعت میں یہ بھی شرط کی گئی، کہ جس شخص سے بیعت کی جائے۔ وہ موافق قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کرے، اور اپنی تمام تر کوشش وجہد مسلمانوں کی بہبود اور دینی و دنیوی ترقی میں بذل کرے۔ اور سیرت شیخین رضی اللہ عنہما کی متابعت پیری کرے۔

استحقاق خلافت عثمانؓ

پس عبدالرحمٰن ابن عوف نے خلافت کے تمام امور مالہ وماعلیہ پر نظر کرکے حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کیا۔ اور اس کو جناب علیؓ اور باقی تمام اصحابہ اور اُمت نبوی نے پسند فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن نے پہلے عثمان کی بیعت کی پھر حضرت علیؓ نے اُس کے بعد تمام اُمت نے عثمان کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ اور اس طرح حضرت عثمانؓ بالاتفاق صحابہ وجناب علیؓ اُمت

محمدی کے خلیفہ بنائے گئے۔

ممکن ہے صحابہ میں کچھ لوگ ایسے ہوں جو جناب علی رضہ کو عثمان رضہ پر ترجیح دیتے ہوں، لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا۔ کہ عبدالرحمٰن بن عوف کے اجتہاد سے حضرت عثمان خلیفہ مقرر ہو گئے ہیں۔ اس واسطے انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور نہ تفضیل علی رضہ کے باب میں کچھ ذکر کیا۔ اس خیال سے اس وقت اعتراض کرنا جمہور میں مخالفت پیدا کرنے کا موجب ہو گا۔ اور کلمۂ اسلام متفرق ہو جائے گا۔

یہ لوگ اگرچہ حضرت علی رضہ کو فاضل جانتے تھے، مگر خوبی و صواب عثمان رضہ کی بیعت میں سمجھتے تھے، اور رفع اختلاف اور اتفاق کلمہ کو اس سے ارفع جانتے تھے کہ ان دونوں کی فضیلت کی بحث کو پیش کرتے۔ بعض ایسے بھی تھے جو باب فضیلت میں متردد تھے۔ اور تفضیل علی میں ان کو اشتباہ تھا۔ اور کوئی ایک شخص ایسا نہ تھا جو فضیلت علی میں محکم ہو۔ یہی سبب تھا کہ بعض نے علی رضہ کو اشتباہاً فاضل جانا۔ پس ان بیان سے نہ عثمان کی بیعت میں کوئی طعن پیدا ہوتا ہے۔ نہ علی کی فضیلت میں کوئی نقص عائد ہوتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جب سب نے بلا مخالفت عثمان کی بیعت اختیار کر لی تو ظاہر ہے کہ وہ اس پر راضی تھے۔ اور اجتہاد عبدالرحمٰن کو راجح بصواب جانتے تھے۔ بعد خلفائے راشدین کے ان صحابہ کی فضیلت ہے۔ جن کی بابت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے گواہی دی ہے کہ وہ اہل بہشت سے ہیں۔ ان کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔ یہ دس ہیں۔ چار خلفائے راشدین اور چھ دوسرے جن کے اسم گرامی یہ ہیں:۔ سعد وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوعبیدہ بن الجراح، سعید، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم پھر طبقات صحابہ میں اہل بدر کا مرتبہ ہے۔ ان کے بعد اہل بیعت الرضوان کا۔ پھر عام مہاجرین عام انصار سے فاضل تر ہیں۔ پھر دین میں خداوندان سابقہ سے وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے دو مرتبہ ہجرت کی۔ اول حبشہ کی طرف۔ پھر مدینہ کی طرف۔ اور اصحاب معتبر سے وہ لوگ ہیں جن کو رسول اللہ کی صحبت کا شرف

عشرہ مبشرہ

اور فضل وعلم دونوں حاصل ہے۔ ان حضرات کے مراتب سے واقفیت خصوص خداوندان علم وبصیرت کو بہت مفید ہے، معہذا دین میں یہ ضرور نہیں کہ ہم اُن کے درجات اور باہمی تفاضل کو تفصیلاً معلوم کریں۔ اُن سے صرف محبت واحترام رکھنا چاہیئے۔ تاکہ یہ حضرات رسُول اللہ کے شرف صحبت سے مشرف ہُوئے ہیں۔ اور سابقین فی الاسلام ہیں۔ پس ان کے مراتب کی تمیز ایسی ضروری نہیں۔ جیسے خلفائے راشدین کے مراتب کی تمیز ضروری ہے۔ خلفائے اربع کے مراتب کی تمیز اس لئے ضروری ہے، کہ مصالح دینی و دنیوی اُن کی ذات سے متعلق ہیں۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ اس سے باطل فرقوں کی اندرونی حالت اور خباثت معلوم ہوتی ہے کہ وہ اصحاب ثلثہ کے بے شمار فضائل سے چشم پوشی کرکے صرف جناب علیؓ کی فضیلت کے راگ گاتے ہیں۔ اور اُن کی نسبت بنی بنائی جھوٹی اور دُور از کار کہانیاں سُناتے ہیں۔ جو اہل ہوش کے لئے موجب خندہ ہیں۔ اور بے وقوفوں کے لئے باعث ابتلائے فتنہ۔

علی العموم تمام صحابہؓ کی تعظیم کرنا چاہیئے

سچے مسلمان کا آئین دین اور طریق اسلام یہ ہونا چاہیئے کہ علی العموم تمام صحابہ ؓ کرام کی تعظیم وتکریم کریں۔ اور کسی کی نسبت طعن وتشنیع روا نہ رکھیں۔ اور کسی حال میں کسی کی ملامت جائز نہ سمجھیں کہ حضرت رسُولِ خدا نے اس فتنہ سے تحذیر فرمایا ہے کہ میرے اصحابؓ کے بارہ میں خدا سے ڈرو۔ اُن کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ۔ قسم اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص (خدا کی راہ میں) کوہ احد کے برابر زر خرچ کرے تو صحابہؓ کے ایک مُد طعام خرچ کرنے کے ثواب کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ نصف مد کے خرچ کرنے کے ثواب کو، حدیث مذکور یہ ہے۔ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضا فوالذی نفس محمد بیدہ لوانفق احدکم انفق مثل احد ذھبا ما ادرک مد احدھم ولا نصفہ انفقھم فی سبیل اللہ۔ اور شیطان طریق

ہوا و عصبیت سے لوگوں کو تصور میں ڈالتا ہے کہ صحابہ کی باہمی خصومت صرف طلب دنیا کے لئے تھی۔ کیونکہ انہوں نے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اپنی سیرت کو بدل دیا۔ اور باہم منازعت کی۔ حتی کہ خوں ریزی تک نوبت پہنچی ❊

پس اس موقعہ پر مسلمانوں کو یہ جاننا چاہیئے کہ اصحاب انسان تھے، کچھ ملائکہ اور انبیا نہ تھے کہ غلطی سے معصوم رہتے۔ بلکہ اُن سے خطا ہو جانا ممکن ہے مگر خداوند عالم نے اُن کو پیغمبرؐ کی مصاحبت سے گرامی کیا تھا۔ اُن میں بڑی خوبی وسعادت یہ تھی کہ اگر سہواً اُن میں سے کوئی شخص خطا میں مبتلا ہو جاتا۔ تو فوراً اُس سے رجوع کرتا۔ اور گناہ پر کبھی مصر نہ ہوتا۔ اور یاد رکھو کہ اہل حق کا یہ مذہب ہے کہ بندہ صدور گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل ہم آگے بیان کریں گے۔ پھر جب کافر نہیں ہوتا تو مومن ہے۔ ایمان والوں کو زیبا نہیں کہ فساق اہل ایمان کو برا کہیں۔ پھر صحابہؓ کو کس طرح بُرا کہنا چاہیئے کہ خدا نے عموم صحابہ کی ثنا فرمائی ہے۔ اور رسول اللہ نے اُن کی حرمت کی حفاظت کے لئے وصیت کی ہے۔ اور اُن کے پیچھے پڑنے سے سختی کے ساتھ منع اور زجر فرمایا۔ اور کہا ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ ایسی باتیں ظاہر ہوں گی۔ جن کا ذکر خوب نہیں ہے۔ تم اُن کو برائیوں سے یاد نہ کرو۔ کہ خدا میری صحبت کی برکت سے اُن کی تمام ذلات اور لغزشیات معاف فرمائے گا۔ اِس باب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں ❊

علی کی محبّت کا نشان درست

علمائے کرام کا تشدد اس باب میں صرف اس غرض سے ہے کہ لوگ عام صحابہ کو بُرا کہنے سے ڈریں۔ اور گمراہی وغوایت میں نہ پڑیں۔ اور اس لئے صحابہ کی محبّت وتعظیم کی جانب تحریص وترغیب کی جاتی ہے کہ فرقہ روافض سے کوئی بدبخت ایسا نہیں جو عموم صحابہ کی شان میں کلمات معاندانہ زبان سے نہ نکالتا ہو۔ یہ لوگ جناب علی کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں

اور حقیقت میں سب سے بڑے مخالف اُن کے یہی بد بخت ہیں۔علی رضؓ کی محبت کا نشان درست یہ ہے کہ صحابہ کا اقتدا کریں۔اور طریق مسلمانی میں اُن کے مخالف نہ ہوں۔اور جناب علی رضؓ نے فرمایا اخواننا بغوا علینا ہمارے بھائی ہمارے مخالف ہوگئے۔اور آپ نے ابن جرموں قاتل زبیرؓ کی نسبت فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول خدا سے سُنا ہے کہ قاتل زبیر رضی اللہ عنہ کا دوزخی ہے۔

مخالفین علی رضی اللہ عنہ پر طعن درست نہیں

حرب جمل کے آخر روز میں جناب علی رضؓ صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر دیکھتے تھے کہ کون کون مارے گئے۔جب آپ کی نظر حضرت طلحہ پر پڑی کہ خاک پر پڑے ہیں۔تو فرمایا اے ابا محمد تیرا خاک پر اس طرح پڑا ہونا مجھ پر سخت دشوار ہے۔ان کے الفاظ یہ ہیں۔مَا اعز رعلی ابا محمد ما اعز رعلی ابا محمد ان اراك مجندلا فی بطون الاودیۃ تحت نجوم السماء اشکوالی اللہ اعجزی یہ دونوں وہ مقدس صحابی ہیں۔جن کے بہشتی ہونے کی بشارت حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے۔اور جناب علی رضؓ فرماتے تھے کہ میں طلحہؓ اور زبیرؓ اُن اصحاب سے ہیں۔جن کی شان میں خدا وند جل وعلا نے فرمایا۔وَنَزَعْنَا مَا فِی صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ عَلٰى سُرُرٍ مُتَقَابِلِيْنَ اور صحیح طور پر معلوم ہوا ہے کہ حضرت علی رضؓ نے کسی شخص کو ان کے ساتھ مقاتلہ کرنے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔اور نہ اُن کے قتل پر آپ راضی تھے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے ان کے حق میں سبی یعنی قید و گرفتاری کو روا نہ رکھا۔اُن کے مال کو مباح نہیں کیا۔اور جب انہوں نے فتح پائی اور ہتھیار ڈال دیئے تو اُن میں سے کسی کو بھی قتل نہیں کیا۔اور نیز اُن کا تعاقب نہ کیا۔اگرچہ ان کا مقاتلہ علی رضؓ کے ساتھ ثابت ہے۔لیکن وہ مسلمان تھے، ان کی جنگ دو قسم سے خارج نہ تھی۔یا تو مجتہد تھے کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے اس جنگ میں صلاح

امرت متصوّر کی اور وہ اس اجتہاد میں مخطی تھے۔ یا ایسے مسلمان تھے کہ اُنہوں نے از رُوئے غضب الحاح کے امام کے مقابلہ میں شمشیر نکالی۔ اور ان کو حُبّ جاہ اور خواہش ریاست نے مغلوب کر دیا۔ لہٰذا اس خطا کے مرتکب ہُوئے یا وہ اِس حال سے واقف نہ تھے کہ علی امام بحق ہیں۔ اور اُن کی اطاعت و متابعت ضروری ہے۔ پھر جب ہم نے اُنہیں مجتہد کیا تو اس سے اُن پر طعن کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ مجتہد خطا پر ماخوذ نہیں ہوتا۔ (بلکہ مصیب ہونے کی حالت میں دو اجر اور خطا کی حالت میں ایک اجر پاتا ہے)۔

اکثر علمائے اہل سنت نے اُن صحابہ کو جو جناب علی سے آمادۂ پیکار ہُوئے۔ باُسرِھِم اسی قبیل سے شمار کیا ہے۔ اور جناب طلحہ و زبیر و حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کو اس کے سوا تصوّر کرنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ عمومات قرآن و حدیث میں جو صحابہ کی فضیلت و ثنا میں ناطق ہیں داخل ہیں۔ اور نیز اُن کے حق میں اخبار خاص وارد ہیں۔ جن سے بمقابلہ دوسرے صحابہ کے اُن کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ حضرت زبیر رضؓ نے محاربہ علی رضؓ سے خود اجتناب کیا تھا۔ اور ابن جرموز نے ان کو ظلم سے قتل کیا تھا۔ اور طلحہ رضؓ سے ثابت ہے کہ وہ آخر وقت میں اس لڑائی سے ناراض ہُوئے۔ اور آخر رمق میں جب اُن کی نظر حضرت علی رضؓ کے ایک دوست پر پڑی تو آپ نے اُس سے کہا اپنا ہاتھ لاؤ کہ امیر المومنین علی رضؓ کی بیعت کروں۔ اُس نے ہاتھ دیا اور آپ نے بیعت کی۔ اور حضرت عائشہ رضؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ جب واقعہ جنگ جمل کو یاد کرتیں۔ تو اتنا روتیں کہ آپ کی اوڑھنی مبارک تر ہو جاتی۔

باغی بغاوت کے سبب دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا

اب رہے وہ لوگ جو علی کی فضیلت اور استحقاق امامت سے آگاہ نہ تھے۔ تو اس امر میں خود معذور ہیں۔ ہاں وہ لوگ جو دانا ہو کر ریاست کی حصول کے لیے اس جنگ میں شامل ہُوئے وہ ضرور باغی ہوئے۔ مگر باغی بغاوت کی

سبب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اور جب حالت بغاوت میں اُس کے مال میں تصرف روا نہیں۔ تو بطریق اولیٰ بعد بغی کے توبہ کا اُس سے امکان رکھتا ہے ؀

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اپنے گذشتہ لوگوں کو خیر کے ساتھ یاد کیا کرو۔ وہ اپنے کئے کو پہنچ گئے۔ یہ ایسی نسبت ہے جو ہر ایک مسلمان کے ساتھ خواہ نیک ہو یا بد تعلق رکھتی ہے۔ باوجود اس نہی کے یہ کیونکر روا ہو سکتا ہے کہ بعض اصحابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بُرائی سے یاد کیا جائے۔ نیز آپ نے فرمایا۔ اللہ اللہ فِی اصحابی اور عام مسلمانوں کے حق میں فرمایا۔ لاتذکروا موتاکم الا بخیر فانھم افیضوا الیٰ ما قدموا آپ نے یہ جو فرمایا کہ وہ اپنے کردار کے بدلے کو پہنچ گئے۔ یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ وہ اگر نیک کردار تھے تو تمہاری بدگوئی انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور اگر بدکردار تھے تو اپنے عمل کو پہنچ گئے تمہارا برا کہنا انہیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ تو تمہاری بدگوئی بے فائدہ ہے ؀

پس اگر عمرو ابن العاص اور امیر معاویہ اُن کے امثال کا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی اور آپ کے شرف صحبت سے مشرف تھے کوئی شخص بسبب محاربہ علی رضہ کے احترام نہ کرے تو زبان بدبھی اُن کے حق میں دراز نہ کرے۔ کیونکہ جب عام مسلمانوں کو برا کہنے کی مخالفت ہے۔ تو یہ بزرگوار اُن سے تو کسی طرح کم نہ تھے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس آیہ کریمہ پر عمل کریں۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اس اُمت کا عمل اُن کے ساتھ گیا گذرا ہوا۔ تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے۔ اور ان کے اعمال کے متعلق تم سے کوئی سوال نہ ہوگا۔ (صدق اللہ العلی العظیم) اور یہ یقین جانیں کہ اُن کی برائی کرنے سے حضرت علی کی شان و فضیلت میں کوئی مزیت نہیں ہوتی۔ اور نہ حضرت علی روافض کی ان بیہودہ حرکات

سے خوش ہوتے ہیں) ؛

جنابِ علیؓ اپنے فضائل کثیرہ اور کمالات عدیدہ کے لحاظ سے متعصبین بے دین کے تعصب سے مستغنی ہیں۔ ان میں جو فضائل ہیں۔ مثلاً علم و حکمت۔ سابقت فی الاسلام۔ ہجرت و نصرت رسول اللہ بہ شمشیر اور اپنی قوم پر تشدد برائے دین اور قرابت و اختصاص بہ مواخات رسول علیہ السلام اور اختیار ازدواج بہ مناکحت سیدۃ النساء اور تفرد بانتشار نسل رسول خدا از صلب وے وغیرہ وغیرہ یہ تمام کافی و وافی ہیں۔ فرضوان اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اولادہ اجمعین ؛

حضرت فاطمہؓ اور خدیجہؓ اور عائشہؓ کی فضیلت

اور اعتقاد رکھیں کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اولاد رسول میں سب سے افضل ہیں۔ اور رسول اللہؐ کی گواہی کے موافق زنان عالم کی سردار ہیں اور وہ اور ان کی والدہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ تمام زنانِ عالم سے برتر اور مستثنیٰ ہیں۔ پھر یہ بھی اعتقاد رکھیں کہ آنحضرت کی تمام ازواج مطہرات صالحات و طاہرات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مصاحبت کے لئے اختیار کیا ہے۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد فضیلت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رتبہ ہے۔ اور صحابہؓ کی عورتوں کے بارہ میں باعتبار مراتب صحابہؓ کے اعتقاد رکھیں۔ اور اعتقاد رکھیں کہ صحابہؓ اور ان کی ازواج سے کسی وقت میں فسق و فجور روا نہیں۔ فرضوان اللہ تعالیٰ علیٰ سائر الصحابۃ والصحابیات والتابعین لھم باحسان الیٰ یوم الدین ؛

پانچویں فصل

فرقہائے اسلام کے اور نیز اس کے بیان میں کہ بندہ گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ اور اُس بدعت کے بیان میں جو موجب کفر ہے

جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا کہ عنقریب میری اُمّت تہتر فرقوں پر منقسم ہوگی۔ وہ سب دوزخی ہوں گے۔ لیکن سواد اعظم صحابہ رضی نے عرض کی یا رسول اللہ سواد اعظم کون ہے۔ فرمایا وہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ستفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقۃ کلھم فی النار الا السواد الاعظم قالوا یا رسول اللہ وما السواد الاعظم قال ما انا علیہ واصحابی بعض متکلمین اور دوسرے اہل علم نے اس حدیث کی بناء پر گمراہ فرقوں کا حصر و احصا بھی کیا ہے۔ لیکن یہ بات تکلف سے خالی نہیں۔ اس لیئے کہ اگر تمام مشہور فرقوں کے نام گنائے جائیں۔ تو تعداد میں تہتر نہیں ہوتے۔ اور صرف چند مشہور ومتعارف فرقے گنے جاسکتے ہیں۔ جیسے خوارج وروافض ومعتزلی وغیرہ۔ اور ان تینوں فرقوں کی شاخیں شمار کی جائیں۔ تو مذکورہ تعداد سے بڑھ جاتے ہیں۔ پھر ان کے سوا کرامیہ کے بارہ گروہ ہیں۔ نجاریہ کے تین گروہ اور مرجیہ کے پانچ گروہ اور اگر دوسرے فرقوں کے افراد گنے جائیں۔ تو بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ تو قول درست مبنی بر احتیاط یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں فرقہ ہائے اُمت کے افتراق کو کسی وقت خاص کے ساتھ

موقت و معین نہیں کیا ہے۔ احتمال ہے کہ بعض ان فرقہائے ضلال سے ابھی تک پیدا نہ ہوئے ہوں اور آئندہ[1] پیدا ہوں۔ اور ان فرقوں کے نام ان کو مقتدا اُن کے نام سے منسوب ہیں۔ یعنی ہر ایک فرقہ اپنا نام اپنے مقتدا کی نسبت سے مشہور کرتا ہے۔ اور اُن میں اعتبار اُن کے اصول مذہب کے موافق ہے کہ جو فرقہ اصل مذہب میں باہم یکدیگر موافق ہیں۔ اُن سب کو ملا کر ایک فرقہ سمجھا جاتا ہے۔

جب ہم ان موجودہ فرقہائے ضلال کے عقائد پر نظر کرتے ہیں۔ تو اُن میں سے ہر ایک فرقہ کو ایسے اعتقاد پر پاتے ہیں جو خلاف اعتقاد قرن اول کے ہے جس سے مراد صحابہ کرام کا اعتقاد ہے۔ یا انہوں نے ایسے عقائد احداث کیے ہیں جو کتاب و سنت کی رُو سے مستقیم نہیں ہیں۔ اسی سبب سے ہم ان فرقوں کو فرقہائے ضلال کہتے ہیں۔

فرقہ خوارج

فرقہائے ضلال میں سب سے پہلے فرقہ خوارج کا ظاہر ہوا۔ خلافت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ فرقہ حضرت علی رضؓ کا مخالف تھا اور دلیل یہ پیش کرتا تھا کہ اگر علی خلافت کو اپنا حق جانتے تھے۔ تو دوسرے کو حکم کس واسطے کیا۔ کہ اُس حاکم نے علی کو امامت و خلافت سے باہر کیا۔ اور اگر تحکیم جائز تھا۔ تو علی کو کس واسطے مثل حکام کے امامت سے باہر کیا۔ اُس نے خود اپنے کو علیحدہ نہیں کیا۔ اور اگر تحکیم باطل تھا تو باطل کو کیوں اختیار کیا۔ ان بے حاصل شبہات کے سبب یہ فرقہ جناب علی سے الگ ہو گیا۔ انہوں نے دونوں گروہ (معاویہ و علی) کی تضلیل کی جو صفین میں حاضر تھے۔ اس فرقہ کو محکمہ کہتے ہیں۔ اور پیشوا ان کا عبداللہ بن وہب بکرمی۔ اور یزید عاصم مختاری ہے۔ بعد اُس کے تفرقہ پیدا ہوا

[1] چنانچہ فرقہ کتاب ہذا میں ہم فرقہ ہائے اسلام کا حال بالتفصیل بیان کرتے ہیں۔ اور سچ بات یہ ہے کہ لفظ تہتر سے فرقہ ہائے اسلام کا حصر مقصود نہیں ہے۔ بلکہ مراد کثرت ہے چنانچہ واقعات سے ظاہر ہے ۱۲

اور پہلا شخص جس نے قدر کے متعلق گفتگو کی۔ وہ معبد جہنی ہے۔ بصرہ کا رہنے والا
اُس کے بعد فرقہ رافض کا ظہور ہُوا۔ جس نے حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں طعن کیا
اور صحابہ کی تفضیل پر آمادہ ہُوئے، جناب علیؓ کے زمانہ میں یہ مذہب نہیں تھا۔
اس وقت کچھ لوگ تھے۔ جو خود کو شیعان علی کہتے تھے، پھر علی کے بعد رافض
پیدا ہو گئے۔ اور تابعین کے زمانہ میں معتزلہ پیدا ہُوئے۔ ان کا پہلا شخص
واصل عطا غزال اصحاب حسن بصریؒ سے ہے ؛

صاحب کبیرہ کافر نہیں ہوتا

اہل سنت و خوارج کے درمیان اس مسئلہ میں خلاف ہے کہ خوارج
مسلمان صاحب کبیرہ کو کافر کہتے ہیں۔ اور اہل سنت مومن۔ مگر معتزلہ ان دونوں
فرقوں سے علیحدہ ہو کر تیسری بات کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ صاحب کبیرہ نہ کافر ہے
اور نہ مومن۔ بلکہ اُس کو کفر و ایمان کے مابین ایک درجہ حاصل ہُوا ہے۔ اس بات
حضرت حسن بصری رحؒ نے اس کو (واصل عطا غزال کو) اپنے حلقہ سے باہر کیا
اور فرمایا۔ اعتزل عنا یعنی واصل ہم سے الگ ہو جا۔ اسی سبب اُس کو معتزلہ
کہتے ہیں۔ پھر عمرو عبید اس مسئلہ میں اُس کا ہمخیال اور مددگار ہو گیا ؛

تکفیر کے اسباب و دواعی

یہ تمام فرقے اپنے اپنے مذہب کی نصرت و یاری میں کوشش کرنے لگے
اور وقتاً فوقتاً اسلام میں شبہات اُٹھانے لگے۔ اور باہمی اختلاف بڑھتا گیا
حتیٰ کہ ایک دوسرے کی تضلیل و تکفیر کرنے لگے۔ علمائے سلف ان فرق ضالہ کی
تکفیر روا نہیں رکھتے۔ اور بعض مثل خوارج و روافض و معتزلہ کی تکفیر کرتے
ہیں۔ لیکن اصول دین کے اعتبار سے مستقیم یہ بات ہے کہ اگر یہ فرقے ظاہر
کتاب و سنت ثابتہ کی مخالفت کرتے ہوں۔ یا اجماع امت کے منکر ہوں۔ تو
اُن کی تکفیر میں مطلق پس و پیش نہ کرنا چاہیئے۔ اور بعض علما جو مطلقاً نفی تکفیر
کرتے ہیں۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے ستفترق اُمتی

عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَۃً کہتے ہیں کہ جب جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام فرقوں کی بابت لفظ اُمتی استعمال کیا۔ تو اُن کی تکفیر روا نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ ان کو اپنی اُمت افتراق کے قبل کے لحاظ سے جیسا کہ حدیث ثوبانؓ میں ہے لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَلْحَقَ قَبَائِلُ مِّنْ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِکِیْنَ وَحَتّٰی تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِّنْ اُمَّتِی الْاَوْثَانَ یعنی قیامت قائم نہ ہوگی جبتک میری اُمت کے بعض قبائل مشرکین سے نہ جاملیں۔ اور جب تک میری اُمت کے بعض قبائل بُت پرست نہ ہو جائیں اور ظاہر ہے کہ مشرکین اور بُت پرستوں کو رسُول خدا کی اُمت نہیں کہہ سکتے۔ تو معلوم ہوا کہ مشرک اور بُت پرست ہونے کے پہلے اُنہیں لفظ اُمت سے یاد کیا گیا ہے۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کیا جاوے کہ بعد افتراق کے ہی ان پر لفظ اُمت کا اطلاق ہوا ہے۔ تو اس صورت میں بھی یہ لازم نہیں آتا۔ کہ عمل کفر کے سبب اُن کی تکفیر نہ کی جاوے۔ دوسرے یہ کہ امت کا اطلاق کئی وجوہ سے ہوتا ہے۔ ہر ایسی قوم جو ایک زمانہ میں ایک دین پر ہو یا ایک پیغمبر کے زمانہ میں ہو۔ بشرطیکہ اس پیغمبر کی دعوت آئی ہو۔ لفظ امت استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اگر کہا جاوے کہ جب جناب علی رضی اللہ عنہ سے خوارج کے کفر کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا مِنَ الْکُفْرِ فَرُّوْا یعنی وہ لوگ کفر سے بھاگے ہیں۔ یہ قول جناب علیؓ سے بطریق معتبر ثابت ہے۔ پھر پوچھا گیا کیا یہ لوگ منافق ہیں۔ فرمایا منافق خدا کو کم یاد کرتے ہیں۔ اور یہ بہت زیادہ یاد کرتے ہیں۔ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا وَّھٰؤُلَاءِ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا (اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب علیؓ نے خوارج کی تکفیر نہیں کی)۔

جواب یہ ہے کہ شاید جناب علیؓ کو خوارج کے عقائد فاسدہ سے اُس وقت تک آگاہی نہ ہوگی۔ یا اُس وقت اُن کے عقائد ایسے بُرے نہ ہونگے جن سے اُن کی تکفیر لازم آئے۔ اس واسطے کہ خوارج ابتداءً جناب علی سے اس خیال سے جدا ہوئے تھے کہ وہ علی و معاویہ کے درمیان تحکیم کو پسند نہیں کرتے تھے اسی واسطے انہوں نے علی و معاویہ دونوں کا تخطیہ کیا۔ یعنی دونوں کو خطا کا

بنایا۔ بلکہ جتنے لوگ جنگ صفین میں شریک تھے۔ سب کو برا کہا۔ اتنی بات کی اشاعت ہونا تھی کہ علیؓ و معاویہ دونوں طرف کے لوگ خوارج کے ہمخیال ہو گئے اور اس طرح جب اُن کی جمعیت کو استحکام ہو گیا۔ تو انہوں نے بے تحاشہ علیؓ و معاویہؓ، عائشہؓ طلحہؓ، زبیرؓ اور تمام اُن اصحاب کو جو جنگ جمل و صفین میں شامل ہوئے سب کی تکفیر کی۔ یہ نہ جانا کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے جو مسلمان کسی بھائی مسلمان کی تکفیر کرتا ہے تو دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور کفر واقع ہوتا ہے یعنی اگر اُس کا قول درست نہ تھا۔ تو وہ خود کافر ہو گیا۔ کہ اس نے ایک ایسے شخص کو جو حق پر تھا۔ کافر کہا ؛

نصریہ اور کیسانیہ

بعد ازاں طائفہ نافع ازرق اور نجدہ ہروی پیدا ہوئے۔ انہوں نے اس پر اور چند بدعتیں زیادہ کیں۔ اور مسلمانوں کے جان و مال کا استحلال کیا جو سراسر کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ پھر غلاط روافض سے ایک فرقہ علیؓ کی ربوبیت کا قائل و معتقد ہو گیا۔ اس کا نام عابیان اور علی الهیان ہے ؛

پھر ایک فرقہ کیسانیہ ہؤا۔ جو خدا پر ندامت و پشیمانی کو روا رکھتا ہے پھر معتزلہ میں ایک فرقہ ہذیلیہ نام کا مشہور ہؤا۔ جو پیرو ابوالہذیل علاف کا ہے۔ اس کا قول ہے کہ مقدورات خدا تعالیٰ کی انتہا اور حد ہے۔ اور نعیم و عذاب جنت و دوزخ فی الحال موجود نہیں۔ آخر میں موجود ہوگا۔ پس ان فرقوں کی تکفیر میں کیونکر توقف ہو سکتا ہے ؛

فرقہ نظامیہ

ایک فرقہ نظامیہ نام کا ہے۔ جو اس امر کا معتقد ہے کہ خدا تعالیٰ عالم جزئیات نہیں۔ اور اس قسم کی اور بھی ضلالتیں اس فرقہ سے مروی ہیں۔ ایسے فرقہ کی تکفیر میں کسی عالم کو تردد نہیں ہو سکتا۔ پس علمائے سلف نے

جو بعض فرقہائے ضالہ کی تکفیر میں تردد کیا ہے۔ شاید اُس وقت ان فرقوں کے عقائد حدِ تکفیر تک نہ پہنچے ہونگے۔ ان کے بعد انہی فرقوں میں وقتاً فوقتاً بدعات و مخالفت کی ترقی ہوتی گئی۔ کہ اُن کے عقائد تکفیر کی حد کو پہنچ گئے تو اُس وقت ان کی تکفیر بھی ضروری ہوئی تاکہ عام اہل اسلام علمائے کرام کی عدم تکفیر کے فتوؤں کو دیکھ کر انہیں زمرۂ اسلام سے نہ سمجھنے لگیں۔ اور اس دھوکے میں رہ کر اُن کے دام فریب میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ یا علمائے سلف کی عدم تکفیر کا یہ سبب ہو کہ وہ کلمہ گویوں کی تکفیر کرنا مناسب نہ سمجھتے ہوں۔ اور اس سے محتاط رہتے ہوں۔

كُلُّهُمْ فِي النَّارِ کی توضیح

اَب رہے وہ لوگ جو نصوص قرآنیہ اور حدیث سنت نبویہ کی ایسی تاویل کرتے ہیں کہ جن کا وہ الفاظ احتمال رکھتے ہیں۔ لیکن وہ تاویل ظاہر معنی کے خلاف ہے۔ تو ایسے لوگوں کا حال اہل کبائر جیسا ہے۔ اور ان کی تکفیر روا نہیں ہے۔ پھر اگر قائل کہے کہ حدیث میں كُلُّهُمْ فِي النَّارِ کا حکم موجود ہے۔ اور ان کا ناری ہونا اُن کے کفر پر دلالت کرتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا کہ وہ سب دوزخی ہیں۔ اُن کے کافر ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ اُن میں اکثر ایسے لوگ ہیں۔ جو اعمال صالحہ میں سعی و بلیغ کرتے رہے ہیں۔ جس کی سبب انہیں عذاب دوزخ سے نجات پانے کی امید قوی ہے۔ حدیث کا مفہوم بتاتا ہے کہ اس سے بعض فرقہائے ضالہ کے قریب بہ دوزخ ہونے کے معنی لینا زیادہ مناسب ہے۔ فارسی میں جب کہتے ہیں کہ "فلاں در آتش است" تو اس کے معنی یہ نہیں کہ آگ کی مصیبت بالکل اُس سے ملتی جلتی ہے۔ یہی معنی ہیں کہ كُلُّهُمْ فِي النَّارِ کے یا یہ کہ اُن کے یہ الفاظ اُن کی انتہا درجہ کی گمراہی کی طرف دلالت کرتے ہیں اور اُن کی نجات کو موہوم سا بتاتے ہیں پس ثابت ہوا کہ جو فرقے اپنے عقائد فاسدہ میں اس درجہ پاجی اور بدرویہ ہیں کہ قرآن و حدیث کی صریحی مخالفت کرتے ہیں۔ تو ان کے دوزخی ہونے میں اور اُن کی تکفیر میں کوئی کلام نہیں۔ پھر بھی اُن کے

مخلد فی النار ہونے کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ مَنْ یُّشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ کی امید مغفرت کو باقی رکھتی ہے۔ اور جو فرقے ایسے ہیں جن میں بدعات کا اس درجہ شیوع نہیں ہے۔ جو صریحاً مخالف کتاب و سنت ہو۔ بلکہ وہ قرآن و حدیث کے تاویلی معنی کرتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے کہ وہ اہل سنت و الجماعت کے معنوں سے الگ معنی کرتے ہیں۔ وہ گمراہ ضرور ہیں۔ مگر ان کی گمراہی مثل اہل کبائر کے ہے اگر توبہ کر کے مرے تو دنیا سے مغفور گئے۔ ورنہ مردود و مطرود ✦

فرقہائے ضالہ مخلّد فی النّار نہیں

اس کے مانند ایک حدیث عرفائے قبائل کے باب میں وارد ہے (عرفائے قبائل رؤسا اور پیشکاران وبہہ کو کہتے ہیں) وَلٰکِنَّ الْعُرَفَاءُ فِی النَّارِ تو اس سے تمام عرفا کی بابت دوزخی ہونے کا حکم نہیں کر سکتے۔ پھر اگر کہا جاوے کہ جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جملہ گمراہ فرقوں کی بابت دوزخی ہونے کا حکم کیا ہے تو تم بعض کی تخصیص کس جہت سے کرتے ہو کہ ان میں بعض کی تکفیر کرتے ہو۔ اور بعض کی عدم تکفیر روا رکھتے ہو۔ جواب یہ ہے کہ ہم نے اس حکم کو اصول دین سے معلوم کیا۔ جو اوپر مذکور ہوا۔ اور آنحضرت نے جو فرمایا کُلُّهُمْ فِی النَّارِ اور سب کو ایک ہی سلسلہ میں داخل کیا۔ یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ سب کا حکم یکساں ہے۔ جب یہ جائز ہے کہ صاحب کبیرہ آتش دوزخ میں جلے گا۔ اور کافر بھی۔ اس واسطے سب کو ایک سلک میں کھینچا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ایک مخلد فی النار ہے (یعنی کافر) اور ایک وہ جو بعد معذب ہونے کے دوزخ سے رستگاری حاصل کریگا۔ (یعنی صاحب کبیرہ) اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک بادشاہ نے ایک جماعت کو گرفتار کر کے اُن میں سے بعض کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور بعض کو صرف تعزیر فرما کر چھوڑ دیا۔ لوگوں نے یہ سمجھ کر کہا کہ بادشاہ سب سے ناراض ہوا اور سب کو عقوبت فرمائی۔ یہ ہے حکم فرقہائے ضالہ کا مطابق کتاب و سنت کے۔ وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ✦

چھٹی فصل

گناہ گارانِ اُمّت کے بیان میں

مذہب اہل حق کا یہ ہے کہ صاحب کبیرہ بسبب گناہ کے کافر نہیں ہوتا ہے کیونکہ ایمان و کفر دونوں دل کی صفتیں ہیں۔ اور اُن میں سے کسی ایک کا محو ہونا بدون ثبوت دوسرے کے محال ہے۔ یعنی ایمان دل سے محو نہیں ہو سکتا۔ جب تک دل میں کفر کا ہونا ثابت نہ ہو۔ اس طرح کفر کا محو ہونا بدون وجود و ثبوت ایمان کے غیر ممکن ہے۔ تو جب گناہ عمل جوارح ہے۔ اور ایمان صفت دل تو جوارح کے عمل سے دل کی صفت کیونکر محو ہو سکتی ہے۔ جس طرح کافر اگر بظاہر نماز و روزہ وغیرہ کا پابند ہو اور دل سے اسلام کا معتقد نہ ہو۔ تو اس کو کبھی مومن نہیں کہہ سکتے، اسی طرح مومن اگرچہ جوارح سے عمل بد کرتا ہے۔ مگر جب تک اُس کا دل توحید و رسالت کا معتقد ہے۔ وہ ہرگز کافر نہیں ہو سکتا۔

صاحب کبیرہ کی تکفیر مذہب خوارج کا ہے

گناہ کے سبب بندہ کی تکفیر کرنا یہ مذہب خوارج کا ہے۔ اور معتزلہ کا مذہب ہے کہ مرتکب کبیرہ نہ کافر ہے اور نہ مومن مگر اصحاب کبائر کے حق میں خلود فی النار وہ بھی جائز رکھتے ہیں۔ علمائے اہل سنت فرماتے ہیں کہ صاحب کبیرہ سے بسبب صدور گناہ کبیرہ اسم ایمان دور نہیں ہو سکتا۔ اور اُن کے حق میں خلود فی النار روا نہیں جب کبھی مومن سے فسق سرزد ہوتا ہے۔ تو اس فعل کی نسبت سے اس کا نام مسلمان فاسق رکھ لیا جاتا ہے۔ اسلام کو اس سے الگ نہیں کرتے۔ اور دلیل یہ ہے کہ علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر قتل کے کفارہ میں بندۂ فاسق کو آزاد کیا جائے۔ تو شرعاً جائز ہے۔ اور نص قرآن ہے۔ فتحریر

رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً پس اگر ایمان و فسق میں منافات ہوتی۔ تو اجماع اُمت کبھی بندہ فاسق کے آزاد کرنے پر منعقد نہ ہوتا۔

یہ اعتقاد رکھنا بھی ناجائز ہے کہ صاحب کبیرہ بسبب گناہ کے ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔ کیونکہ نص قرآن سے ثابت ہے کہ شرک کے سوا تمام گناہ معاف کئے جاسکتے ہیں۔ اور اُن کا معاف کرنا خدا کی مشیت و مرضی پر موقوف ہے۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ شَيْئًا وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا استثنا فرمایا۔ اور مادون اس کے سب کو اپنی مشیت کے حوالہ کیا۔ اس بیان کی توثیق اُن احادیث صحاح سے بھی ہوتی ہے۔ جن میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شفاعت کو اہل کبائر کے لئے فرمایا ہے۔ شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ[1] اور فرمایا ہے کہ ہر وہ شخص جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو دوزخ سے باہر آئیگا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سوائے اہل شرک کے ہمیشہ کوئی بھی دوزخ میں نہ رہیگا۔ علمائے اُمت کے درمیان یہ حدیث روشن ہے۔ اور اگرچہ اس کے افراد میں تواتر نہیں پایا جاتا۔ مگر اُس کی جنس میں تواتر ثابت ہے پس جب حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو مبین قرآن ہے اس طرح ثابت ہوا تو اب اس مسئلہ میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا۔ معتزلہ اس آیت وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا

---

[1] اور مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لکل نبی دعوة مستجابة فتعجل کل نبی دعوته واختبأت دعوتی شفاعة لامتی یوم القیمة فهی نائلة ان شاء الله من مات من امتی لا یشرك بالله ہر نبی کی ایک دعا ضرور مقبول ہوتی ہے۔ تو ہر نبی اپنی دعا میں جلدی کر چکا ہے۔ البتہ میں نے اپنی دعا شفاعت امت کے متعلق چھپا رکھی ہے تو وہ انشاء اللہ میری امت میں سے ہر ایسے شخص کو پہنچے گی۔ جو ایسی حالت میں مر گیا ہو کہ اُس نے خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیا ہو۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ گناہگاران اُمت اگرچہ اصحاب کبائر سے ہوں۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے ضرور ہی بخشے جائیں گے ۱۲ منہ

کے ظاہر معنے سے تمسک کر کے صاحب کبیرہ کو دوزخی کہتے ہیں۔ اور ان کے حق میں خلود فی النار جائز رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ آیت مؤول ہے۔ اور اس کو ظاہر معنی پر حمل کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں دونوں آیات کے درمیان تناقض ثابت ہوتا ہے۔ اور احادیث صحیحہ جو آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ الخ کی تفسیر میں ہم تک پہنچی ہیں۔ اس کی ضد ہیں۔ اور علمائے اسلام کا مذہب ہے کہ جب دو ایسی آیتیں جن میں بظاہر تعارض ہو۔ اور اُن کے درمیان تطابق ممکن نہ ہو تو چاہیئے کہ ایک آیت کو دوسری آیت پر اس طرح حمل کریں کہ جس میں تسہیل ہو اور دونوں معنی موافق آئیں۔ پس ان دو آیات میں مطابقت یوں ہو سکتی ہے کہ اگر خدا چاہے تو قاتل متعمد کو سزا دے، اور اس کو دوزخ میں مخلد رکھے، اسی وجہ پر اُس کی تطبیق ممکن ہے۔ اور اسی طرح اس کا قبول کرنا واجب ہے تاکہ درمیان آیات و احادیث کے توفیق ہو۔ اور ہم نے اسی وجہ کو اختیار کیا ہے۔ تاکہ کوئی آیت معطل نہ رہے۔ لیکن مفسرین نے اس آیت کی مراد میں اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ آیت ظاہر میں عمومیت رکھتی ہے۔ مگر حقیقت میں خاص اُس شخص کی شان میں وارد ہے۔ جو مرتد ہو گیا ہو۔ اور بعد ارتداد اُس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قاتل متعمد سے وہ شخص مراد ہے جو مستحل قتل ہو۔ لیکن ہمارا معول نصوص پر ہے۔ اسی واسطے ہم نے ایسے معانی کیئے جو دونوں آیات میں مطابقت رکھتے ہیں۔

صاحب کبیرہ کے اعمال حبط نہیں ہوتے

اور مذہب اہل حق کا یہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے اعمال صالحہ حبط نہیں ہوتے اس لیئے کہ جب تک اصل ایمان باقی ہے۔ اس کا عمل ہرگز ضائع نہیں ہو سکتا جب ایمان و فسق میں حسب صورت مصرحہ بالا فرق ظاہر ہے کہ تو اسی طرح اعمال صالحہ اور اعمال بد میں بھی فرق ضروری ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ معصیت حسنات کو باطل نہیں کرتی۔ بلکہ اس پر غالب آکر معصیت کو باطل و محو کر دیتی ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ اسی معنی

پر دلالت کرتی ہے۔ اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت میں سب سے زیادہ مفلس وہ ہے جو قیامت میں روزہ، نماز و زکوٰۃ وغیرہ اعمال صالحہ لیکر آئے گا۔ اور ایک ایسا شخص بھی (داد خواہ کی صورت میں) اُس کے ساتھ ہوگا۔ جس کو اُس نے گال دی ہوگی۔ اور قذف کیا ہوگا۔ اور اُس کا مال کھایا ہوگا۔ اور خونریزی کی ہوگی۔ اور اس کو مارا ہوگا۔ پس اللہ تعالےٰ مظلوم کی بدیاں اُس کو دے دیگا۔ اور ظالم کی نیکیاں مظلوم کو عطا فرمائے گا۔ یہ حدیث اس پایہ کی ہے کہ علمائے نقل کے درمیان اس حدیث کی صحت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ گناہان کبیرہ عمل نیک کو برباد نہیں کرتے۔ اس واسطے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مفلس مذکور نماز و روزہ نیک اعمال اپنے ساتھ لے کر قیامت میں آئے گا۔ اور اُس کے ساتھ ایسا شخص بھی ہوگا۔ جس پر اُس نے مذکورہ بالا مظالم کئے ہونگے۔ ظاہر ہے کہ یہ مظالم گناہان کبیرہ ہیں۔ پس اگر گناہ کبائر سے نیک عمل برباد ہو جاتے تو اُس کی نیکیاں باقی نہیں رہتیں۔ پھر مظلوم کو کیا دیا جاتا ہے۔ اور قرآن کریم میں جس جگہ حبط عمل کا ذکر ہے۔ تو اس سے مراد کافر ہیں۔ اور حدیث میں جو حبط عمل کی اضافت اہل ایمان کی طرف کی گئی ہے۔ جیسا کہ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ الْعَصْرُ تو مراد اس سے یہ نہیں ہے کہ اُس کے نیک عمل برباد و حبط ہو جائیں گے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر وہ نماز عصر کو نہ چھوڑتا تو اُس کا ثواب اس کو بہت کچھ پہنچتا۔ اب جب اُس نے ایسا نہیں کیا تو وہ ثواب سے محروم رہا۔ گویا وہ ایسے شخص کی مانند ہوگیا۔ جس کے عمل ناچیز ہوگئے ہوں۔ اس حدیث کی تاویل سوائے اس کے نہیں ہو سکتی۔ اسی تاویل سے دونوں کے اصول قائم رہتے ہیں ✦

مرتد کے باب میں علما کا اختلاف

مرتد کے باب میں جو علمائے اسلام کا اختلاف ہے کہ اُس کے عمل، مرتد ہوتے ہی حبط ہوتے ہیں۔ یا اُس وقت جب وہ ارتداد کی حالت میں مرجائے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صورت مسئلہ یوں ہے کہ اگر عیاذاً باللہ کوئی

مسلمان مرتد ہو جاوے۔ اور پھر اسلام لاوے۔ تو اُس کے وہ نیک عمل جو اُس نے قبل ردّت کے حالتِ اسلام میں کئے ہیں۔ حبط ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط اس آیت میں حبط اعمال کو موت کے ساتھ مشروط فرمایا ہے۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جاوے اور اسی ارتداد کی حالت میں مر جاوے تو وہ کافر ہے۔ پس وہ ان لوگوں سے ہے جن کے اعمال دنیا و آخرت میں حبط ہو چکے ہیں۔

ان ہر دو اماموں کے خلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص حالت اسلام میں حج بجا لایا۔ پھر مرتد ہو گیا اس کے بعد پھر ایمان لایا۔ اور اُس کو استطاعت حج ادا کرنے کی ہے۔ تو اُس پر حج کرنا فرض ہو جائے گا۔ اس واسطے کہ اُس کا پہلا حج بوجہ ارتداد کے حبط ہو گیا۔ اگر گناہ کبیرہ محبط اعمال ہوتا۔ تو علمائے اسلام سے مرتد کے باب میں یہ خلاف منقول نہ تھا۔ یہ مسئلہ قول خوارج کا نتیجہ ہے۔ جو گناہ کے سبب بندہ کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ نہ اُس کو کافر کہتے ہیں نہ مومن بلکہ درمیان میں ایک منزلت اور واسطہ قائم کرتے ہیں۔ ہم نے ان دونوں فرقوں کے تاویلات کی تردید کر دی۔ وہ یہ گناہ کبیرہ محبط عمل نہیں۔ اور یہ کہ بندہ بسبب گناہ کے کافر نہیں ہوتا۔ بلکہ مومن رہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ مومن فاسق کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بندوں کی دو ہی قسمیں کی ہیں۔ چنانچہ فرمایا هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ یعنی اللہ کی وہ ذاتِ پاک ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے بعض کافر ہیں۔ اور بعض مومن۔ اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

ساتویں فصل

چند بدعتوں کے بیان میں مع اُنکے جواب کے

اہل حق کا مذہب ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ خدا پر بندوں کی اصلاح و بہبود پر نگاہ رکھنا واجب ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ واجب کسی واجب کرنے والے کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ تو خدا سے مافوق اور برتر ایسا کون قادر ہے جو خدا پر کسی چیز کو واجب کرے۔ دوسرے یہ کہ ترک واجب پر واجب علیہ کو ملامت یا عقوبت ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ پر ایسا کون قاہر ہے۔ جو ترک واجب پر ملامت کرے۔ پھر اس کی ذاتِ پاک اس سے منزہ و متعالی ہے کہ وہ مستحق ملامت و عقوبت ہو، تعالیٰ شانہٗ علواً کبیراً۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ وہ مالک و مختار ہے۔ اپنے بندوں کے حق میں اُس نے جو چاہا کیا۔ کسی کو مجال نہیں کہ اِس کے متعلق اُس سے سوال کرے کہ تو نے کیوں کیا۔ اور کیا کیا۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ[1]

اس قول کی بنا پر معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نیک کو ثواب اور بد کو عذاب دینا خدا پر واجب ہے۔ مگر ہمارے نزدیک سرے سے خدا تعالیٰ کی ذات پر کچھ واجب نہیں ہے۔ چنانچہ بیان ہوا۔ لیکن حدیث شریف میں جو اس قسم کے الفاظ آئے ہیں۔ حَقٌّ عَلَی اللہِ اور مَا حق العبادِ علی اللہ تو یہ الفاظ مُاوّل ہیں۔ اُن کی تاویل صفاتِ ربوبیت کے مناسب و مطابق کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ اوپر کے الفاظ میں خدا پر حق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ انجاح وعدہ میں مبالغہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وعدہ کی وفا اللہ کے نزدیک ایسی ہے۔ جیسے تمہارے نزدیک کسی امر واجب کا بجالانا۔ اور یہ جو فرمایا حق العباد علی اللہِ یعنی جب بندہ اللہ تعالیٰ

---

[1] خدا کے فعل کا اُس سے سوال نہ ہوگا۔ اور لوگوں سے اُن کے افعال کے متعلق پوچھا جائیگا۔

حکم کے مطابق کام کرتا ہے۔ تو مستوجب ثواب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس ثواب کو جزائے حق تعم
ہے۔ لفظ حق سے یاد کیا۔ اسی طرح جزائے مکر کو مکر سے اور جزائے خداع اور استہزا کو لفظ
خداع اور استہزا سے حالانکہ ان الفاظ میں سے کسی ایک کو خدا پر اطلاق کرنا روا نہیں۔
مگر اسی طریق پر جس کے موافق قرآن ناطق ہے۔ وَیَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰہُ
اور یُخَادِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ اور اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِہِمْ
پس ان دلائل سے ثابت ہے کہ خدا پر جزائے محسن اور سزائے مسیئی و مذنب واجب
نہیں ہے۔ ہاں اس نے وعدہ فرمایا ہو کہ وہ نیک کاروں کو نیکی کی جزا عطا فرمائیگا
اور اس کا وعدہ سوائے صدق کے نہیں ہوتا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ
اسی طرح بدکار لوگ اپنی سزائے اعمال کو ضرور پہنچیں گے۔ کیونکہ وہ رحم و لطف کے
قابل نہیں۔ اس دلیل سے کہ خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ میں اُن کی مغفرت نہ کرونگا
رہے گنہگاران اہل ایمان تو اُن سے عذاب کی تخفیف اور اُس سے تجاوز عقلاً
و شرعاً جائز ہے۔ اس بارہ میں یہ دلیل کافی ہے۔[1] اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ
یُّشْرَکَ بِہٖ شَیْئًا وَّ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ دوسری یہ آیت
قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ
رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اور یہ ظاہر ہے کہ مراد عبادی سے اہل ایمان ہیں۔ حاصل معنی یہ ہیں کہ
میرے اُن بندوں سے جو اپنی جانوں پر اسراف کرتے ہیں۔ کہدو کہ خدا کی رحمت
سے ناامید نہ ہوں۔

نیز اس باب میں احادیث کثرت سے وارد ہیں۔ اور اُن کے معنی اس قدر صاف
ہیں کہ اُن میں کسی تردد و تاویل کی گنجائش نہیں۔ یہ تو شرع کی رو سے ہے رہا
عقلاً اس کا مستحسن و پسندیدہ ہونا تو وہ ظاہر ہے کہ جب بندہ موحد ہے اور توحید
و رسالت کا معتقد و معترف اور یہی بات یعنی خدا اور رسول پر ایمان لانا اصل طاعت
ہے۔ اب وہ خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی رسالت، روز آخرت، بعث بعد الموت
وغیرہ ضروریات دین کا تو دل سے معتقد ہے۔ لیکن دوسرے عبادات شرعی اتباع

[1] بیشک اللہ اُس شخص کی مغفرت نہیں کریگا۔ جس نے کسی چیز کو اُس کا شریک بنایا۔ اور اُس کے
سوا جس کو چاہے بخش دے۔

اوامر و احتراز از نواہی میں اُس سے ثابت ہوا۔ اور شہوت کی ہوتی ہے یعنی نفس امارہ
اُس پر غلبہ پاکر اس کو پابندی احکام خداوندی سے باز رکھتی ہے پس ایسے شخص کے
گناہوں سے تجاوز اور اُس سے تخفیف عذاب اقتضائے کرم ہے۔ اور وہ ہر
حالت میں محمود ہے۔ جب تک اصل ایمان اُس کے دل میں راسخ ہے۔ اس لئے کہ وعید
میں تخفیف نہ تو باب خلف سے ہے۔ اور نہ بعید طریق حکمت سے ہے۔

مسئلہ تحسین و تقبیح

(معتزلہ کے خلاف اہل حق کا ایک مسئلہ یہ ہے) کہ تحسین و تقبیح میں عقل کو
کوئی دخل نہیں۔ نیک کام وہی ہے جس کی تحسین شرع کرے۔ اسی طرح بد وہ ہے۔
جس کی تقبیح شریعت کرے۔ عقل کو بدون دلالت شرع کے حسن و قباحت کی
شناخت میں کوئی سبیل نہیں۔ کیونکہ اگر عقل مدار تحسین و تقبیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ
عقل کی مخالفت پر عذاب کرتا۔ اور انبیا علیہم السلام کی بعثت پر عذاب معلق نہ
ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا
یعنی ہم کسی پر عذاب نہیں کرتے۔ جب تک اُس پر رسول نہ بھیج دیں۔ اور معرفت
صانع اور حدوث عالم کی بوجہ احسن بجز طریق انبیا کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس لئے
کہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ فرع ہے اور بدون فرع کے اصل کا پتہ مشکل ہے
لہٰذا اسما و صفات و احکام باری تعالیٰ انبیا ہی کے توسط سے بندوں کو پہنچتے
ہیں۔ اور جو کچھ بندوں پر اوامر و نواہی کی قسم سے واجب ہوتا ہے۔ وہ بھی انبیا ہی
کے توسط سے ہاں عقل حجت الٰہی ہے کہ اُس کے سبب بندوں پر تکلیف وارد ہوتی
ہے۔ اور اُس کے نہ ہونے کی حالت میں تکلیف بھی اُٹھالی جاتی ہے۔ اور یہی عقل
شریعت کی تحسین کی ہوئی چیز کے نیک سمجھنے اور تقبیح کی ہوئی چیز کے بد جاننے
میں ایک ذریعہ اور آلہ ہے۔ اگر صرف عقل کی تحسین و تقبیح پر مدار کار ہوتا۔ تو بھلا
عقل اس بات کو کیونکر پسند کرتی کہ دین کی خاطر ماں باپ کو قتل کر دیا جائے
یا صرف ایک دینار یا اس سے کم مقدار چیز کے چرانے میں چور کے ہاتھ کاٹ
دیئے جائیں۔

سوال منکر و نکیر

ایک مسئلہ یہ ہے کہ منکر نکیر کا سوال اور عذاب قبر حق ہے چنانچہ احادیث صحاح سے ثابت ہے۔ اکثر معتزلہ اس کے منکر ہیں۔ اور شبہات وارد کرتے ہیں اس مسئلہ کے باب میں ان کے شبہات کا جواب دینا ہم اطاعت وقت سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ جو شخص مسلمان ہے۔ وہ اُن تمام باتوں کا معتقد و معترف ہے۔ جو توسط نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُس کو پہنچی ہیں۔ عذاب گور کے متعلق یہ آیت کافی ہے۔ اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ۔ اس کے سوا دوسری آیات بھی ہیں جن سے بطریق تاویل عذاب گور کا اثبات ہوتا ہے۔ جس میں کسی قسم کے شبہ کو گنجائش نہیں۔ ایسا ہی منکر نکیر کے سوال کے ثبوت میں احادیث وارد ہیں۔ نیز اُس کا علم امم سابقہ سے مستفیض ہے۔ یا اخبار تواتر کہ اُس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ اس سے وہی انکار کر سکتا ہے۔ جس کو اپنی عقل جزئی پر اخبار انبیاء سے زیادہ وثوق ہو۔

جنت و دوزخ موجود و مخلوق ہے

ایک مسئلہ یہ ہے کہ بہشت و دوزخ مخلوق اور موجود و معد ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ جزا کے وقت جنت و دوزخ پیدا کی جائے گی۔ اس باب میں معتزلہ پر نصوص قرآن و احادیث صحاح جو حد تواتر کو پہنچتی ہیں۔ حجت ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری جورو جنت میں رہو۔ اور اُس میں سے جو چاہو کھاؤ۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں مراد جنت سے وہ باغ ہے جس میں آدم و حوا اور ابلیس رہتے تھے۔ نہ جنت الخلود۔ جواب یہ ہے کہ قرآن شریف میں آدمؑ کی جنت کا ذکر متعدد جگہ آیا ہے۔ اور ہر جگہ اس جنت کو الف و لام سے یاد کیا گیا ہے۔ اور یہ ٹھیک نہیں کہ جو چیز معہود نہ ہو۔ اس کو الف و لام سے یاد کریں پس ثابت ہوا کہ مراد اس سے جنت معہود ہی ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ نے حضرت

آدم علیہ السلام کو فرمایا۔ اِنَّ لَكَ اَنْ لَا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَاِنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى اور ظاہر ہے کہ یہ صفات اس جہان کی بقا میں نہیں پائی جاتیں +

اگر کوئی شخص دعوے کرے کہ وہ آدم ابو البشر نہیں تھے۔ بلکہ دوسرے آدم تھے جس سے جنت مذکورہ میں نافرمانی سرزد ہوئی۔ تو یہ بات خلاف اجماع کے ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ تو جو چیز ہنوز معدوم ہے اُس کی نسبت کیسے کہہ سکتے ہیں کہ تیار کی گئی ہے +

تیسرے یہ کہ قرآن میں ہے وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى پس یہ جائز نہیں کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس شے معدوم کو دیکھا ہو۔ باوجود اس کے کہ ان آیات میں کوئی اشتباہ نہیں ہے۔ تاہم احادیث وصحاح سے اُس کی اور بھی توثیق ہوتی ہے۔ جس کی مخالفت ضلالت و گمراہی ابدی ہے چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ اگر جنت و دوزخ معدوم ہوتی تو آپکا فرمانا مستقیم نہیں ہوتا۔ ایک جگہ فرمایا دخلت الجنّۃ تو کیا آپ شے معدوم میں داخل ہوئے۔ ایک جگہ فرمایا اشتکت النار الیٰ ربّھا دوزخ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی۔ اگر دوزخ معدوم ہوتی۔ تو شکایت کس طرح کرتی۔ ایک جگہ فرمایا فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٌ فِي الشِّتَاءِ وَذَالِكَ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ فِي الْبَرْدِ مِنْ زَمْهَرِيْرٍ وَنَفَسٌ فِي الصَّيْفِ وَذَالِكَ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ فِي الْحَرِّ یعنی اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو (سال میں) دو سانس لینے کی اجازت دی۔ ایک تو موسم سرما میں اور یہ زیادہ سخت ہے۔ اُس سے کہ تم سردی میں پاتے ہو۔ اور ایک سانس موسم گرما میں۔ اور یہ زیادہ سخت ہے۔ اُس سے کہ تم گرمیوں میں محسوس کرتے ہو۔ اگر یہ بیان اس حدیث میں اس صفت کے ساتھ نہ بھی ہوتا۔ تو اس باب میں جمارع

لہ تحقیق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس (جبرئیل) کو دوسری مرتبہ دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک اُس کے نزدیک جنت الماویٰ ہے +

اُمّت کافی ہے۔

مسئلہ شفاعت

ایک مسئلہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت اہل کبائر کے حق میں ثابت وجائز ہے۔ اور آپؐ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میری شفاعت ہر ایسے شخص کو پہنچے گی جس نے خدا کے ساتھ شریک نہ کیا ہو۔ اور جس شخص کے حق میں مغفرت جائز ہے۔ اُس کے حق میں شفاعت بھی جائز ہے۔ اور ہم اس بات کو اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اہل کبائر دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہے۔ اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔ اور اگر اُن کو عذاب کرے تو وہ عذاب مخلد نہ ہو۔ بلکہ وہ دوزخ سے نجات پائیں۔ باوجودیکہ وہ گناہوں پر مصر تھے۔ اور قرآن میں وارد ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ وہ شفاعت جس کی اجازت نہ ہوگی۔ وہ اہل شرک کی شفاعت ہے۔ چنانچہ اُن کی بابت فرمایا فَمَا تَنْفَعُھُمْ شَفَاعَۃُ الشّٰفِعِیْنَ اُن کی شفاعت کی نفی اس لیے ہے کہ وہ دنیا سے حالت کفر میں گئے ہیں۔ اور یہی اصل ہے۔

اثباتِ شفاعت کی اُن لوگوں کے حق میں جو دنیا سے با ایمان گئے ہیں۔ حضرت جابر ابن عبداللہ انصاریؓ نے فرمایا کہ شفاعت خدا کی کتاب میں مبین و روشن ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی فَمَا تَنْفَعُھُمْ شَفَاعَۃُ الشّٰفِعِیْنَ کہ اُن کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دیگی۔ شفاعت کی حدیث کو کبار صحابہ نے روایت کیا ہے۔ جن میں خلفائے راشدین، عقبہ ابن عامر، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، ابوامامہ، عوف ابن مالک الاشجعی، مقداد ابن معدیکرب، اور عبداللہ ابن الجدعاء رضی اللہ عنہم اجمعین شامل ہیں۔

نیز حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے حضرت رسول کریمؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ ان دلائل واضحہ اور اتفاق قرن اول کے بعد اثبات شفاعت کے خلاف معتزلہ کو کوئی تمسک نہیں رہا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ منکرین

شفاعت اس بات کے معتقد ہیں کہ عقل جس امر کی تحسین کرے۔ وہ حسن ہے۔ اور عقل جس بات کی تقبیح کرے۔ وہ قبیح ہے۔ یعنی مدار تحسین و تقبیح عقل ہی ہے۔ پھر شفاعت کیونکر جائز ہوسکتی ہے۔ کیونکہ عقل خود اس بات کو پسند کرتی ہے کہ اگر مومن صادق طاعت گذار توحید وریالت اپنے گناہوں میں لتھڑا ہوا حضور خدا کے پاس آئے۔ تو چونکہ اہل طاعت یعنی ایمان اُس میں موجود ہے پس اُس کے گناہوں سے درگذر ہی پسندیدہ ہے۔ اور اُس کا مخلد فی النار ہونا کسی صورت میں عقل کے نزدیک مستحسن نہیں ؛؛

مسئلہ اثبات کرامت

ایک مسئلہ اثبات کرامت کا ہے نیک اور صالح بندگان خدا کے حق میں۔ اور اُس کی حقیقت تسہیل حال مکلّف ہے (یعنی مکلّف صالح کو افعال خارق عادت کے ذریعہ اپنے کام میں آسانی اور سہولت ہوتی ہے) ایسے خارق عادات کے ذریعہ کہ مثل اُس کے معہود اور معمول خلائق نہ ہو۔ جیسے ہوا پر اُڑنا۔ پانی پر چلنا۔ ایسے مقامات پرسے بے تکلف نکل جانا۔ جو دروازہ یا منفذ نہ رکھتے ہوں۔ تھوڑے وقت میں مسافت دور و دراز کاطے کرنا۔ ضرورت کے وقت کھانے پینے کی چیزیں غیب سے مہیا کرنا۔ سباع حیوانات وحشی اور موذیات کو مسخر کرنا۔ یہ اور اُن کی نسبت دوسری چیزیں تمام خوارق و عادات سے ہیں۔ معتزلہ اور اکثر متکلمین اس کے خلاف ہیں اور ایسی باتوں کو جائز نہیں رکھتے، اور اُس پر یہ شبہ وارد کرتے ہیں کہ کرامت کا جواز صالحین کے حق میں مفضی ہوتا ہے۔ التباس معجزات اور دلیل نبوّت کو پھر کرامت و معجزہ میں فرق و تمیز کیونکر ہوسکتی ہے[1] پس اگر غیر انبیا سے ایسی باتیں دیکھی جائیں۔ تو وہ شعبدہ بندی اور شعبدہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ لیکن صالح بندوں سے جو کرامت صادر ہوتی ہے۔ وہ صرف دعا ہے جو خدا تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ اور اُس کی اجابت کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے پانی برسنا وغیرہ ؛؛

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اثبات کرامت عام لوگوں کے حق میں روا

---

[1] اس بحث کو ہم نے اسی کتاب کے تکملہ میں بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۲

نہیں رکھتے ۔ یعنی یہ نہیں کہتے کہ نیک و بد صالح و طالح صادق و کاذب سب سے کرامت کا صدور جائز ہے تاکہ اس سے کوئی شبہ یا مخطور پیدا ہو ، اور مدعی اُس کو حجت کرلے ۔ بلکہ ہم صدور کرامت ایسے بندوں کے حق میں ثابت کرتے ہیں ۔ جو برگزیدگان جناب الٰہی ہیں اور جن کی ولایت اتباع نبوی اور کامل متابعت شریعت انبیا علیہم السلام سے درجہ ثبوت کو پہنچی ہے ۔ ایسے ولی مکرم سے افعال خارق عادات کا صادر ہونا اس کی تمامی بزرگداری اور نیز اس امر کی کامل دلیل ہے کہ وہ پورے طور پر شریعت انبیا کا تابع اور ارشاد و تلقین کا اہل اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت و رسالت کا مصدق و مؤید ہے ۔ اس صورت میں ولی موصوف مطیع شریعت و نبوت حقیقت میں نبی کے معجزات کا مؤید اور مصدق ہو جاتا ہے نہ مدافع و مناقض ۔

ایک بات یہ ہے کہ کرامت ایک ایسا امر ہے جو بر سبیل حجت و ارادت صادر نہیں ہوتا ۔ اور معجزہ بر سبیل حجت و برہان نبوت بروقت تحدی صادر ہوتا ہے اور دعویٰ نبوت کے بعد پیش کیا جاتا ہے ۔

اثبات کرامت کی دلیل ایک تو حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہے فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ یعنی جب زکریا حضرت مریمؑ کے پاس جو محراب میں تھیں آئے اور اُن کے پاس رزق رکھا ہوا دیکھا ۔ تو پوچھا اے مریم تمہارے پاس یہ کہاں سے آیا ۔ مریمؑ نے کہا اللہ کے پاس سے بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے ۔ تو جب ایک عورت ذات سے ایک نبی مرسل کے حضور ایسی کرامت ظاہر ہو کہ انہیں غیب سے طعام و فواکہات پہنچیں ۔ باوجودیکہ کسی شخص کو ان تک پہنچنے کی کوئی سبیل نہ ہو ۔ اور پیغمبرؑ اُس کو دیکھ کر تعجب کرے اور آگاہ نہ ہو کہ یہ کہاں سے پہنچا ۔ تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس خیر الامم کے کسی برگزیدہ حق سے اس قسم کی کرامت ظاہر ہو ۔

دُوسری دلیل حضرت سلیمان علیہ السلام کے صاحب (حضرت آصف برخیا) کا قصّہ ہے کہ اُنہوں نے کہا۔ مَیں پلک جھپکانے کے پہلے تمہارے سامنے تخت بلقیس کو لاکر حاضر کر دونگا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ قرآن کریم میں مذکور ہے قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ ؞

تیسری دلیل قصّہ اصحاب کہف کی ہے۔ جو چند عجائب واقعات پر شامل ہے۔ اور وہ بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ (دیکھو سُورۂ کہف) ؞

اس باب میں اصحابِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے زمانہ مبارک میں اور نیز آپ کے بعد اتنی کرامات ظہور میں آئی ہیں کہ اگر ہم اُن سب کو نقل کریں تو کتاب میں خاص ضخامت پیدا ہو۔ اُن میں سے ایک حدیث عباد بشر اور سید حضرمی کی ہے کہ شب تاریک میں اُن کی عصا ایسی ہوگئی جس کے سہارے وہ اپنے گھر تک پہنچ گئے۔ اور اسی طرح حدیث طفیل موسیٰ کی کہ روشنی سر سے زانو تک معلق تھی اسی طرح ام ایمن کی حدیث میں ہے کہ وہ ہجرت کر رہی تھیں۔ رستہ میں جب ان پر تشنگی غالب ہوئی۔ تو اُن کے لیئے آسمان سے ایک ڈول پانی کا بھرا ہوا نیچے آیا۔ اور انہیں جرعہ جرعہ پانی پلاتا رہا۔ جب وہ سیر ہوگئیں۔ تو ڈول اٹھا لیا گیا۔ اسی کی مثل ام شریک سے بھی مروی ہے ؞

حضرت ابو بکرؓ کا قصّہ مروی ہے کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا۔ ھُمَا اخوکِ واختاکِ حالانکہ اُس وقت حضرت عائشہؓ کی ایک ہی بہن تھیں۔ اور ان کی والدہ حاملہ تھیں۔ انہیں حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد لڑکی ہوئی ؞

حضرت عمرؓ[1] کا قصّہ ہے کہ ایک شخص ساریہ نامی نہاوند میں میر لشکر تھا۔ اور حضرت عمرؓ مدینہ میں تھے کہ آپ نے یکایک فرمایا یا سارِیَۃَ الْجَبَلَ الْجَبَلَ اتنی مسافت بعیدہ سے حضرت ساریہ نے اس آواز کو سُنا۔ اور دشمن کا کمین لگائے ہوئے

[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان دونوں واقعات کو ہم بالتفصیل تکملہ میں بیان کر دیا ہے ؞ دیکھو تکملہ صفحہ کتاب ہذا ؞

پہاڑ کی آڑ میں بیٹھا تھا۔ اس آواز کو سنتے ہی سراغ لگا لیا۔
نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کو ایک رقعہ لکھا جس کی عبارت یہ تھی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من عبد اللہ عمر امیر المؤمنین الیٰ نیل مصر اما بعد ان کنت تجری با مرک فاجتنب لاحاجۃ لنا نیلک وان کان العزیز الجبار اجراک بلطفہ وقدرتہ فاجر ماجریٰ والسلام علی من اتبع الھدیٰ آپ نے فرمایا اس کو نیل میں ڈال دیں۔
حضرت علی الحضرمی کی حدیث بھی اس قسم کی ہے کہ انہوں نے لشکر اسلام کو دریا میں ڈال دیا۔ اور عجمی جو بھاگ رہے تھے ان کا تعاقب کیا۔ آپ نے گھوڑے کو پانی میں ڈالتے ہوئے فرمایا کہ کسی کی کوئی چیز پانی میں گر جائے تو تو مجھے اطلاع دے۔ ایک شخص نے کہا کہ میرا کاسہ چوبین گر پڑا ہے۔ چنانچہ آپ نے نیزہ کی نوک سے اس کا پیالہ نکال دیا۔
حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں بطریق صحت نقل ہے کہ آپ نے سم ساعۃ (وہ زہر جو فوراً ہلاک کر دے) تناول کیا۔ لیکن بفضل خدا آپ پر اس کا مطلق اثر نہیں ہوا۔ غرض صحابہ تابعین اور صلحائے اُمت سے اس قسم کے اکثر کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔ جن کا احصار دشوار ہے۔ بعد عدول اُمت نے ان کو جمع بھی کیا ہے۔ پھر بھی بہت سے واقعات نقل ودرج سے رہ گئے ہیں۔ باوجود ان دلائل و براہین کے کرامت سے انکار کرنا سوائے خذلان اور خواری ہر دو جہان کے اور کیا ہے۔ نعوذ باللہ۔

معدوم شے نہیں ہے

ایک مسئلہ یہ ہے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ معدوم شے ہے۔ اہل حق کا مذہب ہے کہ معدوم کوئی چیز نہیں۔ معتزلہ اپنے قول سے بہت سے شبہات وارد کرتے ہیں ہمیں ان سب کو نقل کرنے کی حاجت نہیں۔ ان کا جواب حرف یہی کافی ہے کہ ہم کہتے ہیں خدا کا قدم میں منفرد ہونا دلائل قاطع اور حجج ساطع سے ثابت ہے

اور تمہارے قول سے لازم آتا ہے کہ خدا کے ساتھ کوئی اور شے بھی ہوگی۔ اس سے عالم کا قدم لازم آتا ہے۔ اور یہ باطل محض ہے۔ معتزلہ اس آیت سے تمسک کرتے ہیں کہ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنٰهُ اَنْ نَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ جواب یہ ہے کہ اس کو شے اس واسطے کہا کہ آئندہ شے ہوگی۔ گویا تقریر آیت کو اس طرح ہے اِنَّمَا قولنا اِذَا اردناہ یکونُ شیئًا پس یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیات تفہیم خلق کے لیئے اس طرح آئی ہے کہ مجازاً اس کو لفظ شے سے یاد کیا۔ تاکہ سمجھ میں آجاوے۔

خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ فرمایا ہے کہ معدوم شے نہیں ہے۔ چنانچہ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَیْئًا اور فرمایا۔ اَوَلَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْئًا اگر کہا جاوے یہ تو ایسی چیز سے خبر دی ہے جو اس سے پہلے نہ تھی۔ جیسے فرمایا هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا جواب یہ ہے کہ بغیر وجود دلیل کے نص کو حقیقت سے مجاز کی طرف لے جانا کوئی قاعدہ نہیں ہے یہاں نہ تو کوئی دلیل موجود ہے۔ اور نہ مجاز پر کوئی عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ تمہارا تمسک بدلیل مجاز پر ہے۔ اس لیئے کہ ظاہر آیات متعارض ہوتی ہیں۔ اور تمہارے تمسک پر مجاز سے عالم کا قدم لازم آتا ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے اس علم سے کہ فلاں شے زمانہ آئندہ میں ہوگی۔ اس شے کا ہونا لازم آتا ہو تو ماننا پڑے گا کہ خدا کی اس دانست سے کہ فلاں جسم زمانہ آئندہ میں وجود میں آئے گا۔ تو اس کی صحت کا ہونا لازم آئے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے۔ جس کو کوئی ذی عقل تسلیم نہیں کرے گا پس ثابت ہوا کہ معدوم کوئی شے نہیں ہے اور کسی چیز کو شے اسی وقت کہہ سکتے ہیں۔ جب وہ وجود میں آجائے۔ قبل وجود کے معدوم کو ہرگز شے نہیں کہہ سکتے۔

آٹھویں فصل

جواز و اثبات نسخ آیات میں اور بعض مسائل روافض کی تردید میں

نسخ سے مراد یہ ہے کہ پہلے حکم کو دوسرے حکم کے ذریعہ اٹھا دیا جائے۔ اور یہ نسخ یا کتاب سے ہوتا ہے یا سنت سے۔ اور سوائے انبیا علیہم السلام کے نسخ کسی دوسرے کے بیان سے نہیں ہو سکتا (نسخ کوئی جدید بات نہیں ہے بلکہ) آدم علیہ السلام سے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک تمام شریعتوں میں نسخ پایا جاتا ہے اسی طرح ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں نسخ موجود ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھو کہ نسخ احکام جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بقا کے ساتھ مشروط تھا۔ آپ کی وفات کے بعد مرتفع ہو گیا۔ انقراض عالم تک (یعنی اب قیامت تک خدا اور رسول کے حکم میں نسخ نہیں ہو سکتا۔ یہ اس لئے کہ نبوت آپ کے بعد ممکن نہیں۔ اور جب نبی کا ہونا امکان نہیں رکھتا۔ تو نسخ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ نبی ہی کے خبر و بیان سے ہو سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت کی شریعت مکمل اور کامل شریعت ہے۔ اور قیامت تک تمام زمانوں اور حالتوں اور ملکوں کے موافق۔ پس جب نسخ کی ضرورت ہی نہیں۔ تو نسخ کیونکر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا آنحضرت کی وفات کے بعد نسخ بالکلیہ ناجائز اور غیر ممکن ہے) اس واسطے کہ آپ کے بعد کوئی شریعت نہیں ہو گی۔ نسخ کے منکر یہودی ہیں۔ اور منع نسخ میں اُن کے مذاہب مختلف ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک مذکورہ بالا نسخ جائز اور شرعاً مستحسن اور از روئے عقل بھی درست ہے۔

جواز نسخ کے دلائل

جواز نسخ میں یہ دلائل کافی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم

کیا تھا کہ اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بیٹے کے ساتھ کردو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ بعد ازاں
ممنوع ہوگیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم کو فرمایا کہ اپنے بیٹے کو قربان کر یہ بھی اُن کے
بعد منسخ ہوگیا۔ اسی طرح دو خواہرین جمع کرنا حضرت یعقوب کی شریعت میں جائز تھا
مگر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہوگیا۔ اور نیز حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت
میں چرنے والے حیوانات مباح تھے۔ اور حضرت یعقوب نے اونٹ کا گوشت اپنے اوپر
حرام کر لیا تھا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اکثر حیوانات حرام ہو گئے۔ یہ
تمام بیان طریق شرع سے اُن پر حجت ہے۔ لیکن یہودی موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی
نسخ کے معتقد نہیں۔ کیونکہ وہ اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد
کوئی جدید شریعت ہی نہیں۔ بلکہ انہیں کی شریعت کو کامل شریعت اور اس کے احکام
کو تا قیامت باقی و جاری سمجھتے ہیں (حالانکہ توریت وغیرہ کتب سے ثابت ہے کہ
موسیٰ علیہ السلام نے کبھی اپنی شریعت کو آخر شریعت اور خود کو آخر انبیاء نہیں کہا ہے۔
بلکہ انہوں نے اپنے بعد کے آنے والے انبیا کی خصوصاً جناب نبی آخر الزمان صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کی بشارت دی ہے۔ جیسا کہ ہم باب گذشتہ میں بیان
کر چکے ہیں) اہل ایمان نے نسخ کا ثبوت کتاب و سنت سے کیا ہے۔ اور اس کو عقلاً مستحسن
جانا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ جس طرح کسی حکم کا اثبات حکیم سے برحسب مصلحت پایا جاتا
ہے۔ اسی طرح اس حکم کا اٹھا دینا بھی حکیم کی مصلحت پر مبنی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم
طبیب کسی مریض کو ایک وقت کسی دوا کے استعمال کی ہدایت کرتا ہے۔ پھر دوسرے
وقت اُس کے استعمال سے منع کرتا ہے۔ اور بجائے اُس کے کوئی دوسری دوا استعمال
کراتا ہے۔ اُس کے دونوں حکم مصلحت کے موافق اور مریض کی طبیعت کے مطابق سمجھے
جاتے ہیں۔ یہ تغیر صرف تغیر حالت بیمار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ورنہ طبیب اپنی تاکید
پر رہے (یہی وجہ نسخ احکام کی سمجھنا چاہیئے) +

بدا کی حقیقت

اگر منکر نسخ اعتراض کرے کہ اس معنی کا اثبات خدا وند عالم تعالیٰ کے حق میں
مقتضی ہوتا ہے۔ بدا کو اور بدا حق تعالیٰ پر روا نہیں ہے۔ جواب یہ کہ بدا اُس چیز

بیان و توضیح کو کہتے ہیں۔ جو پوشیدہ ہو یا تلافی ہو خطائے گذشتہ کی اور نسخ کہتے ہیں اختلاف حکم کو موافق اختلاف وقت اور زمانہ کے۔ اس کی مثال بندوں کے احوال ہیں جیسے صحت و مرض فقر و غنا اور عافیت و بلا اور حیات و ممات کی ہے اور دوسری مثال اختلاف احوال عالم میں موجود ہے۔ جیسے ایجاد و فنا تو اُن میں سے جب کسی بات میں بدا لازم نہیں آتا۔ تو نسخ کی صورت میں کیونکر خدا پر بدا لازم آسکتا ہے۔

ان کی جہالت سے تعجب ہے کہ یہ نسخ کے صرف اس وجہ سے قائل نہیں کہ اُن کے زعم میں اس سے خدا پر بدا لازم آتا ہے۔ اور خود اُن میں کا ایک فرقہ جس کو کیسانیہ کہتے ہیں۔ خدا پر بدا جائز رکھتا ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا یہ بات کسی عاقل پر مخفی نہیں کہ جو چیز محل حوادث ہے وہ حادث ہے اور اللہ تعالیٰ قبول حوادث سے منزہ ہے۔ اور صفت حادث سے اس کا اتصاف درست نہیں۔ حق یہ ہے کہ اُن کا (شیعہ) کا قول بدا کے باب میں یہودیوں کے قول سے بھی جو باب نسخ میں ہے۔ بدتر ہے۔

روافض کا قول کہ پیغامبر مشرک سے پیدا نہیں ہوتا

اباطیل روافض سے ایک بات یہ ہے کہ کہتے ہیں روا نہیں ہے کہ پیغامبر کسی مشرک سے پیدا ہو۔ یا مشرک پیغامبر سے پیدا ہو۔ حالانکہ قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ موجود ہے۔ کہ اُن کے باپ آذر بت تراش تھے، (لیکن جو بعض مفسرین نے پدر ابراہیم علیہ السلام کا نام تارخ لکھا ہے اور آذر کو ان کا چچا کہا ہے۔ تو واضح ہو کہ تارخ کا مومن ہونا بھی کسی تفسیر سے ثابت نہیں۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے)۔

نیز حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ کہ اُن کا باپ غیر اہل ہیں مرگیا۔ غرض یہ دونوں واقعات (اور نیز اُن کے سوا) اس امر کے مبین اور واضح کرنے والے ہیں کہ روافض کا یہ قول کہ پیغامبر کا مشرک سے اور مشرک سے پیغامبر کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ (حالانکہ نوح پیغامبر تھے۔ اور اُن کا بیٹا کنعان کافر تھا یہ بھی قرآن کریم سے ثابت ہے)

اور یہ جو کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں ناقلاً من نوح علیہ السلام ...
فرمایا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا
كَفَّارًا ٥ یعنی نوح نے کہا بے شک اگر تو ان کو چھوڑ دے گا۔ تو وہ تیرے بندوں
کو گمراہ کریں گے۔ اور اُن سے پیدا نہ ہونگے۔ مگر کافر بدکار۔ کہتے ہیں کہ اس آیت
سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر سوائے کافر بے سامان سے وجود میں نہیں آتا۔ تو اُن
کی یہ دلیل فاسد ہے۔ کیونکہ اس کا حکم تخصیص قوم نوح کے ساتھ ہے کہ حق تعالےٰ
نے ان کے ہلاک کا حکم کیا تھا۔ اور وحی کی تھی کہ تیری قوم سے سوائے اُن لوگوں
کے جو ایمان لائے۔ دوسرا کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ چنانچہ فرمایا وَاُوْحِيَ اِلٰى
نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ حضرت نوح نے
اس آیت سے معلوم کیا کہ جو لوگ پیدا ہوں گے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ
اُن کے فرزند بھی قوم نوح سے تھے۔ پس حضرت نوح کا یہ کہنا کہ اُن سے کافر ہی
پیدا ہونگے۔ اس قصہ کی بنا پر تھا۔ جس کی اطلاع اُن کو علم غیب کے ذریعہ
پہنچی تھی ۔

شیعہ کے قول کا ایک اور طرح سے ابطال

پھر ہم کہتے ہیں کہ اس تاویل کی بھی حاجت نہیں ہے یہ رافض کا قول
ظاہر نصوص کے بھی منافی ہے۔ اور حکم نص سے ثابت ہے کہ انبیا کا کافروں سے
پیدا ہونا جائز ہے۔ اور ماں باپ کا کفر اُن کی عصمت میں قادح نہیں ہوتا۔ ہاں
یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ انبیا کا نسب نکاح ہائے فاسدہ کی صحبت و عیب سے
پاک ہوتا ہے۔ اور نکاح کفار کا درست ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عورت مرد جب
دونوں مسلمان ہو جاتے ہیں۔ تو پھر تجدید نکاح کی حاجت نہیں ہوتی۔ اور وہی نکاح
سابقہ قائم رہتا ہے۔ الّا اس حالت میں کہ مجوسی ہو۔ اور اُس نے ذوات محارم سے
نکاح کیا ہو۔ تو ان میں تفریق کرا دینا چاہیئے۔ اور جاننا چاہیئے کہ انبیاء کے
نسب میں شائبہ فساد نہیں پایا جاتا۔ اور نہ مظنہ خلل واقع ہے۔ اس واسطے
کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو اشراف قبائل اور خیار بنی آدم سے منتخب کیا ہے۔ اور

ہمارے پیغامبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بہترین امت ہیں۔ بلحاظ شرف نفس اور کرم اخلاق، اور طہارت اصل اور شجاعت اور وجاہت کے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو کافہ انام سے برگزیدہ و منتخب کیا ہے۔ اور عہد آدمؑ سے ہمارے اس زمانہ تک ایسے بزرگ حضرات جو مومن سے متولد ہوں۔ خواہ کافر سے نسب میں خلل ہونے کی وجہ سے مستنکف رہے ہیں۔ اور خدا نے ان کو اس قسم کے معائب سے پاک و صاف کیا ہے کیونکہ یہ ایسا نقصیہ ہے۔ جو اصل سے فرع میں سرایت کرتا ہے۔ اور اس کا عیب اول سے آخر تک رہتا ہے۔ پس انبیا کو اس سے مبرا جاننا چاہیئے۔ لیکن کفر و ایمان کسی شخص کا اس کے صاحب سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ تو کسی شخص کا ایمان دوسرے سرایت کرتا ہے نہ کفر۔

کیا والدین آنحضرتؐ کی وفات کفر پر ہوئی؟

اور مذہب[1] اہل حق کا یہ ہے کہ مادر و پدر آنحضرتؐ کے کفر پر تھے۔ اور یہ

[1] چنانچہ شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری بعد نقل عبارت و والدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماتا علی الکفر یعنی آنحضرت کے ماں باپ نے کفر پر وفات پائی لکھتے ہیں کہ یہ عبارت رد ہے اس شخص کا جس نے کہا کہ والدین آنحضرت کے ایمان پر مرے یا ان کی موت تو کفر پر ہوئی۔ لیکن پھر خدا نے ان کو زندہ کیا پس ان کی وفات ایمان پر ہوئی۔ پھر ملا علی قاری کہتے ہیں کہ میں نے اس امر کے ثبوت و تائید میں ایک علیحدہ رسالہ لکھا ہے۔ اور اس میں جلال الدین سیوطی کے رسالہ کی جس میں انہوں نے والدین آنحضرت کا ایمان پر مرنا ثابت کیا ہے تردید کی ہے۔ اور ان لوگوں کی بھی تردید کی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ امام اعظمؒ کی شان کے لائق نہیں تھا۔ کہ والدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت ایسا لکھتے۔ کیونکہ اس میں اسائت ادب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ علمائے متاخرین میں مختلف طور پر مانا جاتا ہے۔

بعض والدین آنحضرتؐ کے ایمان کے قائل ہیں۔ اور بعض ان کی وفات کفر پر ہونے کے معتقد ہیں۔ پھر ایک گروہ علما کا ایسا ہے کہ جو اس قسم کی بحث کو بے ادبی خیال کرتا ہے بلکہ دوسرے سے اس فقہ اکبر کو جس میں والدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کفر پر ہونے کا ذکر ہے۔ امام اعظمؒ کی تصنیف نہیں کہتا اور بجائے اس کے وہ فقہ اکبر جو بروایت ابو مطیع بلخی مشہور ہے امام اعظمؒ کی تصنیف بتاتا ہے۔ سب علمائے متقدمین تو وہ سب کے سب اس بات کے قائل ہیں کہ ان کی وفات حالت کفر میں ہوئی۔ لیکن فقیر مترجم جناب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین شریفین کی بابت یہ سوء ظن کبھی نہیں رکھتا۔ اور بسبب اختلاف اقوال کے ان کے واقعات اور کفر و ایمان کی بحث کو یہ کہکر چھوڑ دیتا ہے کہ خدا اور رسول ہی ان کے حالات کو خوب جانتے ہیں۔

بات نقل درست سے ثابت ہے۔ ان میں سے ایک حدیث عیاض بن حمار مجالسی کی ہے وہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا۔ ان اللہ تعالیٰ نظر الیٰ اھل الارض فمقتھم عربیھم و عجمیھم الا بقایا من اھل الکتاب اور مراد بقا سے وہ لوگ ہیں نصاریٰ سے جو طریق حق پر مستقیم تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت نہیں اس طائفہ سے سوائے ورقہ بن نوفل کے کوئی نہیں تھا۔ اور قبل اس کے اہل مکہ سے زید بن عدی تھا۔ جو قریش کے خلاف تھا۔ باقی تمام بت پرستی اور عبادت اصنام پر مجتمع تھے۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالےٰ نے هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي

یعنی اللہ پاک ایسا ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ جو اُن پر اللہ کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا۔ اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم کرتا ہے۔ اور اگرچہ قبل اس کے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

اور ان میں سے ایک حدیث ابن ابی ملیکہ کی ہے کہ جب اُس نے آنحضرتؐ سے پوچھا میرا باپ کہاں ہے تو آپ نے فرمایا دوزخ میں۔ پھر عرض کیا ابن ابولث یعنی آپکا باپ کہاں ہے۔ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَرَرْتَ بِقَبْرِ كَافِرٍ فَبَشِّرْهُ بِالنَّارِ آپ نے فرمایا میں کافر کی قبر پر گذرا۔ تو اُس کو آتش دوزخ کی خبر دی۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ اپنی ماں کی قبر کی زیارت کو گئے۔ اور روئے ایسا کہ جو آپ کے گرداگرد تھے۔ اُن کو بھی رُلایا۔ پھر فرمایا میں نے خدا سے اپنی ماں کے استغفار کے لئے اجازت چاہی۔ مگر مجھے اجازت نہیں دی گئی۔ اور یہ حدیث درست ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں زار النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر امہ فبکی وابکی من حولہ فقال استاذنت ربی عن امی ان استغفر لھا فلم یوذن لی جب نقل درست سے قرناً بعد قرن درمیان امت کے یہ قضیہ درست و مشہور ہے۔ تو اس کی مخالفت سوائے ضلالت کے نہیں۔ اور سوائے اس کے کہ مسلمانوں میں فتنہ پھیلایا جاوے۔ اور نیز یہی مخالفین ابوطالب کے باب میں غلو کرتے ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ ان کا کفر ثابت ہو چکا ہے۔ حضرت رسول خدا

ابو طالب کا کفر

کے فرمانے حضرت علی کی شہادت اور علمائے سلف اور آئمہ دین کے بیان متواتر سے) روافض کہتے ہیں کہ ابوطالب مومن تھے۔ جو لوگ ان کو کافر کہتے ہیں جھوٹے ہیں۔ اور وہ اہل بیت سے تعصب و عداوت رکھتے ہیں۔ وغیر ذالک +

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اهون اهل النار عذاب ابی طالب وهو منتعل نعلين يغلی منهما دماغه یعنی سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کا ہے۔ وہ آگ کے جوتے پہنے ہوئے ہے جس کی گرمی سے اُس کا دماغ کھولتا ہے۔ اور آنحضرت نے فرمایا تھا یا عم قل لا اله الا الله كلمة احاج بها عنك فابى ان يقول لا اله الا الله یعنی اے چچا لا الہ الا اللہ کہدے کہ میں اس کلمہ کے ذریعہ تیری جانب سے خدا پر حجت کروں۔ تو ابوطالب نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کیا۔ (اور مرتے وقت کہا میں اپنے باپ عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں) اور حدیث میں ہے کہ جب ابوطالب نے وفات پائی تو حضرت علیؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے۔ اور کہنے لگے یا رسول اللہ ان عمك الضال قد مات یعنی آپ کا گمراہ چچا مر گیا۔ آپ نے فرمایا اذهب فواره یعنی جاؤ اُس کو دفن کر دو۔ اور آئمہ مجتہدین خصوص جناب ابوحنیفہ اور شافعی رضی اللہ عنہما نے جواز دفن کافر کے باب میں دفن ابوطالب پر تمسک کیا ہے۔ اور اس مسئلہ میں

لہ لکھا ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا۔ تو آنحضرت علیہ السلام ان کے پاس گئے۔ دیکھا کہ ابوجہل اور چند لوگ بیٹھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اے چچا کلمہ شہادت پڑھ دو کہ میرے پاس تمہاری مغفرت طلب کرنے کی ایک دلیل ہو۔ ابوجہل نے کہا کیا عبدالمطلب کے مذہب سے پھرے جاتے ہو اور بار بار یہی کہتا رہا حتی کہ ابوطالب نے آخری وقت میں کہا کہ میں اپنے باپ عبدالمطلب کی ملت پر مرتا ہوں۔ اور لا الہ الا اللہ نہیں پڑھا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم میں تمہارے لئے استغفار کرتا رہونگا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ یعنی نبی اور مومنوں کو نہیں پہنچتا کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت چاہیں۔ اگرچہ وہ اہل قرابت ہوں جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ دوزخیوں سے ہیں۔ یعنی ان کی موت کفر پر ہوئی ہے۔ اور وارد ہے کہ جب آنحضرتؐ نے ابوطالب پر ایمان پیش کیا۔ اور انہوں نے انکار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ۔ رواہ البخاری و مسلم ۱۲

بھی کہ کافر کی میراث مسلمان کو نہیں پہنچتی۔ حدیث ابو طالب سے استدلال کیا ہے کہ ابو طالب کے چار بیٹے تھے۔ طالب۔ عقیل۔ جعفر اور علیؓ ابو طالب کی میراث طالب و عقیل کو پہنچی۔ جو باپ کے طریق پر کافر تھے۔ اور جعفر و علیؓ کو نہیں پہنچی کہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ ابو طالب کا کفر امت میں حد تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ اگر کوئی جاہل عناد و تعصب کی راہ سے ابو طالب کے ایمان کا دعویٰ کرے تو اس کے قول کا رد واجب ہے اور اہل اسلام پر واجب ہے کہ وہ نقل مذکورہ کے مطابق ایمان و اعتقاد رکھیں ؞

متعہ کی تردید

روافض کی بدعات سے ایک نکاح متعہ[1] ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص ایک مقدار زر کے عوض میں کسی عورت کے ساتھ میعادی نکاح کرتا ہے۔ اور عورت مقررہ زر کے عوض میں اپنے نفس کو مثلاً دس روز یا کم مدت کے لئے مرد کی تفویض میں دیتی ہے اس قسم کا نکاح ابتدائے اسلام میں مباح تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرتؐ اکثر غزا کے لئے جاتے اور سرایا بھیجتے تھے۔ اور لوگ احکام جاہلیت کی طرف راغب تھے۔ ایسے وقت میں ہوا و شہوت پر صبر کرنا اور داعیہ شہوت کی مقاومت اُن سے دشوار تھی لہٰذا متعہ کی رخصت ہوئی۔ اس کو زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ متعہ حرام فرمایا گیا۔ اور چونکہ اس کا علم قرآن سے مستفیض نہ تھا۔ اگر کسی سے خلاف اس کے سرزد ہوا۔ تو

---

[1] متعہ کی حرمت قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ آیت ہے جو صاف طور پر متعہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ وَالَّذِیْنَ ہُمْ لِفُرُوْجِہِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِہِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ فَاِنَّہُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ یعنی اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیبیوں اور لونڈیوں پر تو (ان میں) ان کو کوئی الزام نہیں۔ ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے متعہ کی بابت پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ حرام ہے۔ اور میرے اور ان کے درمیان قرآن حاکم ہے۔ پھر یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ جو اس کے سوا خواہش کرے تو وہ حد سے گذر گیا۔ اس کو ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے بعد تصحیح تخریج کی (در منثور) ؞ قاسم ابن محمدؒ سے متعہ کا مسئلہ پوچھا گیا۔ تو فرمایا کہ حرام ہے۔ اور میں تو اس کی حرمت کو صریح قرآن سے دیکھتا ہوں۔ پھر یہی آیت پڑھی۔ عبدالرزاق و ابو داؤد نے اپنے ناسخ میں اس کی تخریج کی۔ (در) متعہ کے متعلق ایک دلچسپ اور فیصلہ کن بحث کے لئے دیکھو تکملہ صفحہ ــــ

ان کا یہی سبب تھا۔ بعد اس کے صحابہ و جمہور سے اجماع حاصل ہوا کہ نکاح متعہ حرام ہے۔ بھلا یہ دین کہتے ہیں کہ متعہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرام کیا ہے۔ اور متعہ حضرت علی کے مذہب میں حلال ہے۔ اس کا خلاف عمداً حضرت عمرؓ نے کیا۔ ورنہ متعہ حج[1] اور متعہ نکاح میں کوئی خلاف نہیں ہے۔ عجب یہ ہے کہ روایت حدیث نہی سے ایک حضرت علی بھی ہیں۔ چنانچہ اُن سے یہ حدیث مروی ہے[2]۔ ان النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نہی عن متعہ النساء ولحوم الحمر الاہلیۃ زمن خیبر۔ آنحضرتؐ نے عورتوں سے متعہ کرنے اور اہلی گدھوں کے گوشت کھانے سے زمان خیبر میں منع فرمایا ہے۔ تو گویا روافض کا اس مسئلہ میں خلاف کرنا محض اہل حق سے عناد ہے۔ جس طرح موزہ پر مسح کرنے میں انہوں نے دانستہ اہل حق کی مخالفت کی ہے کہ موزہ پر مسح کرنے کا ثبوت بھی حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ اور اس کے جواز پر اجماع امت ہو گیا ہے۔ روافض عدم جواز مسح کی نسبت بھی مثل جواز متعہ کے حضرت علی کی طرف کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے یہ دونوں عقائد خلاف احادیث نبویہ اور اجماع امت مرحومہ کے ہیں ✤

تقیہ کی تردید

ان کے عقائد فاسدہ سے ایک تقیہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی سے محترز نہ ہو یا اس کی زبان سے ڈرتا ہو تو اس کے لئے روا ہے کہ تقیہ کرے یعنی جو بات اُس کے دل میں ہے۔ اُس کا خلاف زبان سے ظاہر کرے۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت علی کی اطاعت بھی اسی قسم سے تھی۔ اور اسی بنا پر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی فضیلت میں جو کچھ فرمایا۔ وہ بھی اسی

---

[1] متعۃ الحج کے دو معنی ہیں، ایک یہ معنی تمتع یعنی فائدہ مند ہونے کے یعنی عمرہ کرنا حج کے ساتھ ایک سفر میں۔ حج کے مہینوں میں بغیر اس کے کہ گھر کو لوٹے یہ جائز ہے۔ دوسرے معنی میں حج کو کرنا عمرہ کے ساتھ اور احرام حج سے نکلنا۔ عمرہ کے افعال کے ساتھ بے عذر تو متعۃ الحج بالاجماع حرام ہے ۱۲ تحفہ ✤

[2] اس حدیث کے متعلق ہم نے پوری بحث تکملہ میں کی ہے۔ دیکھو صفحہ

قسم سے یعنی ازراہِ تقیہ تھا کہ آپ اُن میں سے ایمن نہ تھے۔ اور اُن کی زبان سے ڈرتے رہا تھے ۔

اگرچہ اس نالائق قول کا فساد کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن ہم اس خیال سے کہ بے علم لوگ ان کے فریب میں نہ آجائیں۔ اس کا جواب دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ وجہ فساد اس عقیدہ کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ایمان والو خدا سے ڈرو اور سچی اور درست بات کہو پس اُن کا تقیہ اس کے خلاف ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ اور خلاف مافی الضمیر کے اظہار کی اجازت دیتا ہے۔ حالانکہ خدا اپنے بندوں کو اس سے منع فرماتا ہے ۔

روافض اس آیت اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً سے استدلال کر کے تقیہ کو درست کہتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو دوستی کفار سے منع فرمایا ہے۔ اور کہا ہے کہ مشرکین کی موالات سے باطن و ظاہر میں مجتنب رہو۔ لیکن جس حالت میں کہ ایسا کرنے سے تمہاری جان معرض خطر میں ہو۔ اور اظہار عداوت سے ہلاک جان متیقن ہو۔ تو ایسی حالتوں میں مجبوراً اُن سے مدارات و تملق کی باتیں کرو۔ اور اگر یہ کلمہ کفر کہنے پر زبردستی و اکراہ کریں۔ اور قتل کرنے یا دوسرا سخت عذاب پہنچانے پر آمادہ ہوں۔ تو اس صورت میں اگر کلمہ کفر صرف زبان سے نکل جاوے۔ تو مضائقہ نہیں ہے۔ پھر اگر مضبوط دل والے خدا کے سچے بندے ہلاک جان اور تحمل ایذا پر بھی کلمہ حق اور اظہار ایمان سے خاموش نہ رہیں۔ تو یہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ بے ضرورت کلی ہر ایک جزئی مصلحت کیلئے جھوٹ بکنا شروع کر دیں۔ اور فضول تقیہ اپنے لئے واجب کریں۔ اور وہ بھی اہل امت کے ساتھ ۔

تقیہ کی صورت جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ وہ رافضیوں کے تقیہ سے بالکل جُدا ہے یعنی وہ غیر ملت والوں اور مشرکین سے بصورت خوف ہلاک جان واقع ہوتا ہے۔ اور یہ اپنے ہی مذہب والوں اور کلمہ گویوں کے ساتھ بے ضرورت کلی ایک جزئی مصلحت کی بنا پر ہر موقع و محل پر خلاف مافی الضمیر کیا کرتے ہیں۔ اس قسم کا

تقیہ ہر مذہب میں ناپسندیدہ ہے بخصوص مذہب اسلام میں نہایت مذموم اور بدتر ہے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے لوگوں کو جو دل کے خلاف باتیں کیا کرتے ہیں بدترین مردم فرمایا ہے۔

تقیہ کے باب میں ایک اعتراض کی تردید

اگر اعتراض کیا جائے کہ تم حضرت عائشہ رضی سے روایت کرتے ہو کہ ایک آدمی آیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ تو آپ نے اس کی نسبت فرمایا بِئسَ اخو العشیرۃ پھر جب وہ شخص اندر آیا تو آنحضرتؐ اُس کے ساتھ کشادہ رُوئی اور نرم باتوں سے پیش آئے حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب وہ شخص چلا گیا۔ تو میں نے آپ سے پوچھا۔ یا رسُول اللہ جب وہ باہر دروازہ کے تھا۔ تو آپ نے اُس کی نسبت ایسا فرمایا تھا۔ مگر جب اندر آیا تو آپؐ نے نرمی ولینت وکشادہ رُوئی کا اظہار کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ شر الناس من یتقیہ الناس اتقاءً فاحشۃ یعنے بدترین لوگوں کا وہ ہے جس سے لوگ ڈریں بُرے طور پر ڈرنا۔

جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے جو اول فرمایا وہ اس لیے تھا کہ عائشہ صدیقہ کو معلوم ہو جائے کہ بدلوگوں سے سازگاری بھی ٹھیک نہیں۔ یہ قسم ارشاد وتفہیم سے تھا۔ آنحضرتؐ نے جس طرح اُس کی نسبت بئس العشیرۃ فرمایا تھا۔ اگر اُس کے اندر آنے پر اس کی نسبت نعم العشیرۃ فرماتے تو البتہ تمہارے لیے حجت ہوتا۔ لیکن بدآدمی کے ساتھ مدارات کا کرنا تمہارے واسطے کوئی حجت نہیں ہو سکتا۔ یہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلق کریم تھا۔ کہ بدلوگوں کے ساتھ بھی تلطف ومدارات سے پیش آتے تھے ہاں ظاہر میں کسی شخص سے محبت کرنا اور باطن میں اُس سے دلی عداوت رکھنا۔ اور دل سے مخالف ہونا۔ اور زبان سے موافق ہونا اور اپنے اعتقاد کی حقیقت کو پوشیدہ رکھنا اور ہر ایک شخص سے کہنا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ باتیں طریق دینداری سے دور ہیں۔ اور صفات منافق سے مشابہ ہیں۔ یہ تو عام مسلمانوں کے لیے بھی جائز نہیں بھلا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا ہونا کہاں امکان رکھتا ہے کہ آپ بدمرد کو نیک مرد کہیں۔ اور جو قابل مذمت ہے۔ اُسی کی طرح سرائی فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ نے

سچے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اِس لئے مبعوث کیا تھا کہ وہ کامل کو ناقص سے جُدا جُدا کریں۔ اور خیر کو شر سے الگ شناخت کرائیں۔ اگر یہ بات روا ہوتی تو کوئی شخص عادل وفاسق کے درمیان فرق نہیں کر سکتا۔ اور خیر وشر میں تمیز نا ممکن ہو جاتی۔ اور ایسا اعتقاد رکھنا کب روا ہے کہ آنحضرتؐ کا باطن بخلاف ظاہر تھا۔ آپ کی یہ شان تھی کہ اگر کوئی بات دل کے خلاف ہوتی تو اتنا بھی روا نہیں رکھتے کہ آنکھ سے اشارہ کرتے چنانچہ فتح مکہ کے روز جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح کو لائے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ ہاتھ بڑھایئے کہ عبداللہ آپؐ سے بیعت کرے حضرت عثمان نے دوبار ایسا ہی کہا۔ لیکن آنحضرتؐ نے ہاتھ اُس کی طرف نہیں بڑھایا جب تیسری بار عرض کیا تو آپ نے ہاتھ دیا اور بیعت لے لی۔

یہ عبداللہ ابن سعد وہ شخص تھا کہ اسلام لا کر مرتد ہو گیا تھا۔ اور مکہ میں آکر اہل شرک سے مل گیا تھا۔ فتح مکہ کے روز آنحضرت نے فرما دیا تھا کہ اگر عبداللہ غلاف کعبہ کو بھی پکڑ کر شفیع لاوے تو اس کو نہ چھوڑو۔ اور قتل کر ڈالو۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے بالحاح اس کی بیعت کی سفارش کی تو آپؐ نے بعد بیعت لینے کے فرمایا۔ تم میں سے ایک شخص بھی صاحب رشد نہ تھا کہ جب میں اُس کی بیعت سے امتناع کر رہا تھا۔ تو اٹھ کر اس کی گردن مار دیتا۔ لوگوں نے عرض کیا اے حضور آپؐ نے آنکھ سے اشارہ کیوں نہیں فرما دیا۔ آپؐ نے فرمایا مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ خَائِنَةُ الْاَعْيُنِ نہیں ہے کسی نبی کے لئے یہ کہ وہ جائز رکھے۔ آنکھوں کی چوری کو (تقیہ کے ثبوت سے بڑی غرض اہل تشیع کی بزعم خود ابطال خلافت خلفائے ثلثہ ہے یعنی یہ کہ خلفائے ثلثہ کی خلافت حق پر نہیں تھی۔ اور جناب علیؓ نے جو ان سے جھگڑا نہیں کیا۔ اور تیئیس چوبیس برس اُن کے موافق رہے۔ تو یہ جناب امیر کا تقیہ تھا۔ باطن میں وہ خلفاء ثلثہ کی خلافت کے منکر تھے۔ بلکہ شیعہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا بھی خلفائے ثلثہ سے ڈرتے اور تقیہ کرتے تھے نعوذ باللہ من ھٰذہ الھفوات اگرچہ شیعوں کے ان خیالات واہیہ کی تردید تمام بڑی بڑی کتابوں مثلاً ازالۃ الخلفا اور صواعق محرقہ اور تحفہ اثنا عشریہ اور آیات بینات میں کامل اور پورے طور پر ہو چکی ہے اور اب بھی ہم ہر طرح اُن کے خرافات کے رد کرنے کو موجود ہیں۔ لیکن یہاں صرف ہم اتنا

ہی کہتے ہیں کہ) اگر حضرت امیر المومنین اسد اللہ الغالب تقیہ کو جائز رکھتے تو آج تک اُن کی کسی بات اور کسی کلام و کتاب کا اعتبار نہ ہوتا۔ اور نہ کسی کو اُن کے ساتھ اختلاف ہوتا۔ پھر اس قدر حرب و قتال کی بھی نوبت نہ آتی (جو امیر معاویہ اور اُن کے درمیان واقع ہوئی۔ کیونکہ اس وقت وہ اپنی استحقاق خلافت کے لئے جنگ پر آمادہ ہو گئے) اور اگر یہی طریقہ عام مسلمانوں میں رائج ہوتا۔ تو عالم اسلام کی بےاعتباری عالم میں آشکارا ہو جاتی۔ اور احکام شرعی کا کوئی بھی حکم جو دوسروں سے مروی ہے ماننے کے قابل نہ ہوتا۔ انہیں وجوہات سے تقیہ محض باطل (اور موضوعات شیعہ سے ہے) ٭

نویں فصل

رُوح کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ اہل قبلہ کی ایک جماعت قدم روح پر اصرار کرتی ہے اور اس باب میں ان کا عقیدہ عقائد نصاریٰ سے فاسد تر ہے۔ کیونکہ نصاریٰ قدم کی اضافت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب کرتے ہیں۔ اُنہوں نے جب دیکھا کہ ان سے بعض افعال ایسے صادر ہوتے ہیں۔ جو امکان بشریت سے خارج ہے تو ان کی نسبت خدا کے بیٹے ہونے کی جانب کی۔ اور کہا کہ عیسیٰ خدا کی جانب سے ایک روح کی صورت میں نمودار ہوئے۔ پس وہ رُوح خداوندی ٹھیرے تو فنا اُن کے حق میں باطل ہے یہ نہ سمجھے کہ ہم رُوح کو کس بنا پر قدیم کہتے ہیں۔ جیسا امارت حدوث اُس میں ظاہر ہیں۔ مثلاً روح کا اتصال بدن سے۔ اور اس کا تعدد بہ تعداد اجسام مختلفہ اور قبول حوادث وغیرہ۔ جب یہ لوگ اپنے کو گروہ مسلمین سے شمار کرتے ہیں۔ تو ہم بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ اُن کا جواب کتاب و سنت سے دیا جاوے ٭

روح حادث ہے

قائلین قدم کو اس آیت سے شبہ ہوا ہے۔ وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کہتے ہیں کہ خدا کا امر سوائے قدیم کے نہیں ہو سکتا۔ اور جب روح اُس کا امر ہے تو اُس کا قدیم ہونا ظاہر۔ جواب یہ ہے کہ جو امر قدیم ہے وہ خدا کا قول ہے۔ اور اُس کا کلام اور علما کا اجماع ہے کہ روح انسانی خدا کا کلام نہیں۔ پس اُن کا قدیم ہونا باطل۔ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں مراد روح سے قرآن کریم ہے۔ اور وحی جو انبیا پر نازل ہوتی ہے چنانچہ دوسری جگہ فرمایا۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور فرمایا يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ اور اس تاویل کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے بعد قرآن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ یعنی اگر ہم چاہیں تو جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی ہے۔ اس کو لے جاویں ؞

پھر اگر اس آیت میں مراد روح سے یہی روح لی جائے۔ جس میں تنازع واقع ہے۔ تو مراد اس امر سے مامور ہوگا کہ خدا کے حکم سے جاری ہوا۔ چنانچہ اہل عرب باراں کو کہتے ہیں امر اللہ ۔ یعنی خدا کے حکم سے پانی برستا ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے جنگ حنین میں جب صحابہؓ پر ہزیمت پڑی تو ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہا ما بال الناس لوگوں کا کیا حال ہے یعنی یہ کیوں بھاگے جاتے ہیں حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ امر اللہ یہ بھی خدا کا حکم ہے۔ کہ اسی کے حکم سے ہزیمت واقع ہوئی ہے۔ اور معمول عرب ہے کہ جب کوئی عجیب بات صنعت الٰہی کی ملاحظہ کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں امر اللہ یعنی یہ صفت خدا کا کام اور اُس کی بدائع فطرت سے ہے۔ تمہاری دانش اس کے پایاں کار کو نہیں پہنچ سکتی۔ اسی واسطے فرمایا۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ط یعنی اور نہیں دیئے گئے تم علم سے مگر تھوڑا۔ پس اس طرح اس آیت قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کے معنی لینے چاہئیں کہ روح مامور خدا ہے۔ تمہاری عقل و ذہانت اس کی حقیقت کو نہیں معلوم کر سکتی ایک بات یہ بھی ہے کہ یہاں خدا نے مطلق روح کا لفظ فرمایا ہے۔ اور اس کی تعریف نہیں کی۔ تو کس طرح سمجھا جائے کہ روح یعنی جبرائیل علیہ السلام قدیم ہیں۔ اس واسطے کہ خدا تعالیٰ نے جس طرح جبرئیل کو روح فرمایا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ اور فارسلنا الیھا روحنا۔ اسی طرح دوسرے

مطلق روح کا لفظ فرمایا

فرشتوں کی نسبت فرمایا ذوات ارواح اس اطلاق میں سب فرشتے داخل ہیں۔ پھر اگر روح جسدی کو قدیم کہیں تو چاہیئے کہ روح کافر اور روح مومن کے درمیان کوئی فرق نہ ہو۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ کافر کی روح معذب نہ ہو۔ اور نیز کافر کی روح کو خبیث کہنا جائز نہ ہو اور یہ کہنا بھی درست نہ ہو کہ فلاں شخص کی روح کو ملک الموت نے قبض کیا۔ کیونکہ قدیم مقبوض نہیں ہوتا ۔

روح کے حدوث پر شرعی دلائل

روح کے حدوث پر شرعی حجتوں سے ایک تو قول رسول ہے کہ آپؐ نے فرمایا الارواحُ جنودٌ مجندۃٌ یعنی روحیں جمع کیے گئے لشکر ہیں۔ اور جمع کی ہوئی چیز قدیم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مجموع مقہور رہتا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ جمع و تفرقہ صفات محدثات سے ہے۔ اوپر والی حدیث درست اور صحیح ہے۔ اور اہل حدیث اس کی صحت پر متفق ہیں ایک دوسری حدیث میں ہے خلق اللہ الارواح قبل الاجساد بالفی عام یعنی اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا ہے (تو اس سے یہی ظاہر ہے کہ روح قدیم نہیں۔ کیونکہ مخلوق محدث ہوتا ہے) ۔

دوسرا شبہ ان کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کو آدمؑ کے جسد میں ڈالنے کے بعد ملائکہ کو سجدہ کا حکم دیا۔ اور سجدہ کو نفخ روح سے مشروط فرمایا۔ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ اور روح کی اضافت اپنی جانب کی۔ اور جو محدثات ہوتا ہے وہ سجدہ کا مستحق نہیں ہوتا۔ (تو لازم آیا کہ روح قدیم ہو) ۔

جواب یہ ہے کہ یہ سجدہ آدمؑ کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ خدا کے لئے تھا۔ اور آدمؑ بمنزلہ کعبہ و بیت المقدس کے تھے۔ اور بعض علما فرماتے ہیں کہ وہ سجدہ تکریم تھا۔ نہ سجدہ عبادت لیکن پہلی وجہ قوی ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ فرزندان آدمؑ جب سجدہ کرتے ہیں تو ابلیس ایک جانب کھڑا ہو کر روتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ خدا نے فرزند آدمؑ کو سجدہ کا حکم کیا تو وہ سجدہ کر کے جنتی ہو گیا۔ اور خدا نے مجھے سجدہ کا حکم کیا تو میں نے انکار کیا اور انکار کی وجہ سے دوزخی ہو گیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ امر ابن آدم بالسجود فسجد فلہ الجنۃ و امرت بالسجود فابیتُ فلی النار ۔

اگر کوئی سائل سوال کرے کہ جب آدم بمنزلہ قبلہ کے تھے۔ تو ابلیس کے لئے وجہ نازعت کیا تھی۔ جواب یہ ہے کہ ابلیس نے صرف اس لئے حسد کیا کہ خدا نے تشخیص سجدہ کے لئے آدم کو کرامت عطا فرمائی ورنہ سجدہ درحقیقت آدم کو نہ تھا۔ آدم کو اُس میں یہ بزرگی حاصل ہوئی کہ خدا نے اپنے سجدہ کے لئے انہیں قبلہ بنایا۔ اور قبلہ کو محض اس لئے بہت جہات پر فضیلت ہے کہ خدا نے اس کو اپنی عبادت کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔ اور اگر تمہارے قول کے موافق ہوتا تو ابلیس سجدہ آدم سے نفرت و انکار نہ کرتا۔ اور اپنی اصل کے لحاظ سے آدم پر مفاخرت کرتا ہوا یہ نہ کہتا۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے۔ اور نیز خداوند تعالیٰ آدم کے حق میں نہ فرماتا وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی یعنی اور نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی پس آدم بے راہ ہو گیا ؛۔

اس مسئلہ کے دلائل اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ اس مختصر میں اُن کا استیعاب ہو سکے۔ اور اہل ایمان کے نزدیک یہ مسئلہ اس قدر روشن اور مسلمہ ہے کہ ہمیں اس کے بیان کو طول دینے کی ضرورت بھی نہیں۔ بلکہ یہ خود ایسی خصیص بات ہے کہ جو ذکر و بیان کی احتیاج نہیں رکھتی۔ اگر ہمیں یہ خطرہ نہ ہوتا کہ بے دین لوگ اس میں لا یعنے شبہات پیدا کر کے عوام مسلمانوں کے فریب میں لانے اور دھوکا دینے کے درپے ہونگے۔ تو ہرگز اس بحث میں نہ پڑتے ؛۔

روح کے مسئلہ میں چند فرق ضالالنت کے درجہ کو پہنچ گئے ہیں۔ ان میں ایک فرقہ حلیلیوں کا ہے جس کی بنا محض الحاد پر ہے۔ اور بصیر النظر اشخاص پر اس کا فساد و بطلان ظاہر ہے۔ اس واسطے کہ جو چیز جسم میں حلول کرتی ہے وہ بوجہ من الوجوہ اس کی تابع ہوتی ہے۔ یا اس کی متابعت کرتی ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قدیم بوجہ من الوجوہ تابع محدثات کا ہو۔ اور یہ بھی ہے کہ جو چیز جسم میں حلول کرتی ہے۔ وہ محدود و منتہا ہوتی اور یہ صفات محدثات سے ہے ؛۔

حلولی اس عقیدہ کی نسبت اہل تصوف کی جانب کرتے ہیں۔ جو محض غلط ہے صوفیائے کرام جن کو سعادت معرفت ہوتی ہے۔ اور جو بنائے حکمت اور خزانہ اسرار کتاب و سنت ہوتے ہیں۔ وہ ہرگز ہرگز ایسی بیہودہ باتوں کے قائل و معتقد نہیں۔ بلکہ

فرقہ حلولیہ کا ایک پوشیدہ فریب اور عوام کے دام تزویر میں لانے کا ایک طریق ہے کہ اپنے عقیدہ ناستودہ کو صوفیہ کرام سے منسوب کرتے ہیں۔ ولو فرضاً اگر کوئی صوفی ایسا کلمہ منہ سے نکالے جو مشعر حلول ہو۔ اور وہ کسی دوسری وجہ اور معنے کا احتمال نہ رکھتا ہو۔ تو ایسے صوفی کو زمرۂ اہل اسلام سے خارج سمجھنا چاہیئے۔ اور گروہِ صوفیہ صافیہ سے اس کو ہرگز شمار نہ کرنا چاہیئے ۞

رُوح کے متعلق بعض متکلمین کی باتیں

ہاں بعض متکلمین اہل تصوف نے چند باتیں ایسی کی ہیں۔ جو نصاریٰ کے لاہوت اور ناسوت والے مسئلہ سے مشابہت تامہ رکھتی ہیں۔ تو حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ کلام راستی کے خلاف ہے۔ اگر وہ کہتے ہیں۔ تو وہ بھی گروہِ نصاریٰ سے ہیں نہ جماعت مسلمین سے اور یہ فتنہ اس امت میں زیادہ تر فرقہ شطاحیہ کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ نیز اُن واعظان بے سروسامان سے جو احادیث متشابہات اور اقوال مشائخ کرام کو غلبہ احوال میں ان سے صادر ہوئے ہیں۔ پورے طور پر نہیں سمجھتے۔ اور اُن کی تاویلات بحسب شرع شریف نہیں جانتے۔ پھر ایسی احادیث اور اقوال غامضہ سے اپنے خیال فاسد کے موافق استدلال کر کے خلاف شرع باتیں بناتے۔ اور عوام اہل اسلام اور تکیہ نشین فقرائے ناقدا ترس کو خوش کرتے ہیں۔ اُنہیں نہ تو مسلمانوں کی مصلحت سے آگاہی ہوتی ہے۔ اور نہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس فتنہ کا سیلاب سلام کی عمارت میں کیا کچھ خرابی و تباہی برپا کرے گا۔ بلکہ بلا خوف فردائے قیامت جہلا کی تنشیط خاطر کے لئے بے سروپا باتیں اور بے بنیاد قصص اور حکایات دوراز کار بیان کر دیتے ہیں ۞

احادیث متشابہات میں سے ایک یہ ہے فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع و بصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہ ورجلہ الذی یمشی بہا۔ معنی یہ ہیں کہ جب میں کسی بندہ کو دوست رکھتا ہوں تو میں اُس کی شنوائی بینائی دا دو دست اور آمد و رفت میں اس کا معین و مددگار ہو جاتا ہوں۔ وہ میری توفیق کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ بس اُس کے ہر کام میں اُس کے موافق ہو جاتا ہوں۔ اس کے سوائے اس حدیث کے دوسرے معنی کرنا

گمراہی و ضلالت ہے۔ کیونکہ حلول و اتحاد خدا سے منتفی ہے۔ اور یہ بات دلائل و براہین سے ثابت ہو چکی ہے۔ دوسری اس قسم کی احادیث کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہیئے۔

اقوال بزرگان کی تاویل

بعض اقاویل بھی ایسے ہیں۔ جو مظنۂ فتنہ و ضلالت ہیں۔ اور اُن کی نسبت بزرگانِ دین کی جانب ناحق کر دی جاتی ہے۔ (کہ اُن کے اعتقادیات کی توثیق ہو) درحقیقت اقاویل مذکورہ اُن کے نہیں ہوتے۔ یہ صرف ہوا پرستوں اور جہال فقیروں کا افترائے محض ہے۔ جیسا لَيْسَ فِي الْجُبَّةِ سِوَى اللّٰهِ یعنی میرے جبہ میں سوائے اللہ کے نہیں۔ اس قول کو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ درحقیقت نہ قول اُن کا ہے اور نہ اُن کے کمالات سے اس قسم قول کی توقع کی جاتی ہے۔ اور اگر اُن کا قول ہو تو اس کی تاویل یوں کرنا چاہیئے کہ میری تمام ذات خدا کی محبت سے پُر ہے۔ اور میرے جبہ میں جو گوشت و پوست ہے۔ وہ سب خدا کی طرف سے ہے۔ (پس وہی اکیلا خدا عبادت کے قابل ہے۔ اُس کے سوا کوئی بھی عبادت کی قابلیت نہیں رکھتا۔ پس میں اپنے تمام گوشت و پوست اور روح و کالبد سے اُسی ایک کی عبادت میں مشغول ہوں۔ اور اُسی ایک کو معبود یقین کرتا ہوں) ایسے معنے کرنے سے نقض قواعد شریعت نہیں ہوتا۔ اور یہی درست ہے۔ اور مثل اُس کے دوسرے نقل کردہ اقوال کی تاویل کی جاوے۔ تو یقیناً ضلالت و گمراہی ہے۔ پس جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے۔ اور اس حال نظر آئیں۔ تو اہل اسلام کو چاہیئے کہ اُن کی باتوں سے اپنے کان بہرے کرلیں۔ اور خود کو حتی الامکان اُن سے دُور رکھیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض ہوا پرست اس قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔ اور ایسے واہی شعر پڑھتے پھرتے ہیں۔ گویا خود کو اُسی حال میں دکھانا چاہتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کو بالکل گمراہ (اور گمراہ کنندہ) سمجھنا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ اشعار بزرگوں سے منقول ہیں۔ تو اُن کے معنے شرع شریف کے موافق کرنا چاہیئے۔ اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہوا پرست صوفی خلاف شرع اشعار کو پڑھتے

اور اُن کو بزرگانِ دین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تو بالتحقیق اُن کا قائل ہونا مزدود نہیں۔ بات یہ ہے کہ جب ہمارے پاس کتاب سنت موجود ہے۔ تو ہمیں اس کے خلاف واہیات اور مزخرفات موضوعہ اہل بدعت وہوا پر توجہ کرنا کیا ضرور ہے۔ خواہ وہ کہیں سے پہنچیں۔ اور کسی کے نام سے منسوب ہوں ❊

حقیقت رُوح

اب ہم پھر حقیقت کا اعادہ کرتے ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رُوح ایک ہی چیز ہے۔ جو اجسام مختلفہ میں منتشر ہے۔ جس طرح آفتاب کی شعاع ایک۔ ہی ہوتی ہے۔ اور تمام اطراف واکناف عالم میں پھیلی رہتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ تجزی و تبعیض وہ ہے کہ چند چیزوں سے مرکب ہو۔ نہ صرف ایک چیز سے۔ اور جو ایک چیز سے ہے۔ اُس سے انقسام عدد ممکن نہیں۔ اور بعض اہل اسلام کا قول ہے کہ رُوح قسمت پذیر اور متجزی نہیں ہے۔ مگر علمائے سلف اس کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر جوہر رُوحانی کے غیر متجزی ہونے کو جائز رکھیں تو اُس سے جناب باری کی ساتھ مشارکت پائی جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ پاک ذات غیر حال اور غیر متجزی ہے۔ پس اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ ہر ایک شے محدث کے لئے تجزی ضرور ہے اور بعض اہل اسلام رُوح کے مسئلہ میں حیران ہیں۔ اور اُس کی ماہیت کے بیان کرنے میں توقف کرتے ہیں۔ لیکن اہل حق بہ تمامہ اس امر پر متفق ہیں کہ رُوح محدث ہے۔ اُس میں قدیم ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اور اس لئے بھی کہ ذات وصفات باری تعالےٰ کے سوا تمام چیزیں محدث ہیں۔ تاہم ماہیت رُوح میں توقف پسندیدہ ہے۔ اور اُس کی بحث میں پڑنا نامناسب، اس لئے کہ بندہ ماہیت رُوح کی دریافت کیلئے مکلف نہیں ہے۔ اور جب اس باب میں شارع علیہ السلام سے نص جلی وارد نہیں ہُوئی۔ تو اُس کے استنباط میں دلائل و اجتہاد سے کام لینے کی کیا ضرورت ہے۔ ماہیت رُوح کے باب میں ہم نے جو کچھ کہا ہے۔ اُس میں سے کسی پر بھی قطع نہ کرنا چاہیئے۔ اگرچہ بعض اقاویل موافق ملت اسلام کیوں نہ ہوں۔ لیکن مختار یہ ہے کہ رُوح ایک جوہر جسمانی نورانی ہے۔ جو قالب انسانی میں ڈالی جاتی ہے۔ (وہ نظر نہیں آتی ہاں) خدا کو

جب منظور ہو گا۔ اس کو دکھا بھی دے گا۔

ہم نے دو حدیثوں میں یہی معنے پائے ہیں۔ ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تم دیکھتے نہیں۔ کہ آدمی مرتے وقت نظر کو تیز اور بلند کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا یہ اس لئے ہے کہ اس کی بصر اس کی جان کا تعاقب کرتی ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ الم تروا الانسان اذا مات شخص بصرہ قالوا بلی یارسول اللہ قال فذالک حین یتبع بصرہ نفسہ رواہ مسلم حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ آنحضرت ابو سلمہ رض کے پاس آئے۔ اس حال میں کہ اس کی آنکھیں فراخ ہوگئیں اور حالت بدل گئی تھی۔ فرمایا جب روح قبض کی جاتی ہے۔ تو آنکھیں روح کے پیچھے جاتی ہیں دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم علی ابی سلمۃ وقد شق بصرہ فقال ان الروح اذا قبض تبع بصرہ۔ اس حدیث کے متعلق مجھے ایک شخص سے مناظرہ کا اتفاق پڑا۔ وہ کہتا تھا کہ اس کی آنکھیں بند ہوگئی تھیں۔ شق بصرہ کے معنی ہیں کیونکہ جب جان جاتی رہی۔ تو اس کے پیچھے بینائی جاتی ہے۔ پس آنکھوں کے کھلا رہنے میں فائدہ کیا ہے۔ اور مسلم کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں بھی وہی معنی ہیں یعنی آنکھوں کا فراخ ہونا۔ کیونکہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت نے یہ بات بطور تنبیہ کے فرمائی تھی۔ اگر آپ کی یہ مراد ہوتی کہ جان کے پیچھے بینائی بھی جاتی ہے۔ تو تنبیہ کی کیا حاجت تھی۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ فصوص عقلا۔ اور حاضرین بارگاہِ رسالت جو اہل بصیرت اور صاحبان فہم و درایت ہیں۔

فنا کا حکم روح پر جاری ہے

روح کے باب میں یہ یقین رکھنا بھی واجب ہے کہ وہ کالبد سے جدا ہو کر ادراکات سے محروم نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے ادراکات قائم و باقی رہتے ہیں۔ اور وہ کلام حق کو سنتی اور مخاطبات ملکی کو مفہوم کرتی ہے۔ چنانچہ یہ بات بدلائل قرآن و حدیث ثابت ہے۔ ان میں سے ایک حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی

ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے مجھ کو فرمایا۔ ان اللہ کلمھم ایاك کفاحًا۔ اور حدیث اصحاب معونہ کی کہ قرآن شریف اُن کے حق میں نازل ہوُا۔ بلغوا قومنا انا لقینا ربنا رضی عنا وارضانا ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم اپنے پروردگار سے ملے۔ اس حال میں کہ وہ ہم سے راضی ہوُا۔ اور اُس نے ہم کو راضی کیا۔ سوا اس کے اور بھی احادیث ہیں کہ اُن کا ایراد اس مختصر میں متعذر رہے ❖

تناسخ کی بحث

اور اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ فنا اور مَوت رُوح پر جائز ہے۔ اور یہ کہ حشر اجساد کے وقت ہر ایک رُوح اپنے اس کالبد میں اعادہ کرے گی۔ جو اس کو دنیا میں حاصل تھا۔ یہ مسئلہ اہل تناسخ کے خلاف ہے۔ اُن کے نزدیک بعث کے یہ معنی ہیں کہ مکلفین کی رُوحیں اجسام مختلفہ میں انتقال کرتی ہیں۔ نیک لوگوں کی رُوحیں اچھے کالبوں میں۔ اور بدلوگوں کی رُوحیں بُرے کالبوں میں۔ اور اُن کا اعتقاد ہے کہ ثواب پانے والی رُوح تندرست توانگر اور آرام وعیش و آرام والے جسم میں منتقل ہوتی ہیں۔ اور عذاب اٹھانے والی رُوح خستہ درماندہ اور مفلس و حاجتمند بدن میں رحتی کہ بعض کی رُوحیں۔ کُتے۔ بلی۔ سُور۔ گدھے وغیرہ کے قوالب میں انتقال کرتی ہیں) اور تناسخیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ مسئلہ تناسخ کا ثبوت قرآن میں پاتے ہیں۔ چنانچہ اپنی دلیل میں یہ آیات پیش کرتے ہیں۔ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ یعنی خدا نے جس صُورت میں چاہا۔ تجھے ترکیب دیدیا۔ وَ نُنْشِئَكُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اور ہم تم کو پیدا کرتے ہیں اُس چیز میں جس کو تم نہیں جانتے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ یعنی اور زمین پر کوئی جاندار نہیں۔ اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے بازوؤں سے اُڑتا ہے۔ مگر مخلوق اور گروہ ہیں مثل تمہارے ❖

اور نیز اس حدیث سے استدلال ہیں اِنَّ اَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ فِیْ اَجْوَافِ الطَّیْرِ الْاَخْضَرِ یعنی بیشک شہیدوں کی رُوحیں سرسبز پرندوں کے

پو لتوں میں ہیں - اور اس کے سوا اور بھی استدلالات ہیں - جن سب کا فساد و بطلان اہل نظر سے پوشیدہ نہیں - پہلی آیت کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے سیاہ و سفید دراز و کوتاہ کامل ناقص وغیرہ جس صورت میں چاہا بندہ کو ترکیب دے دیا - اس سے تناسخ کہاں ثابت ہوتا ہے - وہ کہتے ہیں کہ فِیْ اَیِّ صُوْرَۃٍ کے یہ معنی ہیں کہ گدھا کتا بیل وغیرہ جس صورت میں چاہا - خدا نے روح کو داخل کر دیا - یہ ایسے معنے ہیں - جو اس آیت سے بالکل تعلق نہیں رکھتے - کیونکہ بعث بعد الموت کے تمام معتقدوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انسان جس کالبد میں مرا ہے - اُسی کالبد میں اٹھایا جائے گا - ایک بات یہ ہے کہ بعث سے مراد تناسخ ہوتا - تو اُس کا ایک معین اور خاص وقت مقرر نہ ہوتا - اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعث کے لئے ایک خاص وقت اور ایک خاص دن مقرر ہے - چنانچہ یہ آیت اس امر کی دال ہے - فَکَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ - یعنی کیا حال ہوگا - جب ہم اُن سب کو قیامت کے لئے بلائیں گے - دوسری جگہ فرمایا وَ وُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ - یعنی ہر شخص کو اُس کے اعمال کی جزا پوری دی جائے گی - اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے ❊

اہل تناسخ کی تردید

تناسخیوں کی دوسری اور تیسری نقل کردہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ پرندہ و چرندہ کوئی حیوان ہو - وہ حیوانیت میں تمہاری مانند ہیں - اور تمہاری طرح رزق کے محتاج - اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ تمہاری طرح کے آدمی ہیں - رہی حدیث مذکورہ تو اُس کا یہ مطلب ہے کہ شہدا کی روحیں مرغان سبز سے متعلق ہیں - جس طرح فرشتوں کا تعلق انسانی صورتوں سے ہے - چنانچہ جبرئیل علیہ السلام بصورت آدمی متصور ہوتے ہیں - اسی طرح شہدا کی ارواح باامر حق مصور بصورت مرغان سبز ہیں - اور اس میں حکمت یہ ہے کہ عام روحوں کو لذات جسمانی کی تناول کی ضرورت نہیں ہوتی - لیکن چونکہ شہیدوں کو اللہ ایک کرامت خاص عطا فرمائی ہے - اس سبب سے اُن کو حصول لذت کے لئے مرغان سبز کے اجواف کی ضرورت ہوئی - کہ وہ آستانہ

ذریعہ لذاتِ جنت سے متمتع ہوں۔ اور نیز اس باعث مرغانِ سبز کی ضرورت ہوئی کہ وہ آستانہ ارواح شہدا ہوں ۔

معلوم رہے کہ یہ تمام باتیں جو ارواح شہدا کے باب میں بیان ہوئیں۔ بہشت کے متعلق ہیں۔ اور اہلِ تناسخ کا دعویٰ دنیا میں تبدیل قالب کے متعلق ہی پس اُن کا استدلال اس حدیث سے ٹھیک نہیں۔ یہ اور جو کچھ ہم فصل بعث میں بیان کر آئے ہیں۔ سب کی سب تردید و ابطال تناسخ کے دلائل ہیں۔ اس کے بعد ہم اُن کو ایک اور جواب دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ

اگر قبل اس کے ہمارا دنیا میں ہونا کوئی اصل رکھتا جس طرح مذہب تناسخ قائل ہے۔ تو ہمیں اس بات سے ضرور واقفیت ہوتی کہ پہلے جنم میں ہم فلاں جگہ رہتے اور فلاں کام کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ ہم اپنی اس عمر کے گذشتہ حالات سے آگاہ ہیں۔ اور سب کو معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص سالہائے دراز تک اپنا ملک چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں جا بسے تو پہلے ملک کے اکثر واقعات اُس کو یاد رہتے ہیں۔ پس اگر بقول تمہارے ہم اس کے پہلے بھی چند مرتبہ دنیا میں رہ چکے ہیں تو کیا سبب ہے کہ ہمیں اُس جنم کے حالات سے مطلق آگاہی نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمہارا قول محض غلط ہے۔ ہم اس سے پہلے کبھی اس دنیا میں نہیں آئے۔ اور سوائے ایک جنم کے کبھی کسی انسان کے متعدد جنم نہیں ہوتے۔ ایک روح کے لئے ایک ہی کالبد مخصوص ہے۔ وہ اپنے اس کالبد سے نکل کر کبھی کسی کالبد میں نہیں جاتی۔ بلکہ خدا نے روحوں کے مقامات اور قرارگاہیں مقرر کی ہیں۔ وہ تا قیام قیامت اپنی مقررہ جگہ میں رہینگی۔ بات یہ ہے کہ اہلِ تناسخ کا اعتقاد بالکل خلاف شرع اور مخالف نقل و عقل ہے۔ فلاسفہ بھی تناسخ کو محال سمجھتے ہیں۔ اور علمائے شریعت تو اس کے سخت مخالف ہیں ۔

دسویں فصل

چند ایسے مسائل کے بیان میں جن میں باہم اہل حق کو اختلاف ہے

پہلا مسئلہ ایمان سے کیا مراد ہے

علمانے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے کہ ایمان[1] سے مراد اعتقاد اور قول ہے ہے۔ یا اعتقاد قول اور اعمال تینوں سے جاننا چاہیئے کہ حضرت امام ابوحنیفہ اور اکثر متکلمین اور بعض اصحاب شافعی کے نزدیک ایمان مراد اعتقاد و قول سے ہے، جس کو تصدیق کہتے ہیں۔ اور نزدیک امام شافعی و جمہور اہل حدیث کے مراد ایمان سے اعتقاد قول اور عمل تینوں ہیں معتزلہ کا بھی یہی قول ہے۔ پہلے گروہ کی یہ دلیل ہے کہ ایمان لغت میں بمعنی تصدیق کے ہیں۔ پس جب تک کوئی دلیل قاطع نہ ہو۔ اس میں کسی دوسرے کو ضم کرنا ٹھیک نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقام پر اعمال صالحہ کو ایمان پر عطف کیا ہے۔ چنانچہ اِنَّ الَّذِینَ اٰمنوا وعملو الصالحات اور معطوف غیر معطوف علیہ کا ہوتا ہے اور یہ آیت بھی اسی قبیل سے ہے لَمْ تکن اٰمنت من قبل او کسبت فِیْ اِیْمَانِہَا خَیْرًا۔ یعنی وہ نہ تو اس کے پہلے ایمان لایا۔ اور نہ اُس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک کام کیا۔

[1] حدیث رقد القیس کی ہے جو بخاری نے بن عباس سے روایت کی ہے۔ اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ قَالُوا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ شَہَادَۃُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَصِیَامُ رَمَضَانَ وَاَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ صفحہ ۳۱ مظاہر حق ✦ (ایمان کے متعلق ایک تفصیلی بحث تمہ ص ۔۔ دیکھو)

تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی صفت اس طریق پر بیان کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا محل دل ہے۔ چنانچہ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ اور وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِهِمْ اور یہ دونوں آیات اس امر کی دال ہیں۔ کہ ایمان اعمال دل سے ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ اور وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ❖

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر عمل جزوِ ایمان ہوتا۔ تو چاہیئے تھا کہ باوجود قدرت کے تارک اعمال مومن نہ ہوتا۔ جس طرح تارکِ قول بمقتضائے قول مومن نہیں کہلایا جاتا ❖

پانچویں دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے تصدیق پائی گئی اور باوجود تصدیق کے وہ مرتکب کبائر ہؤا۔ تو بالاتفاق ہر دو فریق ایسا شخص مومن ہے۔ اِلَّا عِنْدَ الْمُعْتَزِلَۃ پھر اگر عمل داخل ایمان ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کی نقیض کی موجودگی میں وہ مومن نہ ہوتا۔ جیسا کہ نقیض تصدیق کی موجودگی میں ثبوت ایمان نہیں ہوتا ❖

اعمال بھی جزو ایمان ہیں یا نہیں۔

دُوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن میں فرمایا ہے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ۔ اور نہیں حکم کئے گئے۔ مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ کی اس کے واسطے دین کو خالص کر کے مثل ابراہیم کے اور قائم کریں نماز کو اور یہی دین درست اور محکم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ نے تمام مجموعِ آیت کو دین فرمایا تو اعمال بھی دین میں داخل ہُوئے۔ اس لیئے کہ دین اسلام ہے، چنانچہ فرمایا اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ یعنی بے شک دین نزدیک اللہ کے اسلام ہے۔ اور اسلام و ایمان واحد ہے۔ اس لئے کہ اگر اسلام و ایمان میں مغائرت ہوتی تو اسلام مقبول نہ ہوتا اور خدا فرماتا ہے۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ یعنی جو شخص اسلام کے سوا دوسرا دین اختیار کرے تو اُس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں خوار و ذلیل ہونے والوں سے ہے۔ پس جب ایمان اسلام ہے۔ اور اسلام دین ہے تو اعمال بھی دین میں داخل ہوئے۔ پس اعمال جزوِ ایمان ٹھیرے

اُن کی دُوسری دلیل حدیث وفد عبدالقیس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم جانتے ہو۔ ایمان کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ اللہ و رسولہ اعلم یعنی خدا اور اُس کا رسُول خوب جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ایمان کہتے ہیں۔ خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی رسالت کی شہادت دینے کو۔ اور اس کو کہ نماز زکوٰۃ اور صوم رمضان کو پابندی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اور غنیمتوں میں سے پانچواں حصہ خدا کے نام پر نکالا جاوے۔ یہ حدیث دلیل ہے اس امر کی کہ اعمال داخل ایمان ہیں ؎

مخالفین کے ایرادات کی جانچ

غرض دونوں فریق اپنے اپنے دلائل قرآن و حدیث سے پیش کرتے ہیں اور باہم ایک دوسرے پر شبہات وارد کرتے ہیں۔ اگر ہم اُن سب کا بیان کریں تو کئی مجلد تیار ہوں۔ ہماری غرض اس مختصر بیان سے یہ ہے کہ حقیقت فریقین ظاہر ہو جاوے۔ اور یہ روشن ہو جائے کہ اُن کے عالموں نے اپنے اقوال کی تائید میں جو کچھ لکھا ہے۔ طریق استنباط و استدلال سے لکھا۔ دل لگی و جہتہ ہو مولیجھا۔ یہ مسئلہ اس قسم سے نہیں ہے کہ اُس سے ظاہر نصوص کی یا اجماع کی مخالفت لازم آوے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ہر ایک گروہ نے ایک آئین کو اپنا متمسک بنا لیا ہے۔ اور دوسرے گروہ سے اسی بنا پر معارضہ کیا ہے۔ ان میں سے کسی کا قول ایسا نہیں جس سے کسی فرض کے چھوٹنے کا اندیشہ ہو۔ پس زیبا یہ ہے کہ ایک فریق دُوسرے فریق کی تضلیل نہ کرے۔ اور ہر ایک اپنے متمسک کے موافق اقتدا واجب جانے ؎

مُصنف کا اعتقاد

اظہارِ حق کی جہت سے مجھ پر بھی واجب ہوا کہ میں اس مسئلہ میں اپنے معتقد کو بیان کر دوں۔ مبادا کوئی کوتاہ نظر یہ گمان کرے کہ اس مسئلہ میں میرا اسلاف ثبوت طرف سے حاشا کہ میں حب جاہ کے سبب اپنے اعتقاد کا کتمان کروں۔ اور حق بات کے بیان سے اغماض کروں۔ اس کتاب کی انتیسویں فصل میں اعتقاد اہل سنت الجماعت

کے باب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہی اس فقیر کا اعتقاد ہے۔ اور اب کے کہ اس فصل میں اہل حق دونوں فریق کا اختلاف بیان کیا گیا ہے۔ چاہیئے کہ یہاں بھی اپنا اپنا مسلک ظاہر کر دوں ⁂

مَیں نے جب ہر دو فریق پر نظر غائر کی۔ اور ہر ایک کی پیش کردہ آیات و احادیث میں تامل کیا۔ تو مَیں نے اس قول کی متابعت کو صواب جانا کہ ایمان قول و اعتقاد کا نام ہے۔ یعنی دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کو ایمان کہتے ہیں۔ اور اعمال جزو ایمان نہیں ہیں۔ اس واسطے کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مروّیہ حدیث جو حدیث جبرئیل کے نام سے مشہور ہے۔ وہ اِس کی موید ہے۔ حضرت جبرئیل امین نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا ما الایمان یعنی ایمان کیا چیز ہے۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا ان تومن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر یعنی یہ کہ ایمان لائے تو اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسُولوں پر اور روز آخرت پر یہ حدیث اس باب میں نہایت قوی متمسک ہے۔ اس میں سائل و مصداق امین وحی تنزیل ہیں۔ اور مجیب رسُول ربّ العالمین صلوٰۃ اللہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔ اور اس حدیث کے راوی امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو ازروئے علم و فہم و ضبط و احتیاط کے سب میں اعلےٰ مرتبہ رکھتے ہیں ⁂

جمع و تطبیق

یہاں ایک بات ضروری ہے یعنی اس حدیث اور دوسری احادیث میں جو بظاہر اُس کے خلاف ہیں۔ جمع و تطبیق اور وہ اس طرح ہے کہ مَیں کہتا ہوں ایمان کی اصل ہے۔ اور فروع اور ثمرات اور توابع و لواحق پس ہر ایک حدیث اپنے محل پر دلالت کرتی ہے۔ تو جاننا چاہیئے کہ جس حدیث میں اعمال داخل بیان ہیں۔ اُس میں توابع اور لواحق ایمان کو جمع کیا گیا ہے۔ اور اس سے تاکید بلیغ منظور ہے تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ اگر وہ عمل کو ترک کر دیگا۔ تو حق ایمان بوجہ کامل اُس کے ذمّہ سے ادا نہ ہوگا۔ اور آنحضرت علیہ السلام نے جو وفد سے فرمایا وہ بھی اسی قسم کا تھا

(اور توابع و لواحق ایمان کو اس میں داخل کر دیا) کیونکہ یہ لوگ ایسے تھے جو ابھی اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اور ان کو دقت نظر حاصل نہ تھی۔ اور درمیان اصول و فروع کے تفریح نہیں جانتے تھے۔ اور ان کی فہم ایمان کی حقیقت سے سمجھنے سے کوتاہ تھی۔ پس حضور نے سب کو ایک ہی سلک میں منسلک کر دیا۔ یعنی ایمان کے توابع کو بھی بیان کر دیا۔ اس تاویل کی صحت میں خود نبی کریم کا قول موجود ہے کہ آپ نے فرمایا۔ الحیاء شعبۃ من الایمان یعنی حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کہ حیا مسمی ایمان میں داخل نہیں۔ کیونکہ حیا ایک امر جبلی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس پر مجبول کیا ہے۔ لیکن چونکہ بدی کے بچانے میں وہ بھی ایمان کی مشابہت رکھتی تھی۔ لہذا آپ نے اس کو بھی ایمان کی ایک شاخ فرمایا۔

دوسرا مسئلہ

ایمان کے کم و بیش ہونے کی بحث

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک ایمان کم و زیادہ نہیں ہوتا۔ لیکن امام شافعی ان کے اصحاب اور اکثر اہل نظر اس کے خلاف ہیں۔ دونوں کی دلایل ظواہر نصوص سے ثابت ہیں۔ امام اعظم کا قول ہے کہ چونکہ عمل داخل ایمان نہیں ہے۔ پس مجرد تصدیق اقرار میں زیادتی و نقصان نہیں پایا جا سکتا۔ اگر آیات و احادیث اس قسم کی پائی جائیں جن سے ایمان میں زیادت و نقصان مفہوم ہو تو اس کی تاویل مذکورہ طریقہ پر کرنا چاہیے۔ اور کہتے ہیں کہ زیادت و نقصان توابع و لواحق میں ہو سکتا ہے۔ یا تکرار اقرار میں یا زیادتی یقین میں۔ اکثر اہل سنت اس مسئلہ میں ابوحنیفہ پر تشنیع کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ گویا ہمارا ایمان مثل ایمان انبیا و ملائکہ کے ہے جس میں زیادت و نقصان متصور نہیں۔

اس مسئلہ کے متعلق میری فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ ابوحنیفہ کی نظر اس جانب ہے کہ جب تصدیق میں امکان زیادت تسلیم کر لیں تو نقصان کا ماننا بھی ضرور ہوگا۔ اور جب نقصان پایا گیا۔ تو ایمان ناقص ہوا۔ اور ایمان ناقص مقبول نہیں ہے

اس لئے امام اعظم کا قول ہے کہ جب کسی بندہ میں تصدیق و اقرار پایا جائے تو وہ مومن ہے۔ اور اُس کے ایمان میں نہ تو بیشی کی گنجائش ہے۔ اور نہ نقصان کی یہی قول مستقیم ہے۔ اور جو اس کے سوا ہے۔ وہ مراتب یقین اور درجات معرفت سے ہے (جس میں کم و بیش ممکن ہے یعنی معرفت اور یقین بعض میں زیادہ ہوتا ہے اور بعض میں) پھر ہم مثل ملائکہ و انبیاء کے کیونکر ہو سکتے ہیں۔ (کہ اُن کی معرفت و یقین بڑھا ہوا ہے) اس مسئلہ میں بطریق نظر نہ از راہ تقلید میرا یہی اعتقاد ہے۔ (اور میرا بھی یہی اعتقاد ہے۔ اور یہی مسلک اصلوب اور مستقیم ہے) جو کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

تیسرا مسئلہ استثناء

تیسرا مسئلہ استثناء کا ہے یعنی اگر کوئی سوال کرے کہ تو مومن ہے؟ تو جواب میں استثنا اور کہے اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا یعنی میں حقیقت میں مومن ہوں۔ یہی مذہب امام ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب کا ہے۔ لیکن بعض سلف صالحین کہتے ہیں کہ اپنے ایمان میں قطع کرنا درست نہیں۔ بلکہ جواب میں کہنا چاہئے اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ الخ اسی کے مثل حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور یہی مذہب ہے جمہور اصحاب حدیث کا اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سے مذہب مشہور ہے کہ اپنے ایمان میں استثنا کرے۔ اور جواب میں کہے اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی یعنی اگر خدا چاہے تو میں مومن ہوں۔ عبداللہ حلیمی بیان کرتے ہیں کہ ایمان میں استثنا داخل کرنا یہ متاخرین کا مختار طریقہ ہے (معلوم نہیں متاخرین سے اُن کی کیا مراد ہے کیونکہ) ایمان میں دخول استثنا اتباع سے منقول ہے۔ اور امام شافعی سے مشہور حتیٰ کہ اُن کے اصحاب نے اس مسئلہ میں اعتدال سے تجاوز کیا ہے۔ لیکن اگر دونوں فریق طریق انصاف کی نگہداشت کریں تو نہ حنفی دخول استثنا کو مذموم خیال کریں۔ اور نہ شافعی ایمان میں قطع کرنے کو بُرا سمجھیں۔ اس لئے کہ اگر لفظاً دونوں فریق ایک دوسرے سے دور ہیں۔ لیکن معناً قریب تر ہیں وہ یہ کہ جو لوگ ایمان میں قطع کرنے کو جائز کہتے ہیں اُن کی

نظر حالت موجودہ پر ہے۔ وہ پسند نہیں کرتے کہ وہ اپنے اعتقادیات کو جو واقع اور موجود ہیں متعلق بہ مشیت کریں۔ اُن کے مسلک کے موافق ایک حدیث بھی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منقول ہے۔ اَقِرُّوْا بِالْاِیْمَانِ وَسَمُّوْا اَنْفُسَکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ایمان کا اعتراف کرو اور مومنین اپنا نام رکھو۔ اور جو لوگ استثنا کرتے ہیں۔ اُن کی نظر دو قسم باہر نہیں یا تو بنظر کمال ایمان ایسا کرتے ہیں کہ ایمان میں کمال امر دشوار ہے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک عمل داخل ایمان ہے اور وہ حصولِ عمل میں متردد ہیں یا اُن کی نظر خاتمہ پر ہے۔ کہ انہیں معلوم نہیں۔ آخر وقت میں اُن کا ایمان سلامت رہیگا یا نہیں ؞

بعض کہتے ہیں کہ استثنا تبرک کے خیال سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ انہیں وجوہات سے دخولِ استثنا یہ لوگ پسند کرتے ہونگے۔ ورنہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ پیشوایانِ خلق و مقتدایانِ ملت اپنے ایمان میں شاک و مرتاب ہوں۔ ہمارا اعتقاد علمائے صحت کی بابت ہے اور اس کے سوا ہو بھی نہیں سکتا ؞

لیکن چند وجوہات سے میں ترکِ استثنا کو صواب جانتا ہوں۔ اول یہ کہ اس کا ظاہر مظنہ شک ہے۔ اور مومن کو زیبا نہیں کہ ایمان میں ایسا طریقہ اختیار کرے۔ جو منشار بدگمانی کا ہو۔ دوم یہ کہ سوال حال سے ہے نہ مآل سے۔ پھر استثنا داخل کرنے کی صورت میں جواب مطابق سوال کے کیونکر ہو سکتا ہے۔ سوم یہ کہ اگر اس باب میں سوءِ عاقبت کے خوف کو معتبر جانیں تو اُن کی شناخت کیا ہو سکتی ہے۔ جن کو خدا نے مومنین کہکر پکارا اور خطاب کیا ہے۔ اور خدا نے جن کے مومن ہونے کی بابت خبر دی ہے۔ وہ کون ہیں۔ اور جب حکم و خبر ایمان کے اسم پر معلق ہو تو تا وقتیکہ اُس میں حقیقت ایمان موجود نہ ہو کسی شخص کو مومن نہیں کہہ سکتے۔ تو اس صورت میں اُس حکم کا جو مومن سے متعلق ہے۔ ازالہ لازم آتا ہے۔ اور خبر کی اضاعت متصور ہے۔ نیز اِس سے لازم آتا ہے کہ کسی کافر کو قطعاً کافر نہیں کہنا چاہیئے۔ اُس میں بھی استثنا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ تو معلوم نہیں کہ اُس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا ایمان پر۔ اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شرعی معاملات میں اعتبار حال کو ہے نہ مآل کار کو تو ایمان میں

بھی حال کا اعتبار ہوگا یعنی جس شخص میں بوقت سوال ایمان موجود ہو بہ نظر حال اپنے ایمان میں قطع کرنا چاہیئے۔ پھر بھی جو شخص خاتمت عاقبت سے ترسان ہو۔ وہ یہ کہہ دے کہ میں مومن ہوتا ہوں۔ اور خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ میرا خاتمہ نعمت ایمان پر کرے تو زیادہ اچھا ہو۔ اِس میں آداب ادب کی بھی نگہداشت ہے۔ اور اعتراض معترض سے بھی نجات وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب ٭

چوتھا مسئلہ فرشتے افضل ہیں یا بنی آدم

چوتھا مسئلہ یہ کہ علمائے اسلام کا اِس میں اختلاف ہے کہ مطیعانِ بنی آدم ملائکہ سے افضل ہیں بعض علما فرماتے ہیں کہ فرستادگان خدا یعنی انبیاء علیہم السلام رُسُل الملائکہ سے افضل ہیں۔ اور اولیائے بشر (یعنی عامہ مومنین) افضل ہیں۔ اکثر اہل سنت والجماعت کا مذہب و میلان اسی قول کی جانب ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ملائکہ افضل ہیں بنی آدم سے۔ اور یہ قول اگرچہ معتزلہ اور بعض اُن اصحاب کا ہے جو اکثر مسائل میں فلاسفہ کی جانب جھکے ہوئے ہیں۔ لیکن بعض اہل ایمان بھی اُن سے اتفاق رکھتے ہیں۔ باوجودیکہ اُن کا مشرب کدورات بدعت سے بالکل مصفیٰ ہے۔ اِس سبب سے ہم نے اس مسئلہ کو مطلقاً اہل بدعت کے اقاویل میں یاد نہیں کیا ہم اِس مقام پر ہر ایک فریق کی حجت کو بطریق اختصار بیان کیئے دیتے ہیں۔ تاکہ امر حق عیاں اور منقح ہو جائے۔ اور متابعت سلف صالحین کی حاصل ہو ٭

پہلا گروہ ان آیات سے احتجاج کرتا ہے۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ اور وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ وجہ احتجاج یہ ہے کہ آدمؑ ایسے علم سے ملہم ہوا کہ ملائکہ میں سے کوئی بھی اُس کا مستحق اور مستعد نہ تھا۔ اور یہ بات آدم کے لیئے موجب تفضل ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا نے فرمایا آدم کو سجدہ کرو خواہ سجدۂ خدمت ہو یا سجدۂ تحیت یا یہ سجدہ حق تعالیٰ کے لیئے ہو۔ اور آدمؑ اُس میں بمنزلہ قبلہ کے ہو۔ بہر حال اُس سے آدمؑ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے ٭

منکرین فضیلت بنی آدم کے دلائل اور اُن کا ابطال

دوسرا فریق جواباً کہتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بالاتفاق چند ایسے علوم سے مخصوص تھے۔ جن سے حضرت موسےٰ علیہ السلام ناواقف تھے۔ پھر بھی یہ بات خضرؑ کے لئے موسےٰ علیہ السلام پر فضیلت کا سبب نہ ہوئی۔ تو آدمؑ کا علم الاسماء سے واقف ہونا۔ اور اُن کا مسجودِ ملائکہ ہونا کیونکر ملائکہ پر موجب فضیلت ہو سکتا ہے ہم جواباً کہتے ہیں کہ علم دراصل اُس شخص کی فضیلت کی دلیل ہے جو اُس کو جانتا ہے۔ اُس شخص پر جو اس کو نہیں جانتا ہے۔ لیکن اگر علم مخصوص نہ جاننے والے کی فضیلت میں دوسری کوئی دلیل پائی جاوے بسبب کسی دوسرے ابواب فضیلت کے تو نہیں کہہ سکتے کہ علم مخصوص جاننے والا محض اپنے اس علم کی سبب کسی ایسے شخص پر فضیلت رکھتا ہے۔ جو سوائے اِس علم مخصوص کے تمام دوسرے علوم سے واقف ہے۔ اور جس کو دُوسری موجباتِ تفضل بھی حاصل ہیں۔ پس موسےٰ علیہ السلام کا شرف رسالت کی جہت سے تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام کے قصہ میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور ملائکہ فضیلتِ علم سے خالی تھے۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام کے جس علم سے حضرت موسےٰؑ آگاہ نہ تھے۔ تو اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بنی آدم سے کوئی بھی شخص اِس علم خضر سے واقف نہ ہوگا۔ اور وہاں تو جو علم آدم علیہ السلام کو عطا ہوا اُس سے کوئی فرشتہ آگاہ نہ تھا +

اگر کہا جاوے کہ آدمؑ کو ملائکہ کا سجدہ کرنا بجہت ابتلا و امتحان کے تھا۔ یہ موجب تفضل کس لئے کہا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اگر یہ امر موجب تفضل نہ ہوتا تو ابلیس نہ کہتا۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ اور اگر آدم مستحق تفضیلت خاص کا نہ تھا۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا مَنَعَكَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اُس وقت ابلیس نے کیوں کہا۔ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ اب جب کہ ان وجوہات سے آدمؑ کی فضیلت ملائکہ پر ثابت ہوگئی۔ تو قول تفضیل ملائکہ کا بشر پر باطل ہوا +

دُوسری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ

وَنُوحًا وَّاٰلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ اور ملائکہ وغیرہ عالمین میں داخل ہیں۔ مگر جب کوئی مخصوص نص اُس کے خلاف پائی جاوے ۔

ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اکثر جگہ کرامت سے یاد کیا۔ اور اُن کے لیئے بہت مواعید مثل حُور و قصور اور ولدان و غلمان اور لباس و مشارب اور منازل و مطاعم وغیرہ کی قسم فرمائے کہ آخرت میں انہیں یہ چیزیں عطا ہونگی۔ چنانچہ فرمایا فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ان مواعید میں سے ملائکہ کے لیئے کوئی وعدہ نہیں فرمایا ۔

پھر اگر اعتراض کیا جاوے کہ ملائکہ کو جو قرب الٰہی حاصل ہے۔ وہ اِن تمام نعمتوں سے برتر ہے۔ جواب یہ ہے کہ خدا نے مومنوں کے لیئے فرمایا۔ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى اور سچ یہ ہے کہ بنی آدم لذاتِ روحانی اور حظوظ قرب میں بھی ملائکہ کے ہمعنان ہیں۔ اور لذاتِ جسمانی میں اُن سے مخصوص یہی بات موجب تفضیل بنی آدم ہے ۔

ایک آیت یہ ہے جس سے مخالفین ملائکہ کی تفضیل پر استدلال کرتے ہیں۔ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ یعنی حضرت عیسیٰؑ خدا کا بندہ ہونے سے استنکاف اور انکار نہیں کرتے۔ اور نہ ملائکہ مقربین (انکار کرتے ہیں) کہتے ہیں کہ اس آیت سے ملائکہ کی فضیلت عیسیٰؑ پر ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسا کہنا درست نہیں ہے کہ شہر کا امیر میری خدمت سے استنکاف نہیں کرتا۔ اور نہ پاسبان اُس کے۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ امیر کے پاسبان میری خدمت سے استنکاف نہیں کرتے۔ اور نہ امیر یعنی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کی جاتی ہے نہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف۔ جواب یہ ہے کہ خدا نے اس آیت میں دو گروہ کا ابطال کیا ہے۔ ایک نصاریٰ کا جو مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ دوسرے صابئین کا جو ملائکہ کو ابناء اللہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن دونوں کے قول کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ خدا کا بندہ ہونے سے نہ تو عیسیٰؑ کو انکار و استنکاف ہے۔ اور نہ ملائکہ ملاء الاعلیٰ کو ۔

اُن کی ایک حجت اس آیت سے ہے۔ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا یعنی انبیا کو ہم نے اکثر خلق پر فضیلت دی۔ کہتے ہیں کہ جب خدا نے فرمایا کہ ہم نے اُن کو اکثر پر فضیلت دی تو ممکن ہے کہ ملائکہ عدد کثیر سے خارج ہوں۔ اور انبیا کو ملائکہ پر فضیلت حاصل نہ ہو۔ جواب یہ ہے کہ تم اس استدلال میں مصیب نہیں ہو۔ اس لئے کہ تم نے یہ دلیل ملائکہ کی تفضیل میں پیش کی ہے۔ حالانکہ اس سے تفضیل اُن کی ثابت نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ جیسا تم بیان کرتے ہو محل آیت ایسا ہی ہو۔ تب بھی ملائکہ بنی آدم سے فاضل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ مِمَّنْ خَلَقْنَا میں عمومیت ہے۔ پس کثیر ہر جنس میں سے ایک جماعت مختصر کو الگ کر کے بیگانہ کہ خاص کسی تمام جماعت کو اس کے معنی یہ ہوئے کہ بعض ملائکہ بنی آدم پر فضیلت رکھتے ہیں نہ کہ سب اور بنی آدم اکثر ملائکہ سے فاضل تر ہیں۔ اور سُنئے کہ یہ فضیلت بھی بسبب شئے کثرت قوت کے ہے۔ اور نہ کسی اور جہت سے ٭

اُن کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ملائکہ طرفۃ العین میں تمام مشرق و مغرب گھوم کر آتے ہیں۔ وہ جسم نورانی رکھتے ہیں۔ خدا کا کبھی گناہ نہیں کرتے اور عبادت سے کبھی فاتر و سست نہیں ہوتے وہ ہوا و ہوس حرص و شہوت کی کدورت سے پاک و صاف ہیں۔ یہ دلیل ہے ملائکہ کی فضیلت کی بنی آدم پر۔ کیونکہ ایسا ممکن نہیں کہ وجود ظلمانی اسیر حرص و ہوا مطیع شہوت و غضب عاصی و پر تقصیر ایسی پاک مخلوق پر فضیلت رکھے ٭

جواب یہ ہے کہ ملائکہ عبادت پر مجبول ہیں۔ اطاعت اُن کی فطرت میں موجود ہے وہ اسی واسطے عبادت سے مکدر و متنفر نہیں ہوتے۔ ان کو حرص و ہوا اور غضب و غصہ کی قوتیں بھی دی گئیں۔ وہ حوائج بشری اور علائق دنیوی سے مبرا ہیں۔ پس اُن سے گناہ کیونکر سرزد ہو گا۔ پس وہ شخص جس کو یہ قوتیں ملی ہیں۔ ایک ایسے شخص سے جس کی جبلت ہی میں مذکورہ قوتیں نہیں رکھی گئیں ضرور فاضل تر ہو گا کیونکہ وہ باوجود ان موانعات کے حتی الامکان خدا کی یاد و ذکر میں مشغول ہوتا ہے۔ اور تو تہائے محرک معاصی کی مخالفت کرتا ہے۔ اور جو عبادت بے تکلف اور بے مشقت ہوتی ہے۔ اور اُس کا ثواب بھی نسبتاً کم ہوتا ہے۔ اور کسی عاقل پر

پوشیدہ نہیں کہ صبر کرنا مخالفت ہوا و شہوت پر اور ان کو مغلوب کرنا عبادت و مجاہدات سے اور مشقتوں و بلاؤں کا متحمل ہونا ایک امر صعب تر ہے۔ اور جن مشکلات و بلیات و آفات و شہوات و وسواس شیاطین اور میل طبع و غلبہ وغیرہ میں انسان مبتلا ہیں۔ اور جو حاجات بشری مثل گرسنگی و تشنگی و خواب وغیرہ اس کو حاصل ہیں۔ اگر ملائکہ ان مصائب میں مبتلا ہوتے تو وہ بنی آدمؑ سے زیادہ تر بیچارہ اور درماندہ ہوتے۔ اور بنی آدم میں انبیا اور اولیاء اور علما و زہاد ہیں۔ جنہوں نے خدا کی راہ میں بڑی بڑی مشکلات برداشت کیں۔ اور مخالف ہوا و ہوس و غلبہ شہوات و خواہشات میں وہ مجاہدات کئے جو عالم پر آشکارا ہیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے راہِ خدا میں اپنی جانیں تک فدا کر دیں۔ مخالفین حق سے جو کچھ صدمات ان کو پہنچے۔ وہ پوشیدہ نہیں۔ پھر بھی یہ حق تعالیٰ سے نہ پھرے اور اُسی کے واسطے خالصًا لمرضات اللہ انواع و اقسام کے عذاب و محن و آلام پر تحمل کرتے رہے۔ اور باوجود اس کے ترویج و اشاعت قوانین شرعی اور نشر توحید و ملت میں اُن کی کوشش و سعی بلیغ جاری رہی ✤

اب ہم پوچھتے ہیں کہ یہ بزرگ نفوس فاضل تر ہو سکتے ہیں یا ملائکہ جن کو دینی و دنیوی کوئی خطرہ درپیش نہیں۔ اور جن کو صرف ایک قوت عطا ہوئی ہے جس سے وہ عبادت و اطاعتِ الٰہی کر سکتے ہیں۔ اور بس۔ نہ اُن کو نفس سے لڑائی کرنی پڑتی ہے۔ اور نہ انہیں شیطانی وساوس کا خطرہ ہے ✤

موجبات تفضل بنی آدم

پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ عزت و توقیر کون سے فرشتہ کو حاصل ہوئی ہے۔ جو حضور سرور کائنات محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو حاصل ہوئی کہ خدا نے اُن کی شان کریم میں فرمایا یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ یعنی اے (پیارے) رسول ہم نے تم کو شاہد، مبشر، نذیر اور اُس کی اجازت سے خدا کی طرف دعوت دینے والا اور سراج منیر کی صفاتِ قدسیہ سے آراستہ کرکے دنیا میں بھیجا۔ اور کون سا فرشتہ خدا کی اس کریمانہ نوازش سے ممتاز ہوا۔ لَعَمْرُكَ

إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ - تیری جان کی قسم وہ لوگ اُن کے نشہ میں ڈانواڈول ہیں۔ اور کس فرشتہ نے یہ مرتبہ پایا۔ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا اور بنایا خدا نے ابراہیم کو دوست۔ اور خدا نے کس فرشتہ کی ایسی حرمت کی وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِنِّي اور ڈالی میں نے اُوپر تیرے محبت اپنی جانب سے اور فرمایا۔ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي اور اختیار کیا میں نے تجھ کو اپنی نفس کے لئے اس کے سوا اور بھی مراتب ہیں۔ جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اور احادیث بنی آدم کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے۔ جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ مَا مِن نبیٍّ الا ولہ وزیران من اھل السماء ووزیران من اھل الارض اما وزیرای من اھل السماء فجبریل ومیکائیل ووزیرای من اھل الارض فابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ یعنی ہر ایک نبی کے چار وزیر ہوتے ہیں۔ دو آسمان والوں سے اور دو زمین والوں سے لیکن آسمان والوں سے میرے دو وزیر تو جبریل اور میکائیل ہیں۔ اور زمین والوں سے میرے دو وزیر ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ملائکہ کے لئے جگہ کو فراخ کرو۔ پھر فرمایا۔ انھم اذا کانوا معکم لم تکونوا من بین ایدیھم ولا من خلفھم وانما تکونوا من ایمانھم وشمائلھم قالوا امن فضلنا علیھم اومن فضلھم علینا قال بل انتم افضل منھم یعنی جب وہ تمہارے ساتھ ہوں تو تم اُن کے آگے یا پیچھے مت رہو۔ بلکہ اُن کے دائیں بائیں رہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ کیا اس لئے کہ ہمیں اُن پر فضیلت دی گئی ہے یا وہ ہم پر فضیلت رکھتے ہیں۔ فرمایا بلکہ تم اُن سے افضل ہو۔ اور یہ حدیث لا اجعل ذریۃ من خلقت بیدی کمن قلت لہ کن فیکون فکان یعنی میں اس ذریّت کو جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اُس مخلوق کی طرح نہیں کرونگا۔ جو صرف میرے کُن کہنے سے ظاہر ہو گئی۔

اگر یہ دونوں پچھلی حدیثیں درست اور صحیح حدیثیں ہوتیں۔ تو بنی آدم کی فضیلت میں کوئی حجت باقی نہیں رہتی۔ لیکن دونوں حدیثوں کی صحت میں کلام ہے تاہم اسی مطلب

کے لئے حدیث ابوسعید خدری کی کافی ہے۔ اور حدیث درست بھی ہے۔ نیز آیت اس معنی کی موئد ہے فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ۔ کس لئے کہ اوپر کی حدیث میں مذکور ہوا کہ میرے دو وزیر اہل سما سے جبرئیل و میکائیل ہیں۔ اور یہاں خدا نے فرمایا کہ اللہ اور تمام نیک بندے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناصر و مددگار ہیں۔ اور فرشتے بعد اس کے کہ خدا محمدؐ کا ناصر دیاور ہے ٭

دوسری حدیث آنحضرتؐ کا فرمانا حدیث شفاعت میں اَنَا اَکْرَمُ الْخَلَائِقِ عِنْدَ اللّٰهِ یَوْمَئِذٍ جب آپؐ قیامت کے دن گرامی ترین خلائق ہوئے۔ تو آپ کا فاضل ہونا تمام ملائکہ سے ظاہر ہے کیونکہ وہ بھی خلائق میں داخل ہیں۔ اور یہ حدیث درست ہے۔ اب ہم نے اس تقریر سے معلوم کر لیا کہ بشر ملائکہ سے افضل ہیں۔ لیکن ابھی یہ بات تفسیر کی محتاج ہے۔ تو اس کی تفسیر بمقتضائے آیات و احادیث و استدلال شرعی کے یہ ہے کہ بنی آدم کے رسول فاضل تر ہیں۔ فرشتوں کے رسولوں سے۔ اور بنی آدم کے اولیا فاضل تر ہیں اولیاء ملائکہ سے۔ اور نیک مومنین فاضل تر ہیں تمام ملائکہ سے۔ اور دلیل اس ترتیب کی کلام الٰہی کا نظم سخن ہے۔ چنانچہ وہ آیت اوپر نقل ہوئی۔ یعنی فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ الخ ٭

اب یہ مسئلہ درست و صاف ہو گیا۔ اور اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ پھر اگر کوئی شخص کہے کہ مجھے اس مسئلہ کی بحث سے کوئی سروکار نہیں تو اس پر کوئی حرج واقع نہیں ہوگا۔ اکثر علمائے امت کا یہی مسلک رہا ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ان مسائل سے نہیں ہے کہ ان کے خلاف کرنے والے کی تضلیل کی جاوے۔ مگر اس حالت میں کہ مخالف کی غرض تائید و توثیق فرقہ باطلہ معتزلہ ہو یا وہ اقوال فلاسفہ کا موئید ہو تو اس وقت اس کا اس مسئلہ میں اختلاف کرنا درست نہ ہوگا ٭

غیر محتاط واعظین

ہم نے اس بات کو اس لئے ذکر کر دیا ہے تاکہ مرد موحد خدا ترس ایسے مواضع میں اپنی رائے کو دخل نہ دے۔ اور حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔ اور واعظان غیر محتاط

کی باتوں پر جو غیر مستند اور بے سروپا باتیں کرتے اور بیان میں ہوا پرستی کے تابع ہوتے ہیں۔ فریفتہ نہ ہونا۔ چاہیئے کہ اِس قسم کے اعتقادی مسائل میں علمائے راسخ کے قول کو قبول کرے۔ اس لئے کہ سخنان تعصب آمیز پر اعتقاد رکھنا درست نہیں ہے۔ اس سے بے مزاج اور دِل فاسد ہوتا ہے۔ بعض اصحاب یہاں تک تفضیل انبیا میں غلو کرتے ہیں کہ اُن کے رُوبرُو ملائکہ مقربین درگاہ الٰہی کوئی مرتبہ نہیں رکھتے۔ اور انبیا کے مقابلہ میں ایسے ملائکہ کو بھی ہیچ خیال کرتے ہیں ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ تفضل انبیا قرآن واحادیث سے ثابت ہے۔ اور اگرچہ ملائکہ ملاء اعلےٰ افضلیت میں انبیا سے فروتر ہیں۔ تاہم خدا تعالےٰ کے ہاں اُن کے بڑے درجات ہیں ٭

پانچواں مسئلہ حکم اطفالِ مُشرکینؒ

پانچواں مسئلہ حکم اطفال مشرکین میں بعض علمائے اسلام کا قول ہے کہ اطفال مشرکین اپنے ماں باپ کے ہمراہ دوزخ میں رہینگے۔ ان کا تمسک حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر ہے کہ جب اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اطفالِ مشرکین کی بابت سوال کیا۔ تو آپنے فرمایا۔ لو شئت لا سمعتك بصاحبهم في النار۔ اگر تم چاہتی ہو تو میں سُنوا دُوں وہ اپنے صاحب کے ساتھ دوزخ میں ہیں۔ لیکن یہ حدیث واہی ہے۔ اس مرتبہ کی نہیں کہ اس مسئلہ میں اُس سے حکم کیا جاوے ٭

دُوسری حدیث یہ ہے کہ عقبہ ابن معیط کی گردن مارتے تھے۔ اس نے کہا کہ میرے بچوں کا کیا حال ہوگا۔ آپنے فرمایا آگ، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ من صبية قال النار یہ حدیث بھی اس باب میں قابل استدلال نہیں۔ اس واسطے کہ مُراد اس لفظ سے کافر ہے۔ چنانچہ کوئی کہے مجھ کو کیا دیتے ہو۔ اور وہ غصہ میں کہدے خاک ٭ اور اس بات کے ثبوت میں کہ اطفال مشرکین دوزخ میں جائیں گے۔ یہ حدیث ہے جو حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب اُنہوں نے اطفالِ مشرکین کی بابت سوال کیا۔ تو آپنے فرمایا واللّٰهُ اَعْلَمُ بما كانوا عاملين یعنی اللہ کو خوب معلوم ہے کہ وہ بڑے ہو کر کیا عمل کرتے۔ اور یہ حدیث زیادہ معتبر اور مشہور

ہے۔ حدیث حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے دُوسری حجت اُن کی یہ ہے کہ بچے شرک میں ماں باپ کے تابع ہوتے ہیں۔ اور شرک ہی کا سبب ہے کہ مشرکین کی طرح اُن کے بچوں پر بھی استرقاق (غلام بنانے) کا حکم جاری ہے۔ اُن کو مسلمانوں کے گورستان میں بھی دفن نہیں کرنا چاہیئے۔ پس چاہیئے کہ آخر میں بھی تابع اپنے ماں باپ کے ہوں ۔

جواب یہ ہے کہ اگر اُن کا حکم مطلق حکم مادر پدر ہوتا تو چاہیئے تھا کہ جب مسلمان اُن کے اطفال کو استرقاق کرتے۔ تو اُن پر اسلام کا حکم جاری ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ اطفال مشرکین کی نسبت کفر کی جانب ایک عارضی نسبت ہے۔ یہ تبعیت اور اصل سے اُس کو تعلق نہیں۔ اور جب موت کے ذریعہ اطفال مشرکین اور اُن کے ماں باپ میں تفریق ہوگی۔ تو کفر کا اُن میں مطلق اثر نہیں رہے گا ۔

نیز شرع شریف میں مقرر ہے کہ تخلید فی النار سوائے مشرکین کے کسی کے لئے نہیں ہے۔ پس جب اطفال مشرکین میں شرک نہیں پایا گیا۔ تو اُن کے دوزخ میں رہنے کا حکم کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ (یہ بیان اُن لوگوں کے جواب میں واقع ہوا ہے۔ جو اطفال مشرکین کو دوزخی بتلاتے ہیں۔ اب یہاں سے ایک دوسرے گروہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ جو اطفال مشرکین کی بابت کہتے ہیں کہ وہ بہشت میں رہینگے) ۔

اور بعض علمائے اسلام کا مذہب ہے کہ چونکہ انہوں نے کوئی طاعت نہیں کی۔ جس کے سبب ثواب کے مستحق ہوں۔ اس لئے وہ خدام اہل بہشت کے ہونگے۔ بعض اہل سنت کا میلان بھی اسی جانب ہے۔ اور اصل میں یہ مسئلہ معتزلہ کا ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ هُمْ خُدَّامُ اَهْلِ الْجَنَّةِ کہ وہ جنت کے لوگوں کے خادم ہونگے۔ (ہم کہتے ہیں کہ) اگر یہ حدیث درست ہو تو مراد اس سے یہ ہوگا کہ اطفال مشرکین بعض اہل جنت کے خدام ہونگے۔ جو دُنیا میں ہو گئے ہیں۔ اور اُن کی تاویل اور تاویل اس طرح پر ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کہتے ہیں کہ اس آیت کے ہوتے کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ دُوسرے کے عمل کے بدلہ میں اُن کو عذاب کریں (یعنی اعمال بد تو اُن کے

والدین کریں۔ اور اطفال مشرکین ناحق دوزخ میں ڈھکیلے جائیں۔ ان لوگوں پر حدیث حجت ہے۔ ان اللہ تعالیٰ خلق الجنۃ وخلق النار وخلق لھا اھلا وھم فی اصلاب ابائھم وخلق لھا اھلا وھم فی اصلاب ابائھم۔ یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا اور دوزخ کو پیدا کیا۔ اور جنت کے لئے اس کے رہنے والے پیدا کئے۔ حالانکہ وہ اپنے باپوں کے صلبوں میں تھے۔ اور دوزخ کے لئے اس کے رہنے والے پیدا کئے۔ حالانکہ وہ اپنے باپوں کے صلبوں میں تھے۔

بعض علماء کا مقولہ ہے کہ اس مسئلہ کا مرجع علم حق کی جانب ہے۔ اس طرح کہ اگر خدا کو کسی بچہ کی نسبت یہ علم ہو کہ وہ حد بلوغ کو پہنچ کر ایمان لاتا تو ایسا بچہ جنتی ہوگا۔ اور اگر خدا کو کسی بچہ کی بابت یہ علم ہو کہ وہ بڑا ہو کر مشرک ہی رہیگا۔ تو ایسا بچہ دوزخی ہوگا۔

یہ قول بھی اصل دین میں مستقیم نہیں ہے۔ کیونکہ جب جائز نہیں کہ خدا درویش عاقل بالغ کو عذاب کرے اس بات پر کہ اگر وہ مالدار ہوتا تو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ یا فاسق کو اس سبب سے عذاب کرے کہ اگر وہ کچھ دنوں اور جیتا۔ تو اس سے فسق و فجور پہلے کی نسبت زیادہ صادر ہوتا۔ پس بطور اولیٰ یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے بچہ کو عذاب نہ کرے جس سے کوئی گناہ اور کفر ثابت نہیں ہوا۔

اگر کہا جاوے کہ حدیث اللہ اعلم بما کانوا یعملون اس امر کے ثبوت کی روشن دلیل ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے یعنی اس حدیث کے معنی اس طرح کرنے چاہئیں۔ کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ قیامت کے دن یہ کیا کریں گے۔ اور ان کی بازگشت کہاں ہوگی۔ اس کے سوا اور بھی اس باب میں جتنے اقوال ہیں۔ قابل غور ہیں۔ یا تو اصول دین کے مخالف ہونے کے سبب یا معمول احادیث کے لحاظ سے۔ اور یا اس سبب سے کہ وہ کسی دوسری حدیث سے معارضہ کرتی ہے۔ یعنی مخالف ہے۔ جب کوئی قول ثابت نہیں۔ تو اس مسئلہ میں توقف کرنا ہی مناسب اور زیبا ہے۔ یعنی نہ تو مشرکین کے بچوں کے جنت میں

داخل ہونے کا حکم لگانا چاہیئے۔ اور نہ اُن کے دوزخی ہونے پر[1]۔

چھٹا مسئلہ

تکلیف مالا یطاق کے بیان میں

چھٹا مسئلہ تکلیف مالا یطاق کے بیان میں ہے متکلمین اصحاب شافعی رح اور نیز دوسرے لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ روا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کسی ایسی چیز کا حکم دے جو اُس کے وسع امکان میں نہ ہو۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابولہب کے متعلق خبر دی کہ وہ کفر پر مریگا۔ اور دوزخی ہوگا۔ باوجود اس کے اس کو ایمان کی جانب مدعو کیا۔ اِس سے جواز تکلیف مالا یطاق ثابت ہے۔ اس کے سوا چند دُوسری وجوہات و دلائل بھی بیان کئے ہیں۔ جو عوام کی فہم سے بالاتر ہیں۔ اس لئے ہم اُن کا بیان فروگذاشت کرتے ہیں۔ اور اہل سنت والجماعت کا اعتقاد ہے کہ بندہ کو مجال نہیں کہ اللہ تعالےٰ کے افعال کی تحسین و تقبیح کر سکے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ یعنی اللہ تعالےٰ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا۔ جو اس کی وسعت امکان سے بالاتر ہو۔ اِس سے ظاہر نص کی مخالفت ہوئی۔ کیونکہ اس سے ثابت ہے کہ

---

[1] کفایہ شرح ہدایہ صفحہ ۱۱۵ میں ہے کہ اگر مسلمانوں کی اولاد صغر سنی میں مرجاوے تو اُن کے جنتی ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ کیونکہ اس باب میں کثرت سے احادیث وارد ہیں۔ جن میں اکثر مشاہیر احادیث سے ہیں۔ اور احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ازل میں میثاق لینے کے وقت انہوں نے بھی بلیٰ کہا تھا۔ یعنی یہ بھی اقرار ربوبیت میں شامل تھے۔ اور حضرت امام اعظم رح سے آثار ابی حنیفہ میں منقول ہے کہ لوگ جو اولاد مسلمین کے جنازہ پر بعد تیسری تکبیر کے یہ دعا پڑھتے ہیں۔ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا ذُخْرًا اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا۔ تو اس سے صاف اولاد مسلمین کے مسلمان ہونے پر دلالت ہے رہا اولاد کفار کا معاملہ کہ وہ اگر ذی عقل ہونے سے پہلے مرگئے تو اُن کا کیا حال ہوگا۔ اس میں علما کا اختلاف ہے۔ حضرت امام محمد رح سے مروی ہے کہ اُنہوں نے کہا میں خوب جانتا ہوں کہ خدا بغیر صدور گناہ کے کسی کو مبتلا عذاب نہیں کریگا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ جنت میں اہل اسلام کے خادم ہونگے۔ لیکن امام ابو حنیفہ رضؓ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔ اور ان کا معاملہ خدا کی طرف سونپ دیا۔

بندہ کو اتنی ہی تکلیف دی جاتی ہے۔ جو اُس کی وسعت میں ہو۔ پھر جواز تکلیف مالایطاق سے اُس کی مخالفت ہوتی ہے ٭

مخالفین اپنی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِہٖ ای خدا ہم پر اپنی تکلیف نہ ڈال جو ہماری طاقت اور برداشت سے باہر ہو۔ جواب یہ ہے کہ یہ دعا ہے۔ اِس سے جواز تکلیف مالایطاق ثابت نہیں ہوتی۔ یا اُس کے یہ معنی ہیں کہ آخرت میں ہم پر ایسا عذاب نہ کر جو ہماری طاقت سے بالاتر ہو۔ یہ مراد ہے۔ کہ تکالیف کثیرہ ہم پر نہ ڈال جیسی کہ بنی اسرائیل پر ڈالیں۔ یہ ایسے معنی ہیں جس سے اس آیت اور اس سے ماقبل کی آیت میں مطابقت ہوتی ہے ٭

اور ابُو لہب کا قصہ جو مخالفین اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ وہ قابل حجت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تکلیف شرعی میں ظاہر کو اعتبار ہے۔ اور جو بات ہم سے پوشیدہ ہے اُس سے تکلیف شرعی کو سروکار نہیں۔ اور ظاہر خیال یہ ہے کہ عاقل بالغ صاحب اختیار کو ایسی باتوں کا حکم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ باتیں اُس کے مقدور و استطاعت سے از روے باطن حال خارج ہوں۔ مگر جب کہ وہ باتیں بظاہر مستطاع و مقدور انسان ہیں تو یہ تکلیف تکلیف مالایطاق نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ اقامت امر و نہی کی بندوں پر قضا و قدر کے ساتھ معلق نہیں ہے۔ بلکہ تکلیف مالایطاق کے یہ معنی ہیں کہ بندہ کو کسی ایسے کام کا حکم کیا جاوے جو ظاہر حال میں اُس کی طاقت و قدرت سے خارج ہو۔ جیسے دیوانہ کو نماز و روزہ وغیرہ کی تکلیف دینا۔ یا لنگڑے و اندھے کو پیادہ پا حج کا حکم کرنا۔ یا نابینا کو یہ کہنا کہ قرآن شریف کی تلاوت دیکھ کر کرے۔ تو اس قسم کا حکم شرعاً درست نہیں ہے۔ اسی واسطے ہم تکلیف مالایطاق کی نفی کرتے ہیں اور نیز خدا کے قول کے مطابق کہ اُس نے تکلیف مالایطاق کا وعدہ نہیں کیا۔ اُس کا وعدہ حق و درست ہے ٭

خاتمہ کتاب

یہاں ہم نے وہی باتیں یاد کی ہیں۔ جو عوام کی سمجھ میں بآسانی آ سکیں۔ اور ایسی باتیں جن کا سمجھنا اُن کی فہم سے بالاتر ہے۔ ہم نے قصداً اُن کا نقل کرنا

چھوڑ دیا ۔

جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ارشاد ہے۔ نحن معاشر الانبیاء امرنا ان ننزل الناس منازلھم وان نکلم الناس علیٰ قدر عقولھم یعنی ہم گروہِ انبیا ہیں۔ ہم کو حکم ہوا کہ لوگوں کو اُن کی منازل پر اُتاریں۔ اور اُن سے اُن کی عقلوں کے مطابق باتیں کریں۔ ہم نے بھی اس باب میں حتی الامکان اس حدیث شریف پر عمل کیا ہے ۔

سلف صالحین کا جو یہ قاعدہ تھا کہ بحث و تفتیش سے کنارہ کرتے۔ اور اُن باتوں سے احتراز ضروری جانتے۔ جن میں شبہات کا خوف اور جن سے عوام الناس کے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اور وہ بھی اس حدیث شریف کے عامل تھے۔ اور وہ اس میں مصیب تھے، اور بہترین زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ جن کو توحید تصر اور ایمان خالص اور یقین محض حاصل تھا۔ سوانہوں نے بھی کبھی ان ابواب میں کلام نہیں کیا۔ اور کوئی شبہ اُن کے گرد و پیش نہیں آیا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اور یہ اللہ کا فضل ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہم نے اپنے بیان میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے اور بیگانوں کی اصطلاحات سے بھی احتراز ضروری جانا ہے لیکن اسلامی ہمدردی کے خیال سے بعض مسائل میں موافق طریقہ حق کے گفتگو کی ہے۔ کیونکہ اُن پاک نفوس کا زمانہ اب نہیں رہا۔ اب تو بات بات میں بدعتی لوگ اعتراض اور شاخسانے نکالتے ہیں اور شبہات پیدا کرتے ہیں۔ جس سے دین حق اور عوام اہل اسلام کا محفوظ و مامون رہنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ ہماری باتیں وہی حضرات پسند و اختیار کریں گے جن کو اللہ تعالےٰ نے دین حق اور طریق ثواب کی ہدایت کی ہے۔ اور اُن کے پیرو کبھی ایسی نیک باتوں کو نہیں مان سکتے۔ خدا ہی انہیں منواتے اور میری ناچیز محنت کو قبول کرے جس کی اُمید پر یہ اتنی خامہ فرسائی۔ اور صرف اوقات ہوا ہے۔ اور اسی کی پسند بس ہے ۔

نہایت تعجب ہے۔ اُن مسلمانوں سے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی وحدانیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور یوم آخرت پر ایمان واعتقاد رکھتے ہیں۔ پھر باوجود

اس کے مبتدعان بے دین اور فلاسفہ کے مزخرفات اور مغالطات میں آجاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بدعتی اور فلاسفہ کا ہمیشہ سے یہ ارادہ رہا ہے کہ سیدھے سادھے نیک بندوں کو جو مجائزہ کتاب کی مانند شریعت نبوی کے پابند ہیں ہلاکت میں ڈالیں۔ اور ان کو راہ سلامت سے مہالکہ خطرناک میں ڈھکیلیں مسلمانوں کو ہرگز اُن کی آبلہ فریب باتوں میں نہ آنا چاہیئے۔ اور ہمیشہ کتاب و سنت اور سلف صالحین کے رستہ پر چلنا چاہیئے کہ یہی ایک طریقہ نجات کا ہے۔ اور اس طریقہ کو حضرت فخر بنی آدم علیہ السلام نے سواد اعظم فرمایا ہے۔ ہمیں عام مسلمانوں کی ہمدردی سے کام ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ اُمت مرحومہ ان سیاہ کاروں کے دام فریب میں گرفتار ہو جاوے۔ اور صراطِ مستقیم مذہب حق کو کھو بیٹھے ✤

یہ زمانہ بڑا پرخطر زمانہ ہے۔ چاروں طرف الحاد و ارتداد کی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ بیدینوں نے کسی مسئلہ کو سالم نہیں چھوڑا ہے۔ دین کی آڑ میں مسلمانوں کا رستہ مارتے ہیں۔ اور یہ مہذب ڈاکو دن ڈہاڑے بیچارہ سیدھے مسلمانوں کو سبز باغ دکھا کر انہیں دوزخ کے گڑھوں میں ڈالتے ہیں۔ دعویٰ یہ ہے کہ ہم دین کی اشاعت کرتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ دین اسلام کو بیخ دین سے اکھیڑنے کی کوشش کرتے ہیں؟ اے خدا تو مسلمانوں کو ان کے زبردست چنگل سے بچا۔ اِنَّمَا اَشْكُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰهِ یعنی میں اپنے اہا اور غم کی شکایت اللہ ہی طرف کرتا ہوں ✤

ختم شد کتاب عقائد تورپشتی

مُناجات از مبتسم

چارہ سازی کر کہ ہیں بیچارہ ہم — اے میرے مولیٰ بہت آوارہ ہم

راہِ حق سے ہیں بہت بھٹکے ہوئے — عمر بھر شیطان کی راہیں چلے

تجھ سے اُمیدِ ہدایت ہے ہمیں — تجھ سے توفیق ہدایت ہے ہمیں

کشتیٔ اسلام ہے منجدھار میں — دانہائے سبحہ ہیں زنّار میں

ہم مسلمانوں کی حالت ہے تباہ — رات دن کرتے ہیں ہم جُرم و گناہ

اعتقاد اپنا شریعت کے خلاف — اہلِ حق سے رات دن ہم کو مصاف

اے خدائے قادر و دانا حکیم — اے کہ تیری ذات لافانی قدیم

ٹمٹماتا ہے دِیا اسلام کا — کون اُکسائے اِسے تیرے سوا

دین وہ جس نے غیر کو اپنا کیا — آج خود اپنوں میں ہے اُن کے ریا

صدقۂ حضرت رسولِ ہاشمی — راہِ حق کی کر عنایت پیروی

غیر لوگوں میں ہمیں رُسوا نہ کر

از طفیلِ حضرتِ خیر البشر

تمام شد

تکملہ

کتاب عقائد تورپشتی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

بعد حمد و نعت کے کہتا ہے مترجم رسالہ ہذا فقیر بے بضاعت احقر محمد نقشبندی مجددی رامپوری متوطن شہر برہان پور کہ جب میں رسالہ عقائد تورپشتی کے ترجمہ سے بفضل خداوند عالم فارغ ہوا۔ اور اس پر نظر ثانی کی تو رسالہ مذکور میں اکثر مسائل ایسے نظر آئے۔ جو نہایت بسیط و مشرح تھے۔ اور بعض مسائل ایسے نظر آئے۔ جو بغایت وجیز و مختصر تھے پس میں نے ضروری خیال کیا کہ مسائل مختصرہ کو معہ دلائل و استدلال کے علیحدہ ایک تکملہ کی صورت میں کتاب کے آخر لگا دوں۔ تاکہ طالبین کو پورا استفادہ ہو اسی ضمن میں بعض ایسی ضروری باتیں اور اہم مسائل بھی کتب معتبرہ سے بیان کر دیئے ہیں۔ جو اصل کتاب میں موجود نہیں۔ اور وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن سے مصنف نے تعرض نہیں کیا۔ اور وہاں صرف اشارات سے کام لیا ہے۔ دوسرے وہ جن کا وجود مصنف علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں نہیں تھا۔ اور بعد کو پیدا ہوئے ہیں۔ ضروری ابحاث کی تشریح و تصحیح تو حاشیہ ہی میں کر دی ہے۔ اور یہاں بالتشریح ابحاث وجیزہ کو لکھا ہے۔ ہر ایک چیز کے ساتھ نشان صفحہ بھی لکھ دیا ہے۔ تاکہ اصل کتاب سے دیکھنے میں دقت

نہ ہو۔ انشاء اللہ ناظرین اس تکملہ کو نہایت مفید پائیں گے۔ جناب باری سے استدعا ہے کہ وہ اصل کتاب کی مانند اس تکملہ کو بھی طالبانِ حق کے لئے فائدہ مند اور مقبول عام کرے۔ وھو الخاموں ❖

فائدہ (۱)

تمہیدِ مطالب و تحصیلِ مآرب

قَالَ اَھْلُ الْحَقِّ حَقَائِقُ الْاَشْیَاءِ ثَابِتَۃٌ مدار تمام عقائد و احکام کا یہی اعتقاد پر ہے کہ ہر چیز کیلئے ایک حقیقت ہے۔ نفس الامر میں جو قطع نظر علم و اعتقاد مردم سے ثابت و واقع ہے۔ لہذا اہل الحق یعنی پیرو ان قدم بقدم طریقہ محمدی اور صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کے جو ملقب بہ لقب اہل السنت و الجماعت ہیں۔ فرماتے ہیں کہ دنیا کی ہر ایک موجودہ چیز کی (کیونکہ معدوم اُن کے نزدیک کوئی شے نہیں ہے) حقیقت ہے جس سے کسی ذی عقل کو انکار نہیں ہو سکتا یعنی آگ آگ ہے پانی پانی سرد سرد ہے اور گرم گرم۔ اس کی حقیقت نفس الامر میں موجود و ثابت ہے۔ نہ مجرد وہم و خیال جیسا کہ فرقہ سوفسطائیہ کا خیال ہے کہ اس فرقہ کے بعض لوگ عالم کو محض گمان و خیالات کہتے ہیں۔ اور ماہیت و حقیقت اشیاء سے انکار کرتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ چیزوں کی حقیقت نفس الامر میں ثابت نہیں۔ صرف اعتقاد سے متعلق ہے۔ پس اگر ہم کسی چیز کو جوہر مان لیں تو جوہر ہے۔ اور اگر عرض اعتقاد کریں تو عرض۔ اسی طرح اگر ہم آگ کو پانی تصور کریں۔ تو پانی ہے۔ اور اگر پانی کو آب یقین کر لیں۔ تو آگ یہ حکم عقل و شرع کی رُو سے باطل دیا وہ ہے۔ اس فرقہ کے کچھ لوگ ایسے ہیں۔ جو ہر چیز کے ہونے یا نہ ہونے میں شک کرتے ہیں بلکہ اپنی شک میں بھی شک کرتے ہیں۔ وعلما جرا فرقہ سوفسطائی کے پہلے گروہ کو عنادیہ دوسرے کو عندیّہ اور تیسرے کو لا ادریہ کہتے ہیں ❖

دلیل و استدلال کے ساتھ ان لوگوں کو الزام دینا اور قائل کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ دلائل و استدلالات سے بھی انکار کرتے ہیں۔ پس ان کے جواب دینے اور ملزم کرنے کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اُن کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیا جائے۔ پس اگر ان کو آگ نے جلا دیا۔ تو فھو المراد۔ اور اگر آگ میں گر کر اس کی گرمی سے نکل بھاگے تو آگ کی حقیقت کے

خودبخود معترف ہوجائیں گے (ہمارے زمانہ میں اگر اس قسم کے لوگ پائے جائیں تو اُن کی اس تمام مزخرفات کا جواب یہ ہے کہ بجائے اُن کے ملزم کرنے کے اُن کی جانب خاموشی اختیار کی جائے۔ اور اُن کی جہالت کو اُنہیں کے حوالہ کیا جائے۔ عقلمند خود حقائق اشیا کے خود معترف ہیں۔ صرف چند نادانوں کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے) وَالْعِلْمُ بِهَا مُتَحَقِّقٌ اور اُن اشیا کا علم خارج میں امر شدہ ہے یعنی ہر شخص جانتا ہے کہ جوہر جوہر ہے۔ اور عرض عرض اور حادث حادث ہے۔ قدیم قدیم۔ جوہر عرض نہیں ہوسکتا۔ اور نہ عرض جوہر ہوسکتا ہے۔ اسی طرح حادث قدیم نہیں ہوسکتا اور نہ قدیم حادث ہوسکتا ہے۔ وَاَسْبَابُ الْعِلْمِ لِلْخَلْقِ ثَلٰثَۃٌ۔ اور کسی چیز کی اصل حقیقت دریافت و معلوم کرنے کے لئے تین اسباب ہیں۔ جو مخلوقات کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کا علم سبب کی احتیاج نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ عالم بالذات ہے نہ عالم بالغیر اَلْحَوَاسُّ السَّلِیْمَۃُ پہلا سبب وُہ حواس ہیں۔ جو نقص سے خالی اور آفات سے سالم ہوں۔ وَالْخَبَرُ الصَّادِقُ دُوسرا سبب خبر صادق ہے۔ وَالْعَقْلُ اور تیسرا سبب عقل ہے ❊

اَمَّا الْحَوَاسُّ فَخَمْسٌ۔ لیکن حواس کی پانچ قسمیں ہیں۔ اول سمع (سُننا) دوسری بصر (دیکھنا) تیسری شم (سونگھنا) چوتھی ذوق (چکھنا) پانچویں لمس (چھونا) وَبِکُلٍّ مِنْهَا تُوقَفُ عَلٰی مَا وُضِعَتْ هِیَ لَہٗ۔ ان حواس خمسہ میں سے ہر ایک حس وُہی دریافت کرسکتا ہے۔ جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔ تو قوت سامعہ صرف آوازوں کی حقیقت و کیفیت معلوم کرسکتی ہے۔ اور باصرہ دیکھنے کے ذریعہ صرف الوان و رنگوں کی پہچان کرسکتی ہے۔ ایسا نہیں کہ سامعہ باصرہ کا کام کرسکے۔ اور باصرہ سامعہ کی مانند آوازوں کی حقیقت معلوم کرسکے۔ یہی حال دوسری قوتوں مذکورہ کا ہے ❊

اگر اعتراض کیا جاوے کہ قوت ذائقہ تو حرارت و برودت وغیرہ کا بھی ادراک کرسکتی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ حرارت و برودت وغیرہ کی ماہیت کا دریافت کرنا لمس کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ جو تمام بدن میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور وہ ذوق میں موجود ہے پس ذائقہ نے حرارت و برودت کا ادراک نہیں کیا۔ یہ ادراک لمس کا ہے۔ نہ کہ ذائقہ کا ❊

وَالْخَبَرُ الصَّادِقُ عَلٰی نَوْعَیْنِ اور خبر صادق کی دو قسمیں ہیں۔
اَحَدُھُمَا الْخَبَرُ الْمُتَوَاتِرُ پہلی قسم خبر متواتر ہے۔ جو پے در پے یکے بعد دیگرے پہنچی ہو۔ وَھُوَ الْخَبَرُ الثَّابِتُ عَلٰی اَلْسِنَۃِ قَوْمٍ لَا یُتَصَوَّرُ تَوَاطُئُھُمْ عَلَی الْکِذْبِ اور یہ وہ خبر ہے۔ جو ایسی قوم کے اخبار و اتفاق سے ثابت ہو۔ جس کا کذب پر اتفاق کرنا تصوّر میں نہ آسکے۔ پس اس قسم کی خبر موجب علم ضروری کے ہوتی ہے کہ اُس میں شک و گمان کو بالکل دخل نہیں رہتا جیسے گزشتہ سلاطین و ملوک کے حالات جو سنین ماضیہ میں واقع ہوئے ہیں۔ اور دُور دُور سے شہروں کے واقعات جو وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر یہ حالات و واقعات ہم کو شرط کتب مذکورہ کے ساتھ پہنچے ہیں۔ تو ان سے علم یقین حاصل ہو جاتا ہے۔
وَالنَّوْعُ الثَّانِیْ خَبَرُ الرَّسُوْلِ الْمُؤَیَّدِ بِالْمُعْجِزَۃِ اور خبر صادق کی دُوسری قسم ایسے رسُول کی خبر ہے۔ جو معجزہ کے ساتھ تقویت دیا گیا ہو۔ یعنی اس کی رسالت معجزہ کے ذریعہ ثابت ہوئی ہو۔ اور رسُول اُس مرد بزرگ کو کہتے ہیں۔ جس کو خدا تعالیٰ نے مؤیَّد بالمعجزہ کرکے خلق کی طرف بھیجا ہو تاکہ وہ احکام آلٰہیہ مخلوق کو پہنچاوے۔ اسی کو نبی کہتے ہیں۔
لیکن بعض علما نبی و رسُول میں تفریق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول وہ ہے۔ جس پر کتاب نازل ہو۔ اور نبی وہ ہے جس پر کتاب نازل نہ ہو۔ بلکہ وہ اپنے رسُول کی کتاب منزل من اللہ کے مطابق خلق اللہ کی ہدایت کرے۔ وسیاتی تفصیلہٗ انشاء اللہ اور خبر رسول موجب علم استدلالی کے ہوتی ہے۔
وَالْعِلْمُ الثَّابِتُ بِہٖ یُضَاھِی الْعِلْمَ الثَّابِتَ بِالضَّرُوْرَۃِ فِی الْیَقِیْنِ وَالثَّبَاتِ اور یہ علم جو رسُول کی خبر سے حاصل ہوا یہ بھی مانند اُس علم کے ہے جو بضرورت ثابت ہوا یقین اور ثبات میں۔ یعنی اس علم میں بھی کسی قسم کے شک و ریب کو دخل نہیں ہوتا جس طرح خبر متواتر کے علم میں گمان کذب کا نہیں ہوتا۔
وَاَمَّا الْعَقْلُ فَھُوَ سَبَبُ الْعِلْمِ اَیْضًا رہی تیسری قسم ابواب علم کی یعنی عقل تو وہ بھی علم حاصل ہونے کا سبب ہے۔ پس اس میں سے جو علم بالبداہت حاصل ہو۔ وہ علماءِ کلام کی اصطلاح میں علم ضروری کہلاتا ہے۔ جیسے اس بات کا علم

کہ ہر ایک چیز کا جزو اُس کے کل سے چھوٹا ہے۔ اور اُس میں سے جو علم استدلال کے ذریعہ حاصل ہو۔ اُس کو اکتسابی کہتے ہیں۔ جیسے دُھواں دلیل ہے آگ کے وجود کی +

وَالْاِلْهَامُ لَيْسَ مِنْ اَسْبَابِ الْمَعْرِفَةِ بِصِحَّةِ الشَّيْءِ عِنْدَ اَهْلِ الْحَقِّ اور اہل حق کے نزدیک الہام کسی چیز کی صحت کے لئے اسباب معرفت سے نہیں ہے۔ وَالْعَالِمُ بِجَمِيعِ اَجْزَائِهِ مُحْدَثٌ اور عالم اپنے تمام اجزا کے ساتھ حادث ہے یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں حادث ہیں کہ نیستی سے ہستی میں آئی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اُن کو وجود بخشا ہے۔ اور یہ تمام چیزیں قابل فنا ہیں۔ لِاَنَّهُ هُوَ اَعْيَانٌ وَاَعْرَاضٌ اس جہت سے کہ عالم دو حال سے خالی نہیں۔ اُس کی بعض چیزیں اعیان ہیں۔ (قائم بذاتہ) اور بعض چیزیں اعراض ہیں۔ (قائم بغیرہ) پھر وہ چیز جس کا قیام اُس کی ذات سے ہے۔ اور محتاج بمحل ومکان نہیں دو قسم ہے، یا تو مرکب دو چیز یا زیادہ سے۔ جیسے اجسام اور یا غیر مرکب جیسے جواہر! در جوہر وہ چیز ہے۔ جو قابل قسمت نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا۔ وَهُوَ الْجُزْءُ الَّذِي لَا يَتَجَزَّى۔ یعنی چیز غیر مرکب ایسا جزو ہے جو منقسم نہیں ہو سکتا۔ جیسے نقطہ +

وَالْعَرَضُ مَا لَا يَقُوْمُ بِذَاتِهِ اور عرض وہ ہے جو اپنے قیام میں محتاج کسی دُوسری چیز کا ہو۔ جیسے صفت جو موصوف کی محتاج ہے اور عرض حادث ہوتا ہے اجسام وجواہر میں۔ پس صفات الٰہی عرض نہیں۔ اس لئے کہ قائم بالذات ہے۔ اور جسم وجوہر میں اُن کا حدوث نہیں ہوتا۔ مثال عرض کی ایک تو الوان ہیں۔ جو اجسام میں عارض ہوتے ہیں! ور قائم بالذات نہیں ہیں۔ دُوسرے اکوان یعنی چیزوں کا حسد ہونا مراد اس سے اُن کا اجتماع وافتراق اور حرکت وسکون ہے۔ تیسرے طعوم یعنی مزے خواہ کسی قسم کے ہوں۔ جو ذائقہ کو عارض ہوتے ہیں۔ وَالْمُحْدِثُ لِلْعَالَمِ هُوَ اللّٰهُ اور عالم کو ہستی میں لانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوَالُهٗ (تفصیل اس کی عقائد توربشتی میں ہے) +

فائدہ ۲

ایمان کی کچھ اُوپر ستّر شاخیں ہیں

متعلقہ صفحہ ۲۸

چنانچہ حدیث شریف میں ہے اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً اَفْضَلُھَا قَوْلُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَدْنَاھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ یعنی ایمان کی کچھ اوپر ستّر شاخیں ہیں۔ اُن سب میں بزرگ تر یہ کہنا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اور سب میں ادنیٰ تکلیف دہ چیزوں کا رستہ سے دور کرنا ہے۔ مولانا امام سیّد ابو الہدیٰ نے اپنی کتاب شریعت الباہرہ میں ان شاخوں کو بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ وہیں سے ہم حسب ذیل شاخیں مختصراً لکھتے ہیں :-

(۱) کلمہ توحید (۲) تصدیق رسالت (۳) غسل جنابت (۴) وضو (۵) نماز (۶) زکوٰۃ (۷) رمضان کے روزے (۸) حج (۹) جہاد (۱۰) ہجرت فی سبیل اللہ (۱۱) استقامت فی الدین (۱۲) لزوم جماعت (۱۳) نصیحت (۱۴) امر معروف (۱۵) نہی منکر (۱۶) عدل (۱۷) امانت (۱۸) صدق (۱۹) ایفائے وعدہ (۲۰) لوگوں کو تکلیف نہ دینا (۲۱) خوش سلوکی اور نیکی (۲۲) صلہ رحمی (۲۳) مہمان نوازی (۲۴) حقوق ہمسایہ (۲۵) کلمہ خیر کے سوا ہر بات سے خاموشی (۲۶) غیرت (۲۷) تقویٰ (۲۸) لغویات سے کنارہ کشی (۲۹) ورع (۳۰) قناعت (۳۱) دل اور زبان کا ایک ہونا (۳۲) خدا کی صفات و اسما پر ایمان لانا۔ (۳۳) قضا و قدر پر ایمان لانا (۳۴) انبیا و رسل پر ایمان لانا (۳۵) کتب الٰہی پر ایمان لانا (۳۶) جنوں اور شیطانوں کے وجود پر ایمان لانا۔ (۳۷) کلمہ گو کو کافر نہ کہنا (۳۸) سنتِ نبوی پر چلنا (۳۹) اخلاص فی الدین (۴۰) توبہ (۴۱) صبر (۴۲) شکر (۴۳) زہد (۴۴) توکل (۴۵) رضا (۴۶) خوفِ خدا (۴۷) رجا (۴۸) حب فی اللہ (۴۹) بغض فی اللہ (۵۰) حیا (۵۱) حسن خلق (۵۲) خدا کے حاضر و ناظر ہونے پر

اعتماد (۵۳) یہ اعتقاد کہ خدا میرے تمام اعمال پر مطلع ہے (۵۴) مایوسی اور نومیدی کو ترک کرنا (۵۵) حسد سے دُور رہنا (۵۶) ہمیشہ ذکرِ خدا کرنا۔ (۵۷) علم حاصل کرنا اور پھیلانا (۵۸) لغو سے بچنا (۵۹) کفر سے نفرت کرنا (۶۰) تواضع (۶۱) روزِ آخرت پر ایمان لانا (۶۲) جنّت کے وعدوں پر پختہ یقین رکھنا (۶۳) دوزخ کا پورا اعتقاد رکھنا (۶۴) علاماتِ قیامت پر ایمان لانا (۶۵) احوالِ قبر پر ایمان لانا (۶۶) احوالِ عالمِ برزخ (۶۷) پلصراط پر ایمان لانا (۶۸) میزان پر یقین لانا (۶۹) حساب پر ایمان لانا (۷۰) شفاعت پر ایمان لانا (۷۱) حوضِ نبوی پر ایمان لانا (۷۲) دیدارِ الٰہی (۷۳) ظلم اور ظالموں سے بھاگنا (۷۴) شاہِ وقت کی اطاعت (۷۵) مروت (۷۶) راستہ سے ضرر رساں چیزوں کو دُور کرنا۔

ایمان کی جتنی شاخیں اُوپر بیان ہوئیں۔ یہ اور ان کے سوا جو کچھ بھی ہیں سب کمالِ ایمان پر دال ہیں۔ یعنی ایمان کامل کسی شخص کو جب حاصل ہوتا ہے کہ اُس میں مومنین کی جملہ صفاتِ حسنہ پائی جائیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے اَلْمُؤْمِنُ مَنْ سَلِمَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ يَدِهٖ وَلِسَانِهٖ یعنی مومن کامل وُہ ہے جس کے ہاتھ سے اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں۔ مومن کی ایک سب سے بڑی اور اعلےٰ صفت اس حدیث میں بیان فرمائی ہے اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اٰمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَدِمَائِهِمْ یعنی مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنے مالوں اور جانوں کا امین بنائیں۔

خیال کرنا چاہئے کہ وہ شخص کیسا کامل مومن ہوگا۔ جس پر تمام نوعِ بشر کو عام اس سے کہ وہ مشرک ہو یا مومن اس قدر اعتبار ہو کہ وہ اس کو اپنی جان و مال کا امین اور محافظ بنا دے۔ یہ اسلام نودِن اولی کے مقدّس نفوس کا تھا۔ کہ اُن کے اوصافِ حمیدہ اور ذہانت و تقویٰ اور ورع و عدالت وغیرہ کو دیکھ کر غیر مسلم لوگوں کا بھی اُن پر ایسا اعتماد و بھروسہ تھا۔ کہ اُن کو اپنی مال و جان کا امین بناتے۔ اور اُن کی حکومت سے جُدا ہونے کو دل سے ناپسند کرتے تھے۔ اب رہا اصل دینِ اسلام جس کے بدُوں کوئی مسلم یا مومن نہیں کہا جا سکتا۔ اُس کے تین درجے ہیں۔ اسلام ایمان احسان

اسلام کے باب میں حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے۔
اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ یعنی اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے اس بات کی کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے رسول ہیں۔ اور قائم کرے نماز کو۔ اور ادا کرے زکوٰۃ کو۔ اور روزے رکھے رمضان کے۔ اور حج کرے خانہ کعبہ کا۔ اگر تجھ میں وہاں پہنچنے کی استطاعت ہو۔

اور ایمان کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ۔ یعنی ایمان لاوے تو اللہ پر، اور اُس کے فرشتوں پر، اور اُس کی کتابوں پر، اور اُس کے رسولوں پر، اور روز آخرت پر، اور ایمان لاوے تو نیکی اور بدی کے اندازہ کرنے پر کہ تقدیر خیر و شر خدا کی طرف سے ہے۔

اور احسان کی نسبت آپؐ نے فرمایا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ یعنی عبادت کرے تو خدا کی اس طرح کہ گویا تو اُس کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اُس کو نہیں دیکھتا۔ تو وہ تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔

فائدہ ۳۷

خالق عالم کی شناخت میں

متعلقہ صفحہ

حضرت شیخ شہاب الدین تورپشتی رح نے اپنی کتاب عقائد میں ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت، اور خالق عالم کی شناخت کے متعلق دو قسم کے دلائل بیان کئے ہیں۔ دلائل انفس اور دلائل آفاق، ہم ان دونوں قسم کے دلائل کو ذرا وضاحت سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن قبل اس کے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ غور و فکر اور تدبیر کی تعریف کر دیں۔ کیونکہ دلائل مذکورہ کی حقیقت پر پہنچنے کا یہی ایک بڑا ذریعہ ہے۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے کئی مقام پر تدبیر و فکر کی تعریف فرمائی ہے۔ اور حضرت رسولِ خدا صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کی صفت اور اس سے عمدہ نتائج حاصل کرنے کا ذکر کئی احادیث میں کیا ہے ۔

معتبر کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر بزرگان دین صرف تدبیر و فکر کے ذریعہ بڑے بڑے مدارج عالیہ پر فائز ہوئے ہیں۔ اسی واسطے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً ایک ساعت کا فکر کرنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تفکر فی الآء اللہ بڑی فاضل چیز ہے ۔

قرآن کریم میں ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی یعنی اس کے اندر عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں کہ وہ ان پر غور کر کے خالق عالم کی شناخت آسانی سے کر سکتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا۔ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت پر نظر نہیں کی۔ ایک اور آیت میں دنیا میں جو چیزیں پیدا ہوئیں۔ ان میں غور و فکر کرنے اور اس ذریعہ ہستی واجب الوجود کی معرفت پر پہنچنے کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ یعنی کیا وہ نہیں دیکھتے اونٹوں کی جانب کہ وہ کس طرح پیدا کئے گئے ہیں۔ اور آسمان کی جانب کہ وہ کیونکر بلند کئے گئے ہیں۔ اور پہاڑوں کی جانب کہ وہ کیسے قائم کئے گئے ہیں اور زمین کی جانب کہ وہ کس طور پر بچھائی گئی ہے۔ غرض بہت سی آیات ہیں جن سے غور و فکر کی فضیلت اور اس کے ذریعہ خداوند عالم کی شناخت کی راہ مل سکتی ہے ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت نماز پڑھتے تو زار زار روتے۔ میں نے عرض کیا اے حضور آپ کیوں روتے ہیں۔ خدا نے آپکے اگلے پچھلے ذنوب معاف کر دیئے ہیں۔ فرمایا اے عائشہ میں کس لئے نہ روؤں کہ مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ الخ یعنی آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دنوں کے اختلاف میں ذی عقل اصحاب کے لئے بہت نشانیاں ہستی باری تعالیٰ کی

موجود ہیں پس افسوس اُس شخص پر کہ یہ آیت پڑھے۔ اور غور و فکر سے کام نہ لے ٭

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اپنی آنکھوں کو عبادت سے نصیب دو۔ عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! یہ کس طرح۔ فرمایا آنکھوں کی بڑی عبادت یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کی جاوے۔ اور آیاتِ الٰہی میں فکر و تامل سے کام لیا جاوے۔ اور اُس کی عجائبات سے عبرت پکڑی جاوے۔ حضرت ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی فکر عاقبت کو برباد کرتی ہے۔ اور آخرت کی فکر حکمت و دانائی عطا کرتی ہے۔ اور اس سے دل زندہ ہوتے اور قلوب تازگی پاتے ہیں۔ بعض اولیائے کرام رحمہم اللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ فکر میں اس درجہ مستغرق ہوتے کہ اس وقت دنیا و ما فیہا بلکہ اپنی ہستی و وجود تک کی انہیں مطلق خبر نہ رہتی ٭

فکر کرنے کی ترکیب

فکر کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر نہایت خاموشی اور ادب کے ساتھ عجائباتِ عالم اور نیز اپنی خلقت پر نظر غائر کرے۔ اور خیال کرے کہ اللہ تعالےٰ جل جلالہٗ نے مجھے کیوں اور کس لیئے پیدا کیا ہے۔ اور دنیا کا اتنا بڑا عظیم الشان کارخانہ کس غرض سے ظہور میں لایا گیا ہے۔ یہ تو ایک نہایت سُست و لچر خیال ہے کہ دنیا خود بخود بدُوں مدد و تخلیق کسی صانع کے وجود میں آگئی ہو۔ اور اُس کی نہ ابتدا ہو نہ انتہا۔ اور یہ بھی ایک رکیک رائے ہے کہ میں صرف اس لیئے عالم بروز میں لایا گیا ہوں کہ تمتعات و لذّاتِ دنیاوی سے چند روز تک بہرہ مند ہو کر اور جمع مال و منال میں منہمک رہ کر دنیا سے اس طرح رخصت ہو جاؤں کہ اس کے بعد مجھے خداوند عالم سے کوئی سروکار اور کسی قسم کا روحانی یا جسمانی تعلق نہ رہے۔ مجھے نہ تو کسی کو اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے۔ اور نہ میرے ذمّہ کوئی بازخواست ہو۔ انسانی زندگی صرف دنیا تک محدود ہو۔ اور اس کے بعد کوئی جدید زندگی حاصل نہ ہو۔ یہ تمام خیالات واہی اور اوپری نظر والوں کے ہیں۔ جو اکثر نادانوں کے دلوں میں گدگداتے ہیں۔ وہ اگرچہ خود کو بڑا عقلمند خیال کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں اُن سے زیادہ اور کوئی بیوقوف نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی زندگی کی وقعت حیوانات سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ اور

اور اپنے حق میں کوئی نُواتُسَ ایگا کا رذیل نتیجہ نکالتے ہیں۔ غرض ہوشیار آدمی کو ایسا خیال ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ اور غور وفکر کے ذریعہ ہمیشہ اصل مقصود یعنی شناخت واجب الوجود پر پہنچنا چاہئے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ذاتِ الٰہی میں فکر کرنا منع ہے۔ بلکہ اُس کی مخلوق میں فکر کرنا چاہئے۔

دلائلِ انفس

قرآن شریف میں شناخت واجب الوجود کے لئے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ دو قسم دلائل یاد کئے گئے ہیں۔ دلائل نفس اپنی ذات وصفات پر غور کرکے معرفت الٰہی پر پہنچنا اور دلائلِ آفاق جس سے مراد یہ ہے کہ عالمِ کائنات کی چیزوں پر نظر عمیق دوڑا کر شناخت خالق عالم کی حاصل کرنا۔ لیکن پہلی قسم استدلال سہل تر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی مقام پر انسان کو اسی قسم کے استدلال کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک جگہ فرمایا وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کی شناخت کے دلائل اور آیات خود تمہاری ذاتوں میں موجود ہیں۔ تو تم دیکھتے کیوں نہیں دوسری جگہ فرمایا۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ یعنی بلکہ انسان اپنی ذات پر بصیر ہے۔ اگرچہ وہ اپنی سُستی وغفلت سے اپنے کو اِس بصارت سے معذور اور بیکار رکھے۔ اور ایک جگہ فرمایا۔ اَعرِف نفسَکَ تَعرِف رَبَّکَ اپنی ذات کو پہچان لے کہ اسی کے ذریعہ تجھے رب کی معرفت ہو جائے گی۔

اور حدیث میں ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ جس شخص نے اپنے نفس کی معرفت کرلی۔ تحقیق اُس نے اپنے رب کی معرفت لی۔ اِس معرفت کی ترکیب یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنے اقوال اور افعال ظاہری وباطنی کا احتساب کرتا رہے پس اُن میں جو کچھ رذائل ہیں۔ اُن کو دُور کرنے کی کوشش کرے۔ اور جو خوبیاں وحمائد ہوں۔ اُن کے حاصل کرنے کی جانب رجوع رہے۔ چنانچہ جب اپنے اعضائے ظاہری میں مثلاً گوش وچشم زبان ودست وپا وغیرہم کو دیکھے کہ وہ خالق عالم کی اور شارع علیہ السلام کی غرض ارشاد کے خلاف جنبش کرتے ہیں تو اُنہیں بیجا حرکت سے روکے۔ اور اُن سے وہی کام لے جو خدا اور رسُول کی منشا کے موافق اور عین مطابق رضا ہو۔ اسی طرح باطنی خرابیاں حسد وحقد

بعض و کینہ تہمت و افترا حرص و طمع کو کھونے میں اُس کی سعی مبذول رہے۔ یہ غور و فکر اس شخص کے لئے مفید ہے جو توحید و رسالت کا مقر و معترف ہے لیکن وہ شخص جو سرے سے خدا کی ذات و صفات ہی کا منکر ہے وہ اپنی کتاب ہستی کا مطالعہ اس طرح کرے کہ اس کی خلقت میں جو صنائع و بدائع رکھے گئے ہیں۔ ان میں سے کسی بھی صفت کو بغیر اُس پر غور کی نظر کئے نہ چھوڑے۔ اور پھر خیال کرے کہ باوجود احسن التقویم کی خلقت میں داخل ہونے اور باوجود اس اختیار عظیم کے وہ کیسا بے بس اور مجبور ہے کہ اگر ایک مچھر یا مکھی اُس کو پریشان کرنا چاہے تو وہ اس کو ہرگز دفع نہیں کر سکتا۔ اُس کے بعد سب سے عزیز الوجود چیز دل ہے جس پر مدار زندگانی ہے۔ تو اُس کی یہ حالت ہے کہ دن رات کے تمام بیداری کی ساعتوں میں اس کو کبھی اور کسی ساعت بھی قرار نہیں۔ اُس کی مثال ایسی ہے کہ جنگل میں ایک خشک پتا پڑا ہے۔ اور زور کی آندھیاں چل رہی ہیں کہ کبھی وہ اُس پتے کو کبھی ایک قرار پر نہیں رہنے دیتیں۔ پس ثابت ہوا کہ اُس کے دل کا یہ تغیر اور ساعت بساعت انقلاب حالت اُس کے اختیار سے باہر ہے۔ بلکہ ایک ضروری چیز دفع مضرت اور جلب منفعت پر بھی جو اُس کی طرح عام حیوانات کو بھی دی گئیں ہیں۔ وہ اپنی مرضی کے موافق قادر نہیں۔ لہذا اُس سے قوی تر قادر و قاہر کا ہونا ضروری ہے۔ اور انسان کی ساری کل اُسی ایک کے دست قدرت میں ہے۔ اس طریق پر انسان اگر اپنی خلقت میں غور کرے۔ اور جیسی کہ اُس کی عادت ہے اپنی ساخت اور کائنات کی خلقت کو سرسری نظر سے نہ دیکھے۔ تو بہت جلد اس کو صدق دل سے اس بات کا اعتراف کرنا پڑیگا۔ کہ ہستی واجب الوجود کا اقرار انسان کی بڑی سعادت اور اصلی شرافت ہے۔

ہم یہاں آسانی سے سمجھ میں آنے کے لئے سورۂ دہر کی چند ابتدائی آیتیں نقل کرتے ہیں۔ جس میں انسان کو اُس کی ہستی کی جانب نظر غائر ڈالنے پر توجہ دلائی گئی ہے۔ اور پھر بتایا گیا ہے کہ ہمیں نے اس کو باہمہ خوبی ہائے بیکراں پیدا کیا ہے۔ چنانچہ وہ آیات یہ ہیں۔ هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا۔ فرمایا کیا انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی گذرا ہے کہ اُس کے متعلق کوئی شے مذکور نہیں تھی۔ ہمیں نے اُس کو ایک ایسے نطفے سے پیدا کیا۔ جو مخلوط اور درہم آمیختہ

ہے۔ اس لئے کہ اس کو آزمائیں (کہ وہ ہماری شناخت اور ہماری عبادت کرتا ہے۔ یا نہیں) تو ہم نے اس کو سننا اور دیکھتا کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ اس وقت نہ تو انسان کو وجود ذہنی حاصل تھا اور نہ وجود لفظی یعنی اس کا نام تک فرشتوں اور جن وغیرہ کی زبان پر جاری نہ تھا۔ بالکل نیست و نابود تھا۔ پھر ہم ہی نے اس کو نطفہ مختلط اور مرکب سے پیدا کیا ٭

اِنسانی ہستی کی ابتدا

اس آیت شریف میں غور کرنے سے کئی نصیحتیں مل سکتی ہیں۔ اول یہ کہ انسان کوئی ایسی ہستی نہیں ہے کہ اس کی خلقت کی کوئی ابتدا نہ ہو۔ اور وہ ہمیشہ سے اسی طرح پیدا ہوتا چلا آتا ہو جیسا کہ فلاسفہ کا قول ہے کہ انسانی ہستی کی کوئی ابتدا نہیں۔ اور وہ ہمیشہ سے پیدا ہوتا چلا آتا ہے یعنی یہ سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے کہ نطفہ سے انسان اور انسان سے نطفہ پیدا ہوتا ہے اس کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا ہوگی۔ اور نہ کبھی اس کے خلاف واقع ہوا ہے اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی تردید میں فرماتا ہے کہ اُن کا یہ قول غلط ہے بلکہ ایک وقت ایسا تھا کہ انسان کی صورت و شکل تو دوسری بات ہے۔ اُس کا نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ ہم نے اس کی ابتدا اس طرح کی کہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو کھنکناتی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اُس میں روح ڈالی۔ اس کے بعد اُن کی بیوی حواؑ کو اُن کے بائیں پہلو سے پیدا کیا۔ بعد ازاں ہم نے یہ سلسلہ جاری کر دیا۔ کہ قطرہ منی ناپاک اور گندہ سے انسان کو پیدا کرتے ہیں۔ یہ بھی ہماری قدرت ہے۔ ہمارے سوا کس میں طاقت ہے پانی کے ایک قطرہ سے ایسی زیبا شکل بنائے۔ کیا خوب فرمایا ہے ؎

دہد نطفہ را صورتے چوں پری ۔۔۔ کہ کردست برآب صورت گری

رُوح اور مادہ کی قدامت کا ابطال

دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ انسان ابتدا میں معدوم تھا۔ اور اُس کو کسی قسم کا عقلی یا حسی وجود حاصل نہ تھا۔ پھر خدا ہی نے اس کو وجود عنایت کیا۔ اُس سے ثابت

سمجھنا چاہئے کہ انسان خود بخود وجود میں نہیں آگیا ہے۔ جیسا کہ فلاسفہ اور دیگر مذاہب کے لوگ کہتے ہیں کہ دنیا ازلی ابدی ہے۔ اُس کا کوئی صانع نہیں ہے رُوح و مادہ یہ دونوں چیزیں پہلے سے موجود تھیں۔ پھر کیف ما اتفق ان میں اتصال ہوگیا۔ اور اس طرح انسان پیدا ہوگیا۔ یہ قول بھی غلط ہے۔ بلکہ خدا فرماتا ہے کہ ہم ہی نے اپنی قدرت سے اُس کو پیدا کیا ہے دنیا اور انسان تمام حادث بالذات ہیں۔ ہم ہی اُن کو عدم سے وجود میں لائے۔ اور ان سب کا وجود عارضی ہے۔ سب کو ایک دن فنا ہے۔ باقی ہماری ہی ذات ہے ۔

بعث بعد الموت

ایک اور جگہ خدائے کریم نے انسان کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ جس سے ہر ذی عقل اپنی ہستی کی حقیقت معلوم کر کے ذاتِ الٰہی کی معرفت اور اُس کی عظمت و جلال کو سمجھ سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَۃٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَۃٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَۃٍ مُّخَلَّقَۃٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَۃٍ لِّنُبَیِّنَ لَکُمْ یعنی اے لوگو اگر تم مرنے کے بعد دوبارہ جی اُٹھنے کے باب میں شک کرتے ہو (اور اُس کو محال جانتے ہو تو سمجھ لو) کہ ہم نے تم کو پہلے پہل مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے۔ پھر خون کے لوتھڑے سے۔ پھر پُوری اور ادھوری بوٹی سے تاکہ ہم تم پر اپنی قدرت ظاہر کریں ۔

اس آیت میں اہل مکہ اور تمام ان منکرین کا جواب دیا گیا ہے جو کہا کرتے تھے کہ جب ہم فنا اور ہلاک ہو جائیں گے تو پھر کبھی اُٹھنے کے نہیں۔ دوبارہ قبر سے اُٹھنا مرنے کے بعد بالکل ناممکن ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ روح حقیقت میں کوئی چیز نہیں۔ جاندار صرف خون کے سہارے چلتے پھرتے اور زندگی کرتے ہیں۔ یعنی خون ہی مدارِ حیات ہے۔ جب خون خشک ہوگیا۔ بس یہی موت ہے اس کے بعد انسان گل سڑ کر خاک میں مل جاتا ہے۔ یہ لوگ رُوح کو ایک ایسی چیز نہیں مانتے کہ وہ جسم سے علیحدہ ہو کر باقی اور زندہ اور قائم رہے۔ اس آیت میں انہیں لوگوں کی خیالات کی تردید کی گئی ہے ۔

ایک اور بات اس آیت میں قابل غور ہے کہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی صفت قادر ہے تو اُس کی قدرت سے یہ بعید تھا کہ وہ ایک دم سے انسان کو پیدا کر دیتا۔ اور اس تدریج کی ضرورت نہ رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا جواب لِنُبَیِّنَ لَکُمْ میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ اُس کی تفسیر یُوں ہے کہ لنبین لکم بھٰذا التدریج کمال قدرتنا وحکمتنا وان من قدرتنا ان نجعل نطفۃ علقۃ و علقۃ مضغۃ وان من قدرتنا اعادۃ ما ابداہٗ یعنی اگرچہ ہم دفعۃً واحدۃً بھی انسان کے پیدا کرنے میں پُوری قدرت رکھتے ہیں۔ لیکن اس تدریج اور باہستگی پیدا کرنے میں ہماری یہ غرض پوشیدہ ہے تاکہ تم پر ہماری قدرت اور حکمت کا کمال ظاہر ہو جاتے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ ہم نطفہ کو علقہ اور علقہ کو مضغہ کرنے پر پُوری قدرت رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ ہم انسان کو بعد اُس کے ہلاک اور فنا کرنے کے پھر زندہ کرنے پر پُورے قادر ہیں۔ اور یہ ہماری ہی شان ہے۔ ہمارے سوا کسی دوسرے کی یہ شان اور مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہماری خلقت میں کئی طرح کی تبدیلیاں واقع ہیں۔ پہلے غذا کو نطفہ بنایا۔ پھر اس کو علقہ بنایا۔ پھر علقہ کو مضغہ کیا۔ واقعی انسان کی قدرت سے بہت بعید ہے کہ وہ ایک ہی چیز کی بدل بدل کر ایسی مختلف صورتیں بنا سکے۔ یہ اُسی قادر و توانا کی صفت ہے جس میں کسی کو مشارکت نہیں ✤

ایک اور آیت میں اس سے زیادہ انسانی خلقت کی تشریح فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً وَّالْعَلَقَۃَ فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ یعنی یقیناً ہم نے آدمی کو خلاصہ گل سے بنایا۔ پھر اس کو قطرہ منی بنا کر قرار گاہ استوار (رحم مادر) میں (چالیس دن تک) رکھا۔ پھر ہم نے علقہ کو لوتھڑے کی شکل میں ڈھالا۔ پھر ہم نے لوتھڑے کو ہڈی بنایا۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر ہم نے اُسے دوسری صورت میں اُٹھایا۔ (یعنی پھر ہم نے اس میں رُوح پھونکی) اور دُوسری ضروری چیزیں مثلاً دماغ و جگر و دل و گردہ و مثانہ وغیرہ وغیرہ

بنائیں۔ پس بزرگ ہے خدا اچھا پیدا کرنے والا ؛

اس آیت شریف میں انسانی پیدائش کو بڑی خوبی سے باترتیب بیان کیا ہے اور شک نہیں کہ انسانی پیدائش کا یہی سلسلہ ہے۔ اور یہی مراتب ہیں کہ مٹی سے پہلے انسان کی غذا پیدا ہوتی ہے۔ آدمی اُس کو پکا کھاتا ہے۔ پھر قوٰی کلان تولید غذا کے خلاصہ سے بحکم باری تعالیٰ خون و منی بناتے ہیں۔ منی کی پیدائش ہضم چہارم کے فضلہ سے متعلق ہے یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ منی ایک مقام پر منجمد نہیں ہوتی۔ بلکہ منتشر اور تمام اعضائے بدن میں پھیلی ہوتی ہے۔ چونکہ خداوند تعالیٰ نے عضو مخصوص میں قوت شہوی کو مسلط کر دیا ہے۔ اس واسطے منی تمام اعضا سے تحلیل ہو کر اُس رستہ سے اخراج کرتی ہے۔ اور اس قوت میں کچھ ایسی طاقت آجاتی ہے کہ ہر ایک عضو سے جذب کر کے اجزائے منی کو ایک جگہ فراہم کر دیتی ہے۔ جب قوت شہوت مرد و عورت پر غالب آتی ہے۔ تو وہ مجامعت میں مشغول ہوتے ہیں۔ مرد کی منی صلب سے اور عورت کی منی ترائب یعنی سینہ سے نزول کر کے رحم میں جا گرتی ہے۔ یہاں آکر اُس میں غلظت یعنی گاڑھا پن آجاتا ہے۔ پھر منی خون کی صورت قبول کرتی جاتی ہے۔ عورت کے حیض کا خون بھی اُس میں شامل ہوتا ہے اور تینوں میں اجتماع ہو کر ایسی غلظت آجاتی ہے کہ وہ لوتھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ زیادہ بستگی پر آکر بوٹی کی شکل پکڑتا ہے۔ پھر بوٹی میں زیادہ سختی آجاتی ہے۔ اور اُس میں خدا کی حکمت سے ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور ہڈیاں کے آس پاس گوشت لپٹا جاتا ہے پھر جب انسانی کالبد کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ تو اُس میں اللہ تعالےٰ اپنی قدرت سے رُوح یعنی جان ڈالتا ہے۔ رُوح کی حقیقت آج تک کسی کو معلوم نہیں ہوئی۔ کہ وہ کیا ہے۔ اور کسی نے اس لاینحل مسئلہ کو ابھی تک حل نہیں کیا۔ بڑے بڑے جلیل القدر فلاسفہ اس جگہ ساکت ہیں۔ اور انشاء اللہ آیندہ بھی ساکت و صامت ہی رہیں گے۔ کیونکہ خدا نے جب اپنے الوالعزم پیغمبر صلوٰۃ اللہ الاکبر کو جب آپ سے لوگ رُوح کے متعلق سوال کرتے تھے رُوح کی حقیقت ظاہر کرنے سے ممانعت کی۔ اور فرمایا کہ سائلین کے جواب میں صرف یہ کہدو کہ رُوح امر ربی ہے۔ اور امر ربی کی تحقیق میں کہ اُس سے مراد کیا ہے۔ علما کو اختلاف ہے۔ چنانچہ صاحب عقائد تورپشتی نے اس کو بڑی تشریح سے بیان کیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۹۴۔ تو پھر کس کی مجال ہے کہ اس سربستہ راز کا انکشاف کرے۔

غرض انسان اپنی عقل و دانائی کے بل بوتے پر جسم انسانی کی تشریح پر ایک حد تک کامیاب ہو سکتا ہے اور ہو جاتا ہے۔ مگر رُوح کی حقیقت سے مطلق نابلد ہے۔ حتیٰ کہ فلاسفہ باہمہ ریش و خش دعوائے باطل دانائی خود اس بات کے معترف ہیں کہ ہمیں رُوح کی حقیقت کی دریافت میں مطلق کامیابی نہیں ہوئی ٭

رُوح کی حقیقت سے بعض لوگ آگاہ ہیں

ہاں عالم کائنات میں کچھ حضرات ایسے بھی ہو گذرے ہیں جو حضرت رُوح سے آگاہ ہیں۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو ریاضات و مجاہدات اور مکاشفات و مراقبات کے ذریعہ صرف خداوند عالم کی توفیق سے کشف سرانجام کرتے ہیں۔ اور انہیں وہ وہ مکاشفات ہوتے ہیں۔ جو انسانی عقلوں کو حیرت میں ڈالتے ہیں یعنی حضرات انبیا و اولیا نے صرف خدا کی توفیق سے رُوح کی حقیقت دریافت کی ہے۔ لیکن اس کے اظہار کی انہیں مطلق اجازت نہیں۔ ہمیں بھی صرف اُن کی کتب کے مطالعہ سے ظاہر ہوا ہے کہ وہ اس ایک حد تک واقف ہوتے ہیں۔ ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ رُوح خدا کے سربستہ رازوں میں سے ایک مخفی راز ہے جس سے ہمیں مطلق آگاہی نہیں۔ پس رُوح کے مسئلہ کو چھوڑ کر صرف انسان اپنی ہی ساخت اور حالت کا معائنہ کرے۔ تو ہستی واجب الوجود کا اعتراف بلاشبہ ریب و گمان پورے یقین سے ہو سکتا ہے ٭

اللہ تعالیٰ نے آدمی کو ایک خاص صورت عطا فرمائی ہے کہ اُس میں اُس کا کوئی شریک نہیں۔ جیسے کہ حدیث اِنَّ اللہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ سے ظاہر ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے آدم کو اُس کی خاص صورت پر پیدا کیا ہے۔ انسان کے جس عضو کو بغور دیکھو۔ قدرتِ الٰہی کا ایک اعلےٰ نمونہ ہے۔ اگر پوری تحقیق و بسط کے ساتھ اعضائے انسانی کی تشریح کی جائے تو اُس میں کئی مجلد تیار ہو جاویں۔ لہٰذا ہر شخص کی نہ تو یہ استعداد و قابلیّت ہے کہ پوری تشریح کر سکے۔ اور نہ اس کو ایسی بسیط تشریح پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جویائے حقیقت کیلئے بس یہی کافی ہے کہ وہ انسان کے کسی عضوِ خاص مثلاً آنکھ کو لے لے جو تمام جسم میں ایک چھوٹا سا عضو ہے۔ اور پھر اُس کے متعلق کتب طب و ویدک و ڈاکٹری میں بقدر وسعت اپنی

معلومات کے علمانے جو کچھ شرح لکھی ہے اس کو بدیدۂ غور اور نظر تعمق ملاحظہ کرے۔ تو وہ ہرگز یہ دلیری نہ کرے کہ خدا کی بنائی ہوئی مخلوق کو محض اتفاقی سمجھے۔ بلکہ صدق دل سے اعتراف کرے کہ ان تمام عالم کائنات کا بنانے والا خداوند عالم خالق بنی آدم بے مثل و بے نظیر واحد و قہار ہے۔ دنیا کی تمام طاقتیں اس کی لازوال طاقت سے فروتر ہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں ؛۔

ایک زمانہ گذرا کہ میں نے ایک عالم بیخودی جب کہ میں خدا کی لازوال قدرت کا معائنہ کر رہا تھا۔ چند اشعار دلائل انفس کے باب میں لکھے تھے۔ موقع و محل کے مناسب سمجھ کر ان کو ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ اور خدا کے جلال و جبروت سے ادب کا خواستگار ہوں وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ ؕ

عور کر لے بندۂ حق کی ذرا ؛ چشم حق بیں کو حقیقت میں اٹھا
کون تھا تو اور کیوں پیدا ہوا ؛ جلوہ کس کا اس جسد میں ہے بھرا
اسم کا تیرے مسمیٰ کون ہے ؛ جسم کے پردے میں اخفا کون ہے
اصل اپنی تو نے پہچانی نہ حیف ؛ کس طرح ظاہر ہوئے بے کم وکیف
تو خبر ہے اور مخبر کون ہے ؛ تو اثر ہے اور مؤثر کون ہے
تو ہے مخلوق اور خالق کون ہے ؛ سجدۂ طاعت کے لائق کون ہے
عارضی ہیں یہ زمین و آسماں ؛ سوچ تو موجود اصلی ہے کہاں
انجم افلاک جب خالق نہیں ؛ کہدے دل سے کہ لا احب الافلین
اپنے مبدا پر نظر کر اے اخی ؛ چھوڑ دے یک لخت مائی و منی
کیوں ہے تو غافل تلاش یار سے ؛ بھاگتا کیوں ہے تو اُس دلدار سے
طین لازب سے ترا قالب بنا ؛ زور و عقل و ہوش پھر کس نے دیا
فلسفی کی فلسفیت گم ہوئی ؛ منطقی کی حجت و برہاں گئی
تیری خلقت دیکھ کر حیرت میں ہیں ؛ دہری و طبعی الٰہی کیا کریں
پر عجب یہ ہے کہ تو ہے بوالعجب ؛ عجب و نخوت چھوڑ تا ہو وصل رب
تیری خلقت گر ہو تیری راہبر ؛ دور ہوں پھر این و آں کے سب خطر
فاعل و مفعول و فعل و انفعال ؛ ایک ہی ہیں گر تو جانے اپنا حال

علّتِ معلول سے غافل ہے تو — انفعال و فعل سے جاہل ہے تو
علّتِ غائی تری کیا ہے اخی — مقصدِ اصلی کو سوچو تو سہی
تو ہے مصنوع کون ہے صانع ترا — خشت گر کا خشت دیتی ہے پتہ
بے بنائے بھی کوئی بنتی ہے چیز — بے اٹھائے بھی کہیں اٹھتی ہے چیز
رنگ سے رنگریز کو پہچان لے — موج سے دریا کی لطافت جان لے
آدمی اک قطرۂ ناپاک تھا — بے خرد بے عقل بے ادراک تھا
عاجز و ناچار تھا مثلِ جماد — خواب و بیداری تھی کچھ اس کو نہ یاد
دست و پا و گوش و چشم و استخواں — سمع و بصر و طاقت و تاب و تواں
کچھ نہ تھا موجود جز آبِ قلیل — گندہ و ناپاک بس خوار و ذلیل
صلب سے دافق ہوا آب کہیں — رحمِ مادر میں رہا اک اربعین
خونِ حیض اور زرد آب اس میں ملا — نطفہ امشاج کا یہ مطلب ہوا
نطفہ کو علقہ کیا، مضغہ کیا — اس طرح انسان کو پیدا کیا
طین ہے اصل اور سب تحویل ہے — غیر ازیں بے سود قال و قیل ہے
جب کہ وہ مثلِ ہیولیٰ بن گیا — پھر نفخت فیہ من روحی کہا
بن گئے اعضا بہ شکلِ خوب تر — ہو گئی اک شکلِ زیبا جلوہ گر
سن تو اب تفصیل اس اجمال کی — تا کہ ہو کافور سب تیری خودی
اصلیت سے اپنی تا ماہر ہو تو — تا شوی فارغ تو از ہر رنگ و بو
جب کرے تو فکر اپنی ساخت پر — آئنہ ہوں تجھ پہ سب عیب و ہنر
جسم کی تیرے عجب ترکیب ہے — تیرے اعضا میں بڑی ترتیب ہے
سب بتیں کا احاطہ ہے محال — کس میں طاقت ہے اور کس میں مجال
جب خدا نے روح ڈالی جسم میں — تب ہوا مخفی مسمّیٰ اسم میں
چیز ہائے مختلف پیدا ہوئیں — چشم و پائے و زبان و دست و سر میں
معدہ و کلیہ جگر دل اور دماغ — اس میں رکھا عقل کا روشن چراغ
غور کر پھر ہڈیوں پر جسم کی ہاں — سن لے اب تجھ سے تو حالت اسم کی
ہر اک اپنی شکل میں سب سے جدا — گرد و پہن و ہم طویل ہر اک بجا

کوئی پُرمغز اور کوئی بے مغز ہے
پشت کو زینت دی مہرہ دار سے

علم کا جوہر بھی انساں کو دیا ؟
لیس شیٔ مثلہٖ جس سے بنا

حضرتِ انسان کی کیا بات ہے
خلق ہیں یہ مظہرِ آیات ہے

خلقِ آدم قدرتِ اللہ ہے
ہمچو آدم در دو عالم نیست شے

کشف سے اسرارِ مخفی جان لے
اور صفائی قلب سے پہچان لے

گر خودی کو دُور کر دے اے عزیز
دُور ہو یکبارگی فرق و تمیز

پھر جو کچھ نسبت ہے تیری یار سے
ہو حباب و موج سے ظاہر تجھے

یہ انانیت ہے تیری سدِّ راہ
پھرتا ہے جو در بدر شام و پگاہ

گرچہ تو جزوی و حق کُل اے اخی
گر کنی اندیشۂ کل کل شوی ؟

ہم تو باشی بلبل و ہم گل شوی ؟
جان تو از وصلِ گل یا بُو نوی

مہر و قہر و لطف و جور از تو بود
عاشقی معشوق تو عاشق شود

عشق کی آتش ہو ایسی شعلہ زن
جس کے شعلوں سے جلے سارا بدن

جب کہ ہو محروق تیرا جسمِ زار
نورِ معشوقی سے ہو تبدیل نار

سوختہ ہو ماسوی اللہ نار سے
پھر تو نورِ دوست ہی باقی رہے

اپنے مبدا پر جو ڈالے تو نظر
تفرقہ کا دُور ہو مطلق اثر

سمع و بصر و دست و پا گام و زباں
نطق و ذوق و لمس و شم تاب و تواں

گر تقرب سوئے حق ہو دائما
ان قوی سے یار ہو جلوہ نما

یار ہی کے ساتھ دیکھے اور سُنے
یبطش و یمشی بحق کرتا رہے

گفت چوں آں پیشوا اے عارفاں
مولوی رُومی کہ بُد تاجِ جہاں

چوں شُدی من کان للہ از ولہ
حق ترا باشد کہ کان اللہ لہ

گہ توئی گویم ترا گاہے منم
ہر چہ گویم آفتابِ روشنم

دیکھتے اشیاء کا جو ہو رنگ و لون
جلوۂ نیرنگ ہے در ہر دو کون

حسنِ نیرنگی کے سب جلوے ہیں یہ
وہ ہے محجوب اور سب پردے ہیں یہ

اس کی نیرنگی کا ہے سارا اثر
وادیٔ ایمن ہو یا طور و شجر

عالمِ محسوس سے دل کو اٹھا
حسنِ نیرنگی کا پھر جلوہ دکھا

مرتبہ ہے یہ فنا فی اللہ کا ہے یہی ماویٰ ہر اک گمراہ کا
فہم کر اس رمز کو اور غور کر
دُور کر دل سے جہاں کے سب خطر

فائدہ (۴)

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں

متعلقہ صفحہ ۲۴

جماعہ حقہ اہلِ سنت کا اتفاق ہے کہ قرآن اللہ تعالےٰ کا کلام ہے۔ مخلوق نہیں ہے اور اس کی وحی ہے۔ اور اُس کا اُتارا ہوا ہے۔ نہ وہ اُس کی ذات ہے اور نہ اُس کا غیر ہے۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ وہ اُس کی صفت ہے۔ لکھا ہوا ہے سیپاروں میں۔ پڑھا گیا ہے زبانوں پر یاد ہے دلوں میں۔ حلول نہیں کیا ہے۔ اور سیاہی اور کاغذ اور کتابت مخلوق ہیں اِس لئے کہ یہ بندوں کے فعل ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے۔ اس لئے کہ کتابت اور حروف اور کلمات اور آیات قرآن پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بندوں کو اُن کی طرف احتیاج پڑتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور اُس کے معنی اس سے سمجھے جاتے ہیں۔ پھر جو کہے کہ اللہ کا کلام مخلوق ہے وہ کافر ہے۔ اور اللہ تعالےٰ عبادت کیا جاتا ہے ہمیشہ سے ہے اُس کا کلام پڑھا جاتا ہے۔ اور لکھا ہوا ہے اور محفوظ ہے اُس سے زائل نہ ہوگا (ہدایا ترجمہ وصایا)۔

عمدۃ النفسی میں ہے۔ وَالقرانُ کلامُ اللّٰہِ تعالیٰ غیر مخلوق مولانا برہان رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ قرآن کو کلام حق سبحانہٗ وتعالےٰ کے ساتھ مقید کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن جو ہمارا کلام ہے یہ دال ہے کلام قدیم پر یہ دال مخلوق ہے۔ اور وہ مدلول قدیم جس طرح کہ کتابت حادث ہے اور مکتوب

لہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مسئلہ خلق قرآن میں امام ابو حنیفہ رح سے میں نے چھ مہینے تک مناظرہ کیا۔ پھر میری اور اُن کی رائے اس پر قائم ہوئی کہ جو قرآن یعنی اللہ کے کلام کو مخلوق کہے وہ کافر ہے ۱۲۔

قدیم اور سمع حادث ہے اور مسموع قدیم اور حفظ حادث ہے۔ اور محفوظ قدیم اور قرأت حادث ہے۔

اور مقرؤ قدیم شرح عقائد میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا۔ القرآن کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق و من قال انہ مخلوق فہو کافر باللہ العظیم۔ ملا علی قاری اس حدیث کی حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ جیسا کہ تخریج الاحادیث میں بیان کیا ہے۔ اور خلاصہ طیبی میں ہے کہ یہ حدیث موضوع حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔ اور جو اُس کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ اگرچہ یہ حدیث موافق اعتقاد اہلِ سنّت و الجماعت کے ہے لیکن اُس کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اعتقاد نہ کرنا چاہیئے۔ غرض خلق قرآن کی بحث میں تین گروہ ہیں۔ ایک گروہ حنابلہ کا جس کا قول ہے کہ قرآن مع اپنے حروف و اصوات اور توالی و ترتیب و غیرہ کے قدیم اور قائم بذات الٰہی ہے دُوسرا گروہ اہل سنّت و الجماعت کا جس کا اعتقاد ہے کہ قرآن یعنی کلام الٰہی قدیم اور غیر مخلوق ہے نہ حروف و اصوات اور کاغذ و سیاہی وغیرہ اس لئے کہ اُن کا حادث ہونا ظاہر ہے۔ اسی بنیاد پر ہمارا اعتقاد ہے کہ اگر کوئی مشرک قرآن شریف کو نعوذ باللہ جلا بھی ڈالے۔ تو کلامِ الٰہی ویسا ہی قائم و محفوظ رہے گا۔ جیسا پہلے تھا۔

تیسرا گروہ معتزلہ کا ہے۔ جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن مخلوق ہے اس لئے کہ قرآن شے ہے اور خدا ہر شے کا خالق۔ پس قرآن کا بھی خالق ہے تو مخلوق ہوا اُن کا جواب یہ ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے۔ اور خدا متصف بہ کلام ہے۔ اور جب ہم اس بات کو ثابت کر چکے ہیں کہ کلام نفسی قدیم ہے۔ اور کلام صفات الٰہی ہے۔ اور خدا کی صفات و اسمائہ تو اُس کی عین ہیں نہ غیر اور خدا کی صفات قائم بذاتہ تعالےٰ ہیں تو قرآن قدیم و غیر مخلوق ہوا۔

اور یاد رہے کہ ہم حروف و اصوات اور الفاظ کو قدیم نہیں کہتے۔ بلکہ کلام الٰہی کو قدیم کہتے ہیں۔ رہا معتزلہ کا یہ کہنا کہ قرآن شے ہے۔ اور شے تمام مخلوق ہے کیونکہ قرآن سے ثابت ہے۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ تو اُس کے جواب میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ قرآن کریم میں تم یہ پڑھ چکے ہو۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ یعنی ہر ایک

نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ اور اس آیت سے ویحذرکم اللہ نفسہ یعنی اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنے نفس سے خدا تعالیٰ کا نفس ہونا ثابت ہے۔ پس جب ہر نفس پر حکم جاری ہے۔ تو خدا بھی نفس ہے۔ چاہیئے کہ اس پر بھی موت کا حکم جاری ہو۔ اس کے متعلق جو تمہارا جواب ہے۔ وہی ہمارا جواب ہے۔ قرآن کے نئے ہونے کے متعلق ؛

قرآن کا معجز ہونا

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں قرآن شریف کو کلام الٰہی منزل من اللہ اور غیر مخلوق ثابت کرتے ہوئے۔ ان امورات کا تذکرہ کیا ہے جن میں فصاحت بلاغت کا پایا جانا عام طور پر دشوار تسلیم کیا گیا ہے۔ اور باوجودیکہ قرآن پاک میں اکثر انہیں امورات کا بیان ہے۔ تاہم اس میں اس درجہ کی فصاحت و بلاغت موجود ہے جس کا مقابلہ فصحا و بلغائے عرب میں سے کوئی بھی نہ کر سکا ؛

فاضل موصوف نے اُن امورات کے ساتھ اُن باتوں کو بھی بیان کیا ہے۔ جن میں فصاحت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہر شخص کی طبیعت ایک خاص مضمون کے لکھنے پر زیادہ قادر ہوتی ہے۔ اگر اُسے چھوڑ کر وہ چاہے کہ دوسرا مضمون اس عمدگی سے لکھ سکے تو ممکن نہیں۔ اور ایک بات یہ ہے کہ ہر شخص کے کلام میں صرف چند شعر یا متعدد فقرات دلچسپ ہوتے ہیں نہ سب کے سب اور قرآن کریم ان جملہ مخصصات سے علیحدہ ہے۔ باوجود اس کے فصاحت اور حسن بیان کے ایسے درجہ بلند پر ہے کہ طائر عقل و خرد اس کی پرواز سے عاجز ہے ؛

امام رازی نے ان امورات کو سات قسم پر تقسیم کیا ہے۔ احدھما اکثرھا فی وصف المشاھدات مثل وصف بعیر او فرس او جاریۃ او ملک او ضربۃ او طعنۃ او وصف حرب او وصف غارۃ ولیس فی القرآن من ھذہ الاشیاء شیئ فکان یجب ان لا تحصل فیہ الالفاظ الفصیحۃ التی اتفقت العرب علیھا فی کلامھم وثانیھا انہ تعالیٰ داعی فیہ طریقۃ الصدق و

تنزہ عن الکذب فی جمیعہ وکل شاعر ترک الکذب والتزم الصدق نزل شعرہ ولم یکن جیدًا الا ترى ان لبید بن ربیعة وحسان بن ثابت لما اسلما نزل شعرھما ولم یکن شعرھما الاسلامی فی الجودة کشعرھما الجاھلی وان اللہ تعالى مع تنزھہ عن الکذب والمجاز لقد جاء بالقرآن فصیحًا کما ترى ٭

وثالثھما ان الکلام الفصیح والشعر الفصیح انما یتفق فی القصیدة فی البیت والبیتین والباقی لا یکون کذالک ولیس کذالک القرآن لانہ کلہ فصیح بحیث یعجز الخلق عنہ کما عجزوا عن جملتہ ٭

ورابعھا ان قل من کان شعرًا فصیحًا فی وصف شیئ فانہ اذا کررہ لم یکن کلامہ الثانی فی وصف ذالک الشیئ بمنزلة کلامہ الاول وفی القرآن تکرار الکثیر ومع ذالک کل واحد منھا فی نھایة الفصاحة ولم یظھر التفاوة اصلًا ٭

وخامسھا انہ اقتصر على ایجاب العبادة وتحریم القبائح والحث على مکارم الاخلاق وترک الدنیا واختیار الاخرة وامثال ھذہ الکلمات توجب تقلیل الفصاحة ٭

وسادسھا انھم قالوا شعرا مرئ القیس یحسن عند الطرب وذکر النساء وصفة الخیل وشعر النابغة عند الخوف وشعر الاعشى عند الطلب ووصف الخمر وشعر لزھیر عند الرغبة والرجاء وبالجملة فکل شاعر یحسن کلامہ فی فن فانہ یضعف کلامہ فی غیر ذالک الفن اما القرآن فانہ جاء فصیحًا فی کل الفنون على غایة الفصاحة الا ترى انہ سبحانہ تعالى قال فی الترغیب فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرة اعین وقال تعالى وفیھا ما تشتھی الانفس وتلذ الاعین وقال فی الترھیب افامنتم ان یخسف بکم جانب البر وقال تعالى امنتم ان یخسف بکم الارض

فَاِذَا ہِیَ تَمُوْرُ وقَالَ وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ اِلٰی قَوْلِہٖ وَمِنْھُمْ مَنْ اَغْرَقْنَا وَقَالَ فِی الْوَعْظِ مَالَا یَزِیْدُ عَلَیْہِ اَفَرَاَیْتَ اِنْ مَتَّعْنَاھُمْ سِنِیْنَ وَقَالَ فِی الْالٰھِیَاتِ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ اِلٰی اٰخِرِہٖ ٭

وَسَابِعُھَا اَنَّ الْقُرْاٰنَ اَصْلُ الْعُلُوْمِ کُلِّھَا فَعِلْمُ الْکَلَامِ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ وَعِلْمُ الْفِقْہِ کُلُّہٗ مَاْخُوْذٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ وَکَذَا عِلْمُ اُصُوْلِ الْفِقْہِ وَعِلْمُ النَّحْوِ وَاللُّغَۃِ وَعِلْمُ الزُّھْدِ فِی الدُّنْیَا وَاَخْبَارُ الْاٰخِرَۃِ وَاسْتِعْمَالُ مَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَمَنْ تَاَمَّلَ کِتَابَنَا فِی دَلَائِلِ الْاِعْجَازِ عَلِمَ اَنَّ الْقُرْاٰنَ قَدْ بَلَغَ فِی وُجُوْہِ الْفَصَاحَۃِ اِلٰی نِھَایَۃِ الْقُصْوٰی۔ ترجمہ:- پہلا امر یہ کہ عرب کی فصاحت اکثر مشاہدات کے وصف میں ہوتی ہے۔ جیسے اونٹ۔گھوڑے۔لونڈی۔بادشاہ۔ضرب۔طعنہ وغیرہ کی تعریف کرنا یا عرب اور غارت کا وصف بیان کرنا۔ اور قرآن شریف میں ان اشیا میں سے کسی شے کا ذکر نہیں ہے۔ تو چاہیئے تھا کہ اُس میں وہ فصاحت نہیں پائی جاتی جس پر اہل عرب نے اپنے کلام میں اتفاق کر لیا ہے۔ (حالانکہ باوجود عدم ذکر اشیاء مذکورہ کے قرآن میں اس درجہ فصاحت ہے کہ اُس سے بالاتر متصور نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ کلام الٰہی ہے غیر مخلوق ہے اور کلام بشر نہیں) ٭

دوسرا امر یہ کہ اللہ جل شانہٗ نے تمام قرآن کریم میں طریق صدق کی رعایت کی ہے۔ اور وہ کذب سے بالکل پاک ہے۔ اور جس شاعر نے کذب کو ترک کیا۔ اور سچائی کو لازم کر لیا۔ تو اس کا شعر فصاحت کے مرتبہ سے گر جاتا ہے۔ اور کچھ زیادہ جید نہیں ہوتا۔ دیکھو لبید ابن ربیعہ اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما جب اسلام لے آئے تو انکے اشعار مرتبہ فصاحت سے گر پڑے۔ اور اسلامی شعر جاہلی اشعار کی سی جودت سے خالی ہو گئے (کیونکہ اسلام لائے بعد انہوں نے کذب کو ترک کر دیا۔ اور صدق کو لازم کر لیا) اور اللہ تعالیٰ کا کلام باوجودیکہ جھوٹ سے بالکل پاک ہے۔ اور حقیقت ہی کا بیان کرتا ہے تاہم جیسا تم دیکھتے ہو۔ وہ ہر طرح فصیح ہے ٭

تیسرا امر یہ کہ کلام فصیح اور شعر فصیح کسی قصیدہ میں سینکڑوں شعروں میں

وجوہ اعجاز قرآن

سے صرف ایک یا دو بیتوں میں پایا جاتا ہے۔ باقی کلام اس درجہ کا نہیں ہوتا۔ اور قرآن کی یہ شان نہیں ہے وہ تمام تر اس مرتبہ کا فصیح واقع ہوا ہے کہ تمام مخلوق اُس کا مثل لانے سے اُسی طرح عاجز ہے۔ جس طرح اُس کے ایک جملہ کے مقابلہ سے ۔

چوتھا امر یہ کہ جو شخص کسی چیز کی تعریف میں کوئی فصاحت آگین شعر کہتا ہے تو جب ایسی چیز کی تعریف کو مکرر بیان کرتا ہے۔ اس وقت اس شے کی تعریف میں اُس کا کلام ثانی مثل کلام اوّل کے نہیں ہوتا۔ اور قرآن میں کثرت سے تکرار موجود ہے باوجود اس کے وہ سارے کا سارا فصیح ہے۔ اور اُس میں کوئی تفاوت ظاہر نہیں ہوتا۔

پانچواں امر یہ کہ قرآن پاک میں وجوب عبادت تحریم قبائح اور ترغیب مکارم اخلاق اور ترک دنیا اور اختیارِ آخرت کے بیان پر اقتصار کیا گیا ہے۔ اور اس قسم کے کلمات میں فصاحت کم پائی جاتی ہے۔ لیکن کلام الٰہی باوجود تذکار ان امور کے ویسا ہی فصاحت سے بھرا ہوا ہے۔ چھٹا امر یہ کہا جاتا ہے کہ امراؤ القیس شاعر کا شعر طرب و عیش کا بیان کرنے اور عورتوں کا ذکر کرنے اور گھوڑوں کی صفت میں اچھا ہوتا تھا۔ اور نابغہ کا کلام خوف ترہیب کے ذکر میں فصیح مانا گیا ہے۔ اور اعشیٰ طلب شراب اور نیز شراب کی صفت میں کمال رکھتا تھا۔ اور زہیر کسی چیز کی ترغیب اور امید دلانے کو خوب کہتا تھا۔ غرض یہ کہ ہر ایک شاعر کا کلام ایک خاص بات اور مخصوص فن کے بیان میں مستحسن ہوتا تھا۔ اس خصوصیت کو چھوڑ کر اگر وہ دوسری بات کہتا تھا۔ تو اُس کا کلام نہایت ضعیف ہوتا تھا۔ لیکن قرآن تمام فنوں کے بیان میں غایت فصاحت پر واقع ہوا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ ترغیب کے متعلق فرماتا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ کسی جی کو معلوم نہیں کہ اُن کے لئے کیا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ ہے۔ اور فرمایا۔ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ اور جنت میں وہ تمام چیزیں ہیں جن کی لوگ خواہش کرتے ہیں۔ اور آنکھیں لذت پاتی ہیں۔ پھر تخویف ترہیب کے باب میں فرمایا۔ أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ تم اس سے نڈر ہو گئے کہ ہم تمہیں خشکی کی جانب دھنسا دیں۔ اور فرمایا۔ أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ کیا تم بے خوف ہو گئے کہ خدا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور ناگاہ وہ جوش مارنے اور تھرانے لگے۔ وَحَاصِبًا

کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ وَیَاتِیْہِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ اور خوار ہوا ہر ایک جبار۔ عناد رکھنے والا۔ اور آئے گی اس کو موت ہر مکان سے اور زجر کے موقع پر ایسا فرمایا کہ وہم بشر اس کی خوبی کو نہیں پہنچ سکتا۔ فَکُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِہٖ سے وَمِنْھُمْ اَغْرَقْنَا تک۔ اور تذکیر و نصیحت میں فرمایا۔ جس پر زیادتی متصور نہیں اَفَرَاَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰھُمْ سِنِیْنَ بھلا دیکھ تو اگر ہم نے ان کو کچھ برسوں نفع اٹھانے دیا۔ اور اعتقادیں فرمایا۔ اَللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی مَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ اللہ جانتا ہے جو ہر مادہ اٹھائے ہوئے ہے۔ اور جو ارحام گھٹاتے بڑھاتے ہیں۔

ساتواں امر یہ ہے کہ قرآن پاک تمام علوم کی اصل ہے۔ علم کلام تمام قرآن میں ہے۔ اور علم فقہ بھی تمام قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔ اور اسی طرح علم اصول فقہ علم نحو علم لغت، علم زہد فی الدنیا۔ علم اخبار آخرت۔ علم استعمال مکارم، اخلاق بجمیعہ قرآن کریم سے مستخرج ہے۔ جو شخص ہماری وہ کتاب دیکھیگا۔ جو ہم نے دلائل اعجاز قرآن میں تصنیف کی ہے، تو وہ اچھی طرح یقین کرلے گا کہ قرآن اپنے تمام وجوہ فصاحت میں انتہا درجہ فصیح ہے قرآن شریف میں سب سے بڑی بات جو سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا معجزہ جس سے کسی کو انکار نہیں یہ ہے کہ وہ قیامت تک باقی رہنے والا۔ اور کبھی نہ فنا ہونیوالا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اپنے پاک رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسا ہی وعدہ کیا ہے چنانچہ مولانا روم قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

مصطفےٰ را وعدہ کرد الطاف حق | گر بمیری تو نمیرد ایں سبق
من کتاب و معجزت را حافظم | بیش کن راز قرآں مانعم
تا قیامت باقیش داریم ما | تو مترس از نسخ دیں اے مصطفےٰ

پھر قرآن حکیم میں یہ کتنی بڑی خصوصیت ہے کہ اس کو ہر شخص اپنی استعداد علمی کے موافق پڑھتا سمجھتا اور اس سے دینی و دنیوی مطالب بوجہ اطمینان قلب حاصل کرتا ہے۔ خواہ بڑے سے بڑا عالم جید ہو یا چھوٹے سے چھوٹا طفل مکتب والیہ اشار مولوی رحمۃ اللہ

حرف قرآں را بداں کو ظاہر است | زیر ظاہر باطنے ہم قاہر است

زیر آں باطن یکے بطنِ دگر ؛ ؛ خیرہ گردد اندر و عقل بشر
زیر آں باطن یکے بطن سوم ؛ کہ درو گردد خرد ہا جملہ گم
بطن چارم از نبی خود کس ندید ؛ جز خدائے بے نظیر و بے ندید
ہمچنیں تا ہفت بطن اے بو الکرام ؛ می شمر تو زیں حدیثِ محترم

فائدہ (۵)

نبوّت کی حقیقت اور اُس کے ثبوت میں

متعلقہ صفحہ ۴۸

لفظ نبی مشتق ہے نبوّت سے لغت میں اس کے معنی ارتفاع اور بلندی کے ہیں لیکن شرعاً نبی وہ ہے جو ہدایت خلق اور تبلیغ احکامِ الٰہیہ پر مامور ہو۔ صُراح اور قاموس میں ہے۔ النبوۃ والنباوۃ ما ارتفع من الارض اور مولانا عبدالحکیم نے عبدالغفور کے حاشیہ پر لکھا ہے النبوۃ علیٰ وزن المروۃ الارتفاع جمہور کے نزدیک نبی و رسول دونوں لفظوں کا اطلاق ایک ہی معنی میں ہوتا ہے۔ کیونکہ رسُول ماخوذ ہے رسالت سے یعنی سفارت کے اور چونکہ نبی و رسُول دونوں ہی خلق کو احکامِ الٰہی پہنچانے کا منصب رکھتے ہیں اس جہت سے ان میں کوئی فرق نہیں ٭

شرح عقائد میں رسول کے معنی لکھے ہیں رسُول علیٰ وزن فعول من الرّسالۃ وھی سفارۃ العبد بین اللہ و بین ذوی الافھام من خلیقتہ یعنی رسُول فعول کے وزن پر رسالت سے مشتق ہے۔ اُس کے معنی ہیں کسی بندہ کا خدا اور ذوی عقل مخلوق الٰہی کے درمیان سفارت کرنا۔ بعض نے ان الفاظ میں فرق نکالا ہے۔ اور کہا ہے کہ وہ بحیثیت معنی لغت اور اصطلاح کے باہم متغائر ہیں۔ اور اسی قول کو شرح مواقف والے نے لیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ الرّسُول نبی معہٗ کتاب وشرع والنبی غیر الرّسُول لا کتاب معہ و لا شرع بل امر بمتابعۃ شرع قبلہ کیوشع یعنی رسُول اُس نبی کو کہتے ہیں جو کتاب و شرع رکھتا ہو۔ اور نبی غیر رسُول ہے اس کے پاس کتاب و شرع نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اپنے قبل کے رسول کی شریعت کی متابعت کا حکم کرتا ہے۔ جیسے یوشع نبی تھے۔ کیونکہ

اُن پر کوئی کتاب یا شرع نازل نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ وہ لوگوں کو حضرت موسےٰ علیہ السلام کی شریعت کے موافق ہدایت کرتے تھے کہ وہ اُن سے پہلے توریت چھوڑ کر گذر گئے تھے ؛

شواہد النبوۃ میں مولانا جامی اس کی تائید کرتے ہُوئے لکھتے ہیں۔ نبی عبارت از کسے اُمت کہ بروے شریعتے فرود آمدہ باشد من عنداللہ بطریق وحی کہ متضمن باشد بان شریعت بیان کیفیت پرستش وے مرخدائے عزّوجل را وچوں مامور شود کہ آں شریعت را بغیر خود رساند وے را رسُول گویند گو یا یہ ترجمہ ہے۔ فتوحات مکیہ کی عبارت کا کہ اُس کے باب ابع عشر میں ہے ان النبی ھوالذی یاتیہ الوحی من عنداللہ متضمن ذالک الوحی شریعۃ یتعبد ٗ بھا فی نفسہٖ فان بعث بھا الیٰ غیرہٖ کان رسولاً دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ نبی وہ شخص ہے جس پر خدا کی جانب سے بطریق وحی شریعت نازل ہُوئی ہو۔ اور اس میں صرف اُس نبی کے لیئے عبادت کے طریقہ تحریر ہُوں۔ پھر اگر وہ نبی مامور ہو اس امر پر کہ اس شریعت کو مخلوق الٰہی کو پہنچا وے پس ایسا مامور نبی رسُول کہلاتا ہے ؛

حاشیہ اصُول الشاشی میں پہلے ان الفاظ کو مترادف المعنیٰ لکھا ہے۔ پھر متغائر المعنی قرار دیکر اس آیت سے استدلال کیا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اُس میں لکھا ہے کہ یہاں نبی رسول پر معطوف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ معطوف و معطوف علیہ میں متغائر ہوتا ہے۔ تو معلوم ہُوا کہ نبی رسُول کے غیر ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ رسُول نبی مخصوص کو کہتے ہیں جس پر کتاب و شریعت نازل ہُوئی ہو۔ اور نبی عام ہے یعنی نبی صاحب کتاب اور غیر صاحب کتاب دونوں کو کہہ سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کے لیئے صاحب کتاب ہونا شرط نہیں۔ اور رسُول کے لیئے صاحب کتاب ہونا شرط ہے لیکن رسول کو نبی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور رسُول بھی۔ اور نبی کو صرف نبی کہ سکتے ہیں۔ رسُول کہنا جائز نہیں۔ ان اصحاب کی رائے میں ضعف معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ رسُولوں کی تعداد کتب منزلہ کی تعداد سے کم ہے ؛

چنانچہ ایک حدیث سے ظاہر ہے کہ مرسلین کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ اور کتابوں کی تعداد ایک سو چار ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نبی و رسُول میں شرعاً معنی کی لحاظ سے کوئی

فرق نہیں ہے۔ قرآن حدیث میں کئی مقام پر صرف ایک ہی لفظ پر اکتفا کیا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں باہم کوئی مغائرت نہیں۔ چنانچہ اس آیت میں وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ یہاں نبی کا اطلاق نبی و رسول دونوں کے لئے یکساں ہے ؎

کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا۔ ایمان کی حقیقت کیا ہے آپ نے فرمایا ان تومن باللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ یہاں لفظ رسول نبی کو بھی شامل ہے۔ اور یہ بات کہ عطف مقتضی مغائرت کا ہے۔ تو اس کے جواب کئی ہیں۔ ایک یہ کہ عطف زائد ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ یعنی اور اسی طرح ہم اپنے نشانات بیان کرتے ہیں تاکہ ظاہر ہو جاوے رستہ گناہگاروں کا۔ یا عطف تفسیری ہے جیسا کہ اس آیت میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؎

اگر کہا جاوے کہ رسول وہ ہے جس پر کتاب یا شریعت نازل ہوئی ہو۔ اور نبی وہ ہے جس پر نہ کتاب نازل ہوئی ہو نہ شریعت ہم کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بالاتفاق رسول تھے۔ حالانکہ ان پر کتاب و شریعت کچھ نازل نہیں ہوئی تھی۔ پس اس بیان سے ثابت ہوا کہ نبی اور رسول میں کوئی مغائرت نہیں۔ نبوت محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور موہبت ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے۔ خلعت نبوّت سے سرفراز فرماتا ہے۔ حکما کا یہ گمان غلط ہے کہ نبوت کسب و اکتساب سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کے حصول کے لئے ریاضتوں اور مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی تردید کے لئے یہ آیت کافی ہے۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ یعنی اللہ جس کو چاہتا ہے۔ اپنی رحمت (نبوّت) کے لئے خاص کر لیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوّت اکتسابی نہیں ہے بلکہ عنایت ازلی اور امر مجبوبی ہے۔ ولنعم ما قیل شعر تبارك اللّٰهُ ما وحی بمکتسب ولا نبی علی غیب بمتہم یعنی برکت والا ہے اللہ جس نے وحی کو اکتساب کے متعلق و ماتحت نہیں فرمایا۔ اور نہ نبی غیب جاننے کی تہمت میں مبتلا ہے۔ اکثر انبیا زمانہ صبا و طفولیت میں نبوّت سے سرفراز ہوئے۔ جیسے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا یہ مقولہ ہے جب کہ آپ مہد میں تھے۔ وَ

نبوت وہبی فضل ہے

جُعَلِنِی نَبِیًّا اور قادرِ مطلق سے بعید نہیں ہے کہ وہ جس کو چاہے بحالتِ طفلی ہی میں اُس کو شرائطِ نبوت یعنی عقل وغیرہ سے ممتاز کرے۔ جیسے اللہ تعالےٰ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے وَاٰتَینٰہُ الحکمَ صَبِیًّا یعنی ہم نے اُس کو بچپنے ہی میں حکمت عطا فرمادی۔ مراد حکمت سے نبوت ہے۔ یہی مطلب ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے جھولے میں پڑے پڑے یہ فرمانے کا۔ اِنی عَبدُ اللہ اٰتانی الکتٰب وَجعَلنی نبیًّا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب عطا کی۔ اور نبی کیا ؛

وجُوبِ بعثت کے متعلّق بحث

فلاسفہ کہتے ہیں کہ دنیا میں نبی کی بعثت واجب ہے۔ یعنی عنایت ازلیہ جو انتظام مخلوقات کی مقتضی ہے۔ اُس کے اوپر عقلاً بعثت نبی واجب ہے۔ اس واسطے کہ انتظامِ کامل بدون وجود ایسے نبی کے انصرام نہیں پا سکتا۔ جو قوانین عدل و نظام کائنات کا واضع ہوتا کہ خلق اللہ ان پر کاربند ہو کر دینی و دنیوی بہبود کی جانب ساعی رہے۔ اور باہمی فساد و نزاع کا یک لخت قلع قمع ہو جائے ؛

معتزلہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بعثت نبی واجب ہے۔ لیکن اُن میں سے بعض اس امر کے قائل ہیں کہ اِذا عَلِمَ امتہ انھم یُومنونَ وَجبَ اِلیہِ ارسال النبی فما فیہ من استصلاحھم وان لم یعلم ذالک بل علم انھم لا یومنون لم یجب الارسال بل حسن قطعًا۔ یعنی اگر اللہ جانتا ہے کہ فلاں اُمت نبی کی دعوت قبول کریگی۔ تو اس صورت میں نبی کا بھیجنا خدا پر واجب ہے۔ کیونکہ نبی کی بعثت سے قوم صلاح پذیر ہوتی ہے۔ اور اگر اس کو یہ معلوم نہیں بلکہ وہ جانتا ہے کہ فلاں لوگ نبی کی دعوت پر ایمان نہیں لائیں گے تو اس حالت میں ارسال نبی واجب نہیں ہے۔ ہاں ایک قسم کی تحسین اور پسندیدہ بات ہے۔ ان کے قول سے مستنبط ہوتا ہے کہ قوم میں پہلے سے تصدیق و قبول دعوت نبی کا مادہ موجود ہونا ضرور ہے۔ ورنہ بعثت نبی بیکار ٹھیریگا۔ لیکن جب خدا کو معلوم ہے کہ قوم میں قبول دعوت کا مادہ نہیں ہے۔ تو ارسال نبی میں خوبی کہاں رہی جیسا اُن کے اس قول سے ظاہر ہے۔ بَل حَسُن قطعًا اس صورت میں نبی کی بعثت ہے

کئی خرابیاں لازم آتی ہیں ۔

ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کا فعل عبث ٹھیرتا ہے۔ دُوسرے دعوت نبی کو غیر مؤثر اور غیر مفید ماننا پڑتا ہے۔ تیسرے یہ کہ دعوت نبی قبول کرنے کا مادہ قوم کے اختیار و قدرت سے باہر ہے۔ بلکہ مادہ کا مجبولی اور خلقی ہونا ضرور ہے۔ غرض یہ قول کئی طرح سے نافہمی پر دلالت کرتا ہے۔ انہی مشکلات کے سبب بعض معتزلہ خلو البعث عن تعریفات الشرعیۃ کے اور بعض جواز بعثت کے قائل ہو گئے ہیں۔ پھر بعض لوگ ایسے ہیں جو سرے سے بعثت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی انسان نبی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس قول کو نقل فرمایا۔ بَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلًا یعنی کیا خدا نے بشر کو رسُول بنا کر بھیجا ۔

اوّل تو یہ تمام اقوال بحسب قاعدۂ تحسین و تقبیح کے فاسد ہیں۔ اور نیز اس جہت سے بھی کہ اُنہوں نے بعثت کے لئے جواز و وجُوب کی بیہُودہ شرط لگائی ہے۔ دُوسرے اگر ہم اُن کی اس مزخرفات کو تسلیم بھی کر لیں تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں جس طرح ہماری غرض ثبوت بعث ہے۔ اسی طرح وہ سوا چند منکرین کے بعثت نبی کے قائل ہیں صرف اُن کے وجُوب کہنے سے عقائد اہل سنت میں نقص عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم اس بات کے قائل و معتقد ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ۔

ہمارا یہ اعتقاد یہ ہے کہ نبوت امر مجبولی اور موہبت ازلی ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی اس عنایت اور خلعت نبوّت سے سرفراز فرماتا ہے۔ جس طرح اس نے محض اپنے غایت فضل و کرم سے انسان کو مکرم و اشرف المخلوقات بنایا۔ اسی طرح وہ اپنے فضل سے جس کو چاہتا ہے۔ نبوّت کے لئے خاص کر لیتا ہے جس کے ذریعہ بندوں کی اصلاح معاد و معاش مقصود ہوتی ہے ۔

یہاں ایک سوال لازم آتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہم نبوّت کے لئے ریاضات و مجاہدات کی قید لگائیں اور اس کو مجبولی کریں۔ تو پھر نبی و غیر نبی میں وجہ فارق کیا ہے ہم کیونکر نبی کو غیر نبی سے تمیز کر سکتے ہیں۔ ہم اس سوال کا جواب آیندہ دیں گے۔ پہلے وہ جواب لکھتے ہیں۔ جو فلاسفہ نے دیا ہے۔ (مع تردید جواب فلاسفہ کے)۔

نبی اور غیر نبی میں تمیز کا طریقہ

فلاسفہ کہتے ہیں کہ نبی میں تین خواص کا موجود ہونا ضرور ہے تاکہ نبی کو غیر نبی سے تمیز کر سکیں۔ اوّل ضرور ہے کہ نبی واقعاتِ غیبی گذشتہ موجودہ اور آئندہ پر اطلاع کامل رکھتا ہو۔ اور نبی کے لیئے یہ بات محال نہیں۔ اس لیئے کہ جب نفس انسانی کو بذریعہ ریاضت ومجاہدہ اور قطع علائق مادیات سے تجرّد حاصل ہوتا ہے۔ اور مجردات عقلی اور نفوس سماوی سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو جنسیت کے لحاظ سے دونوں میں اتصالِ معنوی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر اس کو صُور حوادث کا احساس اور امور کائنہ وآیہ پر اطلاع کوئی دشوار نہیں ہوتی۔ اور انبیا کے لئے کیونکہ یہ امر دشوار ہو سکتا ہے۔ جب ہم اس کو ان لوگوں میں بھی پاتے ہیں جو نبی نہیں ہوتے۔ گزار ریاضت مجاہدہ اور کشف کے ذریعہ امورِ غیبیہ پر مطلع ہوتے ہیں۔ ان کو اصطلاح اہلِ اسلام میں اولیاء اللہ کہتے ہیں یعنی جب ولی کے لئے غیبی امور پر اطلاع دشوار نہیں۔ تو نبی کے لئے کیونکر دشوار ہو سکتی ہے ؟

دُوسرے یہ کہ نبی سے افعال خوارق عادات ظاہر ہوتے رہیں۔ اور اُس سے ایسے افعال کا صدُور بھی کوئی دشوار نہیں۔ کیونکہ نفوسِ انسانیہ منطق فی الابدان نہیں ہیں کہ انقیادِ بدن اُن کے لئے غیر ممکن ہو چنانچہ انسان کی حرکات وسکنات اس امر کی شاہد ہیں۔ بلکہ نفسِ انسانی تصورات کے ذریعہ مواد بدنیہ میں مؤثر ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ دیکھو جب انسان پر خیالات غلبہ کرتی ہے یا کسی خارجی سبب سے اُن پر خوف یا غصّہ طاری ہو جاتا ہے تو وہ اُس کے تصوّر میں سُرخ یا زرد یا سخت ہو جاتا ہے۔ ہماری بحث کے ثبوت میں ایسی بدیہی مثال ہے جس کے تسلیم کرنے میں کسی کو عذر نہیں ہو سکتا۔ اور جب ہماری یہ بات ثابت ہو گئی کہ ارادتِ نفس اور تصوّرات مؤثر فی الابدان ہیں مع عدم الانطباع فیہ۔ تو یہ امر مسلم ہے کہ نبی کا نفس بمقابلہ دیگر نفوس کے قوی ہونا چاہیئے۔ حتیٰ کہ اُس کے تصوّرات وارادات کامل طور پر ہیولیٰ عنصری میں اثر کریں۔ اور عالمِ عنصری اس کے ارادات و تصوّرات کے لئے مطیع ومنقاد ہو جائے کہ جس طرح نبی کا نفس چاہے۔ اس پر اثر ڈالتا رہے ؟

حاصل یہ کہ نبی کا نفس حیث مایشاء عنصریات میں متصرف اور مؤثر ہے یہاں تک کہ نبی کے ارادت سے زمین میں آندھیاں، زلزال، آتشزدگی، غرق، اشخاص ظالم کی ہلاکت اور ابدان فاسدہ کی تخریب وغیرہم من الحوادث وقوع میں آتے رہیں

اور ایسے اُمورِ عجیبہ کا نبی سے ظاہر ہونا کسی صورت میں محال نہیں۔ کیونکہ یہی باتیں ہم اہل ریاضت میں بھی پاتے ہیں۔ چنانچہ کتب سیر وسوانح دیکھنے سے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے ؛

تیسرے یہ کہ انبیا ملائکہ کو صورِ محسوسہ میں ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور جو کلام بطریق وحی فرشتوں کی معرفت ان پر نازل ہو۔ اُس کو فرشتوں سے بلا واسطہ استماع کریں۔ اور یہ ممکن بھی ہے۔ کیونکہ جب نبی کا نفس شواغل بدنیہ سے تجرد اختیار کرتا ہے۔ تو عالمِ قدس کی جانب اُس کا انجذاب و اتصال بہ سہولت ہونے لگتا ہے۔ یہاں پہنچ کر عالمِ معقولات اُس کے روبرو مثل عالم محسوسات کے ہو جاتا ہے۔ پھر ادنیٰ توجہ سے معقولات کی صورتیں پیش نظر ہو جاتی ہیں ؛

یہ خصوصیات ثلٰثہ ہیں۔ جن کا نبی میں موجود ہونا ضرور ہے۔ اس کے بعد کوئی حالت منتظرہ نبی کی تصدیق میں باقی نہیں رہتی۔ اور یہی وہ خواص ہیں۔ جن کے ذریعہ نبی اور غیر نبی میں فرق اور تمیز ہو جاتی ہے۔ فلاسفہ کے پہلے قول کی بنیاد غلطی پر ہے۔ کیونکہ ہمارا اور نیز فلاسفہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امورِ غیبیہ پر کامل طور پر اطلاع سوائے خدائے عزّوجل کے کسی کی شان نہیں۔ اسی واسطے سیّد الانبیا صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ الاٰیۃ اور اگر کہا جائے کہ انبیا محض واقعاتِ غیبی پر مطلع ہوتے ہیں۔ تو اس میں نبی کی کونسی خصوصیّت رہی۔ اکثر بزرگانِ دین جو استعداد ذاتی بذریعہ ریاضت ومجاہدہ وقطع علائق صفائی قلب پیدا کر لیتے ہیں۔ اور شواغل بدنی سے بالکلیہ علیحدگی اختیار کر کے ملاءِ اعلےٰ کی جانب توجہ تام لاتے ہیں۔ تو وہ بھی بعض امورِ غیبیہ پر اطلاع حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر نبی کے لئے فلاسفہ نے کونسی خصوصیّت ممتاز بہا بیان کی۔ جس سے نبی کی غیر نبی سے شناخت ہو سکے ؛

اُن کا دوسرا قول اس بنا پر ہے کہ نفوس انسانیہ مؤثر فی الابدان ہیں اور ہمارا اس امر پر اتفاق ہے کہ مؤثر فی الابدان سوائے باری تعالیٰ کے کوئی نہیں ہو سکتا اور یہ بات کہ ارادات وتصوراتِ نفسیہ اور تغیرات بدنیہ میں باہم مقارنت ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مؤثر اور متصرف فی الابدان ہوں لجواز ان

الدوران بطریق العادۃ۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ نفوس انسانیہ اجسام میں تاثیر کرنے پر قادر ہیں اور نبی کا نفس بمقابلہ دیگر نفوس کے قوی ہوتا ہے۔ تو فلاسفہ کے بیان ہی سے یہ بھی مفہوم ہوا کہ نبی کے لیئے متصرف فی الہیولی العنصریہ ہونا مخصوص نہیں۔ بلکہ اکثر اہل ریاضت سے بھی اس قسم کا تصرف مروی ہے۔ اس صورت میں امر مخصوص بالنبی کی پوری توضیح نہیں ہوئی۔ اور نبی وغیر نبی کی تمیز میں ہم ویسے ہی سرگرداں رہے ۔

تیسرا قول اُن کے مذاہب کے موافق نہیں۔ بلکہ یہ ایک قسم کی تلبیس ہے۔ جو فلاسفہ نے انسان کے معتقدات خراب کرنے کے لیئے اٹھا رکھی ہے کیونکہ حقیقت میں وہ مشاہدہ معقولات کے قائل نہیں ہیں۔ اس دلیل سے کہ ملائکہ اُن کے نزدیک بذاتہا نفوس مجردہ ہیں۔ جو اجرام افلاک سے متعلق ہیں۔ جن کا نام انہوں نے ذاتاً وفعلاً ملائکہ سماویہ اور عقول مجردہ رکھ لیا ہے۔ اور جبکہ حرف وصوت ان کے نزدیک امورِ عارضیہ سے ہیں جو ہوائے متموج کے ذریعہ پہنچتے اور محسوس ہوتے ہیں۔ پس مجردات کے لئے کس طرح کلام حقیقی متصور ہو سکتا ہے۔ ھذا اخلاصۃ ما فی شرح المواقف ۔

نبوت کے باب میں ہم نے مختصراً فلاسفہ کے اقوال کو نقل کر کے کلی طور پر اُن کی تردید اس لیئے کی ہے کہ اول تو وہ نبوت کے قائل نہیں۔ صرف عوام میں اپنا اعتماد واعتبار بڑھانے کے خیال سے وہ نبوت کی بحث کرتے ہیں۔ اور اُس میں ایسے شاخسانے نکالتے اور شرائط لگاتے ہیں۔ جس سے خود بخود عام لوگ متحیر وحیران ہو کر نبوت کی حقیقت کے منکر ہو جاویں۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنی شرائط مذکورہ سے نبوت کو اکتسابی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور جو خواص انبیا کے لیئے بتاتے ہیں۔ اُن کے متعلق یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ یہ خواص ہم انبیا کے سوا دوسرے نفوس میں بھی پاتے ہیں۔ پس اُن کے اقوال کی تردید واجب ہوئی۔ تاکہ کم استعداد لوگ اُن کے دام فریب میں نہ آ جاویں۔ اور نبوت کو کسب وریاضت اور مجاہدہ سے متعلق نہ کریں۔ کیونکہ تمام علمائے اسلام کا اِس پر اتفاق ہے کہ نبوت مجبولی ہے۔ وہ کسی قسم کے کسب ریاضت سے حاصل نہیں ہوتی۔ نہ اُن کو خوارق عادات افعال کے بتانے کے لیئے کسی ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ افعال خارق عادت جس کو معجزہ کہتے ہیں۔ وہ ایسی چیز ہے۔ جس سے خود نبی کو بھی اطلاع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالے اپنے نبی کی تصدیق کرانے کے لئے اُس کو ایسے معجزات عطا فرماتا ہے۔ جو خود اُس کے

وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ دیکھو حضرت موسےٰ علیہ السلام آگ کی تلاش میں کوہِ طور پر پہنچے۔ یکایک رحمتِ الٰہی نے انہیں نبوّت کے لئے مخصوص کر لیا۔ پھر اس کی تصدیق کے لئے اُن کو معجزہ بھی عطا فرمایا۔ کہ اُن کی لاٹھی سانپ بن جاتی۔ اور پھر لاٹھی کی لاٹھی ہو جاتی ؂

موسیٰ علیہ السلام کو اس کے پہلے نہیں معلوم تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اور انہیں کس قسم کے معجزات عطا کئے جانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی خطاب کیا کہ اے موسےٰ میں نے تم کو اپنے نفس کیلئے اختیار کر لیا۔ پھر فرمایا۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ اے موسےٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ عرض کیا میری عصا ہے۔ میں اس پر بھروسہ کرتا ہوں۔ اور اپنی بکریوں کے لئے اس سے چارہ جھاڑتا ہوں۔ اس کے سوا اور بھی مقاصد ہیں۔ خدا نے فرمایا۔ موسےٰ عصا کو پھینک دو۔ پھینکتے ہی سانپ بن گیا۔ موسےٰ ڈرے۔ خدا نے فرمایا ڈرتے کیوں ہو۔ اس کو پکڑ لو کہ پھر عصا ہو جائے گا۔ اسی طرح ید بیضا کا معجزہ عطا ہوا ؂

خود سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ابتدائی وحی کے حالات کو دیکھو کہ جب غارِ حرا میں جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں آئے۔ تو آپ ڈرے۔ اور جو کلمات حضرت جبرئیلؑ نے تلقین کئے۔ اُن کو یاد کرتے ہوئے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس کانپتے ہوئے آئے اور فرمایا زملونی زملونی مجھے کمبل اُڑھا دو مجھے کمبل اُڑھا دو۔ پھر فرمایا۔ لقد[1] خشیت علیٰ نفسی مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کی تسکین فرمائی۔ اور اپنے چچا زاد بھائی ورقہ ابن نوفل کے پاس آپ کو لے گئیں۔ اور وہاں سے یہ جواب پا کر کہ آپ نبی آخر الزمان ہیں۔ اور یہ آپ کے پاس جبرئیلؑ آئے تھے جو تمام انبیا کے پاس وحی لے کر آیا کرتے ہیں۔ اس سے آپ کی تسلی ہوئی۔ اس کے پہلے نہ آپ کو اپنے نبی ہونے کا علم تھا۔ اور نہ آپ نے اُس وقت جبرئیل علیہ السلام کو پہچانا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ نبوّت کو کسب سے مطلق تعلق نہیں ؂

---

[1] کتب احادیث میں ہے کہ حضرت خدیجۃ رضی اللہ عنہا نے لقد خشیت علی نفسی کے جواب میں فوراً یہ کلمات عرض کئے۔ لا واللہ یا یخزیك اللہ ابداً انك لتصل الرحم و تصدق الحدیث و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علیٰ نوائب الحق۔ یعنی نہیں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کریگا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ اور دوسروں کے بوجھ اٹھاتے ہیں۔

اب ہم نبوت کی حقیقت جس سے نبی و غیر نبی میں تمیز ہو سکے۔ موافق عقائد عامہ اہلِ اسلام کے بیان کرتے ہیں۔ جو فی الواقع قابل قبول ولائق اصول الی المامول ہے وہو ہذا۔

کتب معتبرہ مثل المنقذ من الضلال میں لکھا ہے کہ ابتدا میں آدمی خالی و سادہ پیدا ہوا تھا۔ اس کو عوالم مختلفہ کائنات سے مطلق آگاہی نہ تھی۔ پھر اسے حواس عطا ہوئے جن کے ذریعے اُس کو مجہولات کا ادراک و احساس ہونے لگا۔ انسانی قوتیں دو قسم کی ہیں۔ قوت نظری اور قوتِ عملی۔ انہی قوٰی کے ذریعہ وہ معلومات میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔ قوت نظریہ کے ذریعہ اشیائے مرئیہ کی شکل و صورت رنگ و لون وغیرہ کی تمیز ہوتی ہے۔ اور قوت عملیہ کی وساطت سے حقیقت و ماہیت ہر شے کی مدرک ہوتی ہے۔ نیک و بد میں فرق اور اُس پر عمل کرنا بھی اسی قوت کے متعلق ہے۔ یہ بھی سمجھ لو کہ یہ کام عام لوگوں کی قوتوں کا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نبی کو بلا واسطہ بشری تربیت کامل عطا فرماتا ہے۔ اور نور القدس کی تاثیر اُس کی قوتِ نظریہ میں اس طرح ساری ہو جاتی ہے کہ اُس کی معلومات کے درمیان غلطی اور شبہات کے حجاب مطلق نہیں رہتے۔ اسی طرح اُس کی قوت عملیہ میں وہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ نبی بجز اعمالِ صالحہ کے کسی جانب رغبت نہیں کرتا۔ وہ بدی سے متنفر ہو جاتا ہے اور نیکی پر بالکلیہ جھک جاتا ہے۔ پھر جب نبی کی قوت عملیہ بذریعہ اعمالِ صالحہ کے تکمیل کے انتہائی درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔ تو اُس وقت خداوند تعالیٰ اُس کو خلعتِ نبوت سے سرفراز فرما کر خلق کی جانب مبعوث کرتا ہے۔ اور تصدیقِ رسالت کے لئے اُس کو معجزات عطا فرماتا ہے ٭

یہ قول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے تاریخ الانبیا پر پوری نظر ڈال کر یہ کلیہ قائم کیا ہو گا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ کہنا کہ نبی کی قوتِ عملیہ قبل حصول نبوت کے اعمال صالحہ میں انتہائی درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ اُس وقت اُس کو نبوت ملتی ہے ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ ممکن ہے بعض انبیا کو اسی طریق پر نبوت ملی ہو۔ مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ عطائے نبوت کیلئے کسی استعدادِ سابق کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خدا جس کو نبی فرمانا چاہتا ہے۔ ابتدائے خلقت سے اس کے تمام حالات عادات و اخلاق فطری طور پر محمود اور ممتاز بین الاقران ہوتے ہیں۔ نبی کو اپنی

نبوّت کا شائق گمان بھی نہیں ہوتا۔ کہ یکایک حمزتِ الہٰی اُس کو خاص کر لیتی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

خدا کی دین کا مُوسٰے سے پوچھیئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

تمام علما کا اتفاق ہے کہ بعثت انبیا دنیا میں توحید پھیلانے اور آلائش کفر سے خلق خدا کے دلوں کو پاک کرنے، بدیوں اور رذائل کو دُور کرنے اور نیکیوں اور حمائد اخلاق کو ظاہر کرنے کے لئے ہوئی ہے۔ خود آنحضرت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا۔ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق یعنی میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ اخلاق حمیدہ کی تکمیل کروں اسی واسطے انبیا علیہم السّلام دنیا میں بھیجے جاتے ہیں۔ تاکہ بُرے اخلاق کو مبدل بہ حمائد اخلاق کریں۔ وہ معجزات کے ذریعہ خلق سے اپنی نبوّت کی بابت تصدیق کراتے ہیں۔ اور معجزہ ہی ایک ایسا ذریعہ ہوتا ہے جس سے نبی اور غیر نبی میں تمیز ہوتی ہے۔ اور اُس کے مشاہدہ یا سماعت سے حقیقت نبوّت سمجھ میں آجاتی ہے۔

معجزہ تین قسم کا ہے۔ کبھی تو جنس اقوال سے ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی جنس افعال سے۔ اور کبھی خود نبی کی پاکیزہ تعلیمات اور مقدّس حالات نبی کی شناخت میں ایک بڑے معجزہ کا کام دیتے ہیں۔ اور تیسری قسم ایسی ہے جس کے باب میں امام غزالی رحمہ فرماتے ہیں کہ لاٹھی کے سانپ بن جانے اور چاند کے پھٹ جانے سے زیادہ یہ قسم نبی کے تصدیق کی موجب ہے۔ یعنی نبی کا کوئی بڑے سے بڑا معجزہ اُس کی صداقت میں کام نہیں دے سکتا۔ جس طرح اُس کی مقدّس تعلیم اور پاکیزہ حالات زندگی اس باب میں کام دے سکتے ہیں۔ چنانچہ اُن کا قول یہ ہے فان وقع لک شک فی شخص معین انه نبی ام لا فلا یحصل الیقین الّا بمعرفة احوال اِمّا بالمشاهدة او بالتواتر والتسامع یعنی اگر تم کو کسی شخص معین کی نبوّت میں شک ہو کہ وہ نبی ہے یا نہیں۔ تو اُس کی بابت یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ تاوقتیکہ اُس کے احوال کی معرفت مشاہدہ یا متواتر سماعت کے ذریعہ نہ ہو۔ غرض یہ تیسری قسم بڑی جیّد اور کارآمد ہے۔ اس لئے کہ اوپر کی دونوں قسموں پر تو سحر کا بھی گمان ہو سکتا ہے۔ اور اس تیسری قسم پر کسی طرح کی بدگمانی نہیں ہو سکتی۔ پس اوپر کی دونوں قسموں کی

تائید اس تیسری قسم ذریعہ ہوتی ہے۔ اور اس طرح نبی کی شناخت میں کوئی دقت نہیں رہتی۔ ہم نے معجزہ کی ان تینوں قسموں کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ اپنے ایک دوسرے رسالہ میں بیان کیا ہے۔ یہاں صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں جو حضرت مصنف علام نے عقائد نوشتی میں تحریر فرمادیا ہے۔ نبوت کی شناخت حقیقت کے لئے طالب حق کو یہی بس ہے۔

فائدہ (٦)

معراج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان میں

متعلقہ صفحہ

عقائد النسفی میں ہے۔ والمعراج لرسول اللہ علیہ السلام فی الیقظۃ بشخصہ الی السماء ثم الی ما شاء اللہ تعالیٰ من العلیٰ حق ترجمہ اور معراج واسطے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیداری میں جسد مطہر کے ساتھ طرف آسمان کے۔ پھر وہاں سے جہاں خدا نے چاہا بلندی کی طرف حق ہے۔ یعنی خبر مشہور سے ثابت ہے حتیٰ کہ اس کا منکر مبتدع عند العلماء ہے۔ اور یاد رہے کہ جو شخص معراج رسولؐ کا مسجد الحرام سے مسجد اقصےٰ تک کا منکر ہوا وہ کافر ہے کیونکہ یہ نص قرآن سے ثابت ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ؕ خدا عجز کے عیب سے پاک ہے۔ جو اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے بیت المقدس کی مسجد تک لے گیا جس کے گرد اگرد ہم نے برکتیں دے رکھی ہیں۔ تاکہ ہم انہیں اپنی قدرت کے چند نمونے دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا۔ واذ قلنا لک ان ربک احاط بالناس ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَۃً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَۃَ الْمَلْعُوْنَۃَ فِی الْقُرْاٰنِ وَنُخَوِّفُھُمْ فَمَا یَزِیْدُھُمْ اِلَّا طُغْیَانًا کَبِیْرًا ؕ یعنی جب ہم نے تم سے کہا کہ تمہارے رب نے لوگوں کو ہر طرف سے روک رکھا ہے۔ اور خواب جو ہم نے تم کو دکھایا۔ تو بس لوگوں کی جانچ کا ذریعہ ٹھیرایا۔ اور اسی طرح تھوہر کے درخت کو جس پر قرآن

ہیں لعنت کی گئی ہے ! اور ہم اُنہیں ڈرلتے ہیں۔ لیکن ہمارا ڈرانا اُن کی سرکشی کو اور بڑھاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے یعنی ابن عباسؓ نے کہا کہ مراد رؤیا سے یہاں آنکھ کا دیکھنا ہے۔ جو رسول کو اُس رات میں دکھایا گیا ہے جس میں خدا آپؐ کو بیت المقدس تک لیگیا۔ اور اُنہیں کا قول ہے کہ مراد شجرہ ملعونہ سے تھور کا درخت ہے۔ (رواہ البخاری) ۔ اور آسمانوں کی معراج کا منکر نزدیک ائمہ دین کے بدعتی ہے اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عروج آسمانوں پر اخبار احاد سے ثابت ہے۔ اور اخبار احاد کا منکر بدعتی اور گمراہ ہوتا ہے۔ کافر نہیں ہوتا۔ اور اس امر کا اعتراف کرنے والا کہ آنحضرتؐ کو مکہ سے بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں اور قاب قوسین او ادنےٰ تک معراج ہوئی۔ آپنے وہاں خدا کو دیکھا۔ اور نیز جنّت و دوزخ کی سیر کی مومن محقق ہے۔ اور اُس کا ایمان کامل ہے ۔

علامہ عمر النسفی رحؒ کے منقولہ بالا قول سے عقائد حقہ اہل سنّت والجماعت کا پورا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ قول فی الیقظۃ سے اُن لوگوں کے قول کا رد ہے۔ جو گمان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو خواب میں معراج ہوئی۔ جیسے معاویہؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ مراد معراج سے رؤیا صالحہ ہے ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ما فقد جسد محمدٍ علیہ السلام لیلۃ المعراج یعنی معراج کی رات محمدؐ نے اپنے جسم مبارک کو گم نہیں کیا۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ مراد رؤیا سے آنکھ کا دیکھنا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کے قول کے یہ معنی ہیں۔ ما فقد جسد عن الروح بل کانَ مع روحہٖ وکانَ المعراج للروح والجسد جمیعًا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مطہر روح سے جُدا نہیں ہؤا۔ بلکہ رُوح کے ہمراہ تھا۔ تو ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ کی معراج رُوح اور جسد دونوں کے ساتھ تھی۔ چنانچہ قولہ بشخصہ سے اِس امر کا ثبوت ملتا ہے اور اُن لوگوں کی تردید ہوتی ہے۔ جو معراج رُوحی کے قائل ہیں۔ اور عاقل پر پوشیدہ نہیں کہ معراج منامی یا معراج رُوحی ایسی چیز نہیں۔ جس سے اِس شدّت کے ساتھ انکار کیا جائے حالانکہ کفّار نے معراج کے باب میں پورا انکار کیا۔ بلکہ مسلمانوں کا ایک گروہ کثیر اسی سبب سے مُرتد ہوگیا۔ اور قولہ الی السّماء سے ردّ ہے اُن اصحاب کا جو صرف بیت المقدس تک کی معراج کے

قائل ہیں۔ اور قولہ ثم الی ماشاء اللہ اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ اس باب میں سلف کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض جنت تک کے قائل ہیں۔ بعض عرش تک کے اور بعض ما فوق العرش تک اور بعض اطراف عالم کے ۔

اور رویت کے باب میں بقول علامہ سعد الدین تفتازانی کے صحیح قول یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فواد یعنی چشم دل سے خدا کو دیکھا۔ نہ عین سر سے ۔

شیخ برہان الدین سکین نے ارشاد الطالبین میں لکھا ہے کہ اس بات کی کہ آنحضرتؐ کو اسریٰ یعنی معراج جسد و روح دونوں کے ساتھ ہوئی۔ خود قرآن میں موجود ہے کہ اسریٰ بعبدہٖ فرمایا۔ کیونکہ اسم عبد موضوع ہے۔ اس شخص کے لئے جو جسد روح دونوں رکھتا ہو۔ اگر یہ واقعہ معراج کا خواب میں ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ اسریٰ بروح عبدہٖ فرماتا دوسری دلیل یہ کہ اگر معراج خواب میں ہوتی۔ تو اس میں آپ کی کوئی بڑی فضیلت نہ ہوتی اور واقعہ معراج کو معجزات میں شامل نہ کیا جاتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی یہودی یا عیسائی بہشت کو خواب میں دیکھے۔ پھر جو چیز کفار کے لیے روا ہے۔ اس میں پیغمبروں کو کون سی فضیلت ہو سکتی ہے۔ تیسری دلیل یہ کہ ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو دوسرے انبیا پر فضیلت ہے۔ وہ دو خاص باتوں کے سبب سے ہے۔ ان میں ایک معراج ہے دنیا میں اور دوسری شفاعت ہے عقبیٰ میں۔ ورنہ جو کچھ آپ کو حاصل تھا۔ وہ دوسرے پیغمبروں کو بھی حاصل تھا۔ اگر آپ نبوت رکھتے تھے۔ تو دوسرے بھی نبوت سے سرفراز تھے۔ اور اگر آپ صاحب کتاب و شریعت تھے تو دوسرے انبیا بھی صاحب کتاب شریعت تھے۔ پس آپ کا تفضل بسبب معراج و شفاعت کے ہے ۔

علماء فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ دونوں شرف بدولت تواضع کے حاصل ہوئے کہ آپؐ نے جب حق تعالیٰ کے ساتھ تواضع کی۔ تو دولت معراج پائی اور جب خلق کے ساتھ تواضع کی تو دولت شفاعت پائی ۔

پانچویں دلیل یہ کہ لیلۃ الاسریٰ کی صبح کو جب کفار نے بیت المقدس کے نشانات دریافت کئے تو آپؐ نے اُن کی ایک ایک بات کا جواب جیسا کہ آپؐ نے معائنہ فرمایا تھا فرفر دے دیا۔ اگر خواب میں یہ واقعہ ہوتا۔ تو نہ کفار اس کا انکار کرتے اور نہ آپ سے بیت المقدس کے نشان طلب کرتے۔ رہی یہ بات کہ حضرت عائشہ صدیقہ

اور حضرت معاویہ اور خواجہ حسن بصری سے معراج رُوحی مروی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رض واقعہ معراج کے وقت جو کہ ہیں ابتدائی حالت تبلیغ اسلام میں واقع ہُوئی خورد سالہ تھیں۔ اسی سبب آپ کو اصل حقیقت سے اطلاع نہ ہوئی۔ اور حضرت معاویہ اُس وقت تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے ٭

غرض مذہب اکثر سلف و خلف کا یہ ہے کہ واقعہ معراج بیداری میں جسد و روح کے ساتھ ہوا۔ مکہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے آسمانوں اور مقام قاب قوسین او ادنیٰ تک۔ پھر اس میں بھی علما کا اختلاف ہے کہ آنحضرت ؐ نے پروردگارِ عالم کو دیکھا یا نہیں؟ ٭

مذہب عائشہ رض یہ ہے کہ آپ نے نہیں دیکھا۔ اسی کے موافق صحابہ کی ایک جماعت کا قول ہے۔ مسروق رض سے مروی ہے کہ اُنہوں نے حضرت عائشہ رض سے سوال کیا۔ کہ شب معراج آنحضرت ؐ نے اپنے پروردگار کو دیکھا یا نہیں۔ ھل رای محمد ربہ حضرت عائشہ رض نے جواب دیا قد قف شعری مما قلت تحقیق تیری اس بات سے میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سنو تین چیزیں ہیں اگر کوئی تمہیں بیان کرے تو اُن کو جھوٹ سمجھنا۔ پہلی بات یہ کہ اگر کوئی کہے محمدؐ نے معراج کی شب خدا کو دیکھا تو سمجھنا دروغ کہتا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ ٭

حضرت ابو ذر غفاری رض کا قول ہے کہ آنحضرت ؐ نے قلب سے دیکھا نہ آنکھ سے اور علما کی ایک جماعت مثل ابن عباس رض اور حسن بصری رح اور ابو الحسن اشعری رح کے اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت ؐ نے خدا کو دیکھا۔ پھر ایک گروہ کا قول ہے کہ آنحضرت ؐ نے دو بار دیکھا۔ ایک بار چشم دل سے اور ایک بار چشم سر سے۔ انہیں اختلافات کے سبب بعض ائمہ دین فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ رویت میں توقف بہتر ہے اور کسی ایک شق پر غلو ٹھیک نہیں۔ کیونکہ دونوں قسم کے اقوال صحابہ رض سے مروی ہیں اور دونوں میں تاویل کی گنجائش ہے۔ اور یہ مسئلہ باب عملیات سے نہیں ہے کہ دلیل ظنی پر اکتفا کیا جائے لیکن علمائے امت نے بعد تفحص احادیث اور تعمق نظر و تلاش دلائل و اخبار کے اس امر پر جزم کیا ہے کہ دل کے دیکھنے سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت کو علم الٰہی حاصل ہو گیا۔ کیونکہ یہ بات آپ کو

ہر وقت حاصل تھی۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے دل میں خاص رویت قرمانی تھی۔ بالکل اُسی طرح کی رویت جو چشم سر کو حاصل ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ آنکھ دل کی معاونت سے اور دل چشم کی مقارنت سے مشرف بدولت دیدار ہوا ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے پاس شب معراج میں بُراق لایا گیا۔ منہ پر لگام لگی ہوئی پشت پر زین ڈالا ہوا۔ براق نے حضرت سے سرکشی کی تو جبرئیلؑ نے اُس سے کہا۔ کیا تو محمدؐ سے سرکشی کرتا ہے۔ تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا۔ جو خدا کے نزدیک حضرت سے زیادہ بزرگ ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ بُراق نے یہ سُن کر پسینہ ڈالدیا۔ رواہ الترمذی ۔

قتادہ انس بن مالکؓ سے اور وہ مالک بن صعصعہ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے شب معراج کے احوال سے صحابہ کو اطلاع دی کہ جس حالت میں میں حطیم اور کبھی آپ نے یوں فرمایا کہ میں حجرہ میں لیٹا ہوا تھا کہ دفعۃً ایک آنے والے (جبرئیل) نے آکر میرا سینہ چاک کیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انسؓ کو کہتے سُنا کہ اُس نے یہاں سے یہاں تک چیر ڈالا۔ پھر میں نے جارُود سے کہا جو میرے پہلو ہی میں بیٹھے تھے کہ انس کی اِس سے کیا مُراد ہے۔ کہا گلے کے نیچے سے زیر ناف تک۔ اور میں نے انسؓ کو کہتے سُنا کہ سینہ کے اُوپر سے زیرِ ناف تک پھر اُس نے میرا دل نکالا۔ زاں بعد ایک سونے کا طشت ایمان سے بھرا ہوا میرے سامنے لایا گیا۔ پھر میرا دِل دھویا گیا۔ اور اُس میں ایمان بھر کر جہاں کا تہاں رکھ دیا گیا۔ پھر میرے سامنے ایک سفید جانور لایا گیا۔ جو خچر سے نیچا اور گدھے سے اونچا تھا۔ جارُود نے انس سے کہا اے حمزہ کیا وہ بُراق تھا۔ اَنسؓ نے کہا ہاں وہ براق اپنے مدِ نظر پر قدم ڈالتا تھا۔ سو اُس پر میں سوار کیا گیا۔ اور مجھے حضرت جبرئیلؑ لے چلے یہاں تک کہ پہلے آسمان کے پاس پہنچے تو جبرئیلؑ نے آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا۔ چوکیدار نے کہا یہ کون ہے کہا میں جبرئیل ہوں کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں جبرئیلؑ نے کہا محمدؐ۔ کہا گیا اور کیا وہ بُلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں۔ کہا گیا۔ خوب ہی آئے اور بہت اچھا آئے چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ جب میں داخل ہوا تو اچانک دیکھتا ہوں کہ وہاں حضرت آدمؑ ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ تمہارے باپ آدمؑ ہیں۔ انہیں سلام کیجئے میں نے سلام کیا۔ اور انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ زاں بعد کہا نیک بخت فرزند اور اچھے

نبی کو مرحبا ۔

پھر جبرئیلؑ اوپر چڑھے ۔یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر آکر دروازہ کھلوانا چاہا چوکیدار بولا ۔ کون ہے کہا میں جبرئیل ہُوں ۔کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں میں نے کہا محمدؐ۔ کہا گیا ۔کیا وہ بُلائے گئے ہیں کہا ہاں ۔کہا گیا اُسے مرحبا خوب آنا آئے ۔چنانچہ دروازہ کھولا گیا ۔جب دوسرے آسمان پر پہنچا تو میں نے اچانک یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیکھا ۔جو خالہ زاد بھائی تھے ۔جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ یحییٰؑ اور عیسیٰؑ ہیں ۔انہیں سلام کرو ۔میں نے سلام کیا اُنہوں نے جواب سلام دیا ۔زاں بعد کہا نیک بخت بھائی اور صالح نبی کو مرحبا ۔

پھر جبرائیل مجھے لے کر تیسرے آسمان پر چڑھے ۔اور دروازہ کھلوانا چاہا ۔چوکیدار نے کہا ۔کون ہے کہا میں جبرئیل ہُوں کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں کہا محمدؐ۔ کہا گیا اور کیا وہ بلائے گئے ہیں ۔کہا ہاں ۔کہا گیا ۔مرحبا اچھا آنا آئے ۔چنانچہ دروازہ کھولا گیا جب میں وہاں پہنچا ۔دیکھتا ہوں کہ یوسفؑ کھڑے ہیں ۔جبرئیلؑ نے کہا یہ یوسفؑ ہیں ۔ان کو سلام کرو ۔میں نے سلام کیا ۔اور اُنہوں نے سلام کا جواب دیتے ہُوئے کہا نیک بخت بھائی اور صالح نبی کو مرحبا ۔

پھر جبرئیل مجھے لیکر چوتھے آسمان پر چڑھے ۔اور دروازہ کھلوانا چاہا ۔چوکیدار بولا ۔ کون ہے ۔کہا میں جبرئیل ہُوں ۔کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں ۔کہا محمدؐ۔ کہا گیا کیا وہ بُلائے گئے ہیں ۔کہا ہاں ۔کہا گیا ۔مرحبا خوب آنا آئے ۔چنانچہ دروازہ کھولا گیا ۔جب میں ادریسؑ کے پاس پہنچا ۔تو جبرئیلؑ بولے یہ ادریسؑ ہیں ان کو سلام کرو ۔میں نے سلام کیا ۔ اُنہوں نے سلام کا جواب دیا ۔پھر کہا نیک بخت بھائی اور صالح نبی کو مرحبا ۔

پھر جبرئیل مجھے لے چڑھے ۔یہاں تک کہ پانچویں آسمان کے پاس پہنچکر دروازہ دروازہ کھلوانا چاہا ۔چوکیدار بولا ۔کون ہیں ۔جبرئیلؑ نے کہا میں ہُوں جبرئیل ۔ کہا گیا ۔ اور تمہارے ساتھ کون ہیں ۔کہا محمدؐ کہا گیا کیا وہ بُلائے گئے ہیں ۔کہا ہاں کہا گیا اچھا آنا آئے ۔جب میں وہاں پہنچا تو ہارونؑ کو دیکھا ۔جبرئیلؑ نے کہا یہ ہارونؑ ہیں ۔ان کو سلام کرو ۔میں نے سلام کیا ۔اُنہوں نے جواب سلام دیتے ہُوئے کہا نیک بخت بھائی اور صالح نبی کو مرحبا ۔

پھر جبرئیل مجھے لے چڑھے یہاں تک کہ چھٹے آسمان کے پاس پہنچکر دروازہ کھلوانا

چاہا۔چوکیدار بولا کون ہے۔جبرئیلؑ نے کہا۔میں ہوں جبرئیل کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں۔کہا محمدؐ۔کہا گیا اور کیا بلائے گئے ہیں۔کہا ہاں کہا گیا اچھا آنا آئے مرحبا۔جب میں چھٹے آسمان پر پہنچا۔تو میں نے موسےؑ کو دیکھا۔جبرئیلؑ نے کہا یہ موسےؑ ہیں۔ان کو سلام کرو۔میں نے ان کو سلام کیا۔انہوں نے سلام کا جواب دیا۔اور کہا نیک بخت بھائی اور صالح نبی کو مرحبا ٭

جب[ملے] میں وہاں سے ہٹا تو موسےؑ رو پڑے۔کسی نے کہا۔موسےؑ تمہارے رونے کا کیا سبب ہے۔کہا میں اس لئے روتا ہوں کہ ایک لڑکا میرے بعد نبی ہوا جس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ جنت میں جائیں گے ٭

پھر جبرئیلؑ مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے چڑھے۔اور دروازہ کھلوانا چاہا چوکیدار بولا کون ہے۔جبرئیلؑ بولے میں ہوں جبرئیل۔کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں کہا محمدؐ۔کہا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں۔کہا ہاں۔کہا گیا۔مرحبا کیا خوب آنا آئے جب میں وہاں پہنچا۔تو میں نے وہاں حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا۔جبرئیلؑ نے کہا یہ تمہارے باپ ہیں۔انہیں سلام کرو۔میں نے سلام کیا۔اور انہوں نے سلام کا جواب دیا۔پھر فرمایا نیک بخت بیٹے اور صالح نبی کو مرحبا ٭

پھر میں سدرۃ المنتہیٰ کی طرف پہنچایا گیا۔اس کے بیر ایسے تھے۔جیسے ہجر کے مٹکے۔اور اس کے پتے جیسے ہاتھیوں کے کان۔جبرئیلؑ نے کہا یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔اور وہاں چار نہریں بڑی بہتی تھیں۔دو چھپی۔دو کھلی۔میں نے کہا اے جبرئیلؑ یہ کیا ہیں۔کہا چھپی ہوئی دو نہریں بہشت کی نہریں ہیں۔اور کھلی ہوئی نہریں نیل و فرات ہیں پھر مجھے بیت المعمور نمودار ہوا۔ازاں بعد میرے پاس ایک برتن شراب کا اور ایک برتن دودھ اور ایک برتن شہد کا بھرا ہوا لایا گیا۔میں نے دودھ کا برتن لے لیا۔تو جبرئیلؑ نے کہا یہ دودھ پیدائشی دین کی صورت پر ہے جس پر آپؐ اور آپؐ کی امت ہے۔ پھر مجھ پر ہر دن میں پچاس وقت کی نمازیں فرض ہوئیں۔جب میں وہاں سے ملٹا۔تو میرا گذر موسےؑ پر ہوا۔انہوں نے کہا۔تمہیں کس چیز کا حکم ہوا۔میں نے کہا ہر روز پچاس

ملہ بیہقی کے الفاظ یہ ہیں فلما جاوزت قیل له ما یبکیک قال ابکی لان غلاما بعث بعدی ید خل الجنۃ من امتہ اکثر من ید خلہا من امتی ۱۲ (معالم التنزیل)

نمازوں کا حکم ہوا ہے۔ موسیٰؑ بولے کہ تمہاری اُمت سے ہر روز پچاس وقت کی نماز ادا نہ ہو سکے گی۔ قسم خدا کی میں تم سے پیشتر لوگوں کو آزما چکا ہوں۔ اور بنی اسرائیل کا بڑی بڑی تدبیروں سے علاج کر چکا ہوں۔ اپنے رب کے پاس پلٹ جاؤ۔ اور اپنی اُمت کے لئے آسانی مانگو۔ چنانچہ میں واپس گیا۔ تو خدا نے مجھ سے دس وقت کی نمازیں معاف کر دیں۔ پھر موسیٰؑ کی طرف پلٹا۔ موسیٰؑ نے پھر وہی کہا۔ پھر میں واپس گیا۔ تو دس وقت کی اور کم ہوئیں میں پھر موسیٰؑ کی طرف پلٹ کر آیا۔ اور انہوں نے وہی بات کہی۔ پھر خدا کے پاس گیا اور ہر روز دس نمازوں کا حکم ہوا۔ پھر میں موسیٰؑ کی طرف پلٹا۔ تو انہوں نے وہی کہا۔ پھر میں پلٹ گیا۔ اور ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ہوا۔ جب میں پلٹ کر موسیٰؑ کے پاس آیا تو کہا تمہیں کیا حکم ہوا۔ میں نے کہا ہر روز پانچ نمازوں کا حکم ہوا ہے۔ کہا تمہاری اُمت سے ہر روز پانچ نمازیں بھی ادا نہ ہو سکیں گی۔ میں نے تم سے پہلے لوگوں کو آزما لیا ہے۔ اور بنی اسرائیل کا علاج بڑی بڑی تدبیروں سے کیا ہے۔ اپنے رب کے پاس پھر جاؤ۔ اور اپنی اُمت کے لئے آسانی مانگو۔ حضرتؐ نے کہا میں اپنے رب سے سوال کرتا گیا۔ حتیٰ کہ شرما گیا۔ لیکن میں راضی ہوتا اور تسلیم کرتا ہوں۔ جب میں وہاں سے آگے بڑھا تو ایک منادی نے پکار دیا کہ میں نے اپنا فرض جاری کیا۔ اور اپنے بندوں سے بوجھ ہلکا کر دیا۔ رواہ البخاری فی صحیحہ رواہ مسلم مع اختصار و تغیر فی بعض الالفاظ فی صحیحہ ؛

ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر ابن عبداللہ سے سنا کہ انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب قریش نے مجھ کو (معراج کے مقدمہ میں) جھٹلایا۔ تو میں حجر میں کھڑا ہو گیا۔ خدا تعالیٰ نے بیت المقدس مجھ پر ظاہر کیا۔ تو میں اُس کے اتے پتوں کی خبر دیتے۔ اور میں اُس کی طرف دیکھتا جاتا تھا۔ رواہ البخاری و مسلم فی صحیحہا فی باب الاسراء ؛

محمد سید کونین صاحب تاج لولا کا ۔ کہ جس کے قد پہ ہے کیا چست زیبا خلعت اسریٰ کا
ہوا وہ زیب صدر بارگاہِ قدس ہاں جا کر ۔ کہ جس کے چوبداروں میں نہیں رتبہ ہے موسیٰ کا
نہ دستِ فہم پہنچے پایہ اسرار کو جس کے ۔ ظہور دو جہاں سایہ ہے جس شہ کے سراپا کا
اٹھایا یاں قدم اور جا کے پہنچا عرش اعلیٰ پر ۔ تصور کے برون ہے سر دنیٰ کا اور تدلیٰ کا
مقام عالی اوسکا آئے کیونکر فہم میں جس کے ۔ بیاں ہے امر نبوں میں قاب قوسین اَو اَدنیٰ کا

دیگر

دیکھا وہ جو عقل میں نہ آوے | نہ فہم نہ ورک میں سماوے
اللہ سے سنا کلام قدسی | پہنچایا یہاں پیام قدسی
بے پردہ و بے نقاب دیکھا | اللہ کو بے حجاب دیکھا
نظارہ کیا اسی نظر سے | دیکھا اُسے اپنے چشم سر سے
جو رازو نیاز وہاں ہوئے تھے | جو نازو نیاز وہاں ہوئے تھے

ہے اُس کا بیاں، بیاں سے باہر
ہے اُس کا نشاں، نشاں سے باہر

فائدہ ۷

مزامیر و معازف کی بحث

متعلقہ صفحہ

ہمارے زمانہ کے علما و صوفیا میں خدا اُن پر رحم کرے۔ ایک یہی خرابی ہے کہ اُن میں سے ہر ایک معزز و مؤقر فرقہ باستثناء معدودے چند تعصب و نفسانیت کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ اور یہ وہ تعصب و نفسانیت ہے جو حدِ اعتدال سے کوسوں دُور جا پڑی۔ اور جس پر اطلاع ہونے کے بعد کوئی شخص اُن کے با خدا اور مومن کامل ہونے پر یقین نہیں کر سکتا۔ جس فرقہ نے بمخالف فرقہ مقابل جس مسئلہ کے جس پہلو کو پکڑا ہے۔ اُسی پہلو کی تائید و تقویت میں آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ کر زور دیتا رہا ہے۔ حالانکہ فرقہ مقابل کے مسلمہ مسئلہ میں بھی ایسی باتیں موجود ہیں۔ جن کو دیکھ کر کوئی شخص اس طرح کی سختی کو روا نہیں کہہ سکتا۔ غرض سچ پوچھیے تو اسلام کے ان دونوں معزز گروہ میں اکثر لوگ ایسے ہیں۔ جو صراط مستقیم انصاف اور احقاق حق کو چھوڑ کر افراط و تفریط میں گرفتار ہیں۔ مثلاً یہی مسئلہ سماع کا ہے کہ ایک طرف تو علمائے اعلام اُس کو حرام مطلق فرماتے ہیں۔ اور طرح طرح کے حدیث و آثار و اقوال فقہا سے اُس کے ثبوت میں استدلال کرتے ہیں۔ اور اُس کے مرتکب کی تکفیر کرتے ہیں۔ دُوسری جانب صوفیائے کرام

اس کو فعل نبی اور فعل صحابہؓ و تابعین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین بتاتے ہیں۔ اور اقسام اقسام کے موضوع اور ضعیف احادیث و حکایات سے سند پکڑتے ہیں۔ اور محرمین سماع کی تکفیر میں کوشش کرتے ہیں۔ یہ افراط و تفریط ہے۔ جو ہمارے بزرگ علما اور مؤقر صوفیہ کی رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے۔

مسئلہ سماع

حقیقت یہ ہے کہ اصل مسئلہ اس کے بین بین ہے۔ اور دونوں گروہ حد اعتدال سے بڑھ گئے ہیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ دونوں حضرات کے اقوال و استدلال کو بنظر انصاف ملاحظہ فرما کر ایک قول فیصل قائم کریں کہ یہ حضرات مسلمانوں کی تکفیر سے بچیں کہ کسی مسلمان کو کافر کہنا در اصل خود کفر کی خندق میں گرنا ہے تعجب ہے کہاں تو اہل السنت والجماعت کا اس پر اتفاق کہ کسی شخص میں ننانوے احتمال کفر کے اور ایک احتمال ایمان کا پایا جاوے تو ایمان کا احتمال قابل تسلیم ہوگا۔ کہاں بات بات پر مسلمان کو کافر و مرتد کہنا ہم نے اس بارہ میں بزرگان دین کی اکثر کتابیں ملاحظہ کی ہیں۔ اور مسئلہ سماع میں بڑی بڑی بحثیں دیکھی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ یہ بزرگ ذرا بھی اعتدال سے بڑھے ہوں۔ جو بات انہوں نے بیان کی ہے۔ نہایت انصاف اور حق شناسی سے پانی کا پانی اور دودھ کا دودھ الگ کر دکھایا ہے۔ صحیح و سقیم میں بین فرق بتا دیا ہے۔ اور جہاں ان کے ابحاث میں کسی ایک پہلو کی رعایت کی گئی ہے۔ وہ صرف ہماری نظروں اور ہماری تحقیق کا قصور ہے کہ ہم ابتدا سے انتہا تک بنظر غائر ان کی تقریر ملاحظہ نہیں کرتے۔ اور اگر فی الحقیقت ان کی تقریر میں ضعیف اور موضوع احادیث سے استدلال پایا جاتا ہے۔ تو یاد رہے کہ وہ کوئی معصوم اور غلطی سے محفوظ نہیں تھے۔ شائد انہیں اسی طرح پہنچا ہوگا۔ وہ اس میں معذور ہیں۔

عقائد کی کتب میں ہے۔ المجتہد[1] قد یخطی و یصیب پھر حدیث میں آیا ہے کہ مجتہد کو صواب پر دو اجر اور خطا پر ایک اجر ملتا ہے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے انصاف اور نیک نیتی سے لکھا ہے۔ اور انما الاعمال بالنیات کے لحاظ سے وہ خطا پر

[1] اجتہاد کرنے والا کبھی خطا کرتا ہے۔ اور کبھی ٹھیک کرتا ہے۔

بھی ماجور ہیں۔ ہمیں لازم ہے کہ ان بزرگوں کی نسبت اساءت ظن سے باز رہیں۔ اور تحقیق کرکے اُس غلطی پر جو سہواً اُن سے ہوگئی ہے۔ حتی الامکان روشنی ڈالیں۔ یہ نہیں کہ جانب حق کو چھوڑ کر تعصب اختیار کریں۔ اور اپنی بات پالنے کے لیئے بیہودہ اور لاطائل دلائل معرض بحث میں لائیں۔ اور تضیع اوقات کے سوا خدا کے سامنے بھی نادم اور شرمسار بنیں۔

ہمارے پاس ایسے ہی تعصّب و نفسانیت کے بھرکے ہوئے دو تین رسائل آئے ہیں۔ ہم نے اِن رسائل کو جو مباحثانہ پیرائے میں لکھے گئے ہیں۔ ملاحظہ کیا۔ حق یہ ہے کہ دونوں حضرات نے انہیں اپنے اپنے دعوے پر بلالحاظ امر حق دلائل قائم کیئے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے۔ اور اب زمانہ بھی وہ نہیں رہا کہ اسلام کے دو معزز رکن اس قسم کی بیہودہ بحثوں میں اپنی عمر کا بہتر حصّہ صرف کریں۔ جس سے کوئی عمدہ نتیجہ نہ پیدا ہو۔ اس مقام پر ہم محرمین و مجوزین کے تمام دلائل بالتفصیل بیان نہیں کریں گے کہ یہ مختصر مضمون اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ صرف چند اقوال نقل کریں گے۔ اور پھر قول فیصل کی طرف رجوع کریں گے ہم جو کچھ لکھینگے وہ بلالحاظ کسی جانب داری اور تائید کے ہوگا۔ اس لحاظ سے اُمید ہے کہ ناظرین بھی بمصداق الحق[1] یعلو ولا یعلیٰ اُس کے قبول کرنے اور اُس پر عمل درآمد کرنے میں پس و پیش نہ کریں گے۔ عربی عبارات کے تراجم لکھے گئے ہیں۔ تاکہ طوالت نہ ہو۔

غنا لہو الحدیث ہے

محرمین فرماتے ہیں کہ ادلہ اربعہ سے غنا و مزامیر کی حُرمت مطلقہ ثابت ہے۔ سوائے دف کے کہ اعلانِ نکاح کے واسطے اُس کا بجانا جائز ہے۔ اور سوائے طبل غازی ونقارہ سحر اور نوبت کے اگر برائے تنبیہ ہو نہ برائے تفاخر اُس کا بجانا بھی مباح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ[2]۔ محرمین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اشتری لہو پر وعید ہے۔ اور وعید حرام پر ہی ہوا کرتی ہے۔

---

[1] سچی بات غالب ہوتی ہے۔ مغلوب نہیں ہوتی۔ [2] اور بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو کھیل کی باتوں کو خریدتے ہیں ۱۲۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وَاللّٰہِ ھُوَ الْحَدِیْثُ غِنَا ہی ہے بیہقی اور حاکم نے اس کا اخراج کیا ہے۔ اور اس کی تصحیح کی ہے اس کی تخریج ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے بھی کی ہے۔ بلفظ ھُوَ الْغِنَا واشباھہ ۔

مجوزین جواب دیتے ہیں کہ یہ وعید اس شخص کے حق میں ہے۔ جو خدا کی راہ سے گمراہ کرنے کے واسطے یہ کام کرے۔ چنانچہ اسی آیت کا شان نزول اس بات کا شاہد ہے۔ محرمین کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کو لہو لعب کہا ہے اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنیا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ۔ پس اگر حرام ہوگا۔ تو جو کچھ بھی دنیا میں ہے۔ حرام ہے۔ اور اسی باب سے ہے وہ حدیث جس میں مغنیات کی بیع و شرا و کسب و اکل اثمان سے منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ترمذی و ابن ماجہ وغیرہما نے ابی امامہؓ سے اور ابو طیب طبری نے حدیث عائشہؓ سے اور طبرانی نے حدیث عمرؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ثمن القنیۃ سحت وعنا فھا حرام اور سوائے اس کے اور بھی اکثر احادیث ہیں۔ لیکن وہ احادیث کہ مزامیر و معازف کی حرمت میں وارد ہوئی ہیں۔ نہایت کثیر ہیں۔ حتیٰ کہ ایک جماعت علما مثل ابن جرم و ابن ابی الدنیا و ابن حمدان الاربلی اور ذہبی وغیرہم نے ان کو جمع بھی کیا ہے۔

ہم یہاں چند احادیث فتاویٰ مولنا عبدالحی سے نقل کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں بطور تعلیق کے مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ ہونے والے ہیں۔ جو حریر اور شراب اور معازف کو حلال جانیں گے۔ اور سنن ابن ماجہ میں مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ میری امت کے بعض لوگ شراب کو اس کا نام بدل کر پئیں گے۔ اور ان کے سروں پر معازف اور مغنیات سے بجایا گوایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دیگا۔ اور ان کو بندر اور سؤر بنا دیگا۔

جامع ترمذی میں مروی ہے کہ حضور انورؐ نے فرمایا ہے کہ میری امت میں خسف و مسخ ہوگا۔ جس وقت گانے والیاں اور معازف ظاہر ہونگے۔ اور مسند احمد میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے! اللہ تعالیٰ نے شراب قمار بازی

ــلہ بیشک دنیا کی زندگی دل بہلاؤ اور کھیل ہے ۱۲

اور کوبہ کو حرام کر دیا ہے۔ اور مسند ابن ابی الدنیا میں مروی ہے کہ حضرت رسول کریم علیہ التحیہ والتسلیم نے فرمایا ہے کہ اس اُمت سے ایک قوم آخر زمانہ میں مسخ ہو جائے گی بصورت بندر و خنزیر کے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسُول اللہ کیا وہ لوگ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کے قائل نہیں ہونگے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں ہونگے اور روزہ حج و نماز سب ادا کرینگے۔ کہا گیا پھر کیا سبب۔ فرمایا کہ وہ معازف اور قنیسات سے شغل رکھیں گے انتہیٰ۔ سوائے اِن کے اور بھی احادیث اُن کی حُرمت میں وارد ہُوئی ہیں۔ بلکہ مطلق سماع کی حُرمت میں بھی اکثر احادیث ہیں ۔

گانا بجانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل رواہ البیہقی فی السنن یعنی گانا دل میں نفاق کو اس طرح جماتا ہے۔ جس طرح پانی گھاس کو جماتا ہے۔ نیز آپؐ نے فرمایا دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں۔ مزمار وقت نغمہ اور گریہ وزاری وقتِ مصیبت۔ نیز آپؐ نے فرمایا اللہ ضحاں کی آواز کو مبغوض رکھتا ہے جس طرح غنا کو مبغوض رکھتا ہے۔ اِن ہی دلائل سے اکثر حنفیہ مطلق غنا کو بھی حرام کہتے ہیں۔ اور نیز دف کی کراہت کے قائل ہیں۔ لیکن بعض حنفیہ اعلانِ نکاح کے واسطے ایسے دف کے بجانے کی اجازت دیتے ہیں۔ جس میں جھانجھہ نہ ہو۔

مولٰنا عبدالحی فرماتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ نفس غنا عموماً ممنوع نہیں۔ بلکہ اس میں حرمت یا کراہت بوجہ عوارض خارجیہ کے عارض ہوتی ہے۔ اور مزامیر سب ممنوع ہیں بجز دف کے کہ اس کی اجازت نکاح وغیرہ میں وارد ہو گئی ہے۔ محرمینِ سماع کا یہ استدلال بالحدیث ہے۔ جو انہوں نے سماع غنا اور مزامیر و معازف کے حرام مطلق ہونے میں بیان کیا ہے ۔

مجوزینِ سماع اِس کے باب میں فرماتے ہیں کہ رضوی نے امتاع میں کہا ہے کہ ایک جماعت ظاہریہ و مالکیہ و حنابلہ و شافعیہ نے اس باب میں جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں سب کی تضعیف کی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ائمہ اربعہ نے اور داؤد نے

ابو سفیان نے جو مجتہدین کے سردار اور اصحاب مذہب ہیں۔ ان سے استدلال نہیں کیا اسی طرح دوسرے مجوزین کہتے ہیں کہ باب تحریم غنا اور آلات لہویہ میں کوئی شے صحیح نہیں۔ محرمین اُن کی صحت و تصحیح پر زور دیتے ہیں۔ اور مجوزین کو قائل و معقول کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر مجوزین اپنے دعوٰے جواز و اباحت سماع و مزامیر و معازف کو احادیث سے ثابت کرتے ہیں۔ اور قصہ عروسی ربیع بنت معوذ اور قصہ غنا جاریتین فی یوم الفطر یا عید الضحےٰ۔ اور قصہ وفائے نذر جاریہ وقت رجوع غزوہ کو پیش کرتے ہیں ÷

محرمین دو طرح سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان روایات میں جہاں غنا مذکور ہے اُس سے مُراد غنا لغوی ہے۔ یعنی کسی شعر کو ذرا آواز بنا کر پڑھ دیتا اور اُس میں گفتگو نہیں لیکن ہماری مُراد باب تحریم میں اس غنا سے ہے۔ جو خاص تحریک صوت و نغمات کے ساتھ برعایت قواعد موسیقی ہو۔ اور یہ بالاتفاق حرام ہے ÷

دُوسرے اِن روایات میں دف بجانے کا ذکر آیا ہے۔ اور یہ محل نزاع نہیں کیونکہ ہم اس کو آلاتِ غنا سے مستغنی جانتے ہیں۔ بدلیلِ حدیث اعلنوا النکاح ولو بالدف رواہ الترمذی وغیرہ بالفاظ متقاربتہ سوائے اِس کے تمام آلاتِ غنا طبلہ و طنبورہ وغیرہ بہ نصوص صریحہ صحیحہ ممنوع ہیں ÷

مجوزین وجہ تخصیص دف دریافت کرتے ہیں۔ محرمین کہتے ہیں کہ وجہ تخصیص حدیث مذکورہ ہے۔ جس میں اعلانِ نکاح کے واسطے ضرب دف کی اجازت دی ہے اور دُوسرے آلاتِ مناہی سے منع فرمایا ہے۔ مجوزین کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن جعفرؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں غنا عود کے ساتھ سُنا ہے۔ اور کتبِ معتبرہ میں آپ کی نسبت تحریر ہے۔ کالا یری بالغناءِ باسًا یہ زمانہ صحابہؓ کا تھا۔ اور آپ بھی صحابی تھے کسی نے آپ کو اس فعل سے منع نہیں کیا۔ اور یہ اجماع سکوتی کی دلیل ہے۔ جس سے غنا بالعود کی اباحت ہوتی ہے ÷

محرمین جواب دیتے ہیں کہ اول تو عبداللہ بن جعفرؓ کا فعل اِس باب میں سند نہیں ہو سکتا۔ دُوسرے ممکن ہے کہ عبداللہ بن جعفرؓ کو علم حُرمت و نسخ کا نہ ہو

تیسرے آپکا غنا بقاعدہ موسیقی نہ تھا۔ کیونکہ موسیقی کے قواعد آپ کے بعد منضبط ہوئے ہیں۔ بعض مجوزین نے بیان تک ثبوت سماع میں زور دیا ہے کہ اس کو فعل نبی کہہ دیا۔ اسی قسم کی کئی احادیث بھی بنا ڈالیں جس میں آپکا غنا سننا اور اُسی سے وجد آنا۔ اور اِس حالت میں چادر کا دوش مبارک سے سرک جانا۔ صحابہؓ کا اُس کو آپس میں تقسیم کر لینا بیان کیا گیا ہے۔ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ۔[1]

ایک روایت میں آیا ہے کسی شخص نے آپؐ کے سامنے یہ اشعار گائے۔[2]

لقد لسعت حیۃ الھوی کبدی ۔۔۔ فلا طبیب لھا ولا راق

الا الحبیب الذی شغفت بہ ۔۔۔ فعندہ رقیتی وتریاقی

راوی کہتا ہے کہ اِن اشعار کے سُننے سے ایسا وجد ہوا کہ آپ کے دوش مبارک سے چادر گر گئی ◆

محرمین کہتے ہیں کہ ہمیں اِس روایت کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے خود حدیث سے اُس کا موضوع ہونا ثابت ہے۔ ابو بکر عمار ابن اسحاق نے اِس سے تفرد کیا ہے۔ اور وہی اس کا واضع ہے۔ اور اِس کی مثل دوسری حدیثیں بھی موضوع اور جھوٹی ہیں۔ جو واضعین نے لوگوں کو جھٹلانے کے لئے بنا ڈالی ہیں۔ اور مصداق اِس حدیث کے بنے ہیں۔ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ یعنی جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا۔ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈھ لے۔ رسُول خدا۔ صحابہ و تابعین نے کبھی کسی قسم کا سماع بہیئت کذائیہ نہیں کرایا اُن کا سماع یہ تھا کہ جب ایک مقام پر جمع ہوتے۔ تو کسی شخص سے قرأت قرآن کی درخواست کرتے۔ اور اُسی سے انہیں تواجد و مدہوشی ہوتی۔ اور یہ وہ سماع ہے جس کے سننے والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُکِیًّا۔ یعنی جب اُن کے رُوبرُو آیات الٰہی

---

[1] بڑی باتیں ہیں۔ جو اُن کے مونہوں سے نکلتی ہیں ۱۲

[2] دنیوی خواہش کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا ہے۔ تو اس کا کوئی چارہ گر ہے۔ اور نہ منتری (پھونک کے ذریعہ زہر کو اتارنے والا) مگر وہ دوست جس کو میں چاہتا ہوں۔ اُسی کے پاس مرا منتر ہے۔ اور میرا تریاق ہے ۱۲ ◆

پڑھی جاتی ہیں۔ تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔ پھر محرمین اس پر فقہ کے دلائل قائم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فقہ حنفی میں بالاتفاق سماع مع مزامیر و معازف کی حرمت ثابت ہے۔ اور بعض دیگر مذاہب بھی اس کی تحریم کی جانب رجوع ہوئے ہیں۔ اور بزرگان دین نے بھی اس کی حرمت کی جانب زیادہ زور دیا ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر سماع غنا ہو تو حرام ہے۔ کیونکہ تغنی و استماع غنا حرام ہے۔

اور مبسوط میں ہے۔ استماع الملاهي والتغني كلها حرام

اور محیط میں ہے۔ التغنی والتصفیق بها واستماعها کلها حرام

یعنی گانا اور اس پر تالیاں بجانا۔ اور اس کا سننا یہ سب حرام ہے۔ اور ہدایہ میں ہے۔ مسئلہ دلالت کرتا ہے کہ ملاہی تمام حرام ہیں۔ حتیٰ کہ غنا کرنا ساتھ ضرب تصفیق کے۔ مالابد منہ میں ہے۔ ملاہی و مزامیر و طنبور و دہل و نقارہ و دف وغیرہ بالاتفاق حرام است۔ مگر طبل غازی یعنی نقارہ ہنگام جنگ یا دف برائے اعلان نکاح انتہی۔ اسی کے قریب قریب تمام کتب فقہ حنفی و شافعی میں مسطور ہے۔

مجوزین کہتے ہیں کہ جہاں کہیں کتب فقہ اور اقوال بزرگان دین میں معازف مزامیر و سماع و غنا کی حرمت آئی ہے۔ وہ حرمت مقید بلہو ہے۔ حرمت مطلقہ نہیں ہے۔ اور اس بات کو ہم بھی مانتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے سماع غنا مع آلات یا بلا آلات بطور لہو کے کرایا وہ بالاتفاق حرام اور باعث وعید آخرت ہے لیکن جس سماع سے نو منیہ صافیہ رغبت رکھتے ہیں۔ وہ مباح ہے۔ اور اس کی سند میں تمام فقہا کے اقوال صاف و صریح موجود ہیں۔ اور بزرگان دین کو تو ہمیشہ اس کے سننے سے انس رہا ہے۔ یہ سماع باعث تقرب الی اللہ اور ازدیاد محبت الٰہی و یاد حق ہے۔ چونکہ غرض صحیح محبت الٰہی ہے۔ لہٰذا حرام نہیں ہو سکتا۔ مسئلہ سماع میں ان دونوں فریق کے یہ اقوال و دلائل ہیں۔ جن کو ہم نے بخوف طوالت نہایت اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس عبارت کو غور کے ساتھ پڑھنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بعض بعض جگہ دونوں فریق نے ٹھوکر کھائی ہے۔ محرمین کا یہ فرمانا

کہ نفس غنا بھی حرام ہے۔ اور اگر معہ آلات ہو۔ تو باتفاق حرام مطلق ہے۔ کسی قدر تحقیق سے گرا ہوا ہے۔ اور یہ کہ عبداللہ بن جعفرؓ نے بقاعدہ موسیقی نہیں سنا۔ نیز انصاف کے خلاف ہے۔ کیونکہ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴۶ سنہ ہجری میں لحن رومی و فارسی عرب میں آیا تھا۔ اور حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ کی وفات بقول اصح ۸۰ سنہ ہجری میں واقع ہوئی ہے۔ پس ممکن ہے کہ آپ نے بقاعدہ موسیقی سنا ہو۔ تاہم مجوزین کا اس فعل کو سند میں لانا۔ اور اجماع سکوتی فرمانا بہتر نہیں +

مجوزین کی بڑی غلطی جو ناقابل معافی ہے۔ یہ ہے کہ سماع کو فعل نبی بیان کرتے ہیں۔ اور تمام معازف و مزامیر محرمہ کے ساتھ اس میں شریک ہونا مباح سمجھتے ہیں۔ ہم اس وقت محرمین کے قول سے قطع نظر کر کے کہتے ہیں کہ بقول مجوزین سماع مباح ہے۔ مگر اس شخص کے واسطے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے۔ اور اگر اسی مجلس میں کوئی نااہل بھی شریک ہوا۔ اور اہل نے اس کو شرکت سے منع نہیں کیا۔ تو ضرور اس کا وبال اہل پر پڑے گا۔ کیونکہ یہ اس کی گمراہی کا باعث ہوا ہے۔ اگر یہ چاہتا۔ اور اس کو شرکت سے باز رکھتا۔ تو کیوں وہ گمراہی میں پڑتا +

اب ہمارے زمانہ کے مجالس سماع کو ملاحظ فرمایئے کہ بزرگوں کی قبروں پر اور سرراہ اور تکیوں میں ایسی مجالس کراتے ہیں۔ جہاں عوام و خواص جہلا تمام شریک ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر صوفیہ نفس کے بندے امیروں کو اپنی مجلس میں بلاتے ہیں اور اُن کے ساتھ بخاطر و مدارات پیش آتے ہیں۔ پس ایسی صورت میں ہم یقیناً کہتے ہیں کہ ایسا سماع ادلہ اربعہ سے حرام اور قطعی حرام ہے۔ کیونکہ اس میں لہو شریک ہو گیا۔ اور جب تک یہ لہو ہمارے صوفیا سے جدا نہیں ہو گا۔ سماع کی حرمت بھی جدا نہیں ہو گی۔ اب ہم مختصراً سماع غنا کے اہل کی پہچان۔ اور مجلس سماع کے شرائط بیان کرتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

حقیقت سماع

بگویم سماع اے برادر کہ چیست	مگر مستمع را بدانم کہ کیست
گراں برج معنی بود طیر او	فرشتہ فرو ماند از سیر او
وگر مرد لہو است و بازی و لاغ	قوی تر شود لہوش اندر دماغ

اِن اشعار میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سماع کے اہل و نااہل کی تصریح فرمائی ہے۔ یعنی ایسے شخص میں سماع کی حقیقت تیرے رُوبرُو بیان کروں کہ کیا ہے۔ مگر پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مستمع کون ہے۔ سُنو وہ شخص سماع کی اہلیت رکھتا ہے کہ اگر مُرغ رُوح اُس کا بُرج حقیقت میں جاگزیں ہے۔ تو وقت استماع سماع کے ایسی پرواز کرے کہ فرشتہ بھی اُس کی سیر سے عاجز و حیران رہ جاوے۔ اور نااہل وُہ ہے۔ جو سماع کو براہ لھو و ظرافت و بازی سُنتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ سماع سے اُس کے لھو اور اُسکی شہوت کو اور ترقی و قوت ہوتی ہے۔ دِل کی حالت کو علام الغیوب ہی خوب جانتا ہے۔ مگر صوفیہ زمانہ حال کے قرائن سے لباس سے طریقوں سے اُن کے مصنوعی وجد و حال سے عام مجالس میں سماع کرانے سے آلاتِ محرمہ کے ساتھ غنا سُننے سے بازاری قوالوں۔ امردوں اور گانے والی عورتوں کی مجلس سے دلچسپی ظاہر کرنے سے اُن کو مواقع عُرس و فاتحہ بزرگان میں بلانے اور اُن کو شیرینی اور مٹھائی کی ٹوکریاں تقسیم کرنے سے اُن کو دعائیں دینا اور رائی کے خطاب سے یاد کرنے سے اُن کے گانے پر واہ واہ کرنے ناچنے اور بازاری قوالوں۔ ہیجڑوں کے پاؤں پر گرنے سے آپس میں ہل ہل کر رونے۔ اور صدر مجلس کے پاؤں۔ ہاتھ چومنے وغیرہ وغیرہ ناشائستہ حرکات کے کرنے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مُطلق سماع کے اہل نہیں۔ اور انہیں ہرگز سماع مُباح نہیں ہے۔ بلکہ حرام مطلق۔ اور منجر بہ کفر ہے ۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو شافعی مذہب ہیں۔ اور جنہوں نے احیاءُ العُلُوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ کتب معتبرہ میں سماع کی اباحت پر سیکڑوں دلائل قائم کئے ہیں۔ وُہ بھی اِن کتابوں میں کئی مقامات پر ایسے سماع کو حرام فرما چکے ہیں۔ اور کون عقلمند ہوگا۔ جو ایسے مواقع میں سماع کا سُننا مباح کہیگا جہاں نامحرم عورتوں، نااہل مردوں۔ اور امردوں کے حسن صورت کے باعث فِتنے اُٹھنے۔ اور نفسانی خواہشات کے بڑھنے۔ اور کثرت اِستماع سماع کے سبب اوراد و وظائف کے ترک ہوجانے کا اندیشہ و خوف ہو اب سماع کے شرائط ملاحظہ فرمائیے۔ جو بزرگان دین نے بیان کئے ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ اِن میں

سے اگر ایک شرط بھی کم ہو۔ تو سماع حرام ہے *

فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ فرمودند کہ چند شرائط موجود شود۔ سماع آنگاہ شنود و آں چیز مسمع است و مسموع و مستمع و آلہ سماع است۔ و فرمودند مسمع گوئندہ است باید کہ مرد تمام باشد کودک و عورت نہ باشد۔ اما مسموع آنچہ می گویند۔ باید کہ فحش و ہزل نباشد۔ اما مستمع آنکہ می شنود باید کہ بحق شنود و مملو باشد از یاد حق۔ اما آلہ سماع و آں مزامیر است چوں چنگ و رباب و مثل آں باید کہ درمیان نباشد ایں چنیں سماع حلال باشد انتہیٰ *

سوائے ان کے زمان و مکان و اخوان کا ہونا بھی ضروری ہے۔ زمان یعنی ایسا وقت جس میں کوئی طبعی یا شرعی حاجت نہ ہو۔ مکان یعنی ایسا مقام جہاں عام آمدورفت نہ ہو۔ اور نہ کوئی ہنگامہ قلب کا مشغول کر لینے والا ہو۔ اخوان۔ یعنی شرکائے مجلس میں سے کوئی ناجنس نہ ہو۔ دنیادار نہ ہو۔ ریاکار نہ ہو۔ بلکہ سب کے سب طریقت سے واقف مجاہدہ میں کامل۔ علم ظاہری و باطنی سے ماہر اصطلاحات صوفیہ سے باخبر۔ ظاہر و باطن کو مطابق کرنے پر قادر ہوں *

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں قلت فی العبارات المیمیۃ الفارضیۃ فی قصیدۃ الخمریۃ وکذا فی الاشعار الحافظیۃ و القاسمیۃ و امثالھم کلمات کفریۃ لمن حملھا علی المعانی الظاھریۃ کاھل الحاد والاباحیۃ یعنی میں کہتا ہوں۔ ابن فارض کے قصیدہ میمیہ خمریہ میں۔ اور اسی طرح اشعار حافظیہ و قاسمیہ میں اُس شخص کے لئے کلمات کفریہ ہیں۔ جو ان اشعار کو مثل ملحدین و اہل اباحت کے ظاہری معنی پر محمول کرے ہمیں معلوم ہے کہ اکثر صوفیۂ زمانہ اصطلاحات صوفیہ اور تاویل کلام اور رموز عارفین سے محض نابلد ہیں۔ فلھم ما لمن حملھا علی المعانی الظاھریۃ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ میں مزامیر و معازف کے مٹانے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ اور یہ اُس کی ترویج کے لئے مخلوق ہوتے ہیں فلھم عذاب الیم بما کانوا یخلفون۔ غرض شرائط جواز سماع سے بہت بڑی شرط یہ ہے کہ مستمع اصحاب طریقت اور اہل علم ظاہر و باطن سے ہو *

زمانۂ حال میں سماع حرام ہے

علّامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مؤقر رسالہ ابطال دعوی الاجماع علی تحریم مطلق السّماع میں فرماتے ہیں کہ اختلاف اقوال و دلائل کے بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں"۔ اِس میں شک نہیں کہ سماع امورِ مُشتبہ سے ہے۔ اور مومن شبہات میں توقف کیا کرتے ہیں۔ جیسا حدیث صحیح میں آیا ہے۔ جس نے شبہات کو ترک کیا۔ اُس نے اپنی آبرو اور دین کو بَرِی رکھا۔ اور جو شخص شہر کے اِردگرد گھوما۔ وہ اُس میں داخل ہوگیا۔ بالخصوص وہ سماع جس میں قد و قامت خط و خال، ناز و کرشمہ ہجر و وصال، بوس و کنار، تہتک و کشف اور شراب نوشی، بے حیائی۔ بے دینی کا ذکر ہو۔ کیونکہ مجالس سماع میں اِن واہیات کا سُننے والا بلا و محنت سے ہرگز نجات نہیں پا سکتا۔ اگرچہ وہ محنت اُٹھا کر ذاتِ الٰہی میں ایسی حد تک پہنچ جاوے جو وصف سے قاصر ہو۔ اور اکثر اِس وسیلہ سے عشق و محبّت و تحیر میں گرفتار ہیں اور خصوصًا جب کہ مغنی حُسن صوت و حسن صورت رکھتا ہو۔ جیسا کہ حسین عورت یا غلام جمیل۔ اور عرب میں اس طرح کا غنا نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہاں کا غنا اِس قسم کا ہے کہ اشعار کے ساتھ ذکر حرب اور وصف نیزہ زنی۔ اور وصفِ شجاعت و کرم اور تشبیب اور ذکر دیار اور طرح طرح کے فنوں کا وصف ہوتا ہے۔ پس وہ شخص جو اپنے دین کا متحفظ اور اسلام میں راغب ہو۔ اُس کو چاہیئے کہ پرہیز کرے۔ کیونکہ شیطان کے پاس بہت سے جال ہیں۔ پس جو شخص جس کے لائق ہوتا ہے۔ ویسا ہی جال اُس کے واسطے لگاتا ہے۔ اور جس وصف کا غنا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ وُہ نہایت خبیث فریب ہے۔ خاص اُس شخص کے واسطے۔ جو بُرے زمانہ میں ہو۔ کیونکہ اِس کا نفس لذاتِ دنیوی کی طرف بالطبع زیادہ مائل ہوتا ہے۔ الیٰ آخرہٖ انتہیٰ۔ پس مَیں کہتا ہُوں کہ فی زماننا ھذا سماع و غنا بالاتفاق حرام ہے۔ بچند وجوہ

صوفیوں کا طریقہ مذموم

اوّل یہ کہ ہمارے زمانہ کے صوفیہ ایسے مقامات میں بھی مجالس سماع کرانے اور گانا سُننے سے نہیں چوکتے۔ جہاں عام لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اور اُس میں آوارہ قوال فحش و ہزلیات گاتے ہیں۔ دُوسرے[2] یہ کہ سماع بکثرت سُنتے اور اِس کو فرائض و اوراد و وظائف پر ترجیح دیتے ہیں۔ تیسرے[3] میلوں اور عرسوں سے قطع نظر اپنے دولت خانہ تک بعض کا نشانہ پر بھی اجانب عورتوں کو مدعو کرتے۔ اور سماع سُنتے

ہیں اور ڈھولک اور دف کے سوائے دیگر معازف و مزامیر محرمہ بھی ہمراہ رہتے ہیں۔ جن کی حُرمت منصوص ہے۔ چوتھے اکثر صُوفیہ جہالت و بے علمی کے باعث عارفانہ کلام اور صُوفیانہ اشعار کی تاویلات و رموزات کے فہم و انہام سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔ اور اسی سبب گمراہی کے انتہا درجہ کے عمیق گڑھے میں گر پڑتے ہیں ❊

حضرت مخدوم العلما حاجی امداد اللہ رح فرماتے ہیں کہ سماع اختلافی مسئلہ ہے۔ سماع محض میں بھی اختلاف ہے جس میں محققین کا یہ قول ہے کہ اگر شرائط جواز مجتمع اور عوارض مانع مُرتفع ہوں تو جائز ہے۔ ورنہ ناجائز ❊

حضرت بحر العلوم شرح مثنوی مولوی رُوم میں فرماتے ہیں۔ "لیکن ربودن سماع مُوجب فنا فی اللہ و بقا باللہ کلام است"۔ چنانچہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ تصریح فرمُودند کہ سماع مفید رفع درجہ نمی تواند شد۔ اگرچہ مباح است و شوق می انگیزد۔ انتہیٰ۔ جب رفع درجہ کے لئے جو غرض و غایت ہے۔ مفید نہ ہوا۔ تو اُس کی اباحت اور جواز کے لئے دلائل ڈھونڈنا۔ اور واقعات پیش کرنا بیکار ہے۔ ایک بات یہ بھی قابل بیان ہے کہ اکثر اوقات صُوفیہ زیادہ تر رنڈیوں اور آوارہ قوالوں سے سُورۂ قرآن کو تال سُر پر لانے۔ اور نعت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اشعار پڑھنے کو فرمایش کرتے ہیں۔ سو اُس کی نسبت ملّا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ وَفِی الخلاصۃ من قرء القرآن علی ضرب الدف والقضیب مع ذکر اللہ تعالیٰ ونعت المصطفیٰ وکذا التصفیق علی الذکر انتہیٰ۔ یعنی خلاصہ میں ہے کہ جس شخص نے قرآن شریف کو ضرب دف و قضیب پر پڑھا۔ اُس نے کفر کیا۔ میں کہتا ہوں۔ اور کفر کے قریب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ۔ اور حضور پُرنُور کی نعت کے ساتھ دف و قضیب کا بجانا۔ اور اسی طرح ذکر پر تالیاں بجانا۔ ھذا ما ذکر العلماء الاعلام والصوفیۃ الکرام واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ❊

مرزائی اعتقادات کی تردید

متعلقہ صفحہ

مرزائی۔ قادیانی۔ اور احمدی۔ ان تینوں ناموں یا ان میں سے کسی ایک نام کے ساتھ وہ فرقہ پکارا جاتا ہے۔ جو مرزا غلام احمد ساکن قصبہ قادیاں ضلع گورداسپور علاقہ پنجاب کے عقائد باطلہ کا پیرو ہے۔ اس فرقہ کا گرو یعنی مرزا غلام احمد مذکور ابھی کچھ سال ہوئے۔ وفات پا چکا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ میں مسیح موعود مہدی آخر الزمان ہوں۔ اس نے اپنے زمانہ حیات میں قسم قسم کے دعاوی فاسدہ شائع کئے جو باہم نقیض اور جمع بین النقائض کی طرح محال اور سراپا لغو تھے۔ پہلے اس نے مُلہم مِنَ اللہ ہونے کا دعوےٰ کیا۔ پھر کہا کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ اور میں نبوت کے خلعت سے سرفراز کیا گیا ہوں۔ پھر اس سے آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ میں ہی وہ موعود و مبشّر ہوں جس کی آمد کی عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے۔ اور قرآن پاک میں وہ بشارت بدیں الفاظ موجود ہے۔ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ۔ یعنی اور جب عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہوں۔ توریت کی تصدیق کرتا اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں۔ جو میرے بعد آئیگا۔ اور اس کا نام احمد ہے۔

مرزائیوں کا پیشوا کہتا ہے کہ وہ احمد مُبشّر میں ہی ہوں۔ پھر اس نے کہا مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ فِیْ قَادِیَان۔ یعنی خدا نے اپنا رسول قادیان میں بھیجا۔ اور یہ آیت اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ بِالْقَادِیَان وَبِالْحَقِّ نَزَلَ یعنی ہم نے قادیان میں ایک رسول اُتارا۔ اور حق پر اُتارا۔ پھر کہا۔ قرآن کریم کی یہ آیت میری ہی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ یعنی خدا تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ اس کو

تمام ادیان پر غالب کرے۔ پھر اُس نے نبوّت کا دعویٰ کرکے اور مسیح موعود بن کر اکثر انبیا پر اپنی فضیلت ظاہر کی۔ اور کہا میں ہی کلمۃ اللہ روح اللہ اور عیسیٰ ہوں بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر۔ چنانچہ اُس کا خود قول ہے ؎

ابن مریمؑ کے ذکر کو چھوڑو

اُس سے بہتر غلام احمد ہے

اور جب اُس سے کہا گیا کہ تو مثیل عیسےٰ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ تجھ میں وہ آیاتِ باہرہ اور معجزاتِ ظاہرہ موجود نہیں۔ جو قرآن کریم میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی نسبت مذکور ہیں کہ وُہ مُردوں کو زندہ کرتے۔ اور مٹی کا پرندہ بنا کر اُس میں رُوح پھُونکتے۔ اور وُہ زندہ ہوکر اُڑ جاتا۔ اور وُہ بیماروں۔ کوڑیوں اور جزامیوں کو چنگا کرتے؟

اُس نے جواب[1] میں کہا کہ عیسیٰؑ یہ تمام کام مسمریزم کے ذریعہ کرتے تھے اور مَیں ایسی باتوں کو مکروہ جانتا ہُوں۔ ورنہ مَیں بھی کر دکھاتا۔

اُس نے بہت سی پیشین گوئیاں کیں۔ اور جب وہ انہیں جھوٹا ثابت ہُوا تو کہنے لگا۔ مجھ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کی پیشین گوئیاں جھوٹی ثابت[2] ہو چکی ہیں حتیٰ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی پیشین گوئیوں کو اُس نے جھوٹا کہا۔ اور سب سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُس پیشین گوئی کو جو واقعہ حدیبیہ[3] کے متعلق تھی۔ اُس نے جھُوٹی پیشین گوئیوں میں گِنا دیا

---

[1] دیکھو ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۲۲ جہاں لکھا ہے۔ غرض یا اعتقاد غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے پھر کہا۔ بہرحال یہ معجزہ صرف ایک کھیل کی قسم میں سے تھا۔ اور وُہ مٹی درحقیقت ایک مٹی ہی رہتی تھی اور ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۰۹ میں لکھتے ہیں بہرحال مسیح کی یہ تربی کارروائیاں (مسمریزمی) زمانہ کے مناسب حال بطور خاص مصلحت کے تھیں۔ مگر یاد رکھنا کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں۔ جیسا کہ عوام الناس اُس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا۔ تو خدا کے فضل و توفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان عجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریمؑ سے کم نہ رہتا۔ الخ۔ سبحان اللہ خدا تو قرآن پاک میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے جن معجزوں کو بطور فخر بیان فرماتا ہے۔ اور وُہ درحقیقت معجزات ہیں۔ مرزا غلام احمد ان کو کھیل اور قابل نفرت اور مکروہ کہتا ہے۔ [2] دیکھو ازالہ اوہام صفحہ ۔ [3] دیکھو صفحہ

لعن اللہ من اذی رسول اللہ علیہ و آلہٖ و سلم۔ اُس نے حضرت عیسیٰ کی نبوت میں عیب نکالا۔ اور کہا کہ اُن کا نبی ہونا کسی نصِ قطعی سے ثابت نہیں ہوتا صِرف قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ پھر کہا۔ قرآن سے بھی بہ تکلف اور بہ مشکل ثابت ہوتا ہے۔ اُس نے حضرت مریم علیہا السلام میں عیب نکالا۔ اور کہا بے شوہر کے اُس نے کس طرح عیسیٰؑ کو جنا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے یہ بھی کہا کہ میرا مرتبہ اکثر انبیا سے افضل ہے۔ اور میرے تابعین کا مرتبہ اکثر صحابہؓ سے فاضل ہے۔ اُس نے اپنے اپنے ملاعین کے قتل کو حضرت امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کی شہادت سے زیادہ قابل قدر اور افسوس ناک واقعہ بتایا۔ اور حضرت امام حسینؑ کے صبر و استقلال سے اُس نے اپنے مقتولین کے صبر و استقلال کو زیادہ مرتبہ دیا ✦

پھر اس نے لا مھدی الا عیسیٰ ابن مریم کی حدیث کے غلط معنی کر کے یہ

ك اس واقعہ کی بابت معالم التنزیل اور کتب احادیث میں صرف اتنا لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے عام الحدیبیہ میں ایک خواب دیکھا۔ کہ میں اور میرے اصحاب مکہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ پس اس خواب کی بنا پر آپ نے مکہ کی طرف وقت مقررہ کے پہلے جانے میں جلدی کی۔ مشرکوں نے آپ کو روک دیا اور آپ مکہ کی طرف نہ جا سکے۔ اور مدینہ کی طرف پلٹ آئے۔ صرف اتنی بات ضعیف الایمان لوگوں کے لئے امتحان اور آزمائش ہو گئی۔ اور وہ آپ کے رویائے صادقہ کی تکذیب کرنے لگے۔ جیسا کہ مرزا غلام احمد نے منافقین کی تقلید کرتے ہوئے اس پیشین گوئی کو جھوٹا کہا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی کوئی۔ دیا اور کوئی پیشین گوئی جھوٹی ثابت نہیں ہوئی۔ اور نہ یہ پیشین گوئی جھوٹی تھی چنانچہ جب آیندہ سال حضور علیہ السلام مکہ کی طرف گئے۔ تو چونکہ رویا کے ظہور کا وقت آ گیا تھا۔ لہذا آپ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے۔ اور خدا نے اپنے پیغمبر کی رویا کے سچے ہونے کو اس آیت میں بیان فرمایا لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ الخ پس اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جس نے آنحضرت کی اس پیشین گوئی کو اور نیز کسی دوسری پیشین گوئی کو جھوٹا کہا۔ بہ تحقیق اُس نے خدا اور رسولؐ کی تکذیب کی۔ پھر خدا اور رسول کا مکذب بیشک کافر ہے ۱۲ منہ ك اس حدیث کے اصلی معنی کتاب عقائد نورشتی صفحہ ۱۲۶ میں گذر چکے ہیں۔ مھدی کامل علی الاطلاق حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ اور ان کا مرتبہ بسبب نبی مرسل ہونے کے امام مھدیؑ سے بدرجہا زیادہ ہے۔ یہ آپ نے اس واسطے فرمایا تاکہ کوئی حضرت عیسیٰؑ کی بابت ایسی بات نہ کہے جس سے اُن کے مراتب عالیہ کی تنقیص اور مھدی کی ان پر ترجیح و تفضیل ہو۔ کیونکہ جب آخر زمانہ میں امام مھدیؑ کا ظہور اور حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا۔ تو جماعت مسلمین کی امامت کے باب میں یہ دونوں بزرگوار تدافع کریں گے۔ مھدی کہیں گے کہ عیسیٰؑ امامت کریں اور عیسیٰؑ مھدی کو امامت کی فضیلت دیں گے۔ آخر امام مھدی امام ہونگے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۵)

بڑا مارا کہ مھدی اور عیسےٰؑ دونوں حقیقت میں ایک ہی شخص ہے۔ جو مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے۔ اور کہا کہ میں ہی مھدی اور عیسےٰؑ ہوں۔ پھر خود ہی کرشن مہاراج ہونے کا بھی دعوے کیا۔ اور خلوت حسیناں کے مزے اڑاتا رہا۔ جب چاروں طرف سے لعن طعن ہونے لگی۔ تو اس کی پرواہ نہ کرتا ہوا اس نے کہا کہ مجھے لوگوں کی تکذیب کی پرواہ نہیں۔ ہمیشہ سے انبیا کی تکذیب ہوتی آئی ہے۔ اس نے مجدد امام اور مبشر ہونے کا بھی دعوے کیا ہے۔ غرض کہاں تک اس فرخرفات کو نقل کر کے قارئین کے دماغ کو پریشان کیا جائے۔ اس کے دعاوی میں ایسا تناقض ہے کہ ایک کم علم

(بقایا حاشیہ صفحہ ۴۰۴) + اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام اُن کی اقتدا کرینگے۔ اس سے عوام کے خیال میں حضرت عیسیٰؑ کا حضرت مھدیؑ سے مفضول ہونا ثابت تھا۔ لہذا نبی کریمؐ نے فرمایا کہ مھدی فضیلت میں عیسیٰ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور وہ نبی مرسل ہیں۔ اور حقیقت میں مھدی (ہدایت کرنیوالے) کامل علی الاطلاق عیسےٰ ہی ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے۔ جب حدیث صحیح اور درست ہو۔ مگر اکثر محدثین کے نزدیک یہ حدیث معلول اور ضعیف ہے۔ پس مرزا صاحب کا اس حدیث سے مھدیؑ اور مسیحؑ کے ایک ہونیکو ثابت کرنا غلط ہے۔ دوسری حدیث جب مرزا غلام احمد مھدی اور مسیح کے ایک ہونے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسی کو بخاری کا مذہب بتاتے ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے۔ ان اباھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم وامامکم منکم یعنی اس وقت تم کیسے خوش ہوگے۔ جب ابن مریم تم میں نازل ہونگے۔ اور حال یہ کہ تمہارے امام تمہیں میں سے ہونگے (یعنی حضرت مھدی) یہ حدیث کتب احادیث میں انہیں الفاظ سے مروی ہے۔ مگر مرزا صاحب نے اس حدیث میں لفظی ترکیب کی ہے۔ اور لکھا ہے بل ھو امامکم منکم اس تحریف فاحش سے ان کی اصل غرض یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب ثابت ہو جاوے کہ ابن مریمؑ اور مھدیؑ حقیقت میں ایک ہی شخص ہے۔ جس کا خود مرزا دعویٰ کرتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ان کے پیروؤں نے جن میں بعض ذی علم بھی ہیں۔ اس تحریف کو نہ دیکھا۔ اور مرزا کی اندھا تقلید کرنے لگے۔ سوا اس کے کتب احادیث میں بصراحت موجود ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام نبی مرسل ہیں۔ جو قرب قیامت کے آسمان سے نزول کریں گے۔ اور مھدی اہلبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اولاد حسن رضی اللہ عنہ سے فاطمی نسل سے ہیں۔ جن کا نام آنحضرتؐ کے نام کی طرح اور جن کے باپ کا نام آنحضرتؐ کے باپ کے نام کی طرح ہوگا۔ پھر مسیح ومھدیؑ ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس حدیث کا مطلب صرف یہی ہے کہ آخر وقت میں حضرت عیسےٰ بطور تابع شریعت اسلامیہ کے نزول کرینگے۔ اور اس وقت حضرت مھدیؑ ہی امامت کرینگے۔ اور حضرت عیسےٰؑ ان کی اقتدا فرمائیں گے + کذا صرح فی کتب الحدیث بشاد عفی عنہ ۱۲

۱۷۱ عکس ممکن کی ترقی

بچہ بھی اُس کے کذب بطلان اور محال و ناممکن ہونے کی گواہی دے سکتا ہے۔ مگر باوجود اس کے اکثر پڑھے لکھے لوگ فریب میں آ گئے۔ اور اُس کی طرح دینی و دنیوی خسران کا سامان جمع کیا۔ سچ ہے وَمَن یُضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ اس نے اُن مسلمانوں کو جو اُس کی جھوٹی نبوت کے منکر ہوئے کافر کہا۔ اور اُن کی مسجدوں میں نماز پڑھنے اور اُن کی اقتدا کرنے سے اپنے پیرؤں کو[1] منع کیا۔ وہ بظاہر یہ بھی کہتا رہا کہ میں مسلمان ہوں اور عام مسلمانوں کی طرح آنحضرت صلعم کو اپنا امام و پیشوا مانتا ہوں۔ لیکن حقیقت میں وہ مسلمانوں کو سبز باغ دکھا کر گمراہ اور بے دین بناتا تھا۔ چنانچہ جب کوئی سیدھا سادھا مسلمان اُس کے فرقہ میں داخل ہوتا۔ اور وہ سمجھ لیتا کہ اب یہ پورے طور پر میرا مطیع ہو گیا ہے۔ تو وہ اُس کے سامنے اپنے عقائد باطلہ کی کتاب پیش کرتا جس کی رو سے اُسے مرزا مذکور کو نبی اور مسیح موعود وغیرہ وغیرہ ماننا پڑتا۔ وہ اپنے پیرؤں سے یہ بھی منواتا کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر نہیں اُٹھائے گئے ہیں۔ بلکہ قتل و مصلوب ہوئے ہیں۔ اور عام مسلمانوں کی طرح دفن کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اُس کی تردید علیحدہ کی ہے دیکھو صفحہ کتاب ہذا۔

اُس کے مرنے کے بعد نور الدین نامی ایک شخص اُس کا جانشین ہوا۔ جس کو وہ اپنی زندگی میں بھی بڑا معزز اور موقر رکھتا تھا۔ اور جس سے اُس کو اپنے مشن کے کامیاب بنانے میں بڑی مدد ملی تھی۔ اُس نے مرزائیوں کے مشن کو اپنی زندگی میں خوب نبھایا۔ مگر اُس میں مرزائیوں کا سا دم خم نہ تھا۔ اور نہ وہ مرزا کی طرح لڑاکو اور بدزبان تھا۔ کہ خواہ مخواہ مقابلے کرتا۔ اور جب عاجز آ جاتا۔ تو مہذب شہدوں کی سی گالیاں بولنے لگتا۔ اُس نے نہ مرزا کی مانند کسی کو بد دعا دی۔ اور نہ کوس کوس کر اپنے دل کا بخار نکالا۔ وہ گربہ مسکین کی طرح خاموشی سے اپنا شکار آنکھیں بند کئے ہوئے تاڑتا رہتا۔ اور جب کوئی قسمت کا مارا اُس کی زد میں آ جاتا تو جھٹ چھلانگ مار کر اُس کو دبوچ لیتا۔ مگر اُس کی گرفت سُست تھی۔ اکثر دبوچے ہوئے

[1] دیکھو صفحہ ۱۲۸ اربعین نمبر ۳ میں لکھا ہے۔ یاد رکھو۔ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذب اور متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔

شکار اُس کے پنجہ سے نکل جاتے۔ اور وُہ پیچھے جھاڑ تا رہ جاتا۔ غرض حیثیت یا سُستی کسی طرح بھی اُس نے اِس کے مِشن کو چلایا۔ اور چند سال کے بعد اپنے پیش رو کے پاس چلتا بنا ؛

نور الدین مذکور کی وفات کے بعد مرزائیوں کے دو فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ اس بات کا قائل ہوُا کہ مرزا غلام احمد ہیں حقیقی یا بروزی یا ظلی کوئی نبوّت نہ تھی اور نہ مثیل مسیح تھا۔ ہاں وہ ایک مبشر اور مجدّد کی شان میں ظاہر ہوُا تھا۔ اور اسی تجدید کی جانب لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔ وُہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہمارا یہ قول مرزا کی تصانیف سے ثابت ہے۔ اور خود مرزا اِس حدیث کو لَا یبقی مِنَ النبوّۃِ اِلَّا المبشراتِ پیش کر کے کہا کرتا تھا۔ کہ نبوّت کسی قسم کی بھی ہو۔ آنحضرتؐ کے آنے سے ختم ہو گئی ہاں مبشرات باقی ہیں۔ بس وُہ مبشر ہونے کا دعوےٰ کرتا تھا۔ اور مائۃ حاضرہ کا مجدد ہونے کا بھی۔ یہ فرقہ عام مسلمانوں کی تکفیر نہیں کرتا۔ اور اُس کے سمجھدار لوگ ہر ایک مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہیں ؛

دُوسرا فرقہ کہتا ہے کہ مرزا مذکور حقیقی نبی تھا۔ اور وہی مسیح موعود اور مھدی منتظر اور کرشن مہاراج تھا۔ وُہ اپنے منکروں کو کافر سمجھتا تھا۔ اور کسی غیر مرزائی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ اور نہ پڑھنے دیتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ خاتم النبیین میں الف لام استغراقی نہیں ہے وہ آنحضرتؐ کے بعد انبیا کے آنے کا قائل تھا۔ اور خود کو ویسا ہی نبی سمجھتا تھا۔ جیسا کہ آنحضرتؐ کے پہلے دُوسرے انبیا ہو گذرے ہیں ؛

یہ فرقہ کہتا ہے کہ مرزا مذکور نے نبی ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا۔ تو عام مسلمانوں نے اُس کی تکفیر کیوں کی۔ اور ہاتھ دھو کر اُس کے پیچھے کیوں پڑ گئے پس مرزا نبی تھا۔ اور اُس کی کتابوں سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے ؛

یہ ہیں مرزا مذکور کے حالات اور اُس کے مذہب کے نشوونما کے واقعات۔ ہم نے اُن کو اور اِس گروہ کی تفریق و تقسیم کو مختصر الفاظ میں ناظرین کی تفنن طبع کی خاطر درج کر دیا ہے۔ اور اس کی تردید کی جانب التفات نہیں کی۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ خود اُس کی دعاوی اور عقائد سے اُس کا لغو اور بیہودہ

ہونا ظاہر ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ علمائے عرب عجم اور فضلائے ہند اُس کے خیالات واہیہ اور دعاوی باطلہ کی تردید میں سینکڑوں رسائل و کتب تصنیف و تالیف فرما چکے ہیں۔ اور اُس کو اور اُس کے فرقے کو بے طرح لاجواب و عاجز کر چکے ہیں۔ اب ہمیں ضرورت کیا ہے کہ اُس کی طرف توجہ کریں۔ لیکن اتنا بتا دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ مرزا کے تمام تر دعوے بیہودہ اور نا قابل قبول ہیں۔ مھدی وہ اس لئے نہیں ہو سکتے کہ حدیث میں حضرت مھدی کا حضرت امام حسنؓ کی اولاد سے ہونا وارد ہے۔ اور مرزا صاحب قوم کے مغل ہیں۔ سید نہیں۔ دوسرے مھدی کی علامتوں سے ایک یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے یواطی اسمہ اسمی یعنی مھدی کا نام میرے نام پر ہوگا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جو میرا نام ہے۔ وہی مھدی کا نام ہوگا۔ اور جو میرے باپ کا نام ہے یعنی عبداللہ وہی مھدی کے باپ کا نام ہوگا۔ اور ایک حدیث ہے۔ دنیا کی مدت تمام نہ ہوگی جب تک میرے اہلبیت سے ایک شخص ظاہر ہو کر تمام دنیا کو عدل و انصاف سے نہ بھر دے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ مرزا صاحب کا نام تو غلام احمد ہے۔ اور اُن کے باپ کا نام غلام مرتضیٰ تو وہ کس طرح مھدی ہو سکتے ہیں۔ پھر مھدی کی تعریف ہے۔ یملاء الارض قسطاً و عدلاً۔ تمام زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا مرزا نے کون سے عدل و انصاف سے زمین کو بھرا۔ پھر اسی حدیث کا باقی ٹکڑا ہے۔ کما ملئت ظلماً و جوراً یعنی جس طرح وہ پہلے اُس کے ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ تو مرزا صاحب کے زمانہ میں کون سے ظلم و جور سے زمین بھری ہے اُس کی تشریح ضرور ہے۔ غرض مھدویت کا دعویٰ کسی طرح مرزا پر صادق نہیں آتا۔

رہا عیسیٰ یا مثیل عیسیٰ ہونے کا دعوےٰ۔ تو وہ اس سے بھی زیادہ ناممکن ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام ایک نبی مرسل صاحب کتاب و شریعت ہیں۔ مرزا ایک معمولی شخص جس کی علمیت بھی چنداں قابل توجہ نہیں۔ وہ صرف تشبیہ و استعارہ کے رنگ میں باتیں بنانا اور جھلاسے اُن کو منوانا جانتا تھا۔ دوسرے حضرت عیسےٰ مقتول و مصلوب نہیں ہوئے۔ بلکہ وہ بجسدہ الشریف آسمان پر اُٹھائے

گئے ہیں۔ چنانچہ یہ بات باتفاق مفسرین و علماء حدیث کامل طور پر ثابت ہے۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے شب معراج میں حضرت عیسیٰ سے ملاقات کی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عنقریب عیسیٰ تم میں نازل ہونے والے ہیں۔ پس اُن کو اس علامت سے پہچان لینا۔ کہ وہ ایک شخص مربوع الی الحمرۃ والبیاض ہے یعنی درمیانی قد والا ہے۔ سُرخ و سفید رنگ کی طرف مائل۔ مرزا صاحب کے قد و قامت اور رنگ وروپ میں یہ موصوفیت مطلق نہیں تھی۔ ہم نے دیکھنے والوں سے بہ تحقیق یہ بات سُنی ہے۔ اور اُن کی تصویر جو بذریعہ فوٹو لی گئی تھی۔ اور جس کو مرزا کے عین حیات میں ہی ہم نے دیکھا تھا یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ وہ دراز قد سیاہ فام سا آدمی تھا۔ اور اس دعوے کا بالکل اور سراپا بیہودہ اور قابل مضحکہ ہونا ایک اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت مہدی ایک علیحدہ شخص ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ ایک دوسرے شخص۔ چنانچہ یہ امر اس حدیث سے صاف واضح ہے۔ فینزل عیسٰی عند صلوٰۃ الفجر فیقول لہ امیر الناس تقدم یا روح اللہ فصل بنا فیقول انکم معشر ھٰذہ الامۃ امراء بعضکم علی بعض تقدم انت فصل بنا فیتقدم فیصلی لھم الخ وہ مشہور بلکہ یہ حدیث انہیں الفاظ سے مروی ہے۔ اور دوسری کتب حدیث میں دوسرے الفاظ سے مگر مطلب واحد ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نماز صبح کے وقت (آسمان سے) نازل ہونگے۔ تو لوگوں کا امیر (مہدی) اُن سے کہیگا۔ کہ اے روح اللہ آگے بڑھیے اور ہمیں نماز پڑھائیے۔ تو حضرت عیسٰے کہیں گے۔ کہ تم گروہ اس امت کے بعض بعض پر امیر ہو (اے امیر) تو ہی آگے بڑھ کر ہمیں نماز پڑھا۔ چنانچہ وہ (امام مہدی) نماز پڑھائیں گے۔ اس سے اور اس قسم کی بہت سی حدیثوں سے صاف طور پر عیاں ہے کہ مہدی اور عیسیٰ الگ الگ دو شخص ہیں۔ اور مرزا صاحب خود ہی مہدی اور خود ہی مسیح ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ پس اُن کا دعویٰ غلط اور سرتاپا غلط ہے ؂

مرزا صاحب کرشن مہاراج ہونے کا بھی ادعا کرتے ہیں۔ تو ہمیں اُن کے اس دعوے سے کوئی بحث نہیں۔ ہندو اصحاب چاہیں۔ اُن کے اس دعوے کو تسلیم کریں۔ اور چاہے اپنے طور پر اُس کی تردید کریں۔ اس کے متعلق ہم تو صرف اتنا ہی کہتے ہیں۔ کہ کرشن مہاراج ہونے کا دعویٰ کرنے سے پہلے مرزا صاحب کو مسلمانوں کی اُن کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے تھا۔ جو ہندوؤں کے کرشن جی کے حالات وصفات وعادات کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ پھر اگر وہ اپنی ذات میں ان عادات وصفات کو پاتے۔ تو اُنہیں اس دعوے کا حق تھا۔ پھر بھی یہ مسئلہ حل طلب رہ جاتا ہے۔ کہ ایک ہندو نے مسلمان کے گھر کیونکر جنم لیا۔ اور آیا مسلمانوں کے مذہب میں تناسخ کوئی چیز بھی ہے۔ سچ یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اس بے حاصل دعادی سے بجائے اِس کے کہ اُن کی کچھ وقعت ہوتی عقلمندوں کے نزدیک رہی سہی پت بھی کھو دی حضرت شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

خیالات نادان خلوت نشیں
بہم برکند عاقبت کفر و دیں

حضرت عیسیٰ کا آسمان سے نازل ہونا

اور

مرزائی عقیدہ کی تردید صفحہ

گذشتہ جمعہ میں ایک دیندار بھائی کی طرف سے جامع مسجد برہان پور کے ستون پر اس مضمون کا ایک اشتہار چسپاں کیا گیا تھا۔ کہ ایک شخص حضرت عیسیٰ علی نبینا علیہ السلام کے متعلق کہتا ہے کہ وہ آسمان پر نہیں اُٹھائے گئے۔ بلکہ اپنی موت سے مرے ہیں۔ اور لکھا تھا کہ وہ اپنے اِس قول کی تائید میں آیات قرآنی اور حدیث بخاری سے سند لاتے ہیں۔ اِس کے بعد

علمائے کرام سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ اس کے متعلق اپنی تحقیق سے اہل اسلام کو مستفید کریں۔ اگرچہ ہمارے معزز علما کو اس مسئلہ کی طرف توجہ کرنا چنداں ضروری نہ تھا۔ کیونکہ سوائے چند نادانوں کے تمام اہل اسلام حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اُٹھائے جانے۔ اور پھر قرب قیامت کے وقت آسمان سے اُن کے نازل ہونے کے قائل اور معتقد ہیں۔ اور یہ عقیدہ اُن کے ایمانیات میں داخل ہے لیکن امورات ذیل اس امر کے داعی ہوئے ؛

(۱) عامہ مسلمین کے دلوں میں اس استفتا کے دیکھنے سے شکوک و شبہات پیدا نہ ہوں ؛

(۲) قائل یہ خیال نہ کرے کہ اُس کے مزخرفات کا جواب دینے والا اس شہر میں نہیں ہے ؛

(۳) امر منکر کی تردید و تغییر از روے حدیث صحیح علما پر واجب ہے ؛

(۴) حضرت عیسےٰ کا آسمان پر اُٹھایا جانا۔ اور وقت موعودہ پر نازل ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اور اُس سے انکار حقیقت میں قرآن و حدیث سے انکار ہے پس اس شبہۂ واردہ کا دفع کرنا اُن حضرات پر جن کو خدا نے اپنے پاک علوم سے ممتاز کیا ہے۔ واجبات سے ہے ؛

فَاَقُوْلُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

واضح ہو کہ یہ اعتقاد قادیانی فرقہ کا ہے۔ جو ابھی چند سال سے حادث ہوا ہے۔ اس کا بانی مرزا غلام احمد آنجہانی ہے۔ جو قادیاں ضلع گورداسپور کا رہنے والا تھا۔ یہ فرقہ مرزا غلام احمد کو مسیح موعود۔ مہدی مسعود۔ اور کرشن مہاراج مانتا ہے جس کا خود مرزا مذکور نے اپنی ذات کے لئے جھوٹا دعویٰ کیا اُس نے اپنا اُلو سیدھا کرنے اور لوگوں کا گرو گھنٹال بننے کے لئے قرآن شریف اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں معنوی تحریف کی۔ اس نے قرآن حکیم کے سیاق و سباق اور ربط لاحق و سابق کی رعایت نہ کر کے اور سلف صالحین کے معنوں سے آنکھوں پر پٹی باندھ کر قرآن و حدیث کی ایسی ناروا تفسیر

وتاویل کی جو اُس کے دعوے کے مثبت ہو سکے۔ مگر علما اعلام سے یہ باتیں کہاں چھپ سکتی ہیں۔ اُنھوں نے جب دیکھا کہ یہ توسن سرکش بغیر تازیانہ علم کے سیدھا ہونے والا نہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ ہزاروں کتابیں اُس کی تردید تکفیر بلکہ بہ تحقیق شائستہ وتفتیش بائستہ تصنیف کر کے اطراف واکناف عالم میں پھیلا دیں تاکہ اہل اسلام پر ظاہر ہو جائے کہ اُس کے تمام دعاوی جھوٹے ہیں سه

بت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

مگر وائے بے جہالت باوجود اس کے بھی کچھ لوگ اُس کے ہتھے چڑھ گئے۔ اُنہیں میں سے کچھ منچلے نوجوان جابجا مختلف لباسوں میں مختلف طریقوں میں اپنے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے پھرتے ہیں۔ اور اُنہیں اگرچہ کچھ نہ آتا ہو۔ مگر خود مرزا کے تصنیف کئے ہوئے اردو رسالے طوطے کی طرح رٹ لیتے ہیں۔ اور وہی بولیاں بولتے پھرتے ہیں اس لئے کہ کوئی عقل کا اندھا ملے۔ اور اُن کی دیرینہ چشمک پر فریفتہ ہو کر ایک منٹ کی راہ اُن کا معتقد ہو جائے۔ آمدم بر سر مطلب۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک اولوالعزم پیغامبر اور خدا تعالیٰ کے برگزیدہ رسولوں سے ہیں۔ اُن کی پیدایش ایک معجزہ اور قدرت خداوندی کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ وہ حضرت مریم علیہا السلام کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ وہ اُس وقت پیدا ہوئے۔ جب مریمؑ کنواری تھیں۔ اور اُنہیں کسی بشر نے نہیں چھوا تھا۔ جبرئیل علیہ السلام کی بشارت پر وہ خود حیران تھیں۔ کہ ایسی حالت میں اُنہیں کس طرح بچہ ہوگا۔ لیکن اُن کی حیرانی کو یہ کہہ کر دور کر دیا گیا۔ کہ کذالک اللہ یفعل ما یشاء۔ غرض حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ اُن کی خاطر کھجور کے خشک ٹھنٹ کو ہرا اور بار ور کیا گیا۔ اُس نے تازہ تازہ کھجوریں گرائیں جو مریمؑ نے کھائیں۔ اور اپنے بچے کو بھی چٹائی۔ اُس مولود مسعود نے اُس وقت جب کہ وہ چھوٹا گہوارہ میں پڑا تھا۔ لوگوں سے اپنی رسالت کے متعلق بزبان فصیح باتیں کیں۔ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ وہ تیرہ برس کی عمر کو پہنچا تھا۔ کہ اُس کو باقاعدہ پیغمبری کا خلعت بخشا

گیا۔ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوا۔ وہ جذامی کوڑیوں کو چنگا کرتا
اور اللہ کے حکم سے مُردوں کو جلاتا۔ وہ مٹی سے پرند کی صورت بنا کر اُس میں
پھونک دیتا۔ تو وہ پرندہ بحکم الٰہی زندہ ہو کر اُڑ جاتا۔ اُس نے بنی اسرائیل کی
بھٹکی ہوئی بھیڑوں کو راہ پر لانے اُن کی بدعتوں کو مٹانے اور اُن میں توحید الٰہی
کی اشاعت کرنے کے متعلق فرض بڑی مستعدی اور دل سوزی سے ادا کیا۔
وہ ہر ایک مہلکہ میں پہنچا۔ اور ہر ایک خطرہ میں جا گھسا۔ اس کو تبلیغ رسالت
میں کوئی خطرہ مانع نہیں ہوا جس نے اُس کے الٰہی احکام پر سر تسلیم خم کیا۔
ناجی ہوا۔ اور آسمانی بادشاہت کا مالک بنا۔ اور جس نے نہ مانا۔ وہ ابدی
ذلیل و ناری ہوا۔

اُس نے ڈنکے کی چوٹ کہہ دیا کہ مَیں خدا کا رسول ہوں۔ توریت
کی تصدیق کرتا۔ اور اپنے بعد ایک بہت بڑے رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم
کے آنے کی بشارت دیتا ہوں۔ جس کا نام پاک احمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)
ہوگا۔ جب وہ آئے۔ تو تم سب اُس کی اشاعت پر جھک جانا۔ وہ شریعتوں
کا کامل کرنے والا۔ اور ایک ہی کامل شریعت کا مالک ہے وہ تمام انبیا
و مرسلین کا سردار ہے۔ اور کسی فرد بشر کو اُس کی اطاعت سے چارہ نہیں۔
وہ قریباً تنتیس ۳۳ برس کا تھا۔ کہ جب بنی اسرائیل نے اس پر ایک بہت
بڑا داؤ چلانا چاہا۔ اور بدبختوں نے اُس کے قتل کی ٹھان لی۔ ظالموں نے
ایسا کیا کہ عین اشاعت حق کے وقت اُس کو جا لیا۔ اور پکڑ کر ایک کوٹھڑی
میں بند کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے مکر سے عیسٰی علیہ السلام کو بچا لیا۔
اور اُن سے بشری عوائق کو مسلوب کر کے بغیر موت کے اُن کو آسمان پر
اُٹھا لیا۔ اور عالم قدس میں محل کرامت اور قرارگاہ ملائکہ میں جگہ عطا فرمائی۔
جہاں وہ وقت مقررہ تک زندہ و سلامت رہیں گے۔

اِدھر جب بنی اسرائیل کا سردار یہودا نام کوٹھڑی کے اندر گیا۔
تاکہ اُنہیں سُولی چڑھا دے۔ تو عیسٰے علیہ السلام کو نہ پایا۔ گھبراتا ہوا باہر آیا اور
کہا۔ کہ عیسٰے تو مکان میں نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا۔ تو ہی تو عیسٰے ہے۔ کیا ہمیں

دھوکا دیتا ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے عیسیٰ کی شبیہہ بنا دیا تھا) ہرچند وہ کہتا رہا۔ کہ میں عیسیٰ نہیں ہُوں۔ پر لوگوں نے نہ مانا۔ اور سُولی پر لٹکا دیا۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا۔ کہ جب اُسے سُولی پر لٹکا چکے۔ اور اپنے سردار کو نہ پایا۔ تو فرطِ حیرت سے کہنے لگے اِن کانَ ھٰذا عیسیٰ فاین صاحبنا یعنی اگر یہ عیسٰے ہے تو ہمارا صاحب کہاں ہے۔ غرض اِس طرح اُن کا مکر اُن پر مارا گیا۔ اور وہ جس حربہ سے عیسیٰ کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ اُسی حربہ سے اُن کے سردار کو ہلاک کرا دیا گیا۔ یہی معنی ہیں اِس آیت کے وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ۔

قِصّہ کوتاہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر اُٹھائے گئے۔ اور وہ قرب قیامت تک وُہیں رہینگے جس وقت دجّال اعور علیہ اللعن خروج کریگا۔ تو حضرت عیسیٰؑ بحکمِ الٰہی آسمان سے نازل ہونگے۔ اور دجّال پر بمعیّت حضرت مہدی علیہ السلام چڑھائی کریں گے۔ وہ اُنہیں دیکھتے ہی ایسا پگھل جائیگا۔ جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ پھر روئے زمین پر صرف ایک دین اسلام ہی رہ جائے گا۔ باقی سب فنا ہو جائینگے۔ اِس طرح حضرت عیسیٰؑ چالیس برس زمین پر قیام کریں گے۔ پھر فوت ہونگے۔ اور مسلمان اُن کی نمازِ جنازہ پڑھائیں گے۔ یاد رکھو کہ عیسیٰ علیہ السلام کوئی جدید شریعت لے کر نہیں آئیں گے وہ اِسی شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تابع اور اِسی شریعت کے قرار دینے والے اور مجدّد ہونگے۔ کیونکہ یہ شریعت کامل اور آخر شرائع ہے۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آخر رسل ہیں۔ تو وہ ایک حَکَم اور مقسط کی شان میں نزول کریں گے۔ اُس دن نہ وہ مسلمانوں کے سلطان ہونگے۔ نہ امام نہ قاضی اور نہ مفتی وغیرہ۔ وہ اُس وقت نازل ہونگے۔ جب علم دنیا سے اُٹھ جائیگا۔ اور لوگ علم سے خالی ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو شریعت محمدیؐ کا علم قبل نزول کے آسمان پر عطا کریگا۔ پس اُسی علم کے ذریعے وہ لوگوں میں حکم کریں گے۔ اور خود اُن کا عمل اُسی علم پر ہوگا۔ تمام مومنین اُس کی طرف رجوع لائیں گے۔ کیونکہ اُس وقت صرف وہ

ایک ہی مصلح ہوگا۔ حضرت عیسٰےؑ کا تابع شریعت محمدی ہونا اس حدیث سے ثابت ہے۔ لو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی تو جب عیسٰی علیہ السلام زندہ ہیں تو اُن کو شریعت محمدی کے سوا گنجایش نہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نسبت سطور بالا میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے۔ وہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کا ترجمہ اور نہایت مستند کتب تفاسیر و عقائد کا لب لباب ہے۔ جس کو ہم بوقت ضرورت اصل عبارت کے ساتھ مع نشان صفحات وغیرہ پیش کر سکتے ہیں۔ اختصار کے لحاظ سے اس وقت ہم نے اصل عبارت کو محفوظ رکھا ہے۔ خدا کرے نیک بصیر ہیں اس سے روشنی حاصل کریں۔ اور مرزائیوں کے اغوا و افترا سے مجتنب رہیں۔ جو کرم شب تاب کی طرح رات کی اندھیری میں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرتے ہیں۔ اور اُن کو یہ نہیں معلوم کہ آفتاب عالمتاب کی تجلی ریز شعاعیں ہر وقت رات کی تاریکی کو پھاڑنے اور جگنو کی دھیمی روشنی کا پول کھولنے کو موجود ہیں۔ مرزائی سمجھے ہیں کہ ان کی تحقیقات ہی سب کچھ ہے۔ بقول شخصے ؎

ہر آں کرمے کہ در سنگے نہاں است
زمین و آسمانِ اوہماں است

ھذا والآن اشرع فی المقصود

شروع مقصود کے پہلے یہ بیان کر دینا ضرور ہے کہ چونکہ قرآن شریف کے لطائف و معانی بوجہ احسن و اکمل سمجھنے سے عام فہم ہیں اور سطحی اور اکابر قاصر ہیں۔ اس لئے علمائے کرام کا یہ نہایت مضبوط قائم کردہ کلیہ ہے کہ اُن کے حقائق و معارف کو خود آیات سے اور اگر اُن میں نہ ملیں تو احادیث نبوی سے تحقیق کرو۔ اس کے بعد کشف معضلات اور ایضاح مجملات کے لئے صحابہ کرام آئمہ مجتہدین اور علمائے سلف صالحین کے معتبر اقوال کی طرف رجوع لاؤ۔ اور یہ اس لئے کہ خیر القرون کا زمانہ بہ تحقیق کے اعتبار سے مابعد کے زمانہ سے زیادہ تر راجح بصواب ہے۔ کیونکہ مابعد کا زمانہ حسب اخبار مخبر صادق علیہ التحیۃ والثنا افشائے کذب و زور کا زمانہ ہے۔ پھر اگر العیاذ باللہ کوئی عقل سے خالی دماغ یہ کہے کہ موجودہ

زمانہ تحقیق کا ہے۔ اور خیر القرون تاریکی کا زمانہ تھا۔ تو جان لو کہ وہ جھک مارتا اور جھوٹ بکتا ہے۔ اس مقدمہ کے بعد ہم مستفتی کے جواب کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ گو ہمیں یہ نہ معلوم ہو سکا۔ کہ قائل کس آیت اور کس حدیث بخاری کو اپنا مطلب ثابت کرنے کے لئے پیش کرتا۔ تاہم غالب گمان یہ ہے کہ قائل کو لفظ متوفیک اور لفظ توفیتنی سے حضرت عیسےٰ کی موت کا وہم ہوا ہے رہی حدیث تو اگرچہ قائل نے اس کو پیش نہیں کیا ہے لیکن ہم تنزلاً یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ کسی اس قسم کی مبہم حدیث سے قائل کو یہ گمان ہوا ہوگا۔ لہٰذا ہم لفظ متوفی اور اُس کے مشتقات کے جو قرآن حکیم میں قریباً ۲۷ جگہ آئے ہیں۔ ضروری اقتباسات نقل کرکے بتاتے ہیں کہ لغت عرب میں اس لفظ کے متعدد معنی آئے ہیں۔ جو سیاق و سباق کے لحاظ سے سمجھے جا سکتے ہیں متوفی اسم فاعل ہے۔ باب تفعل سے۔ اور اُس کا مادہ یعنی و ف ی لفیف مفروق ہے۔ توفی کے معنے۔ اُٹھانا۔ سُلانا۔ قبض کرنا۔ جان نکالنا۔ پھیر لینا۔ اور پورا دینا۔ وغیرہ وغیرہ ہیں۔ ہر ایک کی مثال ہیں دیکھو آیات ذیل :-

اُٹھانے کی مثال۔ قولہ تعالیٰ :- حتیٰ یتوفٰھن الموت یہاں تک کہ اٹھائے اُن کو موت ٭

سُلانے کی مثال۔ قولہ تعالیٰ :- ھوالذی یتوفکم باللیل اور وہی ہے جو قبض کرتا ہے تم کو رات میں (یعنی سُلاتا ہے) ٭

قبض کرنا۔ عرب کہتا ہے۔ توفیت مالی۔ میں نے اپنے مال پر قبضہ کیا ٭

جان نکالنا۔ قولہ تعالیٰ :- توفتہُ رسلنا۔ جان نکالتے ہیں ان کی رسول ہمارے (یعنی ملک الموت اور اُس کے ہمراہی) ٭

پھیر لینا۔ قولہ تعالیٰ :- فلما توفیتنی۔ اور جب تو نے مجھے پھیر لیا۔ یعنی اٹھا لیا ٭

پورا دینا۔ قولہ تعالیٰ۔ ووفیت کل نفس ما کسبت اور پورا دیا جائیگا ہر جی جو کچھ کمایا ہے ٭

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنی تائید مزید میں معتبر تفاسیر کی عبار

نقل کردیں۔ اور قولہ تعالیٰ:۔ وَاِذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیَّ الخ کے معنی بیان کردیں۔ جو متفق علیہ علمائے اعلام ہیں۔ تفسیر بیضاوی صفحہ ۱۱۷ مصری میں ہے۔ یاعیسیٰ انی متوفیک ای متوفی اجلک ومؤخرک الی اجلک المسمیٰ عاصمًا ایاک من قتلھم او قابضک من الارض من توفیت مالی او ممیتک من الشھوات العائقۃ عن العروج الیٰ عالم الملکوت ورافعک الی الی محل کرامتی ومقر ملائکتی اور تفسیر جلالین کے صفحہ مذکور میں ہے متوفیک ای قابضک ورافعک الی من غیر موت۔ یہی معنی تفسیر مدارک میں ہیں۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب رح نے بھی یہی معنی کئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ توفی کے معنے موت کے اس آیت کی تفسیر میں کسی نے نہیں کئے۔ اور سب اس امر پر متفق ہیں کہ یہاں متوفیک کے معنی پھیر لینے والے اور نگاہ رکھنے والے اور تاخیر اجل مسمیٰ وغیرہ کے ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد کے لفظ رافعک الیّ نے اس کو صاف کر دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو قتل اور صلیب سے محفوظ رکھ کر اپنی طرف بغیر موت کے زندہ ہی جسم سمیت اُٹھالیا۔ اور فلمّا توفیتنی کے معنی بھی اسی طرح کئے ہیں۔ چنانچہ بیضاوی صفحہ ۲۱۲ میں ہے۔ فلمّا توفیتنی قبضتنی بالرفع الی السماء یہاں توفیتنی کا ترجمہ بھی صاف ہوگیا۔ اس جگہ ہم نے عربی عبارت کا ترجمہ قصداً چھوڑ دیا ہے۔ تاکہ وہ لوگ جو من اور عن میں فرق تک نہیں کر سکتے۔ اور باوجود اس کے مرزائی عقیدہ کے پیرو بن کر دعوے ہمہ دانی کا کرتے ہیں۔ آپ ہی معنی سمجھ لیں۔ ورنہ عند الضرورت ہم تعلیم دینے کے لئے موجود ہیں۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ ؂

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اُٹھایا جانا ایک اور دلیل سے بھی ثابت ہے۔ جو اس سے بھی زیادہ روشن ہے۔ اور وہ بھی قرآنی بیان سے خود ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ۔ یعنی تمام اہل کتاب عیسیٰ کی موت کے پہلے ان پر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ بیضاوی اور جلالین میں بہ اور

موتہ کی ضمیریں حضرت عیسٰے کی طرف پھیری ہیں +

بیضاوی میں ہے۔ وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ والمعنی انہ اذا نزل من السماء امن بہ اھل الملل جمیعاً +

اور جلالین میں ہے۔ قبل موت عیسٰی مما ینزل قرب الساعۃ کما ورد فی الحدیث و عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشک ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد تکون السجدۃ الواحدۃ خیر من الدنیا وما فیھا ثم یقول ابو ھریرۃ فاقرؤا ان شئتم وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ الایۃ رواہ خمسۃ الا النسائی سوا اس کے اور بہت سی حدیثیں حضرت کے رفع الی السماء اور نزول من السما کی تائیدیں موجود ہیں۔ مگر فی الحال اختصار کو مناسب جانا۔ اگر خدانخواستہ مخالفین نے رنگنا چاہا۔ تو ان کے لئے ہر وقت موجود و مستعد ہیں۔ ھذا ما علمنی ربی واللہ یھدی من یشاء الی صراط المستقیم۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین +

امامت کی بحث

حاشیہ متعلقہ صفحہ

مباحث امامت اگرچہ موضوع علم کلام سے نہیں ہے جیسا کہ اس کتاب کے مقدمہ سے ظاہر ہو گیا ہے۔ لیکن چونکہ اہل بدعت و ضلالت اپنے عقائد فاسدہ اور معتقدات باطلہ کی اشاعت کر کے عقائد حقہ دین اسلام میں خرابی ڈالنے لگے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بلا فصل اور خلفائے

ثلاثہ رضی اللہ عنہم خصوصاً جناب ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو غاصب اور معاذ اللہ ظالم تک کہنے لگے۔ تو علمائے اسلام نے اِس جانب توجہ فرمائی اور علم کلام کی کتابوں میں مباحث امامت کو درج فرمایا۔ تاکہ اہل اسلام فرقہ ہائے شیعہ کے عقائد بد سے محفوظ رہیں۔ اور اپنے عقائد حقہ کو سلامت اور مامون رکھیں۔ اِس طرح مباحث امامت متمات بلکہ موضوع علم کلام سے ہو گئے۔ چنانچہ بعض علما نے علم کلام کی تعریف میں امامت کی بحث کو بھی داخل کر دیا ہے اور فرمایا ہے۔ ھو البحث عن الاحوال الصانع تعالیٰ والنبوۃ و الامامۃ والمعاد وما یتصل بذالک۔ یعنی علم کلام وہ ہے۔ جس میں احوال صانع تعالیٰ اور نبوت اور امامت اور معاد وغیرہ کے متعلق بحث ہوتی ہے۔ ایک وجہ ادخال بحث امامت کی یہ بھی ہے۔ کہ ایک طرح سے مسائل امامت اعتقادی ہیں۔ نہ کہ عملی۔ چنانچہ اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ خلیفہ برحق بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ابو بکرؓ ہیں۔ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ پھر علی رضی اللہ عنہم اور یہ کہ اِن خلفائے راشدین کی فضیلت بھی اسی ترتیب سے ہے۔ امامت کے معنی اہل اسلام پر استحقاق تصرف عام کے ہیں۔ چنانچہ المسائرۃ میں ہے ھی استحقاق تصرف عام علی المسلمین۔

اور شرح مواقف میں ہے۔ الامامۃ خلافۃ الرسول فی اقامۃ الدین وحفظ حوزۃ الملۃ بحیث یجب اتباعہ علی الکافۃ الامۃ یعنی امامت کے معنی جناب رسول خدا کی خلافت کے ہیں۔ دین کے قائم کرنے اور ملت اسلام کی محافظت کرنے میں اِس طرح کہ اُس کی اتباع تمام امت پر واجب ہوتی ہے۔

اور اسی طرح مقاصد میں ہے کہ امامت دینی و دنیوی ریاست عامہ کو کہتے ہیں۔ جو حقیقت میں آنحضرتؐ کی نیابت ہے۔ پس امام اُس کو کہا جائیگا۔ جس کو مذکورہ نیابت و ریاست و تصرف عام حاصل ہو۔

اور واضح ہو کہ اہل سنت امامت کا اطلاق چند معنوں پر کرتے ہیں ایک معنی تو وہی ہے۔ جو اوپر بیان ہوا۔ یعنی خلافت رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وآلہ وسلم جس میں ملک میں تصرف ہونا باوصف استحقاق اور غلبہ شوکت کے
اور جاری ہونا حکم کا ضروری ہے۔ اور یہ امامت محدود و منحصر ہے۔ خلفاء اربعہ
اور حضرت امام حسن و امام مھدی ہیں کہ سوا اُن کے کوئی امام مستحق ان صفات کا
نہیں ہو سکتا۔ دوسرے بمعنی پیشوائے دین کے۔ چنانچہ امام اعظمؓ و امام شافعیؒ کہ
امام فقہ کے تھے۔ اور امام غزالیؒ و امام رازیؒ کہ امام عقائد و کلام کے ہوئے ہیں۔
اور نافعؒ و عاصمؒ کہ قرأت کے امام تھے۔ غرض جس علم میں کسی شخص کو کامل دستگاہ
ہوتی ہے۔ تو وہ اُس علم کا امام کہلاتا ہے۔ حتیٰ کہ نماز کے امام کو بھی امام کہتے ہیں
اور اسی طرح امیر الحج کو کہ یہ سب امور دین میں سے کسی امر کے امام ہیں۔ اور آئمہ
اطہار اس دوسرے معنی کے لحاظ سے تمام باتوں میں امام و پیشوا ہوئے ہیں۔
تیسرے امام کے معنی مطلق رئیس و بادشاہ کے لیتے ہیں۔ کہ وہ ہرچند خوش سیرت
نہ ہو۔ لیکن بعض امور دین میں جیسے جہاد اور غنیمت کا بانٹنا۔ اور جمعہ و عیدین کا
قائم کرنا یہ بھی پیشوائی کی بات ہے۔ حاصل کلام یہ کہ امامت بمعنی خلافت کے
یہ تو سوا پانچ شخصوں مذکورہ اور مھدی موعود کے کسی کی ذات میں ممکن نہیں۔
مگر امامت دوسرے معنی کے لحاظ سے عام ہے۔ ہر قابل و کامل کے لئے یہ سب
معنی قرآن شریف سے ماخوذ ہیں۔ امام کے لئے تصرف کا ہونا ضروری نہیں ہے
چنانچہ وہ لوگ جو بظاہر تصرف نہیں رکھتے تھے۔ قرآن حکیم میں ان کو لفظ آئمہ
سے یاد فرمایا ہے وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا۔ یعنی اور کیا ہم
نے اُن کو امام کہ راہ بتاتے ہیں ہمارے حکم کی بلکہ ہر کسی کو یہ دعا تلقین فرمائی۔
وجعلنا للمتقین اماما۔ یعنی اور کر ہم کو متقیوں کے لئے امام اور خلافت
میں ہر جگہ ارض کی قید بڑھائی ہے لیستخلفنھم فی الارض اور
نجعلکم خلفاء الارض الیٰ غیر ذالک

عقائد کی کتابوں میں جہاں کہیں امامت کے وجوب کا ذکر آیا ہے۔
اس سے مراد پہلے معنے ہیں یعنی مسلمانوں پر تصرف عامہ کا استحقاق جس
کے دوسرے معنی حاکم یا بادشاہ کے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اہل سنت
کے نزدیک سب مسلمانوں پر واجب ہے۔ کہ وہ واسطے محافظت امور دین و

دنیا کے اپنے اتفاق سے ایک امام یعنی حاکم نصب و معین کریں۔ تاکہ کلی و جزئی اور دینی و دنیوی انصرام و تصفیہ اُس کے حکم سے ہو۔ اور انتظام مسلمین میں حرج و مرج واقع نہ ہو۔ امام کے مقرر و قائم کرنے کے وجوب پر اکثر احادیث دال ہیں۔ جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے متن میں بیان کیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ فی الجاھلیۃ یعنی اگر کسی شخص کے زمانہ میں کوئی امام یعنی بڑا حاکم مسلمانوں کا ہو (اور اُس میں امامت کی شرطیں پائی جائیں۔ اور وہ اُس امام یعنی موجودہ حاکم یا بادشاہ کی معرفت یا اطاعت نہ کرے۔ تو اُس کی موت ایسی ہوگی۔ جیسے جاہلیت کی مَوت کہ کسی طرح اُس کی نجات نہیں ہوسکتی۔ اور در حقیقت امام زمانہ کی اطاعت نہ کرنے سے انسان شرعًا باغی کہلاتا ہے۔ پھر جو باغی کا حکم ہے۔ وہی اُس کا۔ ہاں اگر حاکم میں فسق و فجور ہو۔ اور شرائط امامت موجود نہ ہوں۔ تو اُس کی اطاعت واجب نہیں۔ بلکہ اُس کے ساتھ قتال و جدال لازم ہے۔ یا ایسا ملک ہو۔ جہاں مسلمان نصب امام سے عاجز و مجبور ہوں۔ جیسے ہندوستان وغیرہ۔ تو اِس صورت میں یعنی جب مسلمانوں میں امام بشرائط ضروریہ موجود نہیں ہے۔ تو اُس کی معرفت و اطاعت کی تکلیف بھی نہیں ہونے کی حالت میں نہ پہچاننے پر احادیث میں وعید وارد ہے۔ اور مسلم کی حدیث میں بروایت عمرؓ من مات بغیر امام مات میتۃ جاھلیۃ مطلب دونوں کا ایک ہے۔

نصب امام سے غرض

اب ہم بتاتے ہیں کہ امام کا قائم و مقرر کرنا جو کتاب و سنت اور اجماع امت سے واجب ہے۔ تو اُس سے کیا اغراض متعلق ہیں۔ اور امام یعنے مذکورہ کن صفات کا ہونا چاہیئے۔ عقائد نسفی میں ہے۔ المسلمون لابد لھم من امامٍ یقوم لتنفیذ احکامھم واقامۃ حدودھم وسد ثغورھم وتجھیز جیوشھم واخذ صدقاتھم وقھر

المتغلبۃ والمتلصصۃ وقطاع الطریق واقامۃ الجمع والاعیاد وقطع المنازعات الواقعۃ بین العباد وقبول الشھادۃ القائمۃ علی الحقوق، وتزویج الصغائر الذین لا اولیاء لھم وقسمۃ الغنائم یعنی مسلمانوں کو ایک امام یعنی حاکم قائم کرنا ضرور ہے۔ تاکہ وہ امام قیام کرے واسطے جاری کرنے حکموں اور قائم کرنے حدود اور بند کرنے فتنوں اور آمادہ و طیار کرنے لشکروں اور لینے صدقات اہل اسلام کے۔ اور نیز قیام کرے متغلبوں چوروں اور لٹیروں پر سزائیں۔ اور قہر کرنے پر اور قائم کرے جمعوں اور عیدوں کی نماز کو۔ اور دور کرے جھگڑوں اور خصومتوں کو جو درمیان بندوں کے واقع ہوں۔ اور قبول کرے اُن شہادتوں کو جو حقوق شرعی پر دی جاویں۔ اور نکاح کرے اُن صغائر کا جن کو ولی نہیں ہے اور قسمت کرے غنیمتوں کو جو کفار سے حاصل ہوں۔ ان تمام اغراض مذکورہ کے لئے ایک حاکم کی ضرورت ہے کہ بدون وجود حاکم کے یہ اغراض پُورے نہیں ہو سکتے۔ اور چاہئے کہ حاکم مذکور۔ مرد۔ مسلمان۔ عاقل۔ بالغ متورع۔ عادل اور شجاع ہو۔ اسی واسطے شرح مواقف میں ہے۔ نصب الامام عندنا واجب علینا سمعًا یعنی امام کا مقرر کرنا ہم پر شرعًا واجب ہے۔ اور حصر امامت کا کسی تعداد میں نہیں ہے۔ اور نہ یہ کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے ؞

عقائد نفسی میں مذکور ہے۔ یکون الامام من قریش ولا یجوز من غیرھم یعنی امام قریشی ہونا چاہئے۔ غیر قریشی کی امامت جائز نہیں۔ تو اُس کی بنا ایک حدیث صحیح پر ہے۔ جو بالفاظ مختلفہ حضرت ابوبکر صدیق رض۔ وعلی مرتضی رض۔ وابوہریرہ رض۔ وابن عمر رض۔ وسعد بن ابی وقاص رض۔ وجابر رض۔ وابن مسعود رض۔ وانس رض۔ وابوموسے رض۔ وام ہانی رض۔ وابوبردہ رض۔ وغیرہم۔ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ لہذا اہل سنت نے قریشی ہونے کو شرط امامت قرار دیا ہے۔ مگر اس شرط کی وضاحت اُسی حدیث کے مختلف طریقوں کے جمع کرنے سے بخوبی ہوتی ہے چنانچہ

اگر شرائط امامت قریشی میں نہ ہوں تو غیر قریشی کی بھی امامت جائز ہے۔

حدیث ابو ہریرہؓ جس کی تخریج ابو داؤد طیالسی اور احمد بن حنبل اور ابو العلی نے اپنی مسانید میں اور طبرانی نے اپنی معجم میں کی ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں۔ الائمۃ من قریش ما حکموا فعدلوا و وعدوا فوفوا و رحموا واسترحموا علاوہ اس کے اور حدیثیں بھی مختلف طرق سے مسانید و صحاح میں مروی ہیں جن سب کا مفاد یہ ہے کہ قریش جب تک عدل کرینگے۔ اور وعدہ پورا کریں گے۔ اور رحم کریں گے۔ اور دین کو قائم کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ اُس وقت تک امامت و سلطنت ان میں رہیگی۔ ورنہ اُن میں امامت و سلطنت کا ہونا ضروری نہیں۔ اور قریشی با اوصاف مذکورہ کے مقابلہ میں اگر غیر قریشی کھڑا ہوگا۔ تو ذلیل و خوار ہوگا۔ اور اگر ان اوصاف کا قریشی نہ ہوں۔ تو قریشیت شرطِ امامت نہ رہے گی۔ چنانچہ اسلام میں بہت سے امام ایسے ہوئے ہیں۔ جو قریشی نہیں تھے۔ اور اُن کی امامت کو تمام علما نے تسلیم کیا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو۔ کہ امام کے مقرر کرنے کے لئے چالیس مردوں ذی علم اور اصحاب الرائے کا اتفاق ضروری ہے بلکہ اس سے کم کے اتفاق سے امامت قائم نہیں ہو سکتی۔ اور شرطِ امامت سے ہے۔ امام کا ظاہر ہونا۔ تاکہ جو ضرورتیں امام کے قائم کرنے کی داعی ہوئی ہیں۔ وہ پوری ہوں۔ اور امام کا خطا سے معصوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور یہ امر قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ بَعَثَ لَکُمْ طَالُوْتَ مَلِکًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے طالوت کو بادشاہ بنا کر مبعوث کیا۔ پس طالوت موافق نصِّ الٰہی کے امام تھا۔ اور اُس کی اطاعت فرض تھی۔ اور حالانکہ بالاجماع وہ معصوم نہ تھا۔ اور امام کو لازم نہیں ہے کہ خدا کی طرف سے اُس کے واسطے نص ہو۔ یہ تو مکلفین پر واجب ہے کہ وہ اپنی حاجت اور ضرورت کے لئے حسب مصلحت اپنے میں سے ایک شخص کو اپنا امام اور حاکم مقرر کرلیں۔ تاکہ دینی و دنیوی امورات کا انصرام اُس کی ذات سے متعلق ہو۔ اور امام کو لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے خدا کے نزدیک افضل ہو۔ اس واسطے کہ طالوت کو خدا نے حاکم مقرر کیا۔ حالانکہ اُس کے وقت حضرت شموئیل اور حضرت داؤد موجود

تھے۔ اور وُہ طالوت سے افضل تھے ❊

خلافت راشدہ کی مدّت

جاننا چاہیئے کہ امام بعد رسُول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بلا فاصلہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہیں۔ پھر حضرت عمر فارُوق رضؓ۔ پھر حضرت عثمان ذی النورین رضؓ۔ اور پھر حضرت علی مرتضےٰ رضؓ ان کے بعد حضرت امام حسن رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ یہ پانچ بزرگوار ہیں۔ جنہوں نے موافق حدیث الخلافۃ من بعدی ثلثون سنۃ کے خلافت کاملہ کے تیس۳۰ سال پُورے کیئے۔ اس طرح کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے دو سال چار ماہ خلافت کی۔ اور حضرت عمر رضؓ نے دس سال چھ ماہ۔ اور حضرت عثمان رضؓ نے بارہ سال چند روز کم۔ اور حضرت علی رضؓ نے چار سال نو ماہ۔ اور حضرت حسن المجتبیٰ رضؓ نے پانچ ماہ۔ اِس حساب سے خلافت خلفائے اربعہ کی انتیس برس اور سات مہینہ میں تمام ہوتی ہے۔ اور پانچ مہینہ جو باقی رہے۔ ان میں حضرت امام حسن رضؓ خلیفہ رہے۔ پس یہ بھی خلفا میں سے ہُوئے۔ اس کے بعد امام حسن رضؓ نے امیر معاویہ سے صلح کر لی۔ اور امیر معاویہ فقط بادشاہ و حاکم رہے نہ خلیفہ۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ خلافت بعد میرے تیس سال ہے۔ پھر ملک داری اور امیر ہونا نہ خلافت ❊

یہاں ایک شبہ وارد ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اکثر علما نے خلفائے عباسیّہ اور بعض خلفائے مروانیہ مثل عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ مانا ہے۔ جواب یہ ہے۔ کہ مراد خلافت منحصرہ در تیس سال سے خلافت کاملہ ہے کہ اُس میں مخالف کو بالکل دخل نہیں۔ اور وہ بسبیل متابعت جاری رہی لیکن بعد تیس برس کے یہ طریق لازم نہیں رہا۔ تو اس سے ظاہر ہُوا کہ بارہ اماموں میں سے صرف اوّل کے دو۲ امام یعنی علی مرتضیٰ رضؓ اور حسن مجتبیٰ رضؓ اہل سنت کے نزدیک داخل تعریف امام مصطلح ہیں۔ اور باقی نو کو اہل سنّت مذہبی پیشوا مانتے ہیں۔ اور اسی معنے سے اُن کو امام کہتے ہیں۔ چونکہ وہ بادشاہِ وقت نہیں تھے۔ اور مسلمانوں کے انتظامی اُمور میں اُنہوں نے کوئی حصّہ نہیں لیا تھا۔ اس واسطے اہل سنّت اُن کو امام مصطلح

اہل سنت کا مسلک بارہ اماموں کے بارے میں۔

نہیں کہتے ۔اور نہ کوئی عاقل ایسے شخص کو جس نے ایک منٹ بھی حکومت نہ کی ہو بادشاہ یا امام کہہ سکتا ہے ۔ اور نہ کسی صحیح حدیث میں اُن کی امامت وسلطنت کی خبر دی گئی ہے ۔ یہ اعتقاد صرف شیعہ کے ساتھ مخصوص ہے ۔امام مہدی مبشر بہ کے امام ہونے کے اہل سنت ضرور قائل ہیں ۔لیکن جن کو شیعہ نے امام فرض کیا ہے ۔اور وہ حسن عسکری کے بیٹے بتلائے جاتے ہیں ۔جن کی ولادت وجود کے نہ اکثر اہل سنت معتقد ہیں ۔اور نہ اُن کو امام مہدی مبشر بہ جانتے ہیں ۔اہل سنت کے امام مہدی قرب قیامت میں پیدا ہونگے ۔اور چالیس برس کی عمر میں اُن کا ظہور ہوگا ۔چونکہ قیامت کا حال معلوم نہیں کہ کب آئے گی ۔اِس واسطے یہ نہیں کہہ سکتے کہ امام مہدی کب پیدا ہونگے ؎

دو خلیفوں کا نصب زمانہ واحد میں جائز نہیں

یاد رہے کہ عصر واحد میں دو اماموں کا نصب کرنا جائز نہیں ہے ۔کیونکہ اِس سے منازعات اور جھگڑوں کے پیدا ہونے کا خوف ہے ۔ اور نیز امور دین و دنیا میں اختلاف پیدا ہونے کا اندیشہ ہے ۔بعض علما جو نصب امامین کو زمانہ واحد میں جائز رکھتے ہیں ۔اور کہتے ہیں کہ فاصلہ بعیدہ ہونے کی حالت میں درست ہے ۔تو اُن کی تردید اس حدیث مسلم سے ہوتی ہے ۔ اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الاخر منہما یعنی جب دو خلیفوں سے بیعت کی جاوے ۔تو اُس خلیفہ کو قتل کر ڈالو ۔جس کی بیعت آخر میں ہوئی ہے ۔ رواہ ابی سعید الخدری ۔ اور چاہیئے کہ امام ظاہر ہو نہ مخفی خوف اعدا سے ۔تاکہ مہمات امور سلطنت اس کی طرف رجوع ہوں ؎

شیعوں کے اماموں کے نام

شیعہ کہتے ہیں کہ امام کا خوف اعدا سے چھپنا درست ہے ۔چنانچہ اُن کے نزدیک ترتیب خلافت اِس طرح ہے ۔جو سراسر غلط ہے کہ امام برحق بعد رسول اللہ ؐ کے علی ؓ ہیں ۔پھر اُن کے بیٹے حسن ؓ ۔پھر اُن کے بیٹے حسین ؓ پھر اُن

کے بیٹے زین العابدین - پھر اُن کے بیٹے محمد باقر - پھر اُن کے بیٹے جعفر صادق - پھر اُن کے بیٹے موسٰے کاظم - پھر اُن کے بیٹے رضا - پھر اُن کے بیٹے محمد تقی - پھر اُن کے بیٹے علی نقی - پھر اُن کے بیٹے حسن عسکری - پھر اُن کے بیٹے محمد القائم مہدی منتظر -

اور واضح ہو کہ یہ عقیدہ فرقہ امامیہ کا ہے - اُن کے دُوسرے فرقے امامت کی ترتیب اس طرح نہیں مانتے - خصوصًا اسماعیلیہ کے امام دُوسرے ہیں - اور اسی طرح دوسرے فرقوں کے دُوسرے - غرض اُن کے اختلاف کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے شیعہ لوگوں نے دین حق میں اور مسئلہ امامت میں عجب طرح کے فسادات خرابیاں پیدا کی ہیں - جو ہمارے موضوع سے خارج اور سراپا واہی ہیں ؞

اولیاء اللہ کی کرامات کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اولیاء اللہ کی کرامت حق ہے - اور اصطلاح میں ولی اُس شخص کو کہتے ہیں - جو ذات وصفات خدا کا عارف شریعتِ نبوی کا بوجہ کمال تابع - طاعات وعبادت پر مواظب اور معاصی وکبائر سے مجتنب ہو - اگر ایسے شخص سے کوئی امر خارق عادت صادر ہو - تو وہ کرامت ہے - بشرطیکہ نبوت کا دعوٰے اُس میں شامل نہ ہو - بلکہ وہ امر مقارن با ایمان وعمل صالح ہو - اور اگر کسی ایسے شخص سے کوئی امر خارق عادت صادر ہو - جو عمل صالح اور ایمان بخدا وکروز آخرت وانبیاء علیہم السلام سے عاری ہے - تو اُس کے فعل کو استدراج کہتے ہیں - چنانچہ فرعون بےعون کہ اگر وہ پانی کو پہاڑ پر چڑھانا چاہتا - تو چڑھ جاتا اور دریائے نیل اُس کے تابع تھا - اُس کے کہنے کے موافق گھٹتا بڑھتا تھا - اور اُس کے ساتھ رواں ہوتا تھا - پس فرعون کا یہ فعل استدراج اور مکر اللہ ہے - کہ غرض خداوندی اس سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ مومنین صادقین کی آزمائش کرے - اور کفار کو اُن کے کفر میں زیادہ سخت اور دلیر کر دے ؞

علمائے اعلام رحمہم اللہ فرماتے ہیں - کہ اگر کوئی شخص پانی پر مصلیٰ بچھا کر

دریا پار کرے یا ہوا پر اڑے۔ لیکن اُس کے عمال و اخلاق خلاف شریعت محمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوں۔ تو اُس کو ولی نہ کہو۔ اور نہ اُس کے فعل کو۔ اگرچہ خارق عادت ہو۔ کرامت کہو۔ کیونکہ امر خارق عادت جو مخالف طریقہ محمدی کے ہے۔ اُس کو کرامت نہیں۔ بلکہ استدراج کہتے ہیں ؞

کرامت کا ظہور ولی تابع شریعت حقہ سے کئی صورت سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ مسافت بعیدہ کو مدت قلیل میں قطع کر لیتا ہے جس طرح اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں آصف بن برخیا وزیر حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرامت سے خبر دی ہے۔ کہ وہ تخت بلقیس کو اتنی جلدی ایک مہینہ کی مسافت سے لے آئے۔ کہ سلیمان علیہ السلام پلک نہ مار سکے۔ اور نیز اصحاب کہف کا حال خدا نے بیان فرمایا ہے کہ وہ کروٹیں لیتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب کرامتیں ہیں۔ کیونکہ مقارن دعوٰے نبوت نہیں۔ اور نیک لوگوں سے سرزد ہوتی ہیں ؞

تین مردان خدا کی ایک دلچسپ حکایت

ارشاد المسلمین میں بحوالہ حدیث صحیح لکھا ہے کہ ایک روز صحابہ کرام رضؓ نے حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امم ماضیہ کے عجائبات سے ہمیں مطلع فرمایئے۔ تاکہ اُس کے سننے سے ہمارے دل کو اطمینان اور ذوقِ سلیم حاصل ہو۔ آپؐ نے فرمایا تم سے قبل تین آدمی کسی جگہ جا رہے تھے۔ جب رات ہوئی۔ تو ایک غار میں آرام لینے کو گھس گئے۔ اتفاقاً غار کا پتھر گر پڑا۔ اور اُس سے غار کا منہ ڈھک گیا۔ پتھر بڑا وزنی تھا۔ وہ اُن سے سرک نہ سکا۔ ناچار ہو کر اُنہوں نے باہم کہا۔ کہ اب کوئی چارۂ کار نہیں سوا اس کے کہ ہم باری تعالیٰ سے اپنے اُن اعمال کا اعادہ کریں۔ جو بے ریا ہم سے ظہور میں آئے ہیں۔ اور اُنہیں اعمال صالحہ کو ہم خدا کی جناب میں اِس مہلکہ سے رہائی پانے کے لئے شفیع لادیں۔ اُن میں سے ایک شخص نے خدا کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ یارب! تجھے معلوم ہے کہ میری ایک ماں اور ایک باپ تھا۔ اور دنیوی مال سے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ سوائے ایک بکری کے

کہ مَیں اُس کے دُودھ سے اُن کی اور اپنی اوقات بسری کرتا تھا۔ میں ہر روز دُودھ لے کر بازار جاتا۔ اور اُس کو فروخت کر کے صبح و شام کا کھانا مہیا کرتا۔ ایک شب کا ذکر ہے کہ مَیں دُودھ کو بیچ کر اور اُس سے کھانا حاصل کر کے مکان کو آیا۔ اور رات کا کھانا والدین کی خدمت میں لے گیا۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ وہ سو رہے ہیں۔ میں اِس انتظار میں کہ اب جاگ اُٹھیں گے۔ تمام رات لئے کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ جب وہ خواب سے بیدار ہُوئے۔ اور مجھے اس حالت میں دیکھا۔ تو خوش ہُوئے۔ مَیں بھی بھوکا تھا۔ اُن کے پاس کھانا لے گیا۔ جب وُہ کھانے سے فارغ ہو گئے۔ تو اُن کے بعد مَیں نے کھانا کھایا۔

اے خدا اگر مَیں اس قول میں سچا ہوں۔ تو بہ طفیل اُس راست گوئی کے میرے لئے کشادگی بھیج۔ اور اِس مہلکہ سے نجات دے۔ اُس کی اِس گفتگو سے پتھر اِس قدر سرک گیا کہ کچھ کچھ شگاف غار نظر آنے لگے۔

دُوسرے نے کہا۔ بار الٰہا تجھے معلوم ہے کہ مَیں ایک پری جمال نہایت حسین لڑکی پر فریفتہ تھا۔ ہر چند مَیں چاہتا تھا۔ مگر وہ کسی طرح قبضہ میں نہیں آتی تھی۔ مجبوراً ایک سو دینار دے کر مَیں نے صرف اُس کو اِس بات پر راضی کیا۔ کہ ایک شب میرے ساتھ خلوت کرے۔ جب وہ میرے پاس آئی۔ تو میرے دل میں ترس اور خوفِ خداوندی غالب ہو گیا۔ اور میں نے اُس کو بدُوں خلوت کی رخصت کر دیا۔

خداوندا: اگر یہ میرا واقعہ دُرست ہے۔ تو ہمارے واسطے کشائش بھیج۔ اور سامان ہماری رہائی کا پیدا کر۔ فی الحال پتھر اتنا اور سرک گیا کہ غار کا منہ کھل گیا۔ مگر ابھی اتنا نہیں ہٹا تھا کہ باہر آ سکیں۔

تیسرے نے کہا الٰہی تو جانتا ہے۔ کہ میرے یہاں مزدُور کام کیا کرتے تھے۔ ایک دن ایسا ہُوا کہ تمام مزدُور اپنی اپنی مزدُوری لے کر چلے گئے۔ مگر ایک شخص یُونہی بغیر مزدُوری لئے چلا گیا۔ میں نے اُس کی اُجرت سے ایک بکری خرید لی۔ اور وہ چالیس برس تک نہیں آیا۔ اس بکری سے بہت بچے پیدا ہُوئے، اور اُس کی نسل خوب بڑھ گئی۔ ایک روز وہ مزدُور آیا۔ اور مجھ سے کہنے لگا۔ اے

عزیز تجھے یاد ہوگا۔ میں نے ایک دن تیرے یہاں مزدوری کی تھی۔ اور بغیر اجرت لیئے چلا گیا تھا۔ اب مجھے اپنی اجرت کی ضرورت ہے۔ اگر اس وقت مل جاوے تو نہایت خوب ہے۔ میں نے کہا۔ فلاں جگہ جا۔ اور وہاں جتنی بکریاں کھڑی ہیں سب لے جا کہ وہ تیری ملک ہیں۔ اس نے کہا اے عزیز میرے ساتھ تمسخر کرتا ہے۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ میں راست کہتا ہوں۔ اور تمام قصہ بیان کیا۔ چنانچہ وہ شخص بکریاں لے گیا ؛

اے اللہ اگر میں اپنے کلام میں راست گو ہوں۔ تو اپنی جناب سے وسعت و فرح عنایت کر فی الحال پتھر مذکور اس قدر ہٹ گیا کہ وہ تینوں شخص بااطمینان اس سے باہر نکل آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ کرامت ہے معجزہ نہیں۔ اور کرامت حق ہے ؛

جریج راہب کی حکایت

ایک دوسرا قصہ جریج راہب کا ہے۔ اور وہ بھی بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے منقول ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا جریج نام نہایت مرتاض و مجاہد کہ عبادت و ریاضت میں ابنائے زمان سے گوئے سبقت لے گیا تھا۔ اس کی ایک ماں تھی مستورہ و عفیفہ کہ صالحات روزگار سے شمار ہوتی تھی۔ ایک روز وہ اپنے فرزند جریج کے دیکھنے کو معبد میں آئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ جریج اندر سے صومعہ کا دروازہ بند کئے ہوئے عبادت الہی میں مشغول ہے۔ ناچار وہ ضعیفہ محروم لوٹ گئی۔ دوسری اور تیسری مرتبہ بھی دیدار فرزند سے محروم پھر گئی۔ اب تو اس سے نہ رہا گیا۔ اور دل مشتاق دیدار پسر سے مجبور ہو کر خدا کی جناب میں دعا کی۔ الٰہی جریج نے مجھ کو اپنی ملاقات سے محروم رکھا۔ اور میں تین مرتبہ آئی اور پلٹ گئی۔ خداوندا اس کو پکڑ اور رسوا کر۔ ان ضعیفہ کا تیر دعا ہدف اجابت پر پہنچا۔ اور ایسا ہوا۔ کہ اس وقت ایک عورت تھی بدکار و فاحشہ اس نے عزم بالجزم کیا کہ میں جریج کو بے راہ کروں گی۔ اس ارادہ سے اس کے پاس آئی

مگر جریج نے اُس کی جانب التفات نہیں کی۔ فاحشہ وہاں سے روانہ ہو کر رستہ میں ایک مردِ آوارہ بدمعاش سے ملاقی ہوئی۔ اتفاقاً اُس سے حمل رہ گیا۔ جب پیدا ہوا۔ تو مشہور کیا کہ یہ فرزند جریج راہب کا ہے۔ لوگوں نے جریج کو پکڑا۔ اور سلطان وقت کے پاس لے گئے۔ جریج نے عورت مذکورہ کی خلوت وغیرہ سے انکار کیا۔ لوگوں کو یقین نہیں آیا۔ جریج نے کہا۔ اگر تم کو باور نہیں۔ تو بچہ سے دریافت کرو۔ سب نے کہا۔ بچہ کیونکر بول سکتا ہے۔ آخر جریج بچہ کی جانب مخاطب ہو کر بولا۔ اے کودک بحق خدائے عزوجل سچ کہو کہ تیرا باپ کون ہے۔ اُس نے کہا۔ میرا باپ فلاں شخص ہے۔ میری ماں جھوٹ کہتی ہے۔ اور بچہ پر ناحق تہمت لگاتی ہے ؛

ہماری غرض ان حکایات کے بیان کرنے سے اثبات کرامات اولیا ہے تاکہ منکرانِ دین کرامت اولیاء اللہ سے انکار نہ کریں کہ کرامت کا انکار حقیقت میں معجزہ نبی کا انکار ہے۔ آج کل عوام لوگ اور خصوصی جدید تعلیم یافتہ اصحاب کرامت اور معجزہ کا انکار کرتے ہیں۔ اور اُس کو خلافِ عقل بتاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت کے قائل ہیں۔ اور آپ کی تمام باتوں کو سچا اور منجانب اللہ سمجھتے اور قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ ہرگز کرامت کا انکار نہیں کر سکتے۔ پھر اُن کے سوا اگر کوئی بے دین شخص اپنے الحاد کے سبب معجزات و کرامات کا منکر ہو۔ تو یہاں ہم کو اُن سے بحث نہیں۔ معجزہ اور کرامت امورِ واقعیہ قطعیہ سے ہیں۔ لہٰذا کوئی ذی عقل آدمی اِس سے ہرگز ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔ قرآنی آیات سے آصف برخیا حضرت مریم اور اصحاب کہف وغیرہم کی کرامت ظاہر ہے ؛

واقعاتِ صحابہ رضؓ سے اثبات کرامت

کرامت کی دوسری قسم

اب ہم واقعاتِ صحابہ اور تابعین سے مسئلہ کرامت پر روشنی ڈالتے

ہیں۔ دوسری قسم کرامت کی یہ ہے کہ ولی تابع شریعت ہوا پر اُڑ جاتا۔ اور پانی پر چلتا ہے۔ چنانچہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ کہ حضرت زید علم بردار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب جنگ موتہ میں آپ کو علم برداری کی خدمت سپرد ہوئی۔ تو آپ اس قدر مشغول بہ جنگ ہوئے۔ کہ آپ کے دونوں ہاتھ کٹ کر گر پڑے۔ اس کے بعد آپ اپنے بازوں سے لڑتے لڑتے شہید ہوگئے جب حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ پر اطلاع پائی۔ فرمایا کہ جعفر طیار شہید ہوگئے۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کو دار بہشت میں جگہ کرامت فرمائی۔ اُن کے دونوں ہاتھوں کے عوض اللہ تعالےٰ نے اُن کو یاقوت سرخ کے دو بازو عنایت فرمائے تا وہ جہاں چاہیں۔ ریاض و روضاتِ جناں میں پرواز کرتے پھرتے ہیں ؀

کرامت کی تیسری قسم

تیسری قسم کرامت کی یہ ہے کہ جمادات و حیوانات ولی تابع شریعت سے کلام کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت فاطمہ رضؓ سے منقول ہے۔ وہ فرماتی ہیں۔ کہ جب پہلی شب کو جناب علی کرم اللہ وجہہٗ میرے بستر پر آئے۔ تو میں نے زمین کو آپ کے ساتھ کلام کرتے سُنا۔ میں ڈری۔ اور صبح رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس واقعہ کو ذکر کیا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ فاطمہ ڈرو نہیں۔ زمین تمہارے شوہر سے راز کہتی ہے ؀

چوتھی اور پانچویں قسم

چوتھی قسم یہ ہے کہ ولی آتی ہوئی بلا و مُصیبت دفع کر دیتا ہے ؀

پانچویں قسم یہ ہے کہ وہ دشمنانِ دین سے اپنے ادنے اشارہ کے ساتھ بسر آتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے روز جب کہ آپ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اپنے لشکر کو نہاوند میں دیکھا۔ جو قریبًا ایک مہینہ کی مسافت ہے۔ اور اس وقت آپ نے

حضرت عمرؓ کی کرامت

حضرت ساریہؓ کو جو لشکر مذکور کے امیر تھے۔ فرمایا یَا سَارِیَۃَ الْجَبَلَ الْجَبِیلَ آپ نے خطبہ کے درمیان تین دفعہ ایسا ہی کہا۔ یعنی اے ساریہؓ پہاڑ کی جانب سے آگاہ ہو۔ یہ کہہ کر پھر خطبہ میں مشغول ہو گئے۔ لوگ کہنے لگے کہ شاید عمرؓ پر جنوں طاری ہو گیا ہے۔ جب حضرت ساریہؓ نے اُس لشکر سے مدینہ کی جانب مراجعت کی۔ تو اثنائے سخن میں کہنے لگے۔ جمعہ کے روز صبح سے ہم جدال و قتال میں مصروف تھے۔ کہ ناگاہ وقت نماز جمعہ مَیں نے ایک آواز سُنی کہ منادی ندا کرتا ہے۔ یا ساریۃ الجبیل الجبل۔ یہ سن کر ہم نے دشمن کا پتہ لگا لیا۔ جو گھات لگائے۔ پہاڑ کی آڑ میں بیٹھے تھے۔ پھر تو ہم نے اتنا قتل و غارت کیا کہ دشمن کو شکست فاش نصیب ہُوئی۔ ساریہؓ کی زبانی اِس واقعہ کے سننے سے جن لوگوں کو حضرت عمرؓ پر جنوں کا گمان ہُوا تھا۔ وہ یک زبان بول اُٹھے کہ حقیقت میں حضرت عمرؓ ایسے ہی کاموں کے لئے منتخب ہُوئے ہیں۔ جو ہماری فہم سے بالاتر ہیں۔ دوستو اُن کے حال سے تعرض نہ کرو۔

نیز حضرت عمرؓ کی جملہ کرامات سے ایک یہ ہے کہ شواہد النبوت میں مذکور ہے کہ جب ملک مصر کو اہل اسلام نے فتح کر لیا۔ تو اُس وقت امیر المومنین حضرت عمرؓ کی جانب سے حضرت عمرو بن العاصؓ وہاں کے حاکم تھے۔ ایک شخص اہالیان مصر سے عمرو العاص کے پاس آ کر کہنے لگا کہ رودِ نیل جب خشک ہو جاتا ہے۔ اور بارہ روز اسی طرح گذر جاتے ہیں۔ تو یہاں کا قاعدہ ہے کہ ایک حسین و خوب صورت لڑکی کو تلاش کرتے ہیں۔ پھر اُس کے ماں باپ کو بہت سا مال و متاع دے کر لڑکی کو حاصل کرتے ہیں۔ اور زر و جواہر پہنا کر اُس کو دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ اِس طرح کرنے سے دریائے نیل اپنی معمولی رفتار کے موافق بہنے لگتا ہے۔ اب وہ وقت آ گیا ہے۔ اور ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔

عمرو العاص نے جب یہ بات سُنی تو فرمایا آئین اسلامی میں یہ امر کسی نوع جائز نہیں۔ اور نہ ہم لوگ ان توہمات کے قائل ہیں۔ ٹھہرو۔ مَیں امیر المومنین سے دریافت کرتا ہوں۔ وہاں سے جو حکم ہو گا۔ کیا جائیگا۔ الغرض جب عمرو العاص کی کتابت امیر المومنین کی خدمت میں پہنچی۔ تو آپؓ نے ایک پرچۂ کاغذ پر دریائے

نیل کو یہ عبارت لکھی مِنْ عبدِ اللّٰہِ امیرِ المؤمنین الیٰ رود النیل اَمّا بعدُ فانا لا نشتغل برسوم الجاھلیۃ ولکن سر باذن اللّٰہِ یعنی خدا کے بندے امیر المومنین کی جانب سے رودِ نیل کو معلوم ہو کہ ہم جاہلیت کی رسموں کو بالکل نہیں مانتے۔ تجھے چاہئے کہ حسبِ معمول خدا کے حکم سے جاری رہے۔ اور عمرو العاص کو لکھ دیا کہ اِس مکتوب کاغذ کو دریائے نیل میں ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور اُس سے آج تک رودِ نیل حسبِ معمول بہتا ہے ٭

حضرت خالدؓ کی کرامت

ایک واقعہ حضرت خالد بن لبیدؓ رضی اللہ عنہ کا بھی اِس بات میں قابل ذکر ہے۔ کہ جب آپؓ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زمانِ خلافت میں خیبر کی جانب بھیجا۔ تو اہل خیبر نے ایک شخص عبد المسیح نامی کو تھوڑا زہر دے کر حضرت خالدؓ کے پاس روانہ کیا۔ حضرت خالدؓ نے دریافت کیا۔ یہ کیا ہے؟ وہ گھبرا کر بول اُٹھا یہ زہر ساعہ ہے۔ اہل خیبر نے ہدیہ کے طور پر آپؓ کے پاس بھیجا ہے۔ یہ وہ زہر ہے۔ جس کے کھانے سے ایک ساعت میں انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ آپؓ نے اُس سے زہر لے لیا۔ اور یہ کہہ کر پی گئے۔ بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ ربّ الارض وَالسَّمَاءِ بِسْمِ اللّٰہِ الذی لا یضر مع اسمہ شیئٌ ولا داءٌ[1] عبد المسیح یہ دیکھ کر اپنی قوم کی طرف پلٹ گیا۔ اور کہنے لگا۔ اِن لوگوں سے صلح کر لو۔ یہ ایسے مقبول ہیں کہ سمِ الساعۃ نے بھی اُن پر کچھ اثر نہیں کیا ٭

اسی طرح تابعین۔ تبع تابعین اور اکثر اولیاء اُمت سے بتواتر لاتعداد کرامتیں منقول ہیں۔ جن سب کا بیان مُوجب تطویل کلام ہے۔ غرض کرامت کا مسئلہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ اِس سے سوائے ملحد اور بے دین لوگوں کے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہم اتنا بھی بیان نہیں کرتے۔ کیونکہ شیخ شہاب الدینؒ اپنی کتاب میں اس مسئلہ کو بخوبی لکھ چکے ہیں۔ لیکن بخیال اِس امر کے کہ اُن کا بیان وجیز و مختصر ہے۔ ہم نے اِس

---

[1] اللہ جل جلالہ کے نام پاک سے (اس زہر کو پیتا ہوں) اللہ کریم کے مبارک نام سے جو زمین اور آسمان کا پروردگار ہے۔ وہ ذات پاک جس کی برکت سے کوئی شے اور کوئی بیماری ضرر نہیں کرتی ٭

مسئلہ پر پوری روشنی ڈالنا مناسب جانا ۔

معجزہ کرامت اور سحر میں فرق ایک نہایت دلکش پیرایہ میں

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر معجزہ کرامت اور سحر کے درمیان فرق بھی بتا دیں۔ اور اس باب میں صرف مولانا بحرالعلوم رحمۃ اللہ علیہ کے اسی بیان پر اکتفا کریں۔ جو انہوں نے مثنوی شریف حضرت مولوی رومی قدس سرہٗ کی شرح شریف میں فتوحات مکیہ سے تحریر فرمایا ہے۔ دیکھو شرح مثنوی مولانا روم صفحہ ۴۹ و ۵۰ دفتر سوم یہ بیان نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اکثر دلیر اور گستاخ لوگ جو حقائق الٰہیہ سے واقف نہیں ہوتے۔ اس موقع پر کہہ دیا کرتے ہیں کہ نبی کی رسالت اور ولی کی ولایت کی دلیل میں ان کے معجزات اور کرامات پیش کرتے ہو۔ مگر ہم وہی عجائبات سحر ساحر میں بھی پاتے ہیں۔ پھر نبی و ولی کو ساحر سے کس طرح تمیز کیا جا سکے۔ اور معجزہ کرامت اور سحر میں کیونکر فرق ہو سکے ۔

جاننا چاہیے۔ کہ حضرت مولوی رومی نے حضرت موسٰے علیہ السلام کے قصہ میں لکھا ہے۔ کہ جب فرعون نے حضرت موسٰے علیہ السلام کے مقابلے کے لئے تمام ممالک محروسہ سے جادوگر جمع کئے تو انہیں میں دو مشہور نوجوان جادوگروں کو پیغام طلب بھیجا وہ دونوں اپنی ماں کے پاس آئے۔ اور کہا ہمیں بابا کی قبر بتا دیجئے۔ تاکہ ہم اس سے ضروری باتیں استفسار کریں۔ ماں ان کو ان کے باپ کی قبر پر لے گئی۔ دونوں نوجوان بچوں نے اپنے باپ سے دریافت کیا۔ اے بابا ہماری طلبی میں فرعون کا پیغام آیا ہے کہ وہاں جا کر دو درویشوں یعنی موسٰے و ہارون علیہما السلام سے مقابلہ کریں۔ ان کے پاس سواء عصا کے کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ پس اے بابا ہم کو اس سے آگاہ کر کہ وہ درویش کیسے ہیں۔ اور ہمارا جانا سود بخش ہوگا۔ یا نہیں؟ باپ نے جواب دیا۔ میں اس کام کی اصل حقیقت سے پورا آگاہ ہوں۔ مگر ظاہر طور پر کہنے کی اجازت نہیں۔ اے سعادت مند فرزندو! میں تم کو ایک بات کہتا ہوں۔ اسی سے اصل حقیقت کا پتہ لگا لینا۔ وہ یہ کہ تم دونوں جاؤ۔ اور درویشان مذکور کی خوابگاہ تلاش کرو۔ جب موسٰے کو سوتا پاؤ تو اس کی عصا چرانے کا ارادہ کرنا۔ پس اگر

تم عصا کے چُرانے میں کامیاب ہو گئے۔ تو سمجھ لینا کہ وہ یعنی موسٰےؑ اور ہارونؑ دونوں ساحر ہیں۔ تو تم کو سحر کا رد کرنا پورے طور پر آتا ہے۔ تم اس میں ہر طرح کامل ہو۔ اور اگر تم اُن کا عصا چُرا نہ سکے تو یہ یقین جانو کہ وہ ساحر نہیں۔ بلکہ وُہ مہتدی اور اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں۔ دونوں بیٹے باپ یہ حکم سُن کر حضرت موسٰے علیہ السلام کی تلاش میں گئے معلوم ہوا کہ آپ ایک درخت کے تلے سو رہے ہیں۔ اور عصا قریب ہی رکھا ہے دونوں نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ اور عصا چُرانے کے لئے آگے بڑھے چاہتے تھے کہ عصا کو اُٹھائیں۔ اتنے میں عصا نے حرکت کی۔ اور ایسا لرزنے میں آیا کہ دونوں ساحر بچے اُس کو دیکھ کر خوف کے مارے خشک ہونے لگے۔ اس کے بعد عصا نے اژدہائے خونخوار بن کر ساحر بچوں پر حملہ کیا۔ دیکھ کر دونوں بھاگ گئے الخ ❖

حضرت مولانا بحر العلوم لکھتے ہیں کہ مولانا نے ان ابیات میں سحر و معجزہ کے درمیان فرق بتایا ہے بایں طرح کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا بخلاف معجزہ کے کہ وہ غفلت رسُول کی حالت میں بھی باقی رہتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ معجزہ ایک ایسا امر ہے جس کو اللہ تعالےٰ رسُول کے ہاتھ پر پیدا کرتا ہے تاکہ اُس سے رسُول کے دعوےٰ کی صداقت ہو۔ اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیز منتفی نہیں ہوتی۔ جب تک کہ ارادہ الٰہی اُس کو قائم و باقی رکھنا چاہے۔ وہ قائم و باقی رہتی ہے۔ پس رسُول کی غفلت اور عدم غفلت کو بقائے امر معجزہ اور عدم بقائے معجزہ میں دخل نہیں ہے۔ اور سحر ایک ایسا امر ہے جو بصر یا دیگر قویٰ پر واقع ہوتا ہے۔ اور در حقیقت اُس میں کوئی واقعیت نہیں ہوتی۔ مسحور اُس کو خلاف مَاهُوَ عَلَيْهِ ادراک کرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ پس ساحروں کی رسیاں اور لاٹھیاں دیکھنے والے کے خیال میں دوڑتی دکھائی دیتی ہیں۔ یہ سحر قوت بشریہ کے تحت میں داخل ہے۔ اور اُس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وُہ ہے۔ جو خاص اسماء یعنی منتر وغیرہ پڑھنے سے متعلق ہے۔ جیسے ساحر منتروں کا تلفظ کرتا ہے۔ تو اُس کے ذریعہ بصر یا دُوسری قوتوں پر ایسی چیزیں ظاہر

سحر و معجزہ کا فرق

ہو جاتی ہیں۔ جو نفس الامر میں محسوسات میں موجود نہیں ہیں۔ دیکھنے والا صرف منتر کے زور سے غیر واقعی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اگر وہ مبصرات سے ہیں یا اُن کی آواز سنتا ہے اگر وہ مسموعات سے ہیں۔ یہ ساحروں کا فعل ہے۔ اِس قسم میں ساحر خود جانتا ہے کہ حقیقت میں وہ مرئی اور وہ مسموع نہیں ہے۔ مگر ایصار یا اسماع میں ٭

دُوسری قسم توجّہ اور صرف قوّتِ نفسیہ سے متعلق ہے۔ یعنی صرف ساحر کی توجّہ اور قوّتِ نفسیہ کے صرف کرنے سے بصر یا دیگر قویٰ پر صُورت وغیرہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ اِس قسم میں کبھی تو ساحر کو خود معلوم ہوتا ہے۔ کہ درحقیقت ان کا وجود نہیں۔ اور کبھی وہ اپنے جہل مرکّب سے سمجھتا ہے۔ کہ یہ چیزیں سچ مچ کوئی وجود رکھتی ہیں۔ غرض ان دونوں قسم سحر میں یہ ضرور ہے کہ ساحر سحر کی جانب سے غفلت نہ کرے۔ ورنہ سحر کا اثر جاتا رہیگا۔ اور خود سحر بھی باقی نہیں رہیگا۔ لیکن معجزہ امر خارق عادت کو کہتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدعی رسالت کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ تاکہ وہ اُس کے صدق کے لئے آیہ قطعیہ ہو۔ اس میں رسول کے صرف ہمّت اور صرف قوّت نفسیہ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ یعنی یہ نہیں ہے کہ جب رسول امر خارق عادت کے ظہور کے لئے ہمت یا توجہ کو صرف کرے۔ اُس وقت وُہ امر خارق عادت ظاہر ہو۔ وہ تو فعل الٰہی ہے۔ رسُول کی صرف ہمّت اور عدم صرف ہمّت کو اِس میں کوئی دخل نہیں۔ اِس سے ثابت ہؤا کہ معجزہ کا رجُوع ایسے امور کی جانب ہے۔ جو خُدا کی جانب راجع ہیں۔ حتّٰی کہ رسول کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔ یہ معجزہ خارق عادت ہے کہ طاقتِ بشریہ اُس سے عاجز ہے۔ اگر ہمّت سے ہوتا۔ تو طاقتِ بشری اُس سے عاجز نہ ہوتی۔ اور یہ خارق عادت واقع میں جملہ اشیائے واقعیہ کی مانند موجُود ہے۔ رسُول کو کبھی تو اس کا علم ہوتا ہے۔ اور کبھی نہیں ہوتا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ جب خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے پُوچھا۔ اے موسٰے تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ مُوسٰے علیہ السلام نے عرض کیا میرے ہاتھ میں عصا ہے کہ مَیں اُس سے کار چوپائے وغیرہ میں نفع اور مدد لیتا ہوں۔ فرمایا۔ ہاتھ سے ڈال دو۔ جب ڈال دیا۔ تو عصا سانپ بن گیا موسٰے

عادت بشری کے موافق سانپ سے ڈرے۔ خدا نے فرمایا۔ خوف نہ کرو۔ ہم اُس کو پہلی حالت پر لے آتے ہیں۔ چنانچہ وہ پھر عصا ہو گیا۔ پھر خدا نے فرمایا۔ موسٰی یہ عصا اور ید بیضا دونوں ہماری آیات ہیں۔ تم انہیں لیکر فرعون کے پاس جاؤ۔ وغیرہ وغیرہ ٭

پس معلوم ہوا کہ اگر عصا کا سانپ ہونا موسٰے علیہ السلام کی صرف ہمت سے ہوتا۔ تو اُس سے ڈرتے ہی کیوں۔ اور اکثر قرآنی نصوص اِس امر کی شاہد ہیں۔ کہ معجزات انبیا کی قدرت سے بالاتر ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود اپنی قدرت سے معجزات پیدا کرتا ہے۔ اِس لئے کہ اِن سے رسُول کی صداقت اور اُس کی نبوت و رسالت کی سچائی ظاہر ہو۔ معجزات کو رسُول کی صرف ہمت سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا ٭

اور جو کچھ صرف ہمت سے واقع ہوتا ہے پس وہ ولی کی کرامت ہے۔ اور اس کو معجزہ صرف اِس لئے کہتے ہیں کہ یہ جو ہمت ولی سے ہوا۔ تو صرف اِس سبب سے وہ اُس سے مُشرف ہوگا۔ کہ اُس میں رسُول کی اتباع بوجہ اکمل پائی جاتی تھی۔ تو یہ کرامت تابع کی دلیل ہے۔ رسالت متبوع کی اور ولی جو کچھ اپنی ہمت سے کرتا ہے۔ اگرچہ وہ امر واقعی اور خارج حس ہوتا ہے۔ لیکن طاقت بشریہ کی تحت سے خارج نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ہمت سے ظاہر کرتا ہے۔ اور معجزہ کا صدُور وجود طاقت بشری سے خارج ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ کہدو اے محمّد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کہ آیات یعنی معجزات اللہ کے نزدیک ہیں۔ ہم کو اُن کے پیدا کرنے اور ظاہر کرنے پر قدرت نہیں ہے ٭

ایک بات یہ بھی ہے کہ جو چیز ہمت سے مخلوق اور ظاہر ہوتی ہے۔ اُس کے لئے یہ شرط ہے کہ صاحب ہمت اُس چیز کی طرف سے غافل نہ ہو ورنہ وہ چیز نیست و معدوم ہو جائے گی۔ اور معجزہ کے باقی رہنے میں صاحب مُعجزہ کی عدم غفلت شرط نہیں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ معجزہ صرف ہمت سے نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کا ایجاد ایجاد عالم کی طرح قدرت الٰہیہ کے ماتحت ہے۔ پس فرق درمیان معجزہ اکرامت اور سحر کے یہ ہے کہ معجزہ بدوں صرف ہمت رسُول کے محض قدرت حق سے ہوتا ہے۔ اور معجزہ نفس الامر میں موجُود ہوتا ہے۔ اور کرامت ولی کے تصرف

سے ہوتی ہے۔ اور اُس کی ہمّت سے متعلق ہے۔ اور یہ امر جو تصرف ولی اور اُس کی ہمّت سے واقع ہؤا۔ یہ بھی نفس الامر میں موجود ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی کرامت صرف بہمّت ولی سے واقع ہو۔ تو اُس میں بھی ولی کا عالم ہوتا اس امر سے ضرور ہے۔ بخلاف معجزہ کے کہ نہ اُس میں نبی کی صرف ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نہ پہلے سے اُس کا علم ہوتا ہے۔ وہ قدرتِ الٰہیہ میں داخل ہے اللہ تعالےٰ جب اور جس وقت چاہتا ہے۔ رسُول کے ہاتھ پر اُسکو ظاہر کر دیتا ہے۔ اور سحر ساحر کا تصرف ہوتا ہے۔ خواہ وہ تصرف اُس کی قوتِ نفسانیہ سے متعلق ہو۔ خواہ منتر وغیرہ کے پڑھنے سے۔ یہ تصرف دیکھنے والوں کے حواس میں ہوتا ہے۔ اور نفس الامر میں موجود نہیں ہوتا ؛

ایک اور طریق سے معجزہ اور سحر میں فرق

اسرار الشریعۃ انظاہر صفحہ ۶۶ میں ہے۔ ومعرفۃ المعجزۃ تعتبر بالامرین الاول صلاح الرسُول فی نفسہ وفضلہ علےٰ غیرہٖ وعصمتہ من الکذب والمعاصی والثانی التحدی بالمعجزۃ وادعاؤہ ان الخلق علےٰ کثرتھم ومعارفھم وعلومھم التی اشتملوا علیھا لن یاتوا بمثل ما ھو یاتی بہ ویوقف الخلق العجز الضروری عن اتیان بمثل معجزۃ الرسُول فلذالک وجب اتباعہ وحرمت معصیتہ اور معجزہ کی معرفت دو باتوں پر موقوف ومعتبر ہے۔ اول نبی کا فی نفسہٖ صالح اور اپنے غیر پر فاضل ہونا۔ اور اُس کا معصُوم ہونا جھوٹ اور گناہوں سے۔ دُوسرے معجزہ کے ساتھ مخالفین کو چیلنج دینا۔ اور یہ دعوےٰ کرنا کہ مخلوق باوجود کثرت وسعت معلومات کے نبی کے معجزہ کے مثل لانے سے عاجز ہے۔ اور یہی عجز ضروری مخلوق کو نبی کے معجزہ کی مثل لانے سے روک دیتی ہے۔ اِسی واسطے نبی کی متابعت واجب ہوئی۔ اور اُس کی نافرمانی حرام ؛

اس کے بعد معجزہ اور سحر میں فرق بتاتے ہیں۔ اور اُس کو دو طرح سے

ثابت کرتے ہیں۔ اوّل یہ کہ جادو ہمیشہ بدکار ناپاک آدمی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے
دُوسرے یہ کہ سیکھنے اور مشق پیدا کرنے سے جادو پر قدرت حاصل ہوتی ہے اور
وہ حق کے ظہور کے وقت باطل ہو جاتا ہے۔ اور بالکل باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ وہ
نظربندی اور تخیل ہے۔ اور خیالِ حقیقت کے ظاہر ہونے پر ناپید ہو جاتا ہے
اور کرامت اور سحر کے مابین دو طرح فرق ہے۔ اول یہ کہ کرامت ولی خدا کے ہاتھ
پر ظاہر ہوتی ہے۔ دشمن خدا کے ہاتھ پر کبھی ظاہر نہیں ہوتی۔ دُوسرے یہ کہ ولی
اس بات کا مقرّ اور معترف ہوتا ہے کہ اس کی کرامت اُس نبی کی پیروی اور سچی
متابعت کی برکت سے ہے جس کا وہ تابع ہے اور جس پر وہ ایمان لایا ہے۔ اور
جس کی سنّت کی وہ پوری اطاعت کرتا ہے۔ اور اگر وہ باستقلال یعنی بلا توسّط
کسی نبی متبوع کے کرامت کا دعویٰ کرے۔ تو اس کی اور اُس کی کرامت کی تکذیب
ہوگی۔ اور اگر اپنے لئے نبوّت کا دعوےٰ کرے۔ تو ولی ہونا کجا۔ وہ تو فاسق اور مرتد
سمجھا جائے گا ۔

عورتوں سے مُتعہ کرنے کی حُرمت کے بیان میں

علمائے اہلِ سنّت و الجماعت کے نزدیک بالاتفاق متعۃ النسا یعنی عورتوں سے
مدّتِ معیّن تک ایک مقررّہ معاوضہ کے ساتھ فائدہ اُٹھانا حرام ہے۔ متعہ کی تفصیل
حسبِ روایت ترمذی عن ابن عبّاس رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ متعہ ابتدائے اسلام میں تھا
جب کوئی شخص کسی ایسے شہر میں قیام کرتا تھا۔ جہاں اُس کا کوئی جان پہچان نہ ہوتا
تھا۔ تو وہ عورت اُس کی محافظت کرتی۔ اور اُس کے لئے اس کی چیز طیار کرتی
تھی۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ
اَیْمَانُهُمْ ابن عباس رضؓ نے کہا۔ کل فرج سواھما حرام یعنی بیویوں و
لونڈیوں کے سوا تمام عورتیں حرام ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ
صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خود متعہ کو حرام فرمایا۔ بعد اُس کے جو تین دن کی اجازت
دے دی تھی۔ اور اس تحریم کو مؤید کیا۔ الی یوم القیمۃ یعنی آپؐ نے

فرمایا۔ متعہ قیامت تک حرام ہے۔ اور یہ اجازت حنین کی اوطاس کی لڑائی میں تھی
اس کے بعد سے متعہ قیامت تک حرام کیا گیا۔ اور تحریم متعہ کی حدیث بروایت
حضرت امیر علیہ السلام اس قدر شہرت و تواتر کو پہنچ گئی ہے کہ حضرت امام حسن رض کی اولاد
اور محمد بن حنفیہ کی اولاد نے روایتیں کی ہیں۔ اور موطا و بخاری و مسلم وغیرہ میں
متعدد طریق سے یہ روایات ثابت ہیں۔ وَقَدْ روی ابونصیرٍ فی الصحیح
عن عبد اللہ الصادق انہ سئل عن المتعۃ ھی من الاربع
قال لا ولا من السبعین اور تحقیق روایت کی ابو نصیر نے اپنی صحیح میں۔
حضرت عبد اللہ صادق رض سے کہ پوچھا اُن سے متعہ کے معاملے میں۔ کیا وہ چار میں
داخل ہے۔ فرمایا نہیں۔ اور نہ ستر میں داخل ہے۔ یہ روایت صریح دلالت کرتی ہے
کہ عورت متعہ کی زوجہ نہیں ہے۔ ورنہ وہ چار میں محسوب ہوتی۔ اور یہی سبب ہے،
کہ جو احکام زوجہ کے ہیں۔ اُس میں سب منتفی ہیں۔ جیسے عدّت اور طلاق اور ایلا
اور ظہار اور احصان حاصل ہونا کسی کی مباشرت سے اور امکان لعان اور ارث
خود شیعہ کے نزدیک بھی ؎

اور خود جناب امیر رض سے مروی ہے۔ انہ قال امرنی رسول اللہِ
صلی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسلم ان انادی بتحریمِ المتعۃ
یعنی جناب علی رض نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم فرمایا
ہے کہ میں متعہ کو حرام کرنے کی منادی کردوں ؎

غرض متعہ کے حرام ٹھہرانے کی حدیثیں اہل السنت کی کتابوں میں بروایت
صحابہ رض و نیز حضرت امیر ع اس درجہ تواتر و شہرت کو پہنچی ہیں کہ اُن میں شبہ کی مطلق
گنجائش نہیں۔ اور نیز شیعہ کی روایت سے بھی متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے
جیسا اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا۔ اسی واسطے شیعان علی رض میں بعض فرقہ ایسے
بھی ہیں۔ جو متعہ کو حرام جانتے ہیں۔ اور اُس کو زنا سمجھتے ہیں۔ مثلاً فرقہ اسماعیلیہ
وغیرہ کہ فقیر مترجم کو خود اُن کے ملاؤں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ متعہ اُن
کے نزدیک حرام ہے۔ ہمارے یہاں صرف اثنا عشریہ کا فرقہ بظاہر ایسا ہے کہ
وہ عورتوں سے متعہ کو جائز بلکہ موجب ثواب جانتا ہے۔ اور عوام اہل السنت کو

فریب دینے کے لئے کہتا ہے کہ متعہ کی عورت کے حقوق و شروط بالکل منکوحہ عورت کے سے ہیں۔ صرف اس میں مُدت معین کرنے کی قید ہے۔ اور نکاح میں قید نہیں۔ اُن کا یہ بیان سراسر غلط ہے۔ متعہ النساء قرآن شریف کی آیات اور احادیثِ نبوی سے حرام ثابت ہو چکا ہے۔ متعہ کی عورت کے حقوق وغیرہ بھی منکوحہ عورت کے سے خود شیعہ کے نزدیک بھی ہرگز نہیں ہیں۔ چنانچہ بیان ہوا۔ اور خود شیعہ بھی اُس کو سببِ احصان نہیں جانتے۔ اور حدِ سنگساری کی متمتع غیر منکوحہ پر جاری نہیں کرتے۔ اور نہ اُس کو اور اُس کی اولاد کو ارث پہنچتا ہے۔ متعہ سے قصد آپ منی کا بہانا۔ اور برتنِ منی کا خالی کرنا غرض ہوتی ہے۔

اب سُنیئے کہ باوجود اس قدر دلائل ظاہرہ کے۔ اور باوجود خود اُن کے بعض فرقوں کے متعہ کو حرام جاننے کے فرقہ امامیہ کیوں متعہ کو جائز بلکہ موجب ثواب جانتا ہے۔ اس کا سبب فقط جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عناد رکھنا ہے کہ اُن کے خیال باطل میں یہ بات سما گئی ہے کہ متعہ کو جنابِ عمرؓ نے حرام فرمایا ہے۔ ورنہ متعہ شریعتِ نبوی میں جائز تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ متعہ کی حرمت خود جناب امیرؓ کی روایت سے ثابت ہے۔ اور نیز جنابِ امیر کی روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے متعہ کے باب میں حضرت ابن عباسؓ پر رد کیا۔ اور اُن کو الزام دیتے ہوئے فرمایا۔ تو دیوانہ آدمی ہے اور خود جناب ابن عباسؓ اس علم کے بعد متعہ کو خوک مُردار اور خون کے کھانے کے برابر سمجھتے تھے کہ یہ چیزیں درحقیقت حرام ہیں۔ مگر غائر اضطرار کی حالت میں اُن کا کھانا بمجبوری روا ہے۔ یہی حال متعہ کا ہے۔

بات یہ ہے کہ متعہ کو خود جنگ طاؤس کے بعد سے جناب رسول خدا نے حرام فرما دیا تھا۔ اور حکم ہو گیا تھا۔ کہ متعہ قیامت تک حرام ہے (بعض شیعوں کا یہ کہنا کہ جنگ خیبر میں متعہ پھر حلال ہو گیا۔ بالکل غلط ہے) مگر بعض لوگوں کو اُس کی حُرمت معلوم تھی۔ اور بعض کو معلوم نہ تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک یہی حالی رہا۔ کہ نادقف لوگ متعہ کرتے رہے۔ آپؓ نے بالکلیہ اُس کے انسداد کے واسطے فرمایا کہ متعہ حرام ہے قیامت تک۔ اس کے بعد

جو شخص متعہ کریگا۔ اُس پر حد جاری کی جائیگی۔ ہمیں مُتعہ کی بحث کو طول دینا منظور نہیں۔ اور نہ یہاں ہماری یہ غرض ہے۔ ہماری غرض یہ ہے کہ شیعہ لوگ اہل السنت کو دھوکا دینے کے لئے بہت کچھ باتیں بناتے رہتے ہیں۔ چنانچہ متعہ کی بابت بھی کہتے ہیں کہ متعہ حلال تھا حضرت عمرؓ نے اُس کو حرام کر دیا ہے ۔

ہمارے اِس مختصر بیان میں اُن کی غلطی معلوم ہو جائے گی۔ اور اہل السنت سمجھ لیں گے کہ متعہ حرام ہے۔ اور اُس کی حُرمت ائمہ اہل بیت سے بھی ثابت ہے۔ شیعہ صرف حضرت عمرؓ کی مخالفت کے سبب اس بُرے فعل کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اور یہ اُن کا عام رویّہ ہے کہ باوجود اس کے کہ اکثر امور اُن کے یہاں بھی بالاتفاق ممنوع ہیں۔ مگر اہل السنت کی مخالفت اُن کے ارتکاب پر اُنہیں مجبور کرتی ہے۔ اسی طرح متعہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ صحیحہ سے حرام ہے۔ لیکن صرف حضرت عمرؓ کی مخالفت کے سبب وہ اُس کو حلال اور باعثِ ثواب جانتے ہیں۔ اور مثل اور آیات کے متعہ کی حُرمت کی آیات میں بھی ایسی تحریف کرتے ہیں کہ معاذ اللہ۔ چنانچہ اِسی متعہ کے باب میں نمونہ کے طور پر میں ایک قرآنی آیت پیش کرتا ہوں جس میں اُنہوں نے غضب کی تحریف کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ فما استمتعتم بہ منھنّ فاٰتوھنّ اجورھنّ فریضۃً۔ یعنی جو کچھ کام میں لاؤ۔ اُن عورتوں سے تو دو اُن کو اجرت اُن کی مقرری۔ اوّل تو شیعہ اِس آیت سے متعہ کی حلّت ثابت کرتے ہیں۔ مگر جب اس میں کامیاب نہیں ہوتے۔ اور جب جواب میں کہا جاتا ہے کہ مراد استمتاع سے فائدہ پانا ہے۔ یعنی صحبت اور دخول بدلیل کلمہ فا کہ واسطے تعقیب کے ہے۔ تو وہ اِس آیت کو اِس طرح تحریف کرتے ہیں۔ فما استمتعتم منھن الی اجلٍ مسمّی ترجمہ۔ پس یہ کہ فائدہ پکڑو تم اُن عورتوں سے مدت مقررہ تک اور کہتے ہیں کہ عبد اللہ ابن عباسؓ اور عبد اللہ ابن مسعودؓ نے اوپر والی آیت کو اِسی طرح پڑھا ہے۔ شیعہ کا یہ صریح بہتان اور افترا ہے۔ کسی قرآن میں یہ آیت اِس طرح نہیں۔ پس یہ اُن کی فریب دہی اور دھوکا بازی ہے۔ نعوذ باللہ منہا ۔

تقیہ کی بحث

تقیہ کے باب میں مصنّف علّام نے جو کچھ بیان کیا ہے اگرچہ طالب تحقیق کے لئے وہ کافی ووافی ہے۔ اور منکر کے لئے مسکت۔ تاہم ہم نے مناسب جانا۔ کہ اس موقعہ پر فریق مخالف کی روایات معتبرہ نقل کر کے یہ ثابت کر دیں کہ تقیہ درحقیقت اُن کے نزدیک بھی نہایت مذموم اور منافقانہ فعل ہے۔ اور اس سے حضرات ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم تمام وکمال بیزار ومتنفر تھے۔ اہل تشیع جو اُن بزرگوں کی نسبت واضافت تقیہ اختیار کرنے اور اُس کو اپنے اور اپنے تابعین کے حق میں مفید سمجھنے کی طرف کرتے ہیں حقیقت میں یہ اُن بزرگواروں کے ساتھ انتہا درجہ کی گستاخی اور اظہار کمینگی ہے۔ یہ تو مخالفین کو معلوم ہی ہے کہ اہل السنت تقیہ سے بیزار اور اس کی مذمت کرنے والے ہیں۔ اور اگر کسی شیعی نے اس کی نسبت کسی سنی عالم کی طرف کی ہے۔ تو اس نے خود اپنا مضحکہ اُڑایا ہے۔ اس لئے کوئی عقلمند یہ خیال بھی نہیں کر سکتا۔ کہ جو شخص تقیہ کو بُرا سمجھنے والوں سے ہو۔ وہ خود اپنی تصنیف میں تقیہ کی مدح کرے۔ اور اُس کو کسی سُنّی کے حق میں جائز سمجھے۔ لہٰذا ہم اقوال اہل تسنن سے جو اس بات میں وارد ہیں۔ قطع نظر کرتے ہیں۔ اور اس طول فضول سے بچکر صرف علمائے شیعہ کی کتابوں سے بالاختصار تقیہ کا مذموم ہونا ثابت کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ رُشد الٰہی کسی گمراہ کا ہاتھ پکڑ کے صراط مستقیم اہل حق ویقین پر لا ڈالے۔ وہو المامول ✦

نہج البلاغت سے تقیّہ کی تردید

کتاب نہج البلاغت میں حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی نص صریح تقیہ کی مذمت میں موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آپؓ نے فرمایا علامۃ الایمان ایثارک الصدق حیث یضرک علی الکذب حیث ینفعک ایمان کی علامت یہ ہے کہ تو سچ بولنے کو مقدم کرے ایسے مقام پر جہاں تیرا ضرر منصوّر ہو۔ جھوٹ بولنے پر ایسے مقام میں جہاں تجھ کو فائدہ پہنچے

کی اُمید ہو۔ یہ نص صاف ظاہر کرتی ہے کہ تقیہ کرنے والے کا ایمان نہیں۔ ورنہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ نقصان پہنچنے کے مقام پر بھی تقیہ نہ کرے۔ اور سچ بولے ؛

نیز رضی نہج البلاغت میں حضرت امیرؓ سے ایک روایت لایا ہے۔ جو تقیہ کو بالکل باطل کرتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ قال امیر المومنین انی واللہ لو لقیتھم واحدا وھم طلاع الارض کلھا ما بالیت ولا استوحشت وانی من ضلالھم التی ھو فیھا والھدی الذی انا علیہ لعلی بصیرۃ من نفسی ویقین من ربی وانی الی لقاء اللہ وحسن ثوابہ لمنتظر راج امیر المومنین نے فرمایا۔ خدا کی قسم اگر میں اکیلا مقابل ہوں۔ اور وہ روئے زمین بھر کر ہوں۔ تو میں ہرگز پرواہ اور خوف نہ کرونگا۔ اور میں بے شک اُن کی گمراہی پر جس پر وہ ہیں۔ اور اپنی ہدایت پر جس پر میں ہوں۔ پورا خبردار ہوں۔ اپنی نفس سے اور یقین سے اپنے پروردگار کے اوپر۔ اور میں بے شک اللہ کی ملاقات اور اُس کے حسن ثواب کا منتظر اور اُمیدوار ہوں ؛

پس جو شخص تمام روئے زمین کے دشمنوں سے تن تنہا جنگ کرسکتا ہو اور بالکل نہ ڈرے وہ کیونکر تقیہ کرسکتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ جناب امیرؓ بھی تقیہ کو باطل سمجھتے تھے۔ اور آپؓ نے کبھی اور کسی وقت تقیہ نہیں کیا۔ نہ زمانہ خلافت خلفائے ثلثہؓ میں۔ اور نہ اُس کے بعد اور نہ کبھی آپؓ کی اولاد و احجاد علیہم السلام نے تقیہ کیا۔ اسی طرح اور بہت سی روایتیں بطلان تقیہ میں جناب امیرؓ سے وارد ہیں۔ جو شیعہ کی معتبر کتابوں مثل نہج البلاغت اور کافی وغیرہ میں منقول ہیں اُن میں سے کچھ روایات بطور نمونہ کتب لمئے اہل السنت مثل صواعق محرقہ اور تحفہ اثنا عشریہ اور آیات بینات وغیرہم میں اتمام حجت کے طریق پر درج ہیں۔ فلیطلب ثمہ ۔ اور سُنئے جناب امیرؓ کے تقیہ کے باب میں بھی اہل تشیع میں باہم اختلاف ہے۔ جمہور شیعہ[1] کہتے ہیں کہ قبل حاکم ہونے کے تقیہ جناب امیرؓ

[1] بعض کہتے ہیں تقیہ حاکم سے ہوتا ہے۔ محکوم اور عامۃ الناس سے نہیں ۱۲

پر واجب تھا۔ اُس کے بعد نہیں۔ اور سیّد مرتضیٰ کہ جملہ امامیہ سے ہیں۔ وہ قائل ہیں کہ بعد حاکم ہونے کے بھی جنابِ امیرؓ پر تقیہ واجب تھا۔ ہم تو ان کی دونوں باتوں کو گوزِ شتر سمجھتے ہیں۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ جنابِ علیؓ نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔ اور آپ تقیہ کو نہایت مذموم سمجھتے تھے۔ اُن کی ذات اِس سے ارفع تھی کہ دین کے مقدمہ میں ضمیر کے خلاف ظاہر کرتے۔ آپؓ نے بخوشی تمام اصحابِ ثلثہؓ کی خلافت کو تسلیم کیا۔ ہر امر میں اُن کے شریک معاون اور مددگار رہے۔ اگر ان کی کوئی بات آپ کے خیال و رائے میں خلاف معلوم ہوئی۔ تو آپؓ نے فوراً اُس سے مخالفت کی اور اپنا خلاف ظاہر کر دیا۔ پھر جب ظاہر ہوا کہ آپ کا خلاف حقیقت میں آپؓ کی رائے کی غلطی سے تھا۔ تو اُسی وقت علی رؤس الاشہاد۔ آپ نے اُس سے رجوع کیا۔ پھر اگر تقیہ جائز ہوتا۔ تو سب سے زیادہ موقع حضرت امام حسین علیہ السلام کو تقیہ کرنے کا حاصل تھا۔ کہ آپ کے ہمراہ سفر میں صرف ستّر بہتّر آدمی تھے۔ اور ناموس اہل وعیال کا بھی خیال تھا۔ اُدھر یزید پلید کا لشکر تیس ہزار کی تعداد میں تھا۔ جو آپ سے لڑنے کو بھیجا گیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اتنی افواج کثیرہ کے مقابلہ میں صرف ستّر یا بہتّر آدمیوں کی کیا گنتی تھی۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ اور جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ یزید فاسق فاجر مخالف شریعت ہے۔ تو آپ بلا دھڑک آمادۂ جنگ ہوئے۔ حتّٰی کہ درجۂ شہادت پایا۔ اور آپ کے ہمراہی بھی شہید ہو گئے۔

یزید صرف آپ سے بھی چاہتا تھا کہ آپ اُس کی بیعت قبول کر لیں۔ فقط اتنی بات کے ماننے سے آپ کی جان و مال کی حفاظت ہوتی تھی۔ چونکہ آپ تقیہ کے جائز ہونے کے معتقد نہ تھے۔ لہٰذا آپؓ نے سرًا و جہرًا یزید کی مخالفت کی۔ اور اپنے خویش و اقارب اور جان و مال سب کو راہِ حق میں نثار کر دیا۔ فرضی اللہُ عنہم وعن احبائہم

تقیہ کے متعلق ایک واقعہ

فرقۂ اسمٰعیلیہ کے ایک شیعی مُلّا سے میری ملاقات تھی۔ اور کبھی کبھی وہ میرے

پاس آتا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اثنائے گفتگو میں علمی مذہبی بحث ہو پڑی۔ اس بحث کے شروع ہونے ہی پہلا جملہ جو اُس کی زبان سے نکلا یہ تھا۔ التقیۃ دینی و دین آبائی یعنی تقیہ کرنا میرا اور میرے بزرگوں کا دین ہے۔ میں نے کہا جب آپ اس بحث میں تقیہ کو استعمال فرمائیں گے یعنی حقیقت الامر کو چھپا کر اپنے ضمیر کے خلاف باتیں کرینگے۔ تو اول تو بحث کا خاتمہ مشکل ہے۔ دوسرے فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔ اور آپ تقیہ کے طور پر ہی ہار مان لیں گے۔ دیکھئے تقیہ کیسی بُری چیز ہے۔ کہ انسان کو اظہار حق سے ساکت و صامت کرتا۔ اور شیروں کو بزدل اور ڈرپوک بناتا۔ اور ہر ایک معرکہ میں ہرا دیتا ہے۔ افسوس کہ آپ ایسے مذموم فعل کو واجب سمجھتے ہیں۔ اور اُس کی نسبت ائمہ کرام خصوص جناب امیرؓ اور جعفر صادقؒ کی طرف کرتے ہیں۔

شیعی ملا نے جواباً کہا۔ تقیہ تو ہمارے ہاں واجب ہے خواہ وہ ہرا دے یا جتا دے۔ ہم اُس کا ثبوت صرف جناب امیرؓ وغیرہ کی نصوص سے نہیں کرتے ہیں کیونکہ آپ لوگ انہیں کی کتابوں سے اُس کی تردید کر دیتے ہیں۔ بلکہ ہم قرآن کی آیت سے تقیہ ثابت کرتے ہیں۔ دیکھو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ہمارے شیعی علماء نے اس آیت کے یہ معنی کئے ہیں کہ مومنین میں خدا کے نزدیک اُسی کی کرامت اور بزرگی زیادہ ہے۔ جو زیادہ تقیہ کرتا ہے۔ میں نے کہا اگر اس کے یہی معنے ہوں۔ تو لازم آتا ہے کہ حضرت زکریا حضرت یحیی اور حضرت امام حسین علیہم السلام جنہوں نے بالاجماع تقیہ نہیں کیا۔ ہرگز خدا کے نزدیک بزرگ اور مکرم نہ ہوں۔ اور جمیع منافقین جو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ خدا کے نزدیک اُن سے زیادہ بزرگ و مکرم ہوں۔ یہ سُن کر شیعی ملا ایسا خاموش ہوا کہ پھر اُسے گفتگو کا یارا نہ رہا۔

غرض تقیہ کے بطلان اور تذہیم میں ہزاروں بدیہی دلیلیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تقیہ بالکل واہیات اور تباہی خیز فعل ہے۔ انبیا اور بزرگان خدا نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔ اور نہ اُس کو جائز جانا۔ یہ شیعوں کی من گھڑت باتیں ہیں۔

ایمان کی حقیقت اور اُس کے اقسام کے بیان میں

تفسیر عزیزی میں تحت آیہ کریمہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے مرقوم ہے۔ کہ ایمان عرف شرع میں تصدیق کو کہتے ہیں۔ یعنی اُن تمام باتوں کو سچا جاننا جو یقینی طور پر ہم کو دین محمدی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہونے کا علم ہے۔ اِس واسطے کہ قرآن کریم میں جا بجا آیا ہے کہ ایمان دل کا فعل ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ اور کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ اور لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ اور ظاہر ہے کہ دل کا کام سوائے تصدیق کے کچھ نہیں۔ پھر قرآن میں کہیں تو ایمان کو عمل صالح سے مقرون کیا ہے جیسے اس آیت میں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور کہیں اُن اعمال سے جو ماضی سے متعلق ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا اور وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا تو اِس سے معلوم ہوا کہ نفس ایمان میں کسی قسم کے عمل کو خواہ وہ نیک ہو یا بد کوئی دخل نہیں۔ اور اگر نرا اقرار ہو۔ تصدیق اُس کے ہمراہ نہ ہو۔ تو قرآن شریف میں ایسے اقرار کی مذمت کیگئی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور روز آخرت پر ایمان لائے ہیں۔ اور درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں۔ (یعنی زبانی اقرار کرتے ہیں۔ دلی تصدیق اُس کے ہمراہ نہیں ہے) تو ثابت ہوا کہ اقرار محض ایک حکایت ہے۔ اصل ایمان سے اُس کو تعلق نہیں ہاں اگر اقرار زبانی محکی عنہ یعنی تصدیق کے ہمراہ ہو۔ تو قابل پذیرائی ہے۔ ورنہ مکر و خدع اور زور و فریب ؀

ایمان کے وجود تین قسم کے ہیں

وجودِ عینی

اور یاد رکھو کہ جس طرح ہر چیز کے لئے تین قسم کے وجود ہوتے ہیں

عینی۔ ذہنی۔ اور لفظی۔ اسی طرح ایمان کے لئے بھی تین وجود ہیں۔ پھر جس طرح
ہر چیز کا وجود عینی اُس کی اصل ہوتا ہے۔ باقی وجودات اُس کی فرع اور تابع
اُسی طرح ایمان شرعی کا بھی وجود عینی اصل ہے۔ باقی ہر دو وجود فروعات و
توابعات۔ پس ایمان کا وجود عینی وہ نور ہے۔ جو دل میں پیدا ہوتا ہے بسبب
رفع ہونے اُن حجابات کے جو ایمان و خلق کے مابین حائل ہوتے ہیں۔ یہی نور
ہے۔ جس کا ذکر اللہ تبارک و تعالےٰ نے ایک لطیف پیرایہ میں کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا
مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ الخ پھر اس آیت اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا یُخْرِجُہُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ میں اس کا سبب بیان
فرما دیا۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینے کے قابل ہے کہ نور ایمان بھی دوسرے
تمام انوار محسوسہ کی مانند۔ قوت و ضعف۔ اشتداد و انتقاص قبول کرتا رہتا
ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْہِمْ اٰیٰتُہٗ
زَادَتْہُمْ اِیْمَانًا یعنی جب اُن پر خدا کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ تو اُن کے
ایمان میں زیادت ہو جاتی ہے یعنی اُن کا ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ اور دلی نور
میں ترقی ہو جاتی ہے۔ (اس لئے کہ اصل ایمان یعنی تصدیق قلبی میں زیادتی و
نقص متصوّر نہیں۔ کما سیاتی) حتیٰ کہ نور ایمان اوج کمال پر پہنچ جاتا ہے۔ اور
منبسط و فراخ ہو کر تمام قویٰ اور اعضا کو احاطہ کر لیتا ہے۔ یہاں پہنچ کر اس کو
انشراح صدر ہوتا اور حقائق اشیا پر پوری آگاہی ہو جاتی ہے۔ اور اس کے
قوت مدرکہ پر غیوب الغیوب کی تجلی ہونے لگتی ہے۔ اُس وقت وہ ہر چیز کو
اپنے موضع و مقام پر ملاحظہ کرنے لگتا ہے۔ اور انبیا علیہم السلام اور اُن کے اخبار
کی تصدیق اُس کے لئے وجدانی ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے تمام کام عین
مطابق امر الٰہی کے ہوتے ہیں۔ اور وہ ہر محظور شرعی سے دُور بھاگتا ہے۔ اس
حالت میں اخلاق فاضلہ اور ملکات حمیدہ اور اعمال صالحہ متبرکہ کے انوار نور
معرفت سے آمیزش پا کر اور ایک جگہ جمع ہو کر اُس کے شبستان ظلمت بہیمیہ شہویہ
میں طرفہ چراغاں روشن کرتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں اسی جانب اشارہ ہے،

نورِ ایمان سے حقائقِ اشیا پر آگاہی

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ اُن کا نور اُن کے آگے اور سیدھے بازو دوڑتا پھرتا ہے۔ اور ایک جگہ فرمایا۔ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ روشنی اوپر روشنی کے ہدایت کرتا ہے اللہ اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے۔ اور بیان کرتا ہے۔ مثالوں کو *

وجُودِ ذہنی اور اُس کے دُو مرتبہ

اور ایمان کا وجُود ذہنی دو مرتبے رکھتا ہے۔ اول یہ کہ معارف منجلیہ اور غیوب منکشفہ کا کلی طور پر ملاحظہ اجمالی ہوتا۔ چنانچہ مفاد کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا یہی ہے۔ اِس ملاحظہ کا نام تصدیق اجمالی ہے *۔ دُوسرے یہ کہ افراد غیوب منجلیہ اور معارف وحقائق منکشفہ کے ہر فرد کا تفصیلی ملاحظہ حاصل ہو۔ معہ اُس کے تمام روابط متعلقہ کے اِس کا نام تصدیق تفصیلی ہے *

وجودِ لفظی

رہا وجودِ لفظی ایمان کا تو اُس کو اصطلاح شارع میں شہادتین کہتے ہیں۔ اور یہ امر پوشیدہ نہیں کہ کسی چیز کا وجُود لفظی بدون تحقیق اُس کی حقیقت کے کچھ فائدہ بخش نہیں ہوتا۔ ورنہ پانی کا نام لینا پیاسے کو سیراب اور روٹی کا نام لینا بھوکے کو شکم سیر کر دیتا ہے۔ لیکن ایمان میں وجود لفظی یعنی شہادتین کا اِس سبب سے رتبہ عظیم اور مدخل جسیم ہے کہ اظہار ما فی الضمیر یعنی تصدیق قلبی کے ظاہر کرنے کی بدُون اُس کے کوئی صُورت عالم بشریت میں امکان نہیں رکھتی۔ یہی باعث ہے کہ تلفظ بہ کلمہ شہادت سے بظاہر آدمی کے ایمان پر حکم لگایا جاتا ہے۔ چنانچہ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ

مجھے حکم ہوا ہے کہ لوگوں میں قتال برپا رکھوں۔ یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں۔ پس جب وہ کلمہ مذکورہ پڑھ لیں۔ تو بچا لیں مجھ سے جانوں اور مالوں کو ساتھ حق اُس کلمے کے اور حساب[1] اُن کا اوپر اللہ کے ہے۔ جل جلالہٗ ؛

ایمان میں زیادت اور نقصان

اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ ایمان کے زیادت و نقصان کے کیا معنی ہیں۔ اور یہ کہ قوت و ضعف ایمانی کس کو کہتے ہیں۔ اور نیز واضح ہو گیا۔ کہ حدیث میں جو وارد ہے۔ لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن۔ اور الحیاءُ من الایمان اور ولا یومن احدکم حتی یامن جارہ بوائقہ۔ یہ اور اس قسم کی تمام حدیثیں کمال ایمان پر محمول ہیں۔ اپنے وجود عینی میں۔ جو لوگ زیادت و نقصان کی نفی کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک مراد ایمان سے وجود عینی ایمان کا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نور ہے۔ اور اُس میں ضعف و قوت اور کمال و نقصان متصوّر و متحقق ہے۔ بلکہ مراد اُن کی وجود ذہنی کا مرتبہ نخستین ہے۔ یعنی ملاحظہ اجمالی غیوب متجلیہ اور معارف منکشفہ کا۔ اور ظاہر ہے کہ اس تصدیق اجمالی میں زیادت و نقصان نہیں۔ کیونکہ نفس تصدیق میں زیادت و نقصان غیر ممکن ہے۔ پر اس صورت میں کوئی نزاع اور خلاف مابین فریقین کے نہیں رہتا ؛

ایمان کے اقسام متعددہ

اور ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ تقلیدی، اور تحقیقی، پھر تحقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ استدلالی و کشفی۔ پھر ان میں سے ہر ایک تسلیم منقسم بہ دو قسم ہے۔ ایک وہ جو انجام رکھتا۔ یعنی اپنی حد سے تجاوز نہیں کر سکتا ہے۔ دُوسرے وہ جو انجام

[1] مثلاً کوئی شخص کسی کو مار ڈالے یا زنا کرے بحکم شرع اُس پر قصاص اور حد وارد ہوگی۔ یا اگر کسی کا مال لے لیا۔ دلوایا جاویگا۔ اور حساب ان کا اللہ پر یعنی ہم حکم ظاہر اسلام پر کریں گے اگر دل میں کفر وغیرہ رکھتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں سمجھ لیگا ؛ مظاہر حق صفحہ ۳ ؛

نہیں رکھتا۔ اول کو علم الیقین کہتے ہیں۔ اور دوسرا دو قسم ہے۔ ایک وہ جو مشاہدہ سے متعلق ہے۔ اُس کو عین الیقین کہتے ہیں۔ دوسرا جو شہود ذاتی پر تعلق رکھتا ہے۔ اُس کو حق الیقین کہتے ہیں۔ لیکن دو قسم اخیر یعنی عینی اور حقی ایمان بالغیب میں داخل نہیں ہیں ❊

ایمان بالغیب

اور جاننا چاہئے کہ ایمان بالغیب ہی مقبول و پسندیدہ و کارآمد ہوتا ہے۔ اور جمہور ذوی عقل اسی ایمان کے ساتھ مکلف ہیں۔ اور خدا نے متقین کی پہلی صفت یہی بیان فرمائی ہے کہ یومنون بالغیب یعنی متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور غیب اُس چیز کو کہتے ہیں۔ جس کی دریافت اور ادراک حقیقت سے حواس ظاہرہ و باطنہ دونوں عاجز ہوں۔ جیسے ذات و صفات پروردگار عالم اور حقیقت فرشتگان و روز آخرت اور نیز وہ چیزیں جو قیامت اور اُس کے بعد ہونے والی ہیں۔ مثل حشر اجساد۔ وزن اعمال۔ مرور صراط۔ جنت و دوزخ وغیرہ اور قدمائے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایمان بالغیب کو دُوسرے معنوں پر حمل فرمایا ہے ❊

ایمان بالغیب کی فضیلت پر ایک قصہ صحیحہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے بروایت احمدؒ اور بروایت حاکم اور دیگر محدثین کے ثابت ہے کہ حارث ابن قیس نے ایک روز اُن کو کہا کہ ہمیں بعض ان باتوں کا جو ہم سے فوت ہوئیں۔ اور تم کو حاصل ہوئیں۔ بہت افسوس اور حسرت ہے۔ اے یاران محمدؐ تم آنحضورؐ کے دیدار فرحت آثار سے مشرف ہوئے۔ اور ہمیں یہ شرف نصیب نہیں ہوا۔ عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا۔ ہم بھی اُس چیز پر حسرت و افسوس کرتے ہیں۔ جو ہم سے فوت ہوئیں۔ اور تم کو حاصل ہوگئیں۔ وہ یہ کہ تم نادیدہ آنحضرتؐ پر ایمان لائے۔ بخدا کہ نبوت آنحضرتؐ کی اُس شخص کے نزدیک جس نے آپ کو دیکھ لیا۔ آفتاب سے ظاہر تر ہے۔ ایمان

حقیقت میں تمہارا ایمان ہے۔ پھر اُنہوں نے سورۂ بقرہ کو مفلحون تک تلاوت فرمایا۔ اور یہ مضمون بہ تلاوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اِس طرح ہے کہ حضرت عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ مجھ سے بیان کرو کہ کن لوگوں کا ایمان افضل ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ فرشتوں کا ایمان۔ آپؐ نے فرمایا فرشتوں کے ایمان کو کون چیز مانع ہے۔ (وہ خدا تعالیٰ کا مرتبہ پورے طور پر جانتے ہیں) اور تم فرشتوں کے مرتبہ کو جانتے ہو کہ خدا کے نزدیک اُن کا کیا مرتبہ ہے۔ پھر عرض کیا۔ اے حضور پیغمبروں کا ایمان افضل ہے۔ فرمایا کہ پیغمبروں کے ایمان میں کیا عجب ہے خدا نے تو اُن کو تو اپنی رسالت و نبوت سے ممتاز بھی کیا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ اُن بزرگوں کا ایمان افضل ہے۔ جو انبیا کی خدمت میں حاضر رہ کر اپنی جان کو دین پر نثار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ فائز بہ مرتبہ شہادت ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ اِس میں بھی کوئی عجیب نہیں وہ انبیا کی صحبت سے مشرف تھے۔ اور اِس طرح اُنہوں نے انبیا کے اوضاع و اطوار کو دیکھ کر پورا یقین حاصل کر لیا۔ پھر صحابہ رضؓ عرض کیا۔ یا رسول اللہ اب آپؐ ہی فرمائیے کہ کن لوگوں کا ایمان زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اُن لوگوں کا ایمان جو ابھی باپوں کی صلب میں ہیں۔ اور میرے بعد پیدا ہونگے اور مجھ پر ایمان لائیں گے۔ حالانکہ اُنہوں نے مجھ کو نہیں دیکھا ہے۔ صرف چند سیاہ کردہ اوراق اُن کو نظر پڑ گئے۔ پس بہ سبب قوت ایمان کے اُنہوں نے اُس نوشتہ پر عمل کیا۔ اُس گروہ کا ایمان افضل ہے دوسروں سے ؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے پانی نکلنا

اسی قصہ کو طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اِس طرح روایت کیا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں صبح کو

اُٹھے۔ اور فرمایا۔ پانی ہے۔ تاکہ وضو کروں۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسُول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اِس جگہ پانی نہیں ہے۔ فرمایا۔ کسی کے پاس پینے کا پانی بھی ہے۔ لوگوں نے ایک آبخورہ پانی سے بھرا ہوا لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے اُس آبخورہ میں اُنگلیاں ڈالیں۔ اور حضرت بلالؓ کو فرمایا کہ لشکر میں ندا کر دو۔ کہ لوگ آکر وضو کریں۔ لوگ آتے تھے۔ اور حضورؐ کی انگلیوں کے درمیان سے وضو کرتے تھے۔ پانی آپؐ کی انگلیوں سے فوارہ کی مانند جوش مارتا تھا۔ ابن مسعودؓ اُن لوگوں میں اُس پانی کے پینے میں مشغول تھے۔ اور بار بار پیتے تھے۔

جب تمام لشکر وضو سے فارغ ہو گیا۔ آنحضرتؐ اُٹھے۔ اور صبح کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے لوگو! بندگانِ خُدا میں کون سا ایسا فرقہ ہے۔ جس کا ایمان فضیلت و عجوبگی رکھتا ہے۔ عرض کیا۔ فرشتوں کا ایمان، فرمایا۔ وہ تو امر و نہی خدا کا پہنچاتے ہیں۔ وہ خود کیوں نہیں ایمان لائیں گے پس اُن کے ایمان میں کیا عجب ہے۔ عرض کیا پیغمبروں کا ایمان۔ فرمایا۔ کہ پیغمبروں پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ وہ کیونکر ایمان نہ لائیں گے۔ عرض کیا۔ یا رسُول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم! آپؐ کے یاروں۔ یعنی صحابہؓ کا ایمان۔ فرمایا۔ میرے یار کیوں نہیں ایمان لائیں گے۔ مَیں تو خود اُن کے ہمراہ موجود ہوں۔ اور وہ ہر لحظہ و ہر لمحہ مجھ سے جو کچھ دیکھتے ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ پھر فرمایا۔ اُن لوگوں کا ایمان عجوبگی و فضیلت رکھتا ہے کہ جو میرے بعد آئیں گے۔ اور نادیدہ مجھ پر ایمان لائیں گے۔ اور میری تصدیق کریں گے۔ وہی لوگ میرے بھائی ہیں اور تم میرے یار ہو۔

داؤد طیالسی نافع سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ اور کہا۔ یا ابا عبدالرحمن تم نے اپنی آنکھوں سے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار مبارک دیکھا ہے۔ جواب دیا۔ ہاں۔ اِس نے کہا۔ تم اپنی اس زبان سے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہم کلام بھی ہوئے ہو۔ جواب دیا۔ ہاں۔ پھر کہا۔ تم نے اپنے ہاتھوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم

سے بیعت بھی کی ہے۔ جواب دیا۔ ہاں۔ یہ سُن کر اُس شخص پر وجد کا عالم ہو گیا۔ اور کہا۔ آپ بڑے خوش نصیب ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں نے سنا ہے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے۔ وہ شخص خوش حال ہے جو مجھے دیکھ کر ایمان لایا۔ اور خوش حال ہے پھر خوش حال ہے۔ پھر خوش حال ہے وہ شخص کہ نادیدہ مجھ پر ایمان لایا۔

اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایک جماعت میری اُمّت سے میرے بعد پیدا ہوگی۔ کہ میری محبّت میں اِس قدر فریفتہ ہوگی کہ اگر ممکن ہو تو میرے دیدار کو مال و عیال اور اہل دے کر خرید لیں۔ غرض ایمان بالغیب کا خواہ کسی قسم کا ہو۔ بڑا مرتبہ و فضیلت ہے۔ اور علمائے اُمت کا قول ہے کہ ایمان وہی مقبول ہے۔ جو بن دیکھے۔ اور بندہ کے اختیار اور قصد سے ہو۔ اور اِس لئے ہے کہ اس کے بعد بندہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مستقیم رہیگا۔ اور طاعاتِ الٰہی پورے طور پر بجا لائے گا۔

ایمان یاس مقبول نہیں

عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے۔ وَاِیْمَانُ الْبَاسِ غَیْرُ مَقْبُوْلٍ یعنی اُس وقت کا ایمان لانا غیر مقبول ہوگا۔ جب سکراتِ موت میں مبتلا۔ اور احوالِ آخرت کا معائنہ کرتا ہو۔ کیونکہ لغت میں یاس کے معنی شدت عذاب کے ہیں۔ اور احادیث سے ثابت ہے کہ بندہ موت کے وقت اپنا مقام دیکھ لیتا ہے کہ اُس کی جگہ بہشت ہے یا دوزخ۔ اس حالت میں ایمان لانا غیر معتبر ہے کہ یہ ایمان بغیب اور باختیار نہیں ہے۔ بلکہ ایمان اضطراری ہے۔ چنانچہ قیامت میں تمام کفار پکار اُٹھیں گے۔ ربّنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحًا انا موقنون الٰہی ہماری آنکھیں بینا اور کان شنوا ہو گئے اب ہم نے یہ یقین جان لیا کہ تیرے محترم پیغمبروں نے تیری طرف سے جو خبر دی تھی۔ اور تیری کتاب میں جو کچھ لکھا تھا۔ وہ حق ہے۔ پس ہمیں دنیا

میں پھر بھیج دے کہ ہم اعمالِ صالحہ کریں۔ بے شک ہم یقین لانے والے ہیں ❊

اُس وقت کفار کا یہ اقرار و اعتراف مفید نہ ہوگا۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ ان اللہ یقبل توبۃ العبد ما لم یغرغر یعنی بے شک اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔ جب تک اُس پر حالت موت اور شدّتِ سکرات طاری نہ ہو،

اور قرآن حکیم میں ہے فلم یک ینفعھم ایمانھم لما رأوا بأسنا نہیں فائدہ دیگا اُن کو اُن کا ایمان جب دیکھ لیا اُنہوں نے ہمارے عذاب کو۔ اِس آیت میں مراد رویت باس سے علاماتِ قیامت کا ملاحظہ کرنا ہے۔ جیسے طلوع شمس از جانب مغرب اور بیان اُس کا بہ تفصیل عقائد نو پشتی میں گذرا ہے۔ دیکھو صفحہ

لیکن ذیل کی آیت صریح اس امر پر دال ہے کہ اختضار یعنی حضور موت کے وقت ایمان غیر مقبول ہے۔ لَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْاٰنَ نہیں ہے توبہ اُن لوگوں کے لئے جو گناہ کرتے رہے۔ حتّٰی کہ اُن میں سے کسی ایک کے پاس موت آکھڑی ہوئی۔ تو گھبرا کر کہنے لگا بے شک میں اب توبہ کرتا ہوں۔ غرض حالت یاس میں ایمان لانا۔ اور گناہوں سے توبہ کرنا غیر مقبول ہے۔ اور اِسی طرح حالت غرغرہ میں۔ یہی ہے مذہب تمام فقہا اور اشاعرہ اور ماتریدیہ کا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایمان یاس مقبول ہے لیکن اُنکا قول معتبر نہیں ❊

ایمان فرعون غیر مقبول ہے

اسی بنا پر تمام علمائے اُمت کا اتفاق ہے کہ ایمان فرعون کا غیر مقبول ہے۔ کیونکہ حیات سے نا اُمید ہونے اور وقت ادراک غرق۔ اور رویت عذاب یاس کے اضطراراً وقوع میں آیا۔ لہٰذا جا بجا قرآن حکیم میں فرعون کی مذمّت

کی گئی ہے۔ اور یہ کہ اُس کے واسطے دنیا و آخرت میں سخت عذاب و خواری ہے ÷

ایک جگہ فرمایا وَاَتْبَعْنَاهُمْ فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ یعنی ہم نے اِس دنیا میں فرعون اور اُس کے لشکر پر لعنت کی۔ اور قیامت کے دن وہ ندمت کے ہوؤں میں سے ہے ÷

اور فرمایا۔ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى یعنی اُس کو دنیا و آخرت میں خوار کیا ÷

پس اِن آیات اور اِن کے سوا دُوسری متعدد آیات سے ثابت ہے کہ فرعون بے ایمان مرا۔ اور حضورِ موت کے وقت اُس کا ایمان لانا کوئی مفید نہیں ہوا۔ اور اگر جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ ایمان فرعون مقبول ہوتا اور وُہ دنیا سے طاہر و مطہر جاتا۔ تو قرآن شریف میں متعدد جگہ اُس کی مذمت کیوں کی جاتی۔ غرض ایمان یاس اور ایمان فرعون کا غیر مقبول ہونا اور فرعون اور اُس کے اعوان و جنود کا حالت کفر میں مرنا آیات و احادیث اور اجماع صحابہؓ و تابعین و مجتہدین سے ثابت[1] ہے ÷

اس باب میں کسی مخالف کا قول خواہ وہ کسی پایہ کا ہو۔ قابلِ اعتبار نہیں رہا۔ وہ خلاف جو ایمانِ فرعون کے باب میں شیخ محی الدین ابن عربی سے فصوص الحکم میں منقول ہے۔ تو اُس کی تردید علما سے ثابت اور ایمانِ فرعون کے باب میں اُن کا قول غیر مقبول ہے۔ اُن کی یہ خطائے اجتہادی ہے جس سے سوائے انبیا کے کوئی معصوم نہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو تکمیل الایمان از صفحہ ۲۷ تا صفحہ ۳۳ ÷

---

[1] مولانا بحر العلوم نے شرح مثنوی مولانا روم میں باتباع قدوۃ محققان شیخ ابن عربی ایمان فرعون پر بڑی زبردست بحث کی ہے۔ اور مخالفین کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا عبد الحق رحمہ فرماتے ہیں کہ فرعون کا کفر پر مرنا اجماع سے ثابت ہے۔ لیکن اثبات اجماع خیلے دشوار است ÷

اُن مسائل کے بیان میں جن سے فرقہ اہل السنّت والجماعت کی فرقہائے باطلہ سے تمیز ہوتی ہے

اس فائدہ کے تحت میں ہم عمدۃ النسفی سے وہ مسائل نقل کرتے ہیں۔ جن سے اہل السنت والجماعت کی دُوسرے فرقوں سے تمیز ہوتی ہے ان میں بعض مسائل اصُول علم کلام یعنی مباحث ذات وصفات وافعال و معاد و نبوّت و امامت سے متعلق نہیں ہیں تاہم بہ تتبع و تقلید علامہ عمرالنسفی اور نیز برائے تمیز و تفریق و شناخت فرقہ حقہ اہل السنت والجماعت کے اُن کا بیان کرنا ضرور ہے۔ اُمید ہے کہ نیک دل اصحاب اس بیان سے مستفید ہونگے۔ اُن میں سے جن مسائل کو صاحب کتاب عقائد تورپشتی نے تحریر فرما دیا ہے۔ اُن کو ہم باختصار لکھ دینگے۔ اور مزید تحقیق کے لئے کتاب کا حوالہ دے دیں گے۔ لیکن جو مسائل نقل و بیان سے رہ گئے ہیں۔ اُن پر تفصیلی بحث کریں گے۔ تاکہ فائدہ تام ہو۔ مگر اطمینان رہے کہ یہ تفصیل بقدر ضرورت ہوگی اور موضوع کتاب سے خارج نہ ہوگی۔ وَبِاللہِ التَّوْفِیْق۔

فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے

وَتَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ اور روا ہے نماز پڑھنا پیچھے ہر نیک کار اور بدکار کے اگرچہ بدکار و فاسق اور اہل بدعت کی اقتدا شرعاً مکروہ ہے۔ اور اسی سبب سے علمائے سلف نے اُن کی اقتدا سے ممانعت کی ہے۔ لیکن اصل مسئلہ نزدیک اہل السنّت والجماعت کے یہ ہے کہ فاسق و مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر اُس کی بدعت اور بدکاری منجر بکفر نہ ہو۔ فرقہ معتزلہ اگرچہ فاسق کو غیر مومن کہتا ہے۔ لیکن فسقا کی اقتدا اُن کے نزدیک بھی جائز ہے۔ اور روافض فاسق کی امامت ناجائز سمجھتے ہیں۔ وہ اِس امامتِ صغریٰ کے لئے بھی مثل امامتِ کبریٰ

کے عصمت کی قید لگاتے ہیں۔ اُن کا یہ قول فاسد اور جہالت پر مبنی ہے چنانچہ ہم عصمت کی تعریف میں اسکو بدلائل بیان کرچکے ہیں۔ دیکھو عقائد تورپشتی حلف

متقی کے پیچھے نماز پڑھنے کی فضیلت

اور نیز حدیث صحیح میں ہے۔ صَلُّوْا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ نماز پڑھو پیچھے ہر نیک کار اور بدکار۔ کے متقی کی اقتدا کرنے کی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فضیلت بہت بڑی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اس کو کسی پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور جو شخص کسی فقیہ متقی کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اس کو اتنا ثواب ملتا ہے۔ گویا اُس نے آنحضرت علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی ؛

کن لوگوں کی اقتدا ناجائز ہے۔

اور بعض کتب میں ہے کہ دس قسم کے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا روا نہیں ہے۔ مرد کا عورت اور کودک یعنی نابالغ لڑکے کے پیچھے نماز کا پڑھنا۔ اور جامہ دار کا بے جامہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے پیچھے۔ اور غیر معذور کا معذور کے پیچھے۔ اور عالم کا اُمی کے پیچھے۔ اور راکع و ساجد کا اشارہ سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے۔ اور گویا کا گونگے کے پیچھے۔ اور ایسے شخص کی اقتدا بھی روا نہیں ہے۔ جو اداے حروف پر قادر نہ ہو۔ یا قادر تو ہو۔ مگر غیر صحیح پڑھتا ہو۔ اور مفید المستفید میں ہے کہ پندرہ شخصوں کی امامت مکروہ ہے مبتدع۔ مدبر۔ مکاتب۔ اعرابی۔ فاسق۔ حرام زادہ۔ دیوانہ۔ مغنی۔ نابینا۔ دائمی بے خرد۔ ماسک یعنی جو پیشاب پائخانہ کی حاجت کو باوجود غلبہ کے روک کر نماز پڑھتا ہے۔ شرابی۔ شطرنج باز۔ چوسر باز۔ اور امرد ؛

امام میں دس صفتوں کا ہونا ضروری ہے

فقیہ ابو اللیث تنبیہ میں لکھتے ہیں کہ امام میں دس صفتوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ اُس کی اور اُس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز درست اور کامل ہو۔ اول قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھے آواز بنا کر نہ پڑھے۔ دوسرے تکبیرات کو پورے آواز سے ادا کرے۔ تاکہ مقتدی صاف طور پر سن لیں تیسرے رکوع و سجدہ کو اطمینان سے ادا کرے۔ چوتھے اپنے کو حرام شتبہ سے نگاہ رکھے پانچویں اپنے بدن اور جامہ کو نجاست خفیفہ اور غلیظہ سے نگاہ رکھے چھٹے قرأت دراز نہ پڑھے۔ مگر اُس وقت کہ قوم کی خواہش ہو اور وہ راضی ہو۔ ساتویں عجب و تکبر نہ کرے۔ آٹھویں نماز سے باہر نہ ہو جب تک مومنین کے لئے طلب آمرزش نہ کرے۔ نویں نماز کے بعد کی دُعا میں اپنی ذات کو مخصوص نہ کرے بلکہ سب کے واسطے دُعا مانگے۔ دسویں جب کوئی مسافر یا مسکین اُس کی مسجد میں پہنچے تو اس سے کوئی چیز طلب نہ کرے۔ اِس کے سوا امام کے لئے اور بہت سے خصائص مطولات میں منقول ہیں۔ وہاں تلاش کرنا چاہیے۔

وَتَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ عَلٰی کُلِّ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ اور روا ہے نماز پڑھنا اوپر ہر نیک کار و بدکار کے جب اُس کی موت ایمان پر ہوتی ہو۔ اِسی پر اجماع ہے۔ اور اِسی کا مؤید قول آنحضرت کا ہے۔ لَا تَدَعُوا الصَّلٰوۃَ عَلٰی مَنْ مَاتَ مِنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ یعنی اہل قبلہ سے جو کوئی بھی مرے اُس کی نماز جنازہ پڑھو۔ اور ترک نہ کرو۔ وَنَکُفُّ عَنْ ذِکْرِ الصَّحَابَۃِ اِلَّا بِخَیْرٍ اور ہم گروہ اہل السنت والجماعت تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر نیکی کے ساتھ کرتے ہیں۔ اِس واسطے کہ نصوص قرآنی بالعموم جملہ صحابہ کرام کی ثنا و صفت میں نازل ہوئی ہیں۔ اور نیز احادیث صحیحہ اُن کی صفت میں اور اُن کی بدگوئی سے باز رہنے کے وجوب میں بہ کثرت وارد ہیں۔ ایک حدیث میں ہے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ بہتر زمانہ میرے صحابہ کا ہے پھر تابعین کا۔ پھر تبع تابعین کا۔ اور فرمایا لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ

صحابہ کرام کی فضیلت

اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ نہ بدگوئی کرو میرے صحابہؓ کی
پس اگر تم خدا کی راہ میں اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر ڈالو۔ جب بھی میرے
کسی ایک صحابی کے ایک مد یا نصف کے برابر بھی نہ پہنچو گے۔ اور فرمایا۔ اَکْرِمُوْا
اَصْحَابِیْ فَاِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ میرے بعد صحابہ کا اکرام کرو۔ کیونکہ وُہ تمہارے خیار
ہیں۔ اور فرمایا۔ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ
فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ
وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَى
اللّٰهَ تَعَالٰى فَيُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهُمْ یعنی میرے صحابہؓ کے باب میں
خدا سے ڈرو۔ میرے بعد اُن کو اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے غرض نہ بنالو
پس جو شخص اُن کو محبت کرتا ہے۔ وہ میری محبّت سے اُن کو دوست رکھتا ہے
اور جو شخص اُن سے بغض رکھتا ہے۔ تو میری دشمنی سے اُن کو دشمن رکھتا ہے۔
یعنی اُن کی محبّت میری محبّت ہے اور اُن سے بغض رکھنا مجھ سے بغض رکھنا
ہے۔ اور جو شخص صحابہ کو اذیت دیتا ہے وہ مجھے اذیت دیتا ہے۔ اور جو
مجھے اذیت دیتا ہے وہ خدا کو اذیت دیتا ہے۔ اور جو خداوند تعالیٰ کو اذیت دیتا
ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو عنقریب پکڑ لیگا۔

تمام صحابہؓ عدول ہیں

اسی بنا پر تمام علما کا مذہب ہے کہ جملہ صحابہ کرام قبل فتنہ علی و عثمان
کے اور نیز اُس کے بعد عدول ہیں۔ اُن میں سے کسی کی بدگوئی نہ کرنی چاہئے۔
اُس کا مؤید قول آنحضرتؐ کا ہے۔ اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ
اهْتَدَيْتُمْ میرے صحابہ ستاروں کی مثل ہیں۔ جس کے پیچھے چلو گے۔ رستہ پر
پہنچ جاؤ گے۔ رواہ الدارمی اور ابن دقیق العید اپنے عقیدہ میں کہتے ہیں۔ کہ
صحابہ کرام میں باہم جو تنازعات واقع ہوئے ہیں۔ اور اُن میں بکثرت اختلاف
بیانات و روایات پایا جاتا ہے۔ تو یاد رکھو۔ کہ اُس بیان میں باطل و کذب بہت
ہے۔ پس اُن کی جانب التفات نہ کرو۔ اور ان منازعات میں درایت کی ذریعہ

جدنا صحت و ثبوت کو پہنچا ہو اُس کی بھی ایسی بہتر تاویل کرو۔ جو نیک اور اُن بزرگوں کے مراتب عالیہ کے موافق ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں تمام صحابہ رض کی وقوع تنازع سے پہلے ہی مدح فرمائی ہے۔ تو اُس کے بعد کا کلام اکثر روافض کا تراشا ہوا ہے وہ مشکوک و موہوم اور محتمل تاویلات کا ہے۔ لہذا مشکوک و موہوم حق اور راست کو نہیں جھٹلا سکتا۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں ھٰذَا دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ اَيْدِيْنَا عَنْهَا فَلَا نُلَوِّثُ اَلْسِنَتَنَا بِهَا یعنی خدا نے ان خونریزیوں سے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے۔ تو ہم اُن کی (صحابہ کی) بدگوئی سے اپنی زبانوں کو ملوث و آلودہ نہ کرینگے۔ حضرت امام احمدؒ سے کسی نے جناب علی رض و عائشہ رض کی مشاجرات کی بابت استفسار کیا۔ تو آپ نے فرمایا تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یعنی وہ ایک گروہ تھا کہ گیا اُن کا کسب اُن کے ساتھ گیا۔ اور تمہارا کسب تمہارے لئے ہے تم اُن کے کسب سے سوال نہیں کئے جاؤ گے۔ حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں۔ لَوْلَا عَلِیٌّ لَمْ یُعْرَفِ السِّیْرَۃُ فِی الْخَوَارِجِ یعنی اگر جناب علی رض نہ ہوتے تو فرقہ خوارج کی تفسیر سے آگاہی نہ ہوتی۔ دو فرقہ ہیں۔ جو صحابہ کی بدگوئی سے اپنے لئے عذاب آخرت جمع کرتے ہیں ایک روافض جو اصحاب ثلثہ اور مخالفین علی کو بُرا کہتے ہیں۔ دوسرے خوارج جو جناب علی کی اور اُن کے دوستوں کی بدگوئی کرتے ہیں عقلاً و نقلاً دونوں ہی ایک نہایت خبیث فعل کے مرتکب ہیں۔ لیکن فرقہ اہل السنت و الجماعت کا مسلک یہ ہے کہ وُہ تمام صحابہ رض کو بلا استثنا عدول یقین کرتے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض صحابہ رض کے باہم جو تنازعات مروی ہیں۔ اُن کو اُن کی اجتہادی غلطی پر محمول کرتے ہیں۔ فساد و اصرار کی وجہ سے گمان نہیں کرتے۔ غرض سب کے ساتھ حسن ظن کرتے ہیں۔ موافق نصوص قرآنیہ و احادیث صحیحہ کے۔ اِس صورت میں خود ظاہر ہے کہ صحابہ کو بُرا کہنا اور اُن پر طعن کرنا اگر مخالف دلائل قطعیہ کے ہو تو کفر ہے۔ جیسا قذف عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ورنہ اُس کے بدعت اور فسق ہونے میں تو کلام ہی نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سلف مجتہدین اور علمائے صالحین سے معاویہ رض اور اُن کے احزاب پر لعن کرنا غیر منقول ہے ÷

یزید اور اہل قبلہ پر لعنت کی تحقیق

اور یزید پر لعنت کرنے میں علما کا اختلاف ہے خلاصہ میں ہے کہ یزید اور حجاج پر لعنت کرنا ہمیں زیبا نہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے نمازیوں اور اہل قبلہ پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یزید پر لعنت کرنے کے جواز کے باب میں سوال کرے کہ اُس پر لعنت جائز ہے یا نہیں۔ کیونکہ وہ قاتل حسین علیہ السلام ہے۔ یا کم از کم اُس نے حسین رض کے قتل کا حکم کیا ہے۔ تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔ یہ مطلق ثابت نہیں کہ اس نے حسین علیہ السلام کو قتل کیا۔ یا اُن کے قتل کا حکم دیا۔ اور اس طرح کہنا بھی جائز نہیں۔ پھر لعنت کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے بدون تحقیق کے تو مسلمان کو کبیرہ گناہ کی طرف منسوب کرنا بھی درست نہیں ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابن ملجم نے علی رض کو قتل کیا یا ابو لولو نے عمر رض کو قتل کیا۔ کیونکہ یہ واقعات بتواتر اخبارات ثابت ہیں ؂

القصہ لوگوں پر لعنت کرنے میں خطرہ ہے اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں۔ اگر وہ سکوت لعن ابلیس سے کیوں نہ ہو۔ اگر کہا جائے کہ بعض اہل قبلہ پر لعنت کرنا خود آنحضرت صلعم سے منقول ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ آنحضرت احوال خلق سے پورے واقف تھے۔ کوئی دوسرا آپ جیسا واقف نہیں ہو سکتا۔ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد میں لکھتے ہیں کہ یزید پر لعنت کرنے میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض تو لعنت کو جائز نہیں کہتے۔ اور بعض اس خیال سے جائز کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک یزید نے حسین رض کے قتل کا حکم کیا۔ اور وہ آپ کے قتل سے راضی و مستبشر ہوا۔ لیکن قاتل یا آمر اور مجیز قتل حسین پر لعنت کرنے سے کسی کو انکار نہیں۔ پھر لکھا ہے۔ اگر جیسا کہ ہمیں روایات متواتر بالمعنی سے ثابت ہوا۔ یزید نے قتل حسین رض کا حکم کیا ہے۔ یا اُس پر راضی ہوا یا اجازت دی ہے تو ہم اس صورت میں کبھی سکوت نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمیں اُس کے مومن ہونے سے بھی انکار ہے۔ خدا اُس پر اور اُس کے انصار و اعوان پر لعنت کرے ؂

عشرہ مبشرہ

وَنشھد بالجنّۃِ للعشرۃِ الّذین بشّرھم النبی صلی اللہ علیہ وَسلم اور ہم گواہی دیتے ہیں اُن دس آدمیوں کے جنتی ہونے کی جن کی بابت آنحضرت نے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ چنانچہ فرمایا۔ ابوبکر فی الجنۃ وَ عمر فی الجنۃِ وَ عثمان فی الجنۃ وطلحۃ فی الجنۃ وَزبیر فی الجنۃ وعبد الرحمٰن فی الجنۃ وسعد ابن ابی وقاص فی الجنۃِ وَ سعید ابن زید فی الجنۃ وابوعبیدۃ بن الجراح فی الجنۃِ اور اسی طرح حضرت فاطمہؓ اور حسینؓ وحسنؓ کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ کیونکہ حدیث صحیح میں وارد ہے ان فاطمۃ سیدۃ النساء اھل الجنۃ وَالحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ یعنی بیشک فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور حسن وحسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ اور ہم تمام صحابہ کا ذکر خیر سے کرتے ہیں۔ اور اُن میں سے کسی ایک کو معین کرکے جنتی یا دوزخی نہیں کہہ سکتے۔ ہاں خدا سے اُمید ہے کہ صحابہ کرام کے مراتب غیر صحابہؓ سے ضرور برتر اور بالاتر ہونگے۔ بلکہ اس بات کی علی العموم گواہی دیتے ہیں کہ مومنین جنتی ہیں۔ اور کفار دوزخی کسی شاعر نے عشرہ مبشرہ کے اسمائے گرامی کو نظم کیا ہے جو بغرض یادداشت یہاں نقل کیے جاتے ہیں ؎

آنہا کہ بشارت از بہشت آمدشاں | بوبکرؓ وعمرؓ عثمانؓ وعلیؓ رضوان
پس سعدؓ وسعیدؓ وپس از آں طلحہؓ وزبیرؓ | آنگاہ ابوعبیدہؓ وعبدالرحمٰن

موزوں پر مسح کرنا

وَنری المسح علی الخفین فی السفر وَالحضر اور ہمارا اعتقاد ہے کہ دونوں موزوں پر مسح کرنا سفر میں درست وروا ہے۔ اگرچہ یہ امر کتاب الٰہی پر زیادہ ہے۔ لیکن خبر مشہور سے ہے۔ اسی واسطے امام کرخی فرماتے ہیں کہ جو شخص موزوں پر مسح کرنے کو روا نہیں رکھتا۔ اُس پر کفر کا خوف ہے یعنی قریب یہ کفر ہوجاتا ہے۔ مسح علی الخفین کے باب میں کسی نے جناب علیؓ سے سوال کیا

تو آپ نے کہا کہ آنحضرتؐ نے تین رات دن تک مسافر کو موزوں پر مسح کرنے کا حکم فرمایا۔ اور ایک شبانہ روز تک مقیم کو بشرطیکہ موزوں کو طہارت کامل پر پہنا ہو۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ میں نے ستر صحابہ کو پایا۔ جو موزوں پر مسح کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ بعض علما نے راویان احادیث مسح علی الخفین کے اسمائے گرامی کو جمع بھی کیا ہے۔ چنانچہ شرح العقائد پر حضرت مولانا بحر العلوم کی کتاب ارکان اربع سے ایک بسیط حاشیہ صفحہ ۱۰۸ پر لکھا ہے جس میں اُن صحابہ کرام کے نام بالتفصیل درج ہیں جن سے موزوں پر مسح کرنے کی حدیث منقول ہے۔ غرض اس باب میں ایسے آثار آئے ہیں جو حیز تواتر میں داخل ہیں۔ کسی نے حضرت انس بن مالکؓ سے سوال کیا کہ اہل السنت والجماعت کی علامت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا تحب الشیخین ولا تطعن فی الختنین و تمسح علی الخفین یعنی حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کو دوست رکھنا۔ اور حضرت علیؓ و حضرت عثمانؓ کے باب میں طعن نہ کرنا۔ اور موزوں پر مسح کرنا۔ یہ تین علامتیں اہل السنت والجماعت کی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین کا منکر اہل السنت سے خارج ہے۔ ولا نحرم نبیذ التمر اندہم حرام نہیں جانتے ہیں۔ شیرۂ خرما کو تا وقتیکہ وہ حدِ سکر کو نہ پہنچا ہو۔ اور اگر حدِ سکر کو پہنچ گیا ہو۔ تو اس کے حرام ہونے میں کسی کو تامل نہیں۔

ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچتا

ولا یبلغ ولی درجۃ الانبیاء اور ولی انبیاء کے درجہ کو نہیں پہنچتا ہے۔ اس لئے کہ انبیاء معصوم ہیں اور خوف خاتمہ سے امین وحی الٰہی او مشاہدہ ملائک سے مشرف اور تبلیغ احکام الٰہی پر مامور اور یہ خصوصیات کسی ولی کو کسی حالت میں میسر نہیں ہو سکتے پس ولی کیونکر انبیا کا درجہ پا سکتا ہے۔ بعض کرامیہ کا یہ کہنا کہ نبی ولی کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے کفر ہے۔

ہاں اس میں علما کا اختلاف ہے کہ مرتبہ ولایت افضل ہے یا مرتبہ نبوت۔ پھر بعد تحقیق دلائل فریقین کے تمام علما اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ نبی کے مرتبہ کو ولی ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اور مرتبہ نبوت حقیقت میں ولایت سے افضل ہے

ولا یصل العبد الی حیث یسقط عنہ الامر والنہی ما دام عاقلا بالغًا۔ اور انسان جب تک عاقل بالغ ہے۔ اُس سے خدا کے امر و نواہی ساقط نہیں ہوتے جب تک وہ عاقل اور بالغ ہے۔ کیونکہ تکالیف شرعی میں بلا استثنا کسی ایک کے سب کی جانب بالعموم خطاب ہے۔ اور اسی پر مجتہدین کا اجماع ہے۔ بعض اہل اباحت کا قول ہے کہ بندہ جب غایت درجہ عبادت و مجاہدہ کرکے صفائے قلب حاصل کرلیتا ہے۔ تو عبادات ظاہری اُس سے ساقط ہوجاتے ہیں۔ اُس وقت اُس کی عبادت صرف تفکر و مراقبہ تک محدود ہوتی ہے۔ یہ قول محض کفر و ضلال ہے اِس واسطے کہ دنیا کے پردہ میں بنی نوع انسان میں کامل تر آنحضرت علیہ السلام کی ذات پاک تھی۔ باوجود اِس کے آپ سے تکالیف ساقط نہیں ہوئیں۔ لیکن یہ جو حدیث میں وارد ہے۔ اذا احب اللہ عبدا لا یضرہ ذنب جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اُس کو کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ خدا اُس بندہ کو گناہ سے نگاہ و محفوظ رکھتا ہے۔ اُس کو گناہ کرنے ہی نہیں دیتا۔ جس سے اُس کو نقصان پہنچے۔ والنصوص تحمل علی ظواھرھا اور نصوص یعنی آیات و احادیث محمول ہیں اپنے ظاہر پر جب تک ظاہر سے اُن کی تاویل پر کوئی دلیل قطعی نہ ہو۔ والعدول عنہا الی معان یدعیہا اھل الباطن الحاد اور پھرنا ظاہر آیات و احادیث سے اُن معنوں کی طرف کہ دعویٰ کرتے ہیں ان معنوں کا اہل باطن الحاد ہے اور متصل بہ کفر ہے باطنیہ۔ ایک فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ آیات و احادیث محمول پر ظاہر نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے باطنی معنی ہیں۔ جن کو خدا۔ رسول اور ولی ہی سمجھ سکتا ہے۔ ایسی باتیں کرنے سے اُن کا یہ قصد ہے کہ شریعت نبوی کی کلی نفی کردیں۔ اور کوئی شخص عبادت شرعی کا پابند نہ رہے۔ ورد النصوص کفر اور رد و انکار کرنا اُن احکام کا جن کے متعلق صریح آیات و احادیث وارد ہیں اور قطعی دلائل سے ثابت ہیں۔ کفر ہے۔ جیسے انکار حشر اجساد اور وزن اعمال اور صراط وغیرہ کا کیونکہ اِس سے تکذیب خدا و رسول کی ثابت ہوتی ہے۔ اِسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگانا کفر ہے۔ کیونکہ آپ کی عصمت صریح آیات و احادیث اور دلائل قطعی سے ثابت ہے واستحلال

المعصیۃ صغیرۃ کانت او کبیرۃ کفر اور حلال جاننا گناہ کو خواہ وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ کفر ہے۔ بشرطیکہ اس کا گناہ ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہوا ہو والاستہانۃ بہا کفر اور گناہ کو ہلکا جاننا کفر ہے۔ والاستہزاء علی الشریعۃ کفر اور شریعت پر ہنسنا کفر ہے۔ اور نیز حلال اتفاقی کو حرام جاننا اور حرام اتفاقی کو حلال جاننا کفر ہے۔ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی حائضہ عورت سے وطی کرنے کو حلال جانے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور امام محمدؒ نوادر میں لکھتے ہیں کہ کافر نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی اپنی عورت سے لواطت کرنے کو حلال جانے۔ تو بعض کے نزدیک کافر ہوتا ہے۔ اسی طرح اسمائے الٰہی اور اوامر خداوندی کے ساتھ ہزل کرنا کفر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کلمہ کفر کہے۔ اور دوسرا بر سبیل رضا خندہ کرے۔ تو دونوں کافر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص واعظین کی طرح منبر پر چڑھے۔ اور ایک جماعت اس کے گرداگرد بیٹھ کر مزاح کے طور پر اس سے مختلف مسائل پوچھے۔ اور اس کی ہنسی اڑاوے۔ تو سب کافر ہو جاتے ہیں۔

تحفۃ المسائل میں ہے کہ اگر کوئی شخص اہانت کے طور پر عالم کی کفش کو کفشک کہے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی عالم کی طرف تیز نظر سے دیکھے۔ تو کافر ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ سراجی میں ہے کہ اگر خطیب خطبہ پڑھنے کے وقت کسی ایسے بادشاہ کو جو ظالم ہو۔ عادل کہے۔ تو کافر ہو جاتا ہے۔ امام منصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہمارے زمانہ کے بادشاہوں کو عادل کہے تو کافر ہو جاتا ہے فتاوے امام زاہد میں ہے کہ حیلہ شرعی کا منکر کافر ہے۔ اگر کوئی کسی کو کفر کا حکم کہے یا اس کا عازم ہو۔ یا کسی عورت کو فتویٰ دے کہ کافر ہونا شوہر سے جدا ہونے یا شراب پینے اور پیاز کھانے کے وقت بسم اللہ کہے۔ تو کافر ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی قصداً غیر قبلہ کی طرف یا بے طہارت نماز پڑھے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کلمہ کفر کو خفیف جاننا کفر ہے۔ اگرچہ اس پر اعتقاد نہ ہو۔ الیٰ غیر ذالک من الفروعات۔

ایک دعا جو ہر قسم کے کفر سے پاک کرتی ہے

چونکہ کلمات کفر کا احصا ممکن نہیں۔ اور اگرچہ بعض علما مثل ملا علی قاری
اور مولانا فتح محمد برہان پوری اور مولانا قطب الدین رحمہم اللہ نے اپنی معتبر کتب
میں بقدر امکان اُن کا احصا کیا ہے۔ تاہم وہ کلمات کفر کا شمار و احصا نہیں
کر سکے۔ اس واسطے ہم تمام تمام کفر سے پاک ہونے کے لئے یہاں ایک حدیث
نقل کرتے ہیں۔ جو حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمائی۔ حضور
نے فرمایا کہ ہر روز صبح کے وقت اور شام کے وقت ایک ایک مرتبہ ان کلمات
کو پڑھ لیا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ شَیْئًا وَّ اَنَا
اَعْلَمُ وَاسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَآ اَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلَّامُ الْغُیُوْبِ
یعنی اے اللہ میرے میں بہ تحقیق تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اس امر سے۔ کہ
میں تیرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کروں۔ اور میں اس کو جانتا ہوں۔ اور
میں تجھ سے اے اللہ مغفرت چاہتا ہوں اس چیز سے کہ میں اس کو نہیں جانتا۔
بے شک تو بہت جاننے والا غیب کی باتوں کا ہے۔ جب کوئی مسلمان ان
کلمات کو پڑھ لیگا (تو اگرچہ اس سے کلمہ کفر سرزد ہوا ہو تاہم) وہ از سر نو مسلمان
ہو جائیگا۔ اور چاہیئے کہ بندہ جتنی مرتبہ کلمہ شہادت پڑھے تو یہ نیت کرے کہ
اگر مجھ سے دانستہ کوئی کفر ظہور میں آیا ہو۔ تو میں کلمہ پڑھتا ہوں۔ تاکہ از سر نو
مسلمان ہو جاؤں۔ والیاس من اللہ تعالیٰ کفر اور نا امید ہونا حق سبحانہٗ تعم
سے کفر ہے۔ کہ قرآن میں وارد ہے لا یایئس من روح اللہ الا القوم
الکافرون نا امید نہیں ہوتے رحمتِ الٰہی سے مگر کافروں کی قوم والامن
من اللہ تعالیٰ کفر اور ایمن ہونا اللہ تعالیٰ سے کفر ہے۔ کیونکہ حق تعالےٰ
نے فرمایا۔ لا یامن من مکر اللہ الا القوم الخاسرون ایمن نہیں
ہوتے اللہ کے عذاب سے مگر خسارہ پانے والے یعنی کافر لوگ کہ اُن کو
عاقبت میں سوائے خسارہ کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

عدم تکفیر اہل قبلہ کے معنی

اگر کہا جاوے کہ تم یاس اور امن وغیرہما کو کفر کہتے ہو۔ حالانکہ اہل قبلہ کو کافر نہ چاہیئے کہ ان کی تکفیر خود کفر ہے۔ جواب یہ ہے کہ کفر سے ہماری مراد یہاں کفر حقیقی نہیں ہے۔ بلکہ مجازاً اُن لوگوں پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ اُن سے وہ چیز صادر ہوتی ہے۔ جو کفر پر دلالت کرتی ہے۔ اور کفر حقیقی کہتے ہیں۔ انکار قلبی کو۔ جو تصدیق کے مقابل ہے۔ اور عدم تکفیر اہل قبلہ کے یہ معنی ہیں کہ جب تک کسی اہل قبلہ سے ایسی بات سرزد نہ ہو۔ جو کفر حقیقی پر دلالت کرتی ہے یا جو موجب کفر ہے۔ مثلاً انکار حشر اجساد وغیرہ تب تک اُس کی تکفیر نہیں کرنی چاہیئے غرض جو شخص ضروریاتِ دین کا منکر ہو۔ اگرچہ وہ اہل قبلہ سے ہو۔ اُس کی تکفیر اہل السنت والجماعت کے نزدیک روا ہے۔ ورنہ نہیں۔ اور مراد اہل قبلہ سے وُہ لوگ ہیں جو ضروریاتِ دین مثل حدوث عالم حشر اجساد اور خدا تعالیٰ کے عالم کلیات وجزئیات ہونے پر متفق ہیں۔ پھر اگر کوئی شخص تمام عمر مشغول بہ طاعاتِ الٰہی رہے۔ مگر قدم عالم اور عدم حشر اجساد وغیرہ کا قائل ہو۔ تو وہ ہرگز اہل قبلہ سے نہیں ہو سکتا اِس کلیہ کے موافق ہر ایک فرقہ اور شخص کی حالت کو دیکھ لینا چاہیئے۔ اس کے بعد اُس کی تکفیر پر حکم لگانا چاہیئے +

کاہن کو سچا جاننا کفر ہے

وتصدیق الکاہن بما یخبر عن الغیب کفر اور کاہن کو سچا جاننا غیب کی خبر دینے میں کفر ہے۔ اس واسطے کہ رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من اتی کاھنا فصدقہ بما یقول فقد کفر بما انزل اللہ علیٰ محمد یعنی جو شخص کاہن کے پاس آیا اور اُس نے اُس کے کہنے کو سچا جانا تو تحقیق اُس نے کفر کیا۔ اُن احکام کا جو خدا نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کیئے ہیں۔ اور کاہن اُس شخص کو کہتے ہیں۔ جو آئندہ زمانے کے حالات کے علم کا دعویٰ کرے۔ اور معرفت اسرار اور مطالعہ علم غیب کا مدعی ہو۔ عرب میں مختلف قسم

کے کاہن تھے۔ بعض تو یہ دعوی کرتے کہ جن اُن کو غیب کی خبریں آکر دیتے ہیں اور بعض کہتے تھے کہ ہم اپنی خداداد فہم سے امورِ آئندہ کی معرفت کر لیتے ہیں۔ اور علمِ نجوم جاننے والا جب دعوی کرے امورِ آیندہ کی معرفت کا تو وہ مثل کاہن کے ہے۔ اور یہی حال ہے ہر ایسے شخص کا جو علمِ غیب کا مدعی ہو بایت ہیہ ہے کہ علمِ غیب ایک ایسا امر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے۔ کسی بشر کو اُس پر اطلاع نہیں ہو سکتی۔ اور انبیاء جو امورِ غیبیہ سے واقف تھے۔ وہ اِس طرح تھا کہ خدا تعالیٰ وحی اور الہام کے ذریعہ اُن امورات پر اُن کو مطلع فرما دیتا۔ اور پھر وہ بشرطِ اجازت مخلوق پر اُن اُمورات کو ظاہر کرتے۔ اِسی طرح اولیا۔ اور خاصانِ خدا بعض غیبی باتوں پر باعلام خدائے عزّوجل اطلاع رکھتے ہیں۔

مُردہ کو ثواب پہنچتا ہے

والمعدوم لیس بشیئ اور اہل السنت و الجماعت کے نزدیک معدوم کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شے کو وجود و ثبوت کے معنی میں اطلاق کرتے ہیں اور معدوم کے معنے منفی و غیر موجود کرتے ہیں۔ اور نفی و اثبات میں تضاد ہے۔ وَ فی دعاء الاحیاءِ للمیت و صدقاتہم عنہم نفع لھم اور زندوں کے دعا کرنے میں میّت اور مُردوں کے لئے اور اُن کے صدقہ دینے میں میّت کی طرف سے نفع ہے۔ واسطے میّت کے یعنی اگر زندہ میّت کے لئے دعا کرے یا اُس کی طرف سے کوئی صدقہ کرے تو اُس دعا و صدقہ سے نزدیک اہل السنت و الجماعت کے میّت کو نفع پہنچتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ نمازِ جنازہ میں میت کے واسطے دعا واقع ہوئی ہے۔ اور حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس میّت پر سو اور ایک حدیث میں آیا ہے۔ چالیس مسلمان نماز با جماعت ادا کرتے اور اُس کے لئے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ اُس کی دعا و شفاعت کو میّت کے حق میں قبول فرماتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ دعا بلا کو رفع کرتی ہے۔ اور صدقہ خدا کے غضب کو بجھاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے۔ کہ العالم و المتعلم اذا مرا علیٰ قریۃ فان اللہ تعالیٰ یرفع

العذاب عن مقبرۃ تلك القریۃ اربعین یومًا۔ یعنی عالم اور متعلم جب کسی گاؤں پر گذرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے قبرستان سے عذاب اُٹھا لیتا ہے چالیس دن تک اور اس باب میں آیات و احادیث بہت ہیں۔ یہاں اُن سب کا نقل کرنا ضروری نہیں +

وَاللہ تعالیٰ یجیب الدعوات ویقضی الحاجاتِ اور اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول کرتا۔ اور حاجتوں کو برلاتا ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ مجھ کو پکارو کہ میں تمہاری دعا کو قبول کروں۔ اور رسول علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ جب تک وہ کسی گناہ یا قطع رحم کے لئے دعا نہ کرے۔ اور چاہئے کہ دعا میں جلدی نہ کرے کہ یہ بات اجابت سے محرومی کا باعث ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اے مومنو! تمہارا پروردگار باحیا اور باکرم ہے۔ اُس کو اپنے کرم سے شرم آتی ہے کہ بندہ اُس سے دعا کرے۔ اور خدا اُس کو بدوں قبول کے پلٹا دے۔ اور دعا میں اصل بات جمعیت حضور قلب ہے۔ اس واسطے کہ بے حضوری کی دعا مقرون باجابت نہیں ہوتی +

بعض علماء کہتے ہیں کہ کفار کی دعا بھی مقبول ہوتی ہے۔ بدلیل اس آیت کے رب انظرنی الیٰ یوم یبعثون اس آیت سے ثابت ہے کہ خدا نے ابلیس کی دعا کو قبول فرمایا۔ اور اُسے قیامت تک مہلت عطا فرمائی لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں۔ بدلیل اس آیت کے وَمَا دعاء الکافرینَ اِلَّا فِیْ ضَلَالٍ اور حدیث میں جو آیا ہے دعاء المظلوم مُسْتَجَابٌ وَ ان کان کافرًا یعنی مظلوم کی دعا مقبول ہے۔ اگرچہ وہ کافر ہو۔ تو مراد کافر سے یہاں کفران نعمت کرنے والا ہے نہ وہ کافر جو ضد مومن کی ہے +

وَمَا اخبر بہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من اشراطِ الساعۃِ من خروج الدجال ودابۃ الارض ویاجوج وماجوج وَ نزول عیسیٰ علیہ السلام من السماءِ وطلوع الشمس من مغربہا فھو حق اور آنحضرت نے قیامت کی علامتوں کے ظہور کی بابت جو خبر دی ہے

جیسے دجال کا خروج کرنا اور دابۃ الارض کا اور یاجوج و ماجوج کا نکلنا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا۔ اور مغرب سے سورج کا نکلنا یہ سب حق ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو عقائد تورپشتی صفحہ

وَالمجتھد قد یخطی وقد یصیبُ اور مجتہد کی رائے مسائل فرعیہ شرعیہ میں کبھی خطا کرتی ہے۔ اور کبھی صواب اور مجتہد کو خطا پر بھی اجر ہے ؏

اس مسئلہ میں علمائے امت یعنی بعض اشاعرہ اور معتزلہ کا اختلاف ہے۔ مگر ہم بخیال اختصار اُس کے ذکر کو قلم انداز کرتے ہیں۔ اور مجتہد کے اجتہاد کے مخطی اور مصیب ہونے کے باب میں جو احادیث و آثار وارد ہیں صرف اُنہیں کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ان اَصَبْتَ فلکَ عشر حسناتٍ وَاِن اخطات فلکَ حسنۃ واحدۃ یعنی اگر تو نے اپنے اجتہاد میں پوری کامیابی موافق کتاب و سنت و اجماع امت کے حاصل کی۔ تو تیرے لئے دس نیکیاں ہیں۔ اور اگر تو نے سہواً بہ تقاضا ئے بشریت خطا کی تو تیرے لئے ایک نیکی ہے۔ دُوسری حدیث میں ہے جَعَلَ للمصیب اجرین و للمخطی اجراً واحداً اجتہاد میں مصیب کے لئے دو اجر ہیں۔ اور خطا کرنے والوں کے لئے ایک اجر ہے۔ اور ابن مسعودؓ سے ہے کہ اِنْ اَصَبْتُ فَمِنَ اللّٰہِ وَاِلَّا فَمِنِّیْ وَمِنَ الشَّیْطَانِ یعنی اجتہاد میں میرا مصیب ہونا خدا کی جانب سے ہے اور میرا مخطی ہونا خود میرے سہو اور شیطانی وسوسہ سے ہے ؏

اِن احادیث منقولہ سے ظاہر ہے کہ مجتہد اجتہاد میں کبھی صواب پر ہوتا ہے۔ اور کبھی غلطی پر۔ لیکن چونکہ اُس سے عمداً اور دانستہ غلطی سرزد نہیں ہوتی۔ اور اُس کی تمام ہمت و فہم صواب کی تلاش میں مصروف و منہمک ہوتی ہے۔ اس لئے اُس کو غلطی پر بھی اجر ملتا ہے۔ ھٰذا ما اردنا ان نختصر فی المطالب وان شئت تفصیلاً فعلیک بالمطولات ؏

ورسل البشر افضل من رسل الملائکۃ و رسل الملائکۃ افضل من عامۃ البشر و عامۃ البشر افضل من عامۃ الملائکۃ یعنی بشر کے رسول ملائکہ کے رسولوں سے افضل ہیں۔ اور ملائکہ کے رسول عام انسانوں سے افضل ہیں۔ اور عام انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ یہ بیان اجمالی ہے۔ اور دلائل اس کے کتاب عقائد تو ریشتی میں مرقوم ہیں۔ بعضہ ملاحظہ فرماویں ؞

تمت بالخیر

اطلاع عام

خاکسار مصنف کتاب ہذا نے اس کتاب کے تمام حق حقوق بموجب ایکٹ نمبر ۳ سنہ ۱۹۱۴ء کے رو سے بغرض طبع ملک چنن الدین خلف الرشید ملک فضل الدین ککے زئی۔ تاجر کتب قومی مالک اللہ والے کی قومی دکان، بازار کشمیری لاہور کو ہمیشہ کے لئے دے دی ہے۔ لہٰذا کوئی صاحب بغیر اجازت ملک صاحب موصوف قصد طبع نہ فرماویں۔ اس لئے یہ چند سطور بطور اطلاع عام لکھ دی ہیں۔ فقط

المشتہر

اختر محمد خاں رامپوری